

روزانہ درس قرآن کریم

تفسیر

① سُورَةُ الْفِرْقَانِ (مکمل)

② سُورَةُ الشُّعَرَاءِ (مکمل)

③ سُورَةُ النَّملِ (مکمل)

④ سُورَةُ الْقَصَصِ (مکمل)

⑤ سُورَةُ الْعَنَكِبُوتِ (مکمل)

⑥ سُورَةُ الرُّومِ (مکمل)

جلد : ۱۴
— افادات —

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامہ

خطیب جامع مسجد نور گوہر النوالہ پاکستان



تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاؤن لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

منطق	خطبات	تفاسیر
معانی	سیرت	احادیث
تصوف	تاریخ	فقہ
تقابل ادیان	صرف	سوانح حیات
تجوید	نحو	درس نظامی
نعت	فلسفہ	لغت
تراجم	حکمت	فتاوی
تبلیغ و دعوت	بلاغت	اصلاحی
تمام فنون	مناظرے	آڈیو درس

جملہ حقوق بحق مکتبہ محفوظ ہیں

نام کتاب _____ معلم القرآن فی دروس القرآن (مورقہ القرآن تا المزمع)
 لغات _____ حضرت مولانا مصوفی مہدائید سوانی فطیب مسجد نور گوجرانوالہ
 مرتب _____ الحاج اعلیٰ دین الہم اساتذہ علوم اسلامیہ لاہور
 مطبع _____ النمل سناری پریس لاہور
 تعداد طباعت _____ پانچ سو روپے (۵۰۰)
 ورق _____ سید الخاطمین حضرت شہنشاہ فیض اہل بیت مدظلہ
 مقامات _____ محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
 تاثر _____ مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
 قیمت _____ ۲۷۰ روپے (270)
 تاریخ طباعت _____ جون ۲۰۰۱ء مطابق جمادی الاول ۱۴۲۹ھ
 طے نہ پتہ _____

1- مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

2- مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

3- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

4- مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

5- کتب خانہ مجیدیہ بیرون ہٹ گیٹ ملتان

6- مکتبہ طہیمیہ جامعہ ہنوریہ سائٹ کراچی ۱۶

7- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

8- اسلامیہ کتب خانہ اذاعی ایبٹ آباد

9- مکتبہ العلم اردو بازار لاہور

10- مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۲

صفحہ	مضامین سے	صفحہ	مضامین سے
۴۷	بازاروں میں جانا	۲۱	پیش لفظ از الحاج نعل دین
۴۷	معتبر ضمیمہ کا تصور رسالت	۲۷	سخنہ گفنی از محمد فیاض خان سواتی
۴۹	معتبر ضمیمہ کی گمراہی	۳۱	سورة الفرقان مکمل
۵۰	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۶)	۲۲	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳)
۵۱	رابطہ آیات	۳۳	نام اور کوائف
۵۲	نبی کے لیے دینی لوازمات	۳۳	رابطہ سورة
۵۳	مضمون علیہ السلام کی انکساری	۳۵	کمال عبدیت
۵۴	وقوع قیامت کی تکذیب	۳۶	نزول قرآن کی غایت
۵۵	دوزخیوں کی جہنم دیکھ	۳۶	توحید خداوندی
۵۶	مستحقوں کے لیے انعامات	۳۸	سفسفہ تخلیق
۵۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۰ تا ۲۰)	۳۸	نفع نقصان کا اختیار
۵۹	رابطہ آیات	۴۰	درس سوم ۲ (آیت ۴ تا ۹)
۶۱	بور کا معنی	۴۱	رابطہ آیات
۶۲	معبودان کا اعلان بنیاری	۴۱	قرآن پاک پر اعتراض
۶۳	بشریت رسل	۴۲	اللہ کی طرف سے جواب
۶۵	بازار میں جانا	۴۴	پیغمبر خدا پر اعتراض
۶۶	ایک دوست کیلئے آزمائش کا ذریعہ	۴۶	لمبی کی امتیازی حیثیت

۹۷	باطل پر ڈٹے سہنے کی خواہش	۶۷	نظریہ مساوات
۹۸	خواہشاتِ نفسانی بطور مجبور	۶۹	درس پنجم ۵ (آیت ۲۱ تا ۲۹)
۱۰۰	چار چیزیں ذریعہ آزمائش	۷۰	رابط آیات
۱۰۱	قانون کی پابندی	۷۱	فرشتوں اور مردے ملاقات کی خواہش
۱۰۱	جانوروں سے بہتر انسان	۷۲	بوقت موت فرشتوں سے ملاقات
۱۰۲	صاحبِ درس کا جانور کے برابر فانی تجربہ	۷۲	اعمال کا ضیاع
۱۰۴	درس نہم ۹ (آیت ۲۵ تا ۳۷)	۷۳	نزولِ ملائکہ
۱۰۴	رابط آیات	۷۴	سلطنتِ خداوندی
۱۰۵	سایہ بطور دلیلِ قدرت	۷۵	چچی اور بری مجلس
۱۰۶	سائے کے فوائد	۷۶	صحبت کا اثر
۱۰۷	سائے کے نقصانات	۷۸	درس ششم ۶ (آیت ۳۰ تا ۳۴)
۱۰۸	سائے کی حقیقت	۷۹	رابط آیات
۱۱۰	رات، فینہ اور دن	۷۹	ترکِ قرآن پر گراہی
۱۱۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۸ تا ۵۲)	۸۱	حضورِ علیہ السلام کے لیے تسلی
۱۱۳	رابط آیات	۸۲	بتدریج نزولِ قرآن پر اعتراض
۱۱۴	بارانِ رحمت کی دعائیں	۸۳	جوابِ دل کی پہنچ
۱۱۳	پاکیزہ پانی کا نزول	۸۴	جوابِ ازالہ شبہات
۱۱۴	پانی کی افادیت	۸۵	پہرہ دل کے بلِ بعث
۱۱۶	پانی کی فوری پہلائی	۸۷	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۵ تا ۴۰)
۱۱۷	منذرين کی بعثت	۸۸	رابط آیات
۱۱۹	اعدائے دین	۸۹	موسیٰ اور فرعون کا واقعہ
۱۲۰	جہادِ مسل	۹۱	قومِ نون کی ہلاکت
۱۲۱	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۳ تا ۵۵)	۹۲	عاد، ثمود اور کنوزی والوں کی تباہی
		۹۳	دیگر اقوام کا حق
		۹۴	درس ششم ۸ (آیت ۴۱ تا ۴۴)
		۹۷	رابط آیات

۱۲۱	چال میں طمانیت	۱۲۵	ربط آیات
۱۲۲	(۲) سلام متارکت	۱۲۶	دو تضاد پانیوں کا ملاپ
۱۲۳	(۳) سجود و قیام	۱۲۷	مشابہات قدرت
۱۲۵	(۴) جہنم سے دور رہنے کی دعا	۱۲۸	پانی پینے کی دعا
۱۲۶	(۵) خرچ میں میاند روی	۱۲۹	قطرۃ آب کے تخلیق الہی
۱۲۷	درس پانزدہم (آیت ۶۸ تا ۷۲)	۱۳۰	غیر اللہ کی عبادت
۱۲۸	ربط آیات	۱۳۱	درس دوازدہم (آیت ۵۶ تا ۶۰)
۱۲۹	(۶) شرک سے بیزاری	۱۳۲	ربط آیات
۱۳۰	(۷) قتل نفس سے اجتناب	۱۳۳	انذار بمشیر
۱۳۱	(۸) زنا سے پرہیز	۱۳۴	بے لوث تبلیغ
۱۳۲	(۹) توبہ اور امانت	۱۳۵	توکل علی اللہ
۱۳۳	(۱۰) جھوٹ سے پرہیز	۱۳۶	تخلیق ارض و سما
۱۳۴	(۱۱) لغویات سے کنہ کشی	۱۳۷	استوی علی العرش
۱۳۵	درس شانزدہم (آیت ۷۲ تا ۷۷)	۱۳۸	جہنم کے سلسلے سجدہ
۱۳۶	(۱۲) آیات الہی میں غور و فکر	۱۳۹	درس سیردہم (آیت ۶۱ تا ۶۲)
۱۳۷	تعلیم و تعلم	۱۴۰	آسمانی برج
۱۳۸	(۱۳) ازواج و اولاد کی فخر	۱۴۱	معروف بارہ برج
۱۳۹	(۱۴) ذاتی اصلاح	۱۴۲	سجدہ سیارات کی منازل
۱۴۰	عباد الرحمن کے لیے انعامات	۱۴۳	سورج اور چاند کے فرائد
۱۴۱	اہتمام الی اللہ	۱۴۴	شب و روز کی تغیر کی حکمت
۱۴۲	سورة الشعراء سکر	۱۴۵	درس چہار دہم (آیت ۶۲ تا ۶۷)
۱۴۳	درس اول (آیت ۱ تا ۹)	۱۴۶	ربط آیات
۱۴۴	نام اور کوائف	۱۴۷	عباد الرحمن کی صفات

۲۰۱	موسیٰ کی طرف سے جواب	۱۶۹	منہاجین سورۃ
۲۰۱	جادوگروں کا ایمان لانا	۱۷۰	حروف مقطعات
۲۰۲	فرعون کی بیگم	۱۷۲	کتاب مبین
۲۰۲	ایمان پر استقامت	۱۷۲	تسلۃ ضمیر
۲۰۳	درس پنجم ۵ (آیت ۵۲ تا ۵۹)	۱۷۳	آیت الہی سے اعراض
۲۰۶	بنی اسرائیل کا غرور	۱۷۴	معجزات کا مطالبہ
۲۰۷	فرعون کی منصوبہ بندی	۱۷۶	درس دوم ۲ (آیت ۱۰ تا ۲۲)
۲۰۸	فرعون کی طرف سے تعاقب	۱۷۷	فرعون کو دعوت توہید
۲۰۹	بنی اسرائیل بحیثیت ورثائے مصر	۱۷۹	موسیٰ کا غدر
۲۱۲	درس ششم ۶ (آیت ۶۰ تا ۶۸)	۱۸۰	اللہ کی طرف سے آیات
۲۱۳	رابطہ آیات	۱۸۱	بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ
۲۱۴	بنی اسرائیل کی خوف زدگی	۱۸۲	فرعون کا احسان جتلا نا
۲۱۵	بنی اسرائیل کے لیے نیک نیت	۱۸۳	موسیٰ کا جواب
۲۱۶	فرعونوں کی غرقابی	۱۸۵	درس سوم ۳ (آیت ۲۳ تا ۳۳)
۲۱۸	درس ہفتم ۷ (آیت ۶۹ تا ۷۷)	۱۸۶	رابطہ آیات
۲۱۹	رابطہ آیات	۱۸۷	رب العلمین کی تعریف
۲۲۰	ابراہیم کے ابتدائی حالات	۱۹۰	معجزات کا انکار
۲۲۲	درس توحید	۱۹۲	درس چہارم ۴ (آیت ۳۴ تا ۵۱)
۲۲۳	انجی تعلیم	۱۹۵	فرعون کا درباریوں سے مشورہ
۲۲۴	ابراہیم کو اعلان حق	۱۹۶	جادو کے ذریعے مقابلے
۲۲۵	درس ششم ۸ (آیت ۷۹ تا ۸۶)	۱۹۸	جادو کا فتنہ
۲۲۶	رابطہ آیات	۱۹۹	انعام و اکرام کا وعدہ
۲۲۶	صفات ربانی تخلیق اور ربانیت	۱۹۹	جادوگروں کا کمر تب

۲۵۵	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۱۲۳ تا ۱۳۱)	۲۲۷	خورد و فروش کا بندوبست
۲۵۶	رابط آیات	۲۲۷	شفاعن جانب اللہ
۲۵۶	قوم عادر کا حال	۲۲۸	موت و حیات
۲۵۷	اسراف کی بیماری	۲۳۰	اچھائی اور برائی کی نسبت
۲۵۸	عبث عمارت	۲۳۱	معافی کی درخواست
۲۶۰	دنیا کی بے ثباتی	۲۳۲	ابراہیم کی دعا
۲۶۱	حضرت ابوالدرداءؓ کا خط	۲۳۳	باپ کے لیے دعا
۲۶۲	ظلم کی ممانعت	۲۳۵	مال و اقارب
۲۶۳	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۱۳۲ تا ۱۴۰)	۲۳۶	قلب سلیم
۲۶۴	رابط آیات	۲۳۸	درس نہم ۹ (آیت ۹۰ تا ۱۰۴)
۲۶۵	الغامت الیہ شکر	۲۳۹	رابط آیات
۲۶۵	مراستی اور بستے	۲۳۹	متقیوں کے لیے جنت
۲۶۷	باغات اور چشے	۲۴۰	گمراہوں کا انجام
۲۶۸	قوم بود کا جواب	۲۴۲	دنیا میں واپسی کی حسرت
۲۶۹	وعظ بطور مشن انبیاء	۲۴۳	حرف آخر
۲۶۹	قوم بود کا سرت انکار	۲۴۵	درس دہم ۱۰ (آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲)
۲۷۰	قوم بود کی مالکیت	۲۴۶	رابط آیات
۲۷۲	درس سیر دہم ۱۳ (آیت ۱۴۱ تا ۱۵۲)	۲۴۷	نوح کا قوم سے خطاب
۲۷۳	قوم ثمود	۲۴۹	قوم کا جواب
۲۷۴	سائق کا خطاب	۲۵۱	اہل ایمان کی قدر و قیمت
۲۷۵	الغامت کا تذکرہ	۲۵۲	قوم نوح کی طرف سے رہنمائی
۲۷۶	نہ تکلف مکانات	۲۵۲	حضرت نوح کی دعا
۲۷۷	اسراف کی ممانعت	۲۵۳	دعا کی قبولیت

۳۰۰	قومِ شعیب کا تعارف	۲۷۸	فنا فی الارض
۳۰۱	نابِ قول میں استعانت	۲۷۹	درس چار و دہم ۱۴ (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۹)
۳۰۳	تاجروں کی ذمہ داری	۲۸۰	ربط آیات
۳۰۳	فنا فی الارض	۲۸۰	قومِ ثمود کا جواب
۳۰۵	قوم کا جواب	۲۸۱	بشریت اور رسالت
۳۰۶	قوم پر عذاب	۲۸۳	ادنیٰ کا معجزہ
۳۰۷	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۱۹۲ تا ۲۰۵)	۲۸۳	پانی پینے کی باری
۳۰۸	ربط آیات	۲۸۳	ادنیٰ کا قتل
۳۰۹	مکی سورتوں کے مضامین	۲۸۵	قوم پر عذاب
۳۱۰	نزولِ قرآن	۲۸۵	نسیحت کی بات
۳۱۰	نزول وحی کی مختلف صورتیں	۲۸۷	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۱۶۰ تا ۱۷۵)
۳۱۲	قلبِ انسانی کی اہمیت	۲۸۸	ربط آیات
۳۱۲	قرآن اور عربی زبان	۲۸۹	لوط کی بعثت
۳۱۳	سابقہ کتب کی پیشین گوئیاں	۲۹۰	مختل اقسام کی بیماریاں
۳۱۴	انکار کے لیے چیلے جانے	۲۹۱	زہِ جنسی کی بیماری
۳۱۵	اقلامِ حجت	۲۹۳	قود کی دہکی
۳۱۷	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۲۱۰ تا ۲۲۳)	۲۹۳	دعا و لوط
۳۱۸	ربط آیات	۲۹۵	قوم کی تباہی
۳۱۹	شیاطین کی دخل اندازی	۲۹۶	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۱۷۶ تا ۱۹۱)
۳۱۹	قرآن کی حقانیت کا اعتراف	۲۹۷	حضرت شعیب
۳۲۰	توحید کی اہمیت	۲۹۸	تسل کا مضمون
۳۲۲	تبلیغ کا آغاز گھڑت	۲۹۹	شعیب کی تقریر
۳۲۲	سرگزشت کی ضرورت	۲۹۹	عقیدے کی درستگی

۳۴۶	۳۳۳	اصلاح کے لیے نمونے کی ضرورت
۳۴۷	۳۳۴	حضورؐ کی نرم مزاجی
۳۴۸	۳۳۵	نزول شیاطین
۳۴۹	۳۳۶	درس نزدیم ۱۹ (آیت ۲۲۳ تا ۲۲۶)
۳۴۹	۳۳۷	رابط آیات
۳۵۰	۳۳۸	شعر شاعری کی نفی
۳۵۱	۳۳۸	شعر و شاعری کی حقیقت
۳۵۲	۳۳۹	مجموعی شاعری کی قباحتیں
۳۵۳	۳۴۰	اشعار میں یادہ گوئی
۳۵۴	۳۴۱	شعرا و حقہ
۳۵۵	۳۴۲	سورة النمل مکمل
۳۵۶	۳۴۳	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۶)
۳۵۶	۳۴۴	نام اور کوائف
۳۵۸	۳۴۵	مضامین سورة
۳۶۰	۳۴۸	حروف مقطعات
۳۶۰	۳۴۹	قرآن پاک کی تبیین
۳۶۲	۳۵۰	قرآن بطور ہدایت اور بشارت
۳۶۲	۳۵۱	علم اور عمل
۳۶۳	۳۵۲	نماز اور زکوٰۃ
۳۶۵	۳۵۳	آخرت پر ایمان
۳۶۷	۳۵۴	منکرین معاد کے لیے عذاب
۳۶۸	۳۵۵	درس دوم ۲ (آیت ۱ تا ۱۴)
۳۶۹	۳۵۶	رابط آیات

درس پنجم ۵ (آیت ۲۰ تا ۲۱)

رابطہ آیات

تذیب کی غیر ماضی

ملکہ سبا کے متعلق خبر

سورج پرست قوم

مذہب کی توحید پرستی

خط بنام ملکہ سبا

خط کا مضمون

درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۵)

رابطہ آیات

ملکہ سبا کی مشورہ طلبی

ڈیپٹی مشیر اور مغربی جمہوریت

اسلامی شورا کی نظام

درباریوں کا مشورہ

ملکہ کی دانشمندی

ملکہ کی طرف سے تحائف

درس ہفتم ۷ (آیت ۲۶ تا ۳۰)

رابطہ آیات

قافلہ سبا کی آمد اور واپسی

تخت بلقیس کا حصول

سرکش جن کی پیشکش

عالم کتاب انسان کی پیشکش

اسیر اعظم کی برکات

۳۹۵ | معجزہ اور کرامت

۳۹۶ | اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری

۳۹۷ | درس ششم ۸ (آیت ۳۱ تا ۳۴)

۳۹۸ | رابطہ آیات

۳۹۹ | ملکہ سبا کا پہلا امتحان

۴۰۰ | ملکہ کا اعتراف حقیقت

۴۰۱ | ملکہ کا دوسرا امتحان

۴۰۲ | ملکہ کا اسلام لے آنا

۴۰۳ | درس ششم ۹ (آیت ۳۵ تا ۳۸)

۴۰۴ | رابطہ آیات

۴۰۵ | صالح کی بعثت

۴۰۶ | صالح کی نصیحت

۴۰۷ | شکون

۴۰۸ | شہر کے زلزلے

۴۰۹ | صالح کی بلاکت کا منصوبہ

۴۱۰ | تمسیر خداوندی

۴۱۱ | نشان عبرت

۴۱۲ | درس دہم ۱۰ (آیت ۳۹ تا ۴۸)

۴۱۳ | رابطہ آیات

۴۱۴ | قوم لوط کی خرابیاں

۴۱۵ | قوم لوط کا وعظ

۴۱۶ | لوط کی قباحتیں

۴۱۷ | قوم کا جواب

۴۱۸ |

۴۴۲	نبی اور علم غیب	۴۱۹	لوہ کے اہل خانہ کی نجات
۴۴۳	علم غیب خاصہ خداوندی ہے	۴۲۰	قوم لوہ پر عذاب
۴۴۴	غیب کیا ہے؟	۴۲۱	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۹ تا ۶۱)
۴۴۵	وقوع قیامت کا وقت	۴۲۲	رابطہ آیات
۴۴۶	دل کے اندر سے	۴۲۳	اللہ کی مدد و ثنا
۴۴۷	درس چار دہم ۱۴ (آیت ۶۰ تا ۶۵)	۴۲۴	انبیاء پر درود و سلام
۴۴۸	رابطہ آیات	۴۲۵	اللہ تعالیٰ اور شرکاء
۴۴۹	بعثت بعد الموت کا انداز	۴۲۶	دلائل قرآنیہ در اثبات تخلیق ارض و سما
۴۵۰	مجرمین کا انجام	۴۲۷	(۲) بارش کا نزول
۴۵۱	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۲۸	(۳) زمین بطور قرار دہ
۴۵۲	قیامت کا انتظار	۴۲۹	(۴) دریا اور پہاڑ
۴۵۳	لوح محفوظ	۴۳۰	درس پندرہم ۱۲ (آیت ۶۲ تا ۶۴)
۴۵۴	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۶۶ تا ۸۲)	۴۳۱	رابطہ آیات
۴۵۵	رابطہ آیات	۴۳۲	مجبور و کسب کی دُعا
۴۵۶	قرآن کریم کی حق گوئی	۴۳۳	امداد غیبی کا عجیب واقعہ
۴۵۷	تسلی کا مضمون	۴۳۴	حضور کے نام نہ فرمودات
۴۵۸	سماع موتی (۱) حضور نبی کریم ﷺ	۴۳۵	ایک سنو نہ دُعا
۴۵۹	(۲) عام فرت شدہ ن	۴۳۶	بعض العامات، اللہ
۴۶۰	استعانت عن المرنی	۴۳۷	تخلیق انسانی اور اس کا اعادہ
۴۶۱	قرب قیامت میں رابۃ الارض	۴۳۸	روزی رسانی
۴۶۲	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۸۳ تا ۸۸)	۴۳۹	درس سیر دہم ۱۳ (آیت ۶۵ تا ۶۶)
۴۶۳	رابطہ آیات	۴۴۰	رابطہ آیات
۴۶۴	میدان حشر میں گروہ بندی	۴۴۱	علم محیط خاصہ خداوندی ہے

۴۸۷	مکذہ بین سے خطاب	۴۶۸	مکذہ بین سے خطاب
۴۸۸	شب و روز بطور دلیل	۴۶۸	شب و روز بطور دلیل
۴۸۹	نفع صور	۴۷۰	نفع صور
۴۹۱	گجہ ربٹ کا عالم	۴۷۰	گجہ ربٹ کا عالم
۴۹۲	نظام کائنات کی تبدیلی	۴۷۱	نظام کائنات کی تبدیلی
۴۹۳	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۹۶ تا ۱۹۳)	۴۷۳	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۹۶ تا ۱۹۳)
۴۹۳	ربط آیات	۴۷۳	ربط آیات
۴۹۵	نیکی کا بدلہ	۴۷۳	نیکی کا بدلہ
۴۹۷	بہتر بدلہ	۴۷۵	بہتر بدلہ
۴۹۷	دہشت سے ایان	۴۷۶	دہشت سے ایان
۴۹۹	بائی کا بدلہ	۴۷۶	بائی کا بدلہ
۴۹۹	رب کعبہ کی عبادت	۴۷۷	رب کعبہ کی عبادت
۵۰۰	شہر مکہ کی عظمت	۴۷۸	شہر مکہ کی عظمت
۵۰۱	تلاوت قرآن کا حکم	۴۷۸	تلاوت قرآن کا حکم
۵۰۲	ہدایت اور گمراہی	۴۷۹	ہدایت اور گمراہی
۵۰۳	اللہ کی حمد و ثنا	۴۸۰	اللہ کی حمد و ثنا
۵۰۵	سورة القصص مکمل	۴۸۱	سورة القصص مکمل
۵۰۶	نام اور کوائف	۴۸۲	نام اور کوائف
۵۰۷	مضامین سورة	۴۸۳	مضامین سورة
۵۰۸	حد و فو مقطعات	۴۸۳	حد و فو مقطعات
۵۰۹	ترسیع البیان	۴۸۵	ترسیع البیان
۵۱۰	فرعون کے منکالہ	۴۸۵	فرعون کے منکالہ
۵۱۱	طہاتی کشمکش	۴۸۷	طہاتی کشمکش

۵۳۹	تکبیل سعیدہ	۵۱۴	درس پنجم ۵ (آیت ۲۱ تا ۲۸)
۵۴۰	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۹ تا ۳۵)	۵۱۵	رابط آیات
۵۴۲	رابط آیات	۵۱۵	لڑائی کا دوسرا واقعہ
۵۴۲	موسیٰ کی مراجعت الی المصر	۵۱۷	فرعون کے پاس منبری
۵۴۳	میاں بیوی کی یک جا رہائش	۵۱۸	موسیٰ کا غرور
۵۴۳	کوہ طور کے دامن میں	۵۲۰	درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
۵۴۳	مقدس وادی میں خدا کی آواز	۵۲۱	رابط آیات
۵۴۵	دو معجزات	۵۲۱	مدین کا سفر
۵۴۶	فرعون کے پاس جلتے کا حکم	۵۲۳	شعیب کی جبریوں کی سیرانی
۵۴۶	موسیٰ کا عذر	۵۲۴	مردوزن کے لیے دائرہ بننے کا
۵۴۷	بارون کی شراکت	۵۲۵	موسیٰ کا آرام کرنا
۵۴۸	تسلٰی کا مضمون	۵۲۷	شرم و حیا کی پکی
۵۴۸	فرعون سے حفاظت کی ضمانت	۵۲۸	شعیب کی طرف سے دعوت
۵۵۰	درس نہم ۹ (آیت ۳۶ تا ۴۲)	۵۳۱	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۶ تا ۲۸)
۵۵۱	رابط آیات	۵۳۲	رابط آیات
۵۵۲	موسیٰ علیہ السلام فرعون کی دربار میں	۵۳۲	حلازمت کے لیے سفارش
۵۵۳	موسیٰ کی حق گوئی	۵۳۲	عشرائط حلازمت
۵۵۳	اوپنچے مینار کی تعمیر	۵۳۳	صحت بطور بنیادی حق
۵۵۳	فرعون کیوں کا تکبر	۵۳۵	تین صاحب فراست ہتیاں
۵۵۵	انجام کار	۵۳۵	شعیب کے حالات
۵۵۶	قیامت والے دن مایوسی	۵۳۶	اسباب ظاہرہ سے استفادہ
۵۵۸	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۲ تا ۴۶)	۵۳۷	نکاح کی پیش کش
۵۵۹	رابط آیات	۵۳۸	حق خدمت بطور حق مہر

۵۷۹	تورات کا نزول	۵۵۹	مشرک کے لیے دُعا	۵۷۹
۵۸۱	تورات کی خصوصیات (۱) بصیرت	۵۶۰	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۵۷ تا ۶۰)	۵۸۱
۵۸۲	(۲) ہدایت	۵۶۱	رابط آیات	۵۸۲
۵۸۳	(۳) رحمت	۵۶۱	مشرکین کو کاغذ رنگ	۵۸۳
۵۸۴	ختم المرسلین کا تذکرہ	۵۶۲	عمر بن خطاب ثمری	۵۸۴
۵۸۵	مسند حاضر و ناظر اور علم غیب	۵۶۲	خوشحال اقوام کی جلالت	۵۸۵
۵۸۶	قومی اور بین الاقوامی نبی	۵۶۳	ہلاکت کے لیے اتنا بہت	۵۸۶
۵۸۷	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۰ تا ۵۴)	۵۶۶	دنیاوی متاع کی حیثیت	۵۸۷
۵۸۸	رابط آیات	۵۶۷	سوسن اور نفق کی مثال	۵۸۸
۵۸۸	غدر گناہ	۵۶۷	خیر و بقا عند الشرب	۵۸۸
۵۹۰	بدتر از گناہ	۵۶۸	درس چہارم ۱۴ (آیت ۶۱ تا ۷۰)	۵۹۰
۵۹۲	بہتر کتاب لانے کا چیلنج	۵۷۰	رابط آیات	۵۹۲
۵۹۲	خواہشات کا اتباع	۵۷۰	نیک و بد کا تقابل	۵۹۲
۵۹۳	ظالموں کی مذمت	۵۷۱	معبودانِ باطل کا اعلان بیزاری	۵۹۳
۵۹۴	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۵۱ تا ۵۶)	۵۷۲	رسالت کے متعلق سوال	۵۹۴
۵۹۴	رابط آیات	۵۷۳	کامیابی کا ذریعہ	۵۹۴
۵۹۵	ہدایت کا تسلسل	۵۷۳	اختیار خداوندی	۵۹۵
۵۹۶	ایک کلمہ کا قبول ایمان	۵۷۴	صحیحہ کبریا کے مناقب	۵۹۶
۵۹۶	دوسرے اجر کے مستحقین	۵۷۶	رافضیوں کی گمراہی	۵۹۶
۵۹۸	برائی کے بدلے نیکی	۵۷۷	خدا تعالیٰ کی کبریا	۵۹۸
۶۰۰	اتفاق فی سبیل اللہ	۵۷۷	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۵۷ تا ۶۰)	۶۰۰
۶۰۱	لغویات سے اعراض	۵۷۸	رابط آیات	۶۰۱
۶۰۱	ہدایت بدست خدا	۵۷۸	بیل و نمار کا نظام	۶۰۱

۶۲۵	۶۰۳	شب و روز میں تقسیم کار
۶۲۵	۶۰۵	اللہ کے حضور گواہی
۶۲۶	۶۰۵	حق و باطل کا امتیاز
۶۲۷	۶۰۷	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۶ تا ۷)
۶۲۷	۶۰۸	ربط آیات
۶۲۸	۶۰۸	قارون کا تعارف
۶۳۱	۶۰۹	قارون کا غرور اور حسد
۶۳۱	۶۱۰	قارون کی دولت مند
۶۳۲	۶۱۱	آخرت کا گھر
۶۳۳	۶۱۲	فاد فی الارض
۶۳۳	۶۱۲	علم و بہتر پر اعتماد
۶۳۵	۶۱۳	ملاقوت اقوام کی ہلاکت
۶۳۶	۶۱۵	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۷ تا ۸۲)
۶۳۸	۶۱۶	ربط آیات
۶۳۱	۶۱۷	موسیٰ کی بعثت
۶۳۲	۶۱۷	قارون اور ابولہب میں مماثلت
۶۳۳	۶۱۸	قارون پر رشک
۶۳۳	۶۱۹	اہل علم کا نظریہ
۶۳۵	۶۲۰	قارون کی سازش
۶۳۶	۶۲۲	قارون کی ہلاکت
۶۳۷	۶۲۲	رشک کرنے والوں کا اعتراف حقیقت
۶۳۷	۶۲۳	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۸۳ تا ۸۵)
۶۳۸	۶۲۳	ربط آیات
		مجاددہ کی اہمیت

۶۴۵	نشانی قدرت	۶۴۹	ایمان اور اعمال صالحہ کا بدلہ
۶۴۶	شرک کی مذمت	۶۵۰	درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۳)
۶۴۸	لوط کا ایمان لانا	۶۵۲	ربط آیات
۶۴۸	ابراہیم کی ہجرت اور اولاد	۶۵۲	والدین سے حسن سلوک
۶۸۰	قوم لوط کے قباخ	۶۵۳	شرک باللہ کی ممانعت
۶۸۱	عذاب کا مطالبہ	۶۵۴	شان نزول
۶۸۳	درس پنجم ۵ (آیت ۳۱ تا ۴۰)	۶۵۵	صالحین کی رفعت
۶۸۶	ربط آیات	۶۵۶	ماحول کی درستگی
۶۸۶	ابراہیم کے لیے خوشخبری	۶۵۶	منافقین کا کردار
۶۸۸	لوط کی پریشانی	۶۵۸	گناہوں کا بوجھ
۶۸۹	فرشتوں کی طرف سے تسلی	۶۶۱	درس سوم ۳ (آیت ۱۴ تا ۲۳)
۶۸۹	قوم کی ہلاکت	۶۶۳	عمر اور جلیغ نوح علیہ السلام
۶۹۰	قوم شعیب کی ہلاکت	۶۶۵	زندگی کی ناپائیداری
۶۹۱	قوم عاد و ثمود	۶۶۶	صبر نوح علیہ السلام
۶۹۲	قارون، فرعون اور ڈیمان کا انجام	۶۶۶	قوم کی ہلاکت
۶۹۵	درس ششم ۶ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۶۶۷	ابراہیم علیہ السلام کا مدس توحید
۶۹۶	ربط آیات	۶۶۸	روز کی تلاش
۶۹۶	شرک کی مثال مکر کی کے جانے سے	۶۷۰	بعث بعد المیت
۶۹۸	انسان کی بنیادی ضروریات	۶۷۱	انشرک کی رحمت سے مایوسی
۶۹۸	انسان کی بے بسی	۶۷۱	انسان کی بے بسی
۷۰۰	مثال کی اہمیت	۶۷۲	درس چہارم ۴ (آیت ۲۴ تا ۳۰)
۷۰۰	تخلیق ارض و سما	۶۷۴	ربط آیات
۷۰۲	درس ہفتم ۷ (آیت ۴۵)	۶۷۵	ابراہیم کو زندہ جلانے کی کوشش

۷۲۸	۷۰۲	تہذیب قرآن پاک
۷۲۹	۷۰۳	نماز پرائیوں سے رکتی ہے
۷۳۰	۷۰۴	شرائط نماز
۷۳۱	۷۰۶	نماز کا اقصائے طبعی
۷۳۲	۷۰۷	ذکر الہی کی بركات
۷۳۳	۷۱۰	درس ہشتم ۸ آیت ۴۶ تا ۵۱
۷۳۴	۷۱۲	ربط آیات
۷۳۵	۷۱۲	اہل کتاب کے ساتھ مجاہدہ
۷۳۶	۷۱۵	منصف مزاج اہل کتاب
۷۳۸	۷۱۶	منصف مزاج مشرکین
۷۳۹	۷۱۷	حضرت علیہ السلام کی صداقت کی دلیل
۷۴۰	۷۱۷	قرآن پاک کی حفاظت
۷۴۱	۷۱۹	معجزات کا مطالبہ
۷۴۲	۷۱۹	قرآن بطور رحمت و نصیحت
۷۴۳	۷۲۱	درس نہم ۹ آیت ۵۲ تا ۵۹
۷۴۴	۷۲۳	ربط آیات
۷۴۵	۷۲۲	رسالت پر شہادت خداوندی
۷۴۶	۷۲۳	مذابہ کا مطالبہ
۷۴۷	۷۲۵	کفار کی جہنم رسیدگی
۷۴۸	۷۲۶	ہجرت کا حکم
۷۴۹	۷۲۶	ہجرت کی فرضیت
۷۵۰	۷۲۷	مہجرت کا پروانہ
۷۵۱	۷۲۷	اہل ایمان کے لیے انعامات
۷۵۲	۷۲۷	چار اعدائے دین
۷۵۳	۷۲۷	نہم کو درس کے لیے معیت الہی

۷۵	نیک اور بد گروہ	۷۵	سورۃ الروم مکمل
۷۶	نیوہ دس کے لیے انعام	۷۶	درس اول (آیت ۱ تا ۱۰)
۷۷	کفار کی بد بختی	۷۷	نام اور کرائف
۷۸	خدا تعالیٰ کی قیامت کے اوقات	۷۸	دو عظیم حکمتیں
۷۹	اوقاتِ سلواۃ نمبر	۷۹	سلطنتِ روم سے متعلق پیشین گوئی
۸۰	بعثت بعد الموت	۸۰	پیشین گوئی پر شرط
۸۱	درس چہارم ۴ (آیت ۲۰ تا ۲۳)	۸۱	پیشین گوئی کی تکمیل
۸۲	ربط آیات	۸۲	مضامین سورۃ
۸۳	انسان کی پیدائش	۸۳	حروفِ مقطعات
۸۴	انسان کا جوڑا	۸۴	فیوضِ معاش اور فکیرِ معاد
۸۵	غور و فکر کی دعوت	۸۵	درس سوم ۳ (آیت ۱ تا ۱۰)
۸۶	ارض و سما کی تخلیق	۸۶	ربط آیات
۸۷	زبان کا اختلاف	۸۷	قمار بازی کا مسئلہ
۸۸	رنگوں کا اختلاف	۸۸	دفعہ قیامت
۸۹	نیمہ ذریعہ آرام	۸۹	جزائے عمل
۹۰	رزقِ مدد کی تلاش	۹۰	پہلی قزموں کا انجام
۹۱	درس پنجم ۵ (آیت ۲۴ تا ۲۷)	۹۱	زمین کی آباد کنند
۹۲	قدرتی بجلی بطور نشانی	۹۲	جزائے عمل
۹۳	مسنوعی بجلی	۹۳	درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۹)
۹۴	واندرلیس یا روسکی	۹۴	ربط آیات
۹۵	بارش کا نزول	۹۵	دفعہ قیامت کی عقلِ ذلیل
۹۶	نظائر کائنات	۹۶	مجموعوں کی مایوسی
۹۷	اللہ تعالیٰ کی کبریائی		

۸۲۳	درس نہم ۹ (آیت ۴۵ تا ۴۷)	۷۹۷	ابتدائی تخلیق اور اعادہ
۸۲۴	رابطہ آیات	۸۰۰	درس ششم ۶ (آیت ۲۸ تا ۳۲)
۸۲۴	بحرہ بریں فاد کا قصور	۸۰۲	شرک کی مثال
۸۲۵	بدعقلی معنی فاد بست	۸۰۳	غلامی کا رواج
۸۲۷	نیک و بد کی موت	۸۰۳	خواہشات کا اتباع
۸۲۸	مصابہ کی وجوہات	۸۰۴	دین کی طرف توجہ
۸۲۹	درس عبرت	۸۰۵	فطرت کا مضمومہ
۸۳۰	دین پر پختگی	۸۰۶	بین نجات دہندہ اشیاء
۸۳۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۶ تا ۴۹)	۸۰۶	شاہ ولی اللہ کی تشریح
۸۳۳	رابطہ آیات	۸۰۸	فرقہ بندی
۸۳۴	بارش کی جوائیں	۸۰۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۳۳ تا ۳۷)
۸۳۵	تلاشِ رزق	۸۱۰	رابطہ آیات
۸۳۶	الشرک کا شر	۸۱۱	توسید کی دلیل
۸۳۶	مجرمین سے انتقام	۸۱۲	شرک کی دلیل
۸۳۷	نصرت الہی	۸۱۳	خوشی اور بے بسی
۸۳۸	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۵۰ تا ۵۲)	۸۱۵	درس ہشتم ۸ (آیت ۳۸ تا ۴۰)
۸۳۹	رابطہ آیات	۸۱۶	رابطہ آیات
۸۴۰	مردہ سے زندہ	۸۱۷	قرابتدار کا حق
۸۴۱	شکر گزاری اور ناشکری	۸۱۸	نادر اور مسافر کا حق
۸۴۲	کنہار کی سماعت سے محرومی	۸۱۹	سود کی ممانعت
۸۴۵	سماع موتی پر اختلاف	۸۲۰	زکوٰۃ میں برکت
۸۴۶	قسم کا مدعا عرف پر	۸۲۱	تخلیقِ رزقی، موت اور زندگی
۸۴۶	انبیاء کا سماع	۸۲۲	۱۰ راقم

۸۵۸	درس سیزدہم ۱۲ آیت ۶۰ تا ۷۱	۸۴۸	نامہ درود ہر صحت
۸۵۸	۱۵۹	۸۴۹	معاذ قبر
۸۶۰	۱۶۰	۸۴۹	حرف آخر
۸۶۲	۱۶۲	۸۵۱	درس دوازدہم ۱۲ آیت ۵۴ تا ۵۷
۸۶۲	۱۶۲	۸۵۲	رابط آیات
۸۶۳	۱۶۳	۸۵۳	طہت اسلامیہ کے احوال
		۸۵۵	دنیا اور برزخ کی زندگی
		۸۵۶	ظالموں کی بے بسی

فرضیہ حج ادا کرنے والے خواتین و حضرات کیلئے منقولہ احکام حج نیاراستہ مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

قیمت
۲۰ روپے

صفحات
۱۲۸

تالیف
مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج کوہ جرنالہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

○ اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

نزولِ قرآن کے بعد اس کی تشریح و تفسیر کا کام اہل اللہ ہر زمانے میں کرتے چلے آئے ہیں اور ہر محی کلمہ نے اس کلمہ ذخار سے نئے نئے موتی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم قرآن پاک کا عمق و فہم بھی خداوندِ قدوس کی اعانت سے ہی ممکن ہے کیونکہ انسان کو قرآن کا علم دیان سکھانے والی ذات بھی وہ خود ہی ہے۔

گزشتہ جلد ۱۳ پانچ سیرتوں اور تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل تھی۔ زیرِ نظر چودھویں جلد میں اٹھالیس سورۃیں فرقان، شعراء، نمل، قصص، عبثوت اور روم آگئی ہیں جنکی کل ضخامت بھی تقریباً اڑھائی پارے ہی بنتی ہے۔ یہ تمام سورۃیں مکی زندگی کے درمیانی یا آخری حصے میں نازل ہوئیں جن کے مضامین کی ایک مختصر محفلک قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

(۱) سورۃ الفرقان

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ کے مرکزی مضامین بھی توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت ہیں۔ تاہم اس سورۃ مبارکہ میں عقائد اور اخلاق کی درستگی پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس سورۃ میں مسئلہ رسالت و بشریت کی خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ کفار کو اعتراف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری طرحت چلتے پھرتے اور کھڑے پڑتے ہیں، بھلا یہ رسول کیسے ہو سکتے ہیں، ان کے پاس تو مال و دولت اور باغات ہونے پابنیں تھے اور ان کے ساتھ فرشتے اترنے پابنیں تھے جو ان کی رسالت کی تصدیق کرتے۔ اللہ نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے تمام رسول انسان ہی ہوئے ہیں اور پیغمبرِ نبوت و رسالت کے ہرگز منافق نہیں ہیں۔

کفر کو دوسرا اعتراض یہ تھا کہ پہلی آسمانی کتب کی طرح قرآن حکیمہ کیا رکھی کیوں نہیں اترتا، تو اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب بھی دے دیا ہے۔

اس سورۃ میں دلائل قدرت و توحید کے طور پر سایہ، چاند، سورن اور کبوتروں کا ذکر آیا ہے۔ دو مختلف نوعیت کے پانیوں کی ایک جانی کا تذکرہ ہے اور سابقہ ساتھ سابقہ اقوام نوح، عاد اور ثمود کی ہلاکت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے، کہ عبرت حاصل ہو۔ معبودان باطلہ کی پیر و زنی اور ان کی بے بسی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ سورۃ کے آخر میں عباد الرحمن کے چودہ اوصاف بیان کر کے ہر انسان کو ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سورۃ الشعراء

اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں شعراء کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام سورۃ الشعراء ہے۔ تاہم امام مالک اس کو سورۃ اجماعہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ سورۃ نصیحت کی بہت سی باتوں کو جمع کرنے والی ہے۔

اس سورۃ کا سرگزشتی مضمون تسلی کا مضمون ہے حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، ہود، صالح، شعیب علیہم السلام کے واقعات اور ان کی اقوام کی تباہی کا حال بیان کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپؐ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اللہ کے راستے میں مشکلات کا آنا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ نافرمان اقوام کے حصے میں ہی آئی ہے اور اہل اللہ ہمیشہ محفوظ رہنے، اس ضمن میں سابقہ اقوام کے حالات، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ، توحید کی دعوت اور معاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں نزول قرآن کے طریقہ کار کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کہ اے اب العزت نے جبریل امین کی وساطت سے حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ہے جو کہ عربی زبان میں ہے اور جس سے علمائے بنی اسرائیل بخوبی واقف ہیں۔ آخرت کے سلسلہ میں منکرین کی سزا کا ذکر ہے، وہ صلیت طلب کریں گے مگر

اللہ نے فرمایا ہے کہ انہیں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ لوگ اپنی قبیلہ سے باز آنے والے نہیں۔ سورۃ کے آخر میں شواہد کی تین خدایوں کا ذکر ہے کہ ان کے پیروکار عموماً گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ شاعر لوگ تخیلات کی بہرہ وادی میں گھوم جاتے ہیں۔ اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے (الا ماشاء اللہ) اللہ نے اپنے نبی کو شعور و شاعری کی تعلیم نہیں دی کیونکہ کوفی پسند یہ امر نہیں ہے۔ البتہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ انجام دینے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لینے والے شواہد مذکورہ عیسوی سے پاک اور قابل قبول ہوتے ہیں۔

سورۃ النمل

مکی سورتوں کے چار بنیادی عقائد توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت و صداقت اور معاد میں سے اس سورۃ مبدلہ میں معاد کو خاص طور پر موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ وقوعِ قیامت کا تذکرہ ہے کہ سورہ پیشونکے جانے کے بعد ہر چیز درجہ بدرجہ ہو جائیگی۔ لوگوں پر گنہگار ہٹ ظاہر ہو جائیگی۔ سوائے اُن کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہے گا۔ پھر نبی اور ربانی کی جزا اور سزا کا ذکر بھی آگیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور شرک کے رد میں بہت سے عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بعض صفات محضہ کا ذکر کر کے مشرکین سے پوچھا گیا ہے کہ بتاؤ یہ کس کا کام ہے۔ جب جواب ایک ہی ہے یعنی "اللہ" تو پھر اُس کے ساتھ شک و شبہ بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ نبی اسرائیل کی بہت سی مختلف فیہ باتوں میں راستہ ہادی کرتا ہے اور اہل کتاب کی طرف سے آسمانی کتابوں میں کی گئی تحریفیات کی نشاندہی کرتا ہے۔

رسالت کے ضمن میں حضرت موسیٰ، صلوات اللہ علیہ وسلم اور ان کی قوموں

کا حال بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنے انبیاء کی نافرمانی کی اور جلاک ہوئے۔۔۔

داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اُن کو اللہ نے بے مثال بادشاہی عطا فرمائی

اور وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ملکہ سبا کا

واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ مشرک تھی مگر اللہ نے بادشاہت بھی کمال رکھے کی دی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے دعوتِ توحید دی۔ اُس نے تمنا لیں بھی کرے آپ کہ امتحان لینا چاہا مگر بالآخر ایمان لے آئی۔

سورة القصص

حضرت موسیٰ علیہ السلام، قارون اور بعض دیگر شخصیات کے واقعات بیان ہونے کی بنا پر اس سورۃ کا نام سورۃ القصص ہے۔ تاہم اس کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ہم قوم قارون کا حال اور اُس کی تباہی کا منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو نہایت نامساعد حالات سے گزرنا پڑا اسی طرح حضور علیہ السلام پر بھی نہایت مشکل اودار آئے اس طرح دونوں جلیل القدر انبیاء کے حالات میں مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے اہل ایمان کو تسلی دلانا بھی مقصود ہے کہ جس طرح بالآخر موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی، اسی طرح اہل ایمان بھی کفر و شرک کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے۔

اس سورۃ مبارکہ میں شب و روز کے نظام کو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ نیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور چیلنج کیا گیا ہے کہ کون ہے جو اس نظام کو بدل کر ہمیشہ کے لیے دن یا ہمیشہ کے لیے رات بنا دے، اور کون ہے جو اس کو معمول کے مطابق بنائے اور آپ دن کو کام اور رات کو آرام کر سکیں۔

اللہ نے اہل کتاب کی بعض صفات کا ذکر بھی کیا ہے اور خوشخبری دی ہے کہ ان میں سے جنہوں نے دینِ حق کو مستبول کر لیا ہے وہ دوسرے اجر کے مستحق ہیں۔ ایک پیسے دین پر استقامت کا اور دوسرا دینِ حنیف کی قبولیت کا۔ مشرکین مکہ نے اعتراض پیش کیا تھا کہ اگر ہم اللہ کے آخری نبی پر ایمان لے آئے تو باقی عرب طے نہیں اچکے جائیں گے۔ اللہ نے جواب دیا کہ جس اللہ نے عہد کو مومن بنایا اور تمہیں عزت بخشی، ایمان لانے کے بعد بھی وہ تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اس سورۃ میں اللہ نے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کا ذکر کر کے

آخرت کا گنہگار بننے کی ترغیب دلاتی ہے۔ اپنی حاجات میں غیر اللہ کو پکارنے والے
مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا قیامت کے دن ان کو ان کے معبودوں سمیت
حاضر کرے ان کا کیا چہرہ نظر کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ عطا نے نبوت اور نزول کتاب
کو رحمت خداوندی کا سرچون منت قرار دیا گیا ہے کوئی شخص اپنی محنت، عبادت اور
ریاضت کی وجہ سے درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا، بلکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا انتخاب
ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مشن جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آخر میں دنیا
کے فنا اور ذات خداوندی کی بقا کا ذکر ہے۔

سورة العنكبوت

اس سورۃ مبارکہ میں خدا کے سوا دوسروں کو کافر ساز بنانے کی مثال عنکبوت یعنی مکڑی
کے جانے کے ساتھ دی گئی ہے۔ جس طرح مکڑی کا گنہ گار ضرور ترہین گھمڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح
غیر اللہ کو معبود بنانے کا عقیدہ بھی کمزور ترہین عقیدہ ہے۔ گویا شرک ایک ایسی شے ہے
جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون ایمان اور ابتلاء ہے۔ چنانچہ آغاز سورۃ میں ہی واضح کر دیا
گیا ہے کہ اہل ایمان محض اس لیے نہیں چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان
لائے ہیں۔ بلکہ پہلے لوگوں کی طرح انہیں بھی مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ اس ضمن
میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، لوط اور شعیب علیہم السلام کی آزمائشوں کا تذکرہ ہوا ہے
اس سورۃ میں قرآن پاک کی تلاوت اور اقامت صلوٰۃ کی تلقین کی گئی ہے کہ نماز
بے حیائی اور بے بچاقتی ہے۔ ذکر الہی کی فضیلت، اہل کتاب کے ساتھ برتر معاہدہ
اور شرکوں کے ساتھ سخت لہجہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہجرت کی ترغیب،
روزی بدست خدا ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اگر جانوروں کی طرح انسان
بھی توکل کریں تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ ان جانی جگہ سے رزق عطا کرے۔ دنیا کی زندگی
تو محض لہو و لعب ہے اور آخرت کا گنہ گار بہتر ہے جس کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے
توحید کے ضمن میں فرمایا کہ جب کشتی میں چھپیں جاتی ہے تو شرک خالص اللہ کو پکارتے

ہیں مگر جب خشکی پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والوں کو اللہ نے اپنے رستوں کی طرف راہنمائی کا مشرودہ بنایا ہے۔

سورة الروم

یہ سورۃ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی جب کہ ایرانی مجوسیوں نے رومی عیسائیوں کے بہت بڑے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی زمانے میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔

سورۃ کی ابتدا میں رومیوں کے مغلوب ہونے کی خبر دے کر چند سالوں میں دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو کہ نو سال کے عرصہ میں پوری ہوئی۔ اہل کتاب ہونے کے ناٹے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ ہمدردی یعنی جب کہ مشرک ہونے کی وجہ سے مشرکین مکہ ایرانیوں کے ہمدرد تھے، وہ مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ جس طرح رومی مغلوب ہو گئے ہیں اسی طرح تم بھی مغلوب ہی رہو گے، مگر متوڑے ہی عرصہ میں رومی دوبارہ غالب آگئے اور ادھر اہل ایمان نے مکہ فتح کر لیا، اور اس طرح مشرکین کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی چار بنیادی عقاید توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں توحید کو خاص طور پر شروع سخن بنایا گیا ہے اور اس ضمن میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ فرمایا جب تم اپنے مجازی غلاموں کو اپنے مال میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں تو مالکِ حقیقی کے ساتھ دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔ انسان کو دینِ خالص کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے، فرقہ بندی کی حوصلہ شکنی اور عبرت کے لیے نافرمانوں کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور سود اور زکوٰۃ کا فرق سمجھایا گیا ہے۔ انسانی زندگی کے تین ادوار کو قیامت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یوم البعث کا اچھا حال بھی بیان ہوا ہے۔

احق العباد (الحاج) لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن، لاہور

سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین والصلاة والسلام علی خاتم الانبیاء
والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فقال الله تبارک
وتعالی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ

قرآن کریم اللہ رب العزت کا بרכת اور پاکیزہ کلام ہے۔ نسل انسانی کے لیے رشد و ہدایت
کا گراں قدر اور قیمتی پیغام ہے بنی نوع انسان کے لیے ضابطہ حیات اور اقوام عالم کے لیے نصیب
دستور اور حقیقی پروگرام ہے جس کی حفاظت کا بیڑہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے جس کی
صدقت و حقانیت کا تذکرہ خود خالق کائنات نے کیا ہے آقا نے نامہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
اور ان کے اصحاب نے جس کی اشاعت و حفاظت کے لیے بیشش بہا قربانیاں دی ہیں جس پر
عمل پیرا ہونا ہی ابدی اور سرمدی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے آج دنیا میں قرآن کریم کے ایک کونڈے
سے متجاوز حفاظ ہیں جو اس کے الفاظ کو اپنے سینوں کے نہاں خانوں میں نقش کیے ہوئے
ہیں لیکن اسلام دشمن طاقتیں اس کو مٹانے کے درپے ہیں۔ دشمن اپنی عیار نہ اور ناپاک چالوں سے
اس کی مٹوشنی کو مٹا دینے اور اسکی چمکدار و شعاؤں کو تیرہ و تاریک کر دینے میں کوشاں اور بے غمخ
کا میاب ہے ہر طرح کی کش مکش جاری ہے ہر طرف تند و تیز آندھیاں اس کی فضا کو غبار
آلود اور کشت زدہ کر رہی ہیں۔ اس کے الفاظ کو ہلنے کے لیے بے حد
بے شمار مذموم جہادیں کی گئی ہیں اور اس کو ختم کمر نے کے لیے مکہ مکرمہ اور لاقبائے منصوبے
تیار کیے گئے ہیں اور اس کو صفحہ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا گیا ہے۔

لیکن جس کی غفلت کا دمہ خود قادر مطلق نے اٹھایا ہوا اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی
 اگرچہ آج مسلمان خود اسلام اور قرآن کے انقلابی پروگرام سے غافل ہیں۔ بہت غیانت،
 بدانتی اور اخلاقی کمزوریوں کا حلقہ ان پر ہے۔ ہوا و جوس نہ پہنچتی اور روحان امانت کا تیرہ و
 سار ایک جال بچھا ہوا ہے۔ حق و باطل، طیب و خبیث کی تمیز دشوار ہے، مصائب و آفات
 کی تھوس ہارش ہو رہی ہے۔ خود پسندی کی باد نے سر نے اسلام کے سبز و ناروں کو مہجور کیا ہے
 فقہہ عیال وہ دور دورہ ہے کہ حسب دنیا اور کمزوریت موت کے دہن نے زمین اسلام
 کے جہد ڈالنے اور اس کے یلغاروں کے برابر کرنے کا تیرہ کرپا ہے بہرہ کہ وہ نصیبی
 خواہشات کی خواب غفلت میں مست ہے درست نمائش اور گندہ نما جو فروش عیار مٹی
 دل کی طرح ہر طرف منڈ رہے ہیں دشمن اپنی قوت و توانائی میں سرست دہشتار اسلام اور
 قرآن کی بیخ کنی میں لمحہ بہ لمحہ کوشاں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان خواب غفلت میں سہا ہوا ہے یہ
 کوشش ہی نہیں کرتا کہ اس کے انقلابی پروگرام پر عمل پیرا ہو کر اسے اپنی زندگی کا دستور عمل
 بنائے جس سے اس کی عظمت و سطوت اون ٹرپا تک پہنچ سکتی ہے یہ قعودت سے جس
 کمرخت کی ہندیوں کو چھو سکتا ہے۔ یہ شرک و بدعت سے نکل کر توحید و سنت میں داخل
 ہو سکتا۔ یہ بدعات و خرافات سے ہٹ کر حیات درنیکو کے قریب ہو سکتا ہے۔
 یہ قرآن کے لحاظ و معانی اور مطالب کو سمجھ کر اپنے کھوئے ہوئے وقت کو لوٹا سکتا ہے
 اس سے روحانی فیض حاصل کر کے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بنیان مصلوب
 کی طرح مستحکم ہو کر جہاد مستقامہ کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ مقیمہ یہ کہ مرن
 ہونے کی بجائے غفلت و کمزوری کی بھیا تک اور عیسق واری میں نہ گم ہوں ہے ابو و لعب
 اور تعیش نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رکھا ہے۔ رسومات باطلہ کے دہل میں پھنسا
 ہوا ہے۔ اجتماعی غریبی کی لعنت کا طوق کھے میں سجا رکھا ہے بے عمل و روبروی حکومتیں
 غیہ مسلموں کی دست نگرانی ہوئی ہیں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا محبوب ترین مشغلہ
 ہے۔ کاش کہ مسلمان اسلام اور قرآن کا مطالعہ کریں اس کے روز و رات سے واقفیت
 حاصل کریں اس کے انقلابی پروگرام کو اپنی زندگیوں کا جہاد بنالیں تو آج بھی یہ قوت مانی

سے مدثر ہوئے ہیں ان کا وقار اقوام عالم میں بن سکتا ہے۔ یہ باطل کو مرعوب و مغلوب کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اسوہ اور قرآن کے انقلابی پروگرام کو سمجھنا اور اپنے اس پر عمل کرنا شرط اول ہے۔ اس پروگرام کو سمجھانے کے لیے بزرگان دین نے بے حد و حد شمار اقتساب کوششیں کیں ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر بھی ہیں اور اپنے اپنے انداز میں قرآن کے پروگرام کو عوام الناس کے اذعان کے قریب کرنے کے لیے ظہریں اور محنتہ انداز میں تفسیریں بھی ہیں زیر نظر کتاب یعنی اسی سلسلہ کی ایک کمری ہے۔ تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی چودھویں جلد ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس جلد میں سورۃ الضحیٰ، سورۃ الشوا، سورۃ النمل، سورۃ النحل، سورۃ العنکبوت اور سورۃ الزمر، چند سورتوں کی تفسیر ہے۔ جو اپنے اندر علمی و تحقیقی جواب دہانے سموتے ہوئے ہے۔ اسلوب بیان انتہائی سہل سادہ اور پیکرگیوں کے خالی ہے۔ قاری کے لیے کھراٹیز اور سرور افزا رہن مگر یہ کہنا ہے ہاں جو کہ متقدمین و متاخرین کی تفسیر کا پچھڑا اور خدشہ ہے۔ ————— جس کے معاملہ سے الزمان جلد انیس سے ستفی ہو جاتا ہے۔ اس جلد میں بھی سابقہ جلدوں کی طرح امام ولی اللہ محدث دہلوی کے فہم و اہمیت کی چھاپہ غالب ہے اس جلد کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دروس الہیہ کی پہلی جلد بھی منظر عام پر آچکی ہے جو کہ مسند احمد کی منتخب احادیث کی تشریح ہے تفسیر معالم العرفان کی طرہ دروس اکھیت کی جلدوں کا سلسلہ بھی جسے مولانا انجمن مجاہد اشاعت قرآن کے علم دوست اور باذوق اصحاب نے عزت عوفی صاحب مذہب کے خطبات جمعہ کو بھی شائع کرنے کا یہ اہم پروگرام بنایا ہے جو کہ خطبات سوانی کے نام سے شائع ہوگا۔ جلد احباب کے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ الشرب العزیز اس پروگرام کو پائیدار تکمیل تک پہنچائے اور اس کے لیے اپنے غیب کے خزانے سے مدد فرمائے۔ صاحب دروس اور دیگر ارکان انجمن فاضل مرتبہ الحاج لعل دین صاحب، حاجی غلام حیدر صاحب، حاجی محمد انور بٹ صاحب، حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب، حاجی محمد اسلم صاحب، بلال احمد ناگی صاحب، مستری بنیر احمد صاحب انجم لطیف صاحب وغیرہ کے لیے اور انجمن کے سائنسدانوں کے کرنے والے جلد

احباب کے لیے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی پریشانیوں کو ختم فرمائے اور اُن کو اس
نیک رو پر ثابت قدم رکھے اور اُن کی اس کوشش کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے
آمین اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کے سائقہ حافظہ محمد اشرف کجراتی معلمہ مدرسۃ العلوم
نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے علم و عمل میں برکت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۹ رجب ۱۴۱۴ھ - ۱۲ جنوری ۱۹۹۴ء

سورة
الفروقان
(مكمل)

سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَفِيهَا رَكْعَتَانِ
سورة فرقان مکی ہے۔ اس کی ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ
لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ① الَّذِي لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ
وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ② وَاتَّخَذُوا مِنْ
دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا
يَمْلِكُونَ أَنْ نَنْفُسَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ
مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ③

ترجمہ:- بڑی برکت دینے والی ہے وہ ذات جس نے امارت
ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہان
دلوں کے لیے ڈرانے والا ① وہ اللہ جس کے لیے بادشاہی
ہے آسمانوں اور زمین کی۔ اور نہیں بنایا اُس نے بیٹا اور نہیں
اس کے لیے کوئی شریک بادشاہی میں۔ اور پیدا کیا اُس نے

ہ چیز کو پس اندازہ ٹھکانا ہے اس کا ٹھیک طریقہ یہ
اندازہ ٹھکانا ② اور بنایا ہے میں ان لوگوں نے اللہ کے
سوا دوسرے معبود نہیں پیدا کرتے وہ کسی ہنر کو بکھو وہ خود
پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور انہیں مالک وہ اپنی جانوں کے
اقدسان اور نفع کے۔ اور انہیں مالک وہ موت اور حیات
کے اور نہ دوبارہ زندہ کرنے کے ③

یہ سورہ

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الفرقان ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ
سے ماخوذ ہے۔ فرقان قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے قرآن کا معنی
پڑھی جانے والی کتاب جب کہ فرقان کا معنی حق و باطل میں فیصلہ کن کتاب ہے۔ اس
سورۃ میں چونکہ قرآن پاک کی عظمت و بزرگی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا بیان بھی
ہے، اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ الفرقان رکھی گیا ہے۔ اس سورۃ کی ستائیس
اور چھ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۹۲ الفاظ اور ۶۳۴۳ حروف پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ

یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ جب کہ اس سے پہلی سورۃ نور مکی مکی ان دونوں
سورتوں میں مکی اور مدنی بعد ہونے کے باوجود ان کے بعض مضامین مشترک ہیں۔ مثلاً توحید
کے دلائل، نبوت و رسالت کی صداقت اور اس پر معتزضین کے اعتدالات کا رد اور قیامت
قیامت اور محاسبہ اعمال جیسے مضامین دونوں سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے
بعد سات مزید سورتیں مکی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کے بعد سورۃ الاحزاب کا تصویق
مدنی زندگی سے ہے۔ گویا یہ مسلسل آٹھ سورتیں مکی ہیں۔ ان مکی سورتوں کے مضامین بھی آپس
میں ملتے جلتے ہیں۔

یہ سورۃ مبارکہ ہجرت سے دو یا تین سال پہلے نازل ہوئی۔ بعض مفسرین اس کا زمانہ
نزدک سورۃ الفاتحہ سے آٹھ سال پہلے متعین کرتے ہیں۔ سورۃ نسا پانچ یا چھ ہجری میں نازل
ہوئی تو اس لحاظ سے بھی اس سورۃ کا نزول ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے بتایا جاتا ہے

واللہ اعلم۔

مذہب سنی

دیگر سنی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ کے مضامین بھی زیادہ تر عقائد و تعلق رکھتے ہیں، جن میں توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و اہمیت شامل ہیں۔ یہ اسلام کا ابتدائی دعوہ تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عقائد اور اخلاق کی درستی پر زیادہ زور دیا ہے، کیونکہ اگر عقیدہ ہی درست نہ ہو تو اللہ کی بارگاہ میں کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اگرچہ تمام سنی سورتوں میں یہی بنیادی مضامین بیان ہوئے ہیں تاہم بعض سورتوں میں کسی ایک مضمون پر زور دیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری سورۃ میں دوسرے مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر نئے سخن کفار کی طرف سے رسالت پر اعتراضات کی طرف ہے جس کا اللہ نے جواب دیا ہے اس سورۃ کا ایک خاص مضمون اللہ کے بندوں کے اوصاف ہیں جو اس کے آخری رکوع میں بیان ہوئے۔

بارکات ذات
خداوندی

ارشاد ہوتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ يُّبْرِكُ مَنِيْہٖ اَلِیْسَ وَہٗ ذَاتُ
یہ الفاظ بعض سورتوں کی ابتدا میں اور بعض کے آخر میں ذکر کیے گئے ہیں اور اس
سے مراد اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ و ارفع ذات کا ذکر کر کے اُس کی بعض صفات کا تذکرہ ہوتا
ہے۔ برکت کا عام فہم معنی زیادتی ہوتا ہے، تاہم امام رازی اور تمام شارحین اس
بات پر متفق ہیں کہ ہر قسم کی زیادتی کا نام برکت نہیں بلکہ برکت ایسی زیادتی ہے
جس میں تقدس کا مفہوم پایا جائے۔ گویا جس چیز میں تعجز یا کثرت کے طور
پر اضافہ ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ چیز برکت والی ہے۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی
والدہ کی گود میں کہا تھا کہ میں اللہ کا بند ہوں، اللہ نے مجھے کتاب دی ہے کہ
بیمبا ہے، مجھے نبی بنایا ہے وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَمیر۔ ۲ اور
مجھے بارکات بنایا ہے۔ دورانِ سفر پانی ختم ہو گیا۔ تمام صحابہؓ اور جانور مشقت
میں پڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پاس پانی کا ایک پیالہ
نہ تفسیر برکت پر ۲۴۶: ۲۴۷ (فیاض)

ہو تو لے آئے، ایک پیالہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اُس پیالے میں رکھا تو انگلیوں کے نیچے سے پانی کے سونے پھوٹنے لگے۔ پانی جوش مار کر اُپر آ رہا تھا جسے تمام صحابہؓ نے پیا، اونٹوں نے پیا حتیٰ کہ سنگیزے بھر لیے گئے۔ پھر آپ نے پیالے سے ہاتھ نکالا تو وہ اسی طرح پانی سے لبالب تھا۔ مطلب یہ کہ معجزے بالکرامت طور پر یہ کسی چیز میں جو زیادتی آجاتی ہے اُسے برکت کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

تو فرمایا برکت لینے والی ذات خداوندی ہے۔ اگرچہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی عمر میں برکت عطا کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مختصر عرصہ کی عمر میں بھی زیادہ کام انجام دے لے، بعض آدمیوں کی کارکردگی پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مختصر زندگی میں اتنے بڑے بڑے کام کیسے انجام دے لیے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جب کسی کام میں برکت عطا کرتا ہے تو تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور انسان بڑے سے بڑا کام بھی انجام دے جاتا ہے۔

فرمایا برکت لینے والی ذات فقط ذات خداوندی ہے اور یہ وہی ذات کہ اَلْعَبْدُ لَہٗ تَزَلُ الْفُرْقَانِ عَلٰی عَبْدٍ جس نے فیصلہ کن کتاب یعنی قرآن پا ازل فرمایا۔ یہ کتاب اس لیے فرقان ہے کہ یہ حق و باطل جائز اور ناجائز، حلال اور حرام، صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرتی ہے۔ یہ ہر چیز کو اس طرح کفول کر بیان کرتی ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور یہ اتاری ہے اُس نے اپنے بند سے یہ اس بندہ سے مراد کامل اور اکمل بندہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے کہ کما لعبدت کی بنا پر جن کا لقب عبد ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْحَقُّ عَبْدُ اللّٰهِ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُہٗ لوگو! میں اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کے بندے اور اُس کے رسول کے نام سے ہی پکارا کرو۔ فرمایا عیسائیوں کی طرح میری ذات میں مبالغہ نہ کرنا کہ مجھے الوہیت کے درجے پر پہنچا دو اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ الغرض! عبادت تمام کمالات میں سے بلند ترین

کمال ہے جس کے ساتھ اللہ نے خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو موقوف فرمایا ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کو کتاب کو اپنے کمال بند سے پڑنا نازل فرمایا۔

نور قرآن
نعت

فرمایا، اللہ نے اس فرقان کا نزول اس لیے فرمایا ہے لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا تاکہ وہ بندہ تمام اقوام عالم کے لیے ڈرنا سے باز ہو جائے۔ لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے خوفزدہ کر دے۔ انداز و بشیر ہر نبی کے متن میں شامل ہے۔ اللہ کو ہر پیغمبر اپنی امت کے اچھے کاموں پر انہیں خوشخبری دیتا ہے اور بُرے کاموں کے انجام سے ڈراتا ہے۔ سورۃ یونس کی ابتدا میں ہے کہ کیا لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کی طرف وحی کی ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرائے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائے اِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (آیت ۲) کہ اُن کے لیے اُن کے رب کے ہاں سچائی کا پایہ ہو گا۔ اور جو کفر و شرک، نفاق اور ممانعت کا ارتکاب کریں گے اُس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی گرفت کی صورت میں نکلے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول کتاب کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے خبردار کرے۔

نور خدای

آگے فرمایا، وہ ذاتِ خداوندی وہ ہے الَّذِي لَدَا مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ جبکہ بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ ایسا پروردگار ہے وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا جس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا۔ نہ حقیقی اور نہ مجازی حقیقی بیٹا اپنے سے جنسیت میں مشابہ ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ جنسیت سے پاک ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہونا محال ہے۔ ویسے بھی خدا تعالیٰ کا فرمان ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (الرحمن - ۲) نہ اُس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے جنم لیا ہے یعنی نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی باپ، جہاں تک مجازی بیٹے

بہا تعلق ہے۔ قرآن نے عیسائیوں کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ
 الرَّحْمَنُ وَلَدًا مَبْنُوحًا (الزہار: ۲۶) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رحمان سے
 بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ وہ تو پاک ہے۔ کہتے ہیں اللہ نے مسیح علیہ السلام کو اختیارات
 تفویض کر دیے ہیں کہ وہ لوگوں کی حاجات پوری کریں۔ اللہ نے ان پر الوہیت
 کی چادر ڈال دی (استغفر اللہ) یہ سب شریک عظام ہیں جن کی اللہ سے ترویذ فرمائی ہے
 بہر حال فرما کہ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا وَلَوْ كُنْ كَذَّابًا لَآتَاكَ
 فِي السَّمَاءِ اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں اس کو کوئی شریک ہے۔ وَخَلَقَ
 كُلَّ شَيْءٍ اَسْمٰی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے فَقَدْ رَآهُ تَقَدَّسًا اور
 اُسے ایک خاص انداز سے مطابقت مقرر کیا ہے لہذا کسی چیز میں کوئی نقص
 یا عیب نہیں ہے۔ بلاشبہ جو چیز اللہ کی تقدیر سے کائنات میں ظاہر ہوگی۔
 اُس میں کوئی نقص نہیں ہوگا مگر وہ بہترین شے ہوگی۔ ہر گز کوئی مقصورہ ہے جیسا
 کہ اللہ عزالی نے کہا ہے لَيْسَ اَبَدًا مِمَّا كَانَ كَوْنًا ت میں جو چیزیں
 واقع ہوئی ہیں ان سے عمدہ کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر سے
 موصوع وجود میں آئی ہے۔ اُس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک اندازہ کر رکھا ہے
 اور ہر چیز کی تقدیر اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

اس کے وجود انسان کے نظام میں وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
 اِلٰهًا كَمَا كَانُوا اَتَمُّوْنَ نے اللہ سے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں یہ
 غیروں کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ دوسروں کی عبادت کرتے
 ہیں۔ اُن کو نافع و ضار سمجھ کر ان کی نذریں دیتے ہیں۔ کوئی فرشتوں اور جنات
 کی پوجا کرتے ہیں اور کوئی قبروں کے اولیاء اللہ سے مرادیں پوری کر دیتے ہیں۔
 گویا لوگوں نے شرک کے مختلف راستے بنائے ہیں جن کے ذریعے وہ دوسروں
 کو خدا کے منصب پر فائز کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن کے معبود جبری خواہش

کرم کے اُن کے کام کروادیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔ بعض لوگوں نے یہ باطل عقیدہ بنا رکھا ہے کہ ہم اُن کو راضی کریں گے تو اللہ ہم سے راضی ہو جائے گا۔ لہذا اُن کی نذر و نیاز کم از کم ضروری ہے۔ بعض اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ کی تلاش میں مبتے ہیں کہ ہماری توبہاں تک رسائی نہیں، درمیان میں کوئی ایسی مہتی ضروری ہے جو ہمیں وہاں تک پہنچائے۔ یہ سب کفر یا اور شرکیہ عقائد ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

صفتِ تخلیق

اللہ نے فرمایا کہ اُنہوں نے اللہ کے سوا اور کس معبود بنا رکھے ہیں؟ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وہ کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وَهُمْ يُخْلَقُونَ اور وہ تو خود خدا تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ آیت، پہلا پیدا کرنے والی مہتی اور نہ پیدا کرنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کائنات کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے۔ انسان، روح، جبریل، شیطان سب مخلوق ہیں اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ الزمر ۶۲ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ جو پیدا نہیں کر سکتے وہ الہ کیسے ہو سکتے ہیں، لہذا غیر اللہ کو معبود سمجھ کر اُن سے حاجت برداری کرنا کتنی حماقت کی بات ہے۔ مہربان یہ کہ صفتِ تخلیق بھی اللہ کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتی۔

نفع نقصان کا اختیار

فرمایا کہ اللہ کے سوا دوسروں کی حالت تو یہ ہے وَلَا يَمْلِكُونَ لَا أَنْفُسَهُمْ ضَرًا وَلَا نَفْعًا وہ تو اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں مگر لوگ پھر بھی اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا تسلیم کرتے ہیں وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وہ تو موت و حیات کے مالک بھی نہیں ہیں نہ کسی کو زندہ کی بخش سکتے ہیں اور نہ کسی کو موت دے سکتے ہیں۔ یہ اختیارات بھی اللہ وحدہ لا شریک کے پاس ہیں۔ وَلَا تَشْعُرُوا اور یہ

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ
 ہی سب کو فنا کرے گا اور پھر وہی سب کو دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب
 کے لیے اپنے سامنے لا کر کھڑا کرے گا۔ اس کے سوا اور کون سی ذات ہے
 جو یہ کام کر سکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو ذات مذکورہ امور میں سے کوئی کام بھی کرنے
 پر قدرت نہیں رکھتی، وہ اللہ کیسے ہو سکتی ہے؟ معبود برحق تو وہی ہے جو خالق
 مالک، مختار، نافع، ضار ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے نفع پہنچاتا ہے اور جس
 کو چاہتا ہے نقصان پہنچاتا ہے، وہی مشکلیں حل کرتا ہے، اُس کے علاوہ
 کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ لہذا اُس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا افْتِرَاءُ افْتَرَاهُ وَاعَانَهُ
 عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا وَزُورًا ④ وَ
 قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ
 بُكْرَةً وَأَصِيلًا ⑤ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ⑥
 وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي
 فِي الْأَسْوَاقِ ⑦ لَوْلَا نُزِّلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ
 نَذِيرٌ ⑧ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ
 يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا
 رَجُلًا مَسْحُورًا ⑨ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ
 فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ⑩

ترجمہ :- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کھڑکیا کہ نہیں ہے
 یہ (قرآن) مگر جھوٹ جس کو اس شخص نے گھڑیا ہے اور
 مدد کی ہے اس کی اس پر دوسرے لوگوں نے پس تحقیق
 لائے ہیں یہ لوگ ظلم اور جھوٹ ④ اور کہا ان لوگوں نے کہ
 یہ قصے کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی جن کو اس نے لکھ دیا ہے
 پس یہ پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے صبح اور پہچلے پہر ⑤

آپ کہ دیجئے (اے پیغمبر!) امارا ہے اس کو اُس ذات نے جو
 جانتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں میں اور زمین میں۔ بیشک
 وہ بخشنے والا مہربان ہے ⑥ اور کہا ان لوگوں نے کہ کیا
 ہے اس رسول کو یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں
 کیوں نہیں نازل کیا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ۔ پس ہوتا وہ
 اس کے ساتھ ساتھ ڈرانے والا ⑦ یا کیوں نہیں اتارا گیا اس
 کی طرف خزانہ یا کیوں نہیں اس کا باغ کہ یہ کھائے اُس میں
 سے۔ اور کہا ظلم کرنے والوں نے کہ تم نہیں پیروی کرتے
 مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے ⑧ آپ دیکھیں
 کہ کس طرح انہوں نے مثالیں بیان کی ہیں آپ کے لیے۔
 پس یہ گمراہ ہو گئے۔ پس یہ نہیں طاقت رکھتے سب سے
 راستے کی اطراف آنے کی ⑨

راہِ حیات

برکات دینے والی ذات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے جو کہ ایک
 فیصلہ کن کتاب ہے۔ اس کے نزول کی غایت یہ ہے کہ اللہ کا کامل ترین بندہ اور
 اُس کا آخری رسول اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے والا بن جائے۔ کہہ سکتے ہیں
 میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی آسمان و زمین پر محیط سلطنت کا ذکر بھی ہو۔ اللہ
 نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ حالانکہ وہ بے اختیار
 ہیں۔ نہ تو وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں اور نہ نفع نقصان کے مالک ہیں۔ یہ کس قدر
 علم و ریاضت کی بات ہے۔

قرآن پاک
 پر غور و فکر

سورۃ کے اس ابتدائی تمہیدی بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طرف سے
 قرآن پاک پر کیے جانے والے اعتراضات کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَ
 قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا كَاذِبُ لَوْ أَنَّ آلَ الْفُلْكِ لَفُتِنَتْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

محض ایک جھوٹ ہے۔ جسے اس درمحل نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے
 کفار و مشرکین کی طرف سے ایسے ہیودہ اعتراضات کہ ذکر سورۃ یونس اور بعض
 دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ وہ لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے
 لیے تیار نہیں تھے، اس لیے طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں، مثلاً ایک مقام
 پر فرمایا قُلْ اِنْ اَفْتَدَيْتُمْ فَعَلَىٰ اَجْدَا حِیْ (موجودہ ۲۵)
 اے پیغمبر! آپ ان کو بتادیں کہ اگر تمھارے بقول اس قرآن پاک کو میں نے
 لٹا ہے تو پھر اس کا گناہ بھی مجھے پہنچے ہی ہوگا۔ اس کا ذمہ دار میں ہوں گا، البتہ تم
 اپنی فحشہ کردہ کہ تم کیا کرتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم اس قرآن کو سن گھر ٹرت
 کتے ہو فَاْتُوا بِسُودَةٍ مِّثْلِهِ (یونس - ۲۸) تم اس جیسی ایک
 سورۃ تو بنا کر لاؤ۔ پھر تہ چل جانے کا کہ کیا واقعی یہ انسان کا کلام ہے یا حقیقت
 میں خدا تعالیٰ کا کلام ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ
 کی صفت ہے جسے اُس نے اپنے علم اور شیت کے ساتھ نازل فرمایا ہے
 اِنَّا كُنْزُیْ هُوْلٰی بِنَادِلٰی بَات كُوْكُتْ هِیْ كَسٰی پَر جھوٹ کہ طومار باندھ دیا
 گیا ہو۔ پھلی سورۃ نور میں واقعہ انک گزرجھکا ہے جس میں منافقوں نے حضرت
 عائشہؓ پر افتراء باندھا تھا اور پھر اس کی خوب تفسیر بھی کی تھی۔ اسی طرح قرآن پاک
 کے متعلق بھی یہ لوگ کہتے تھے کہ محض جھوٹ ہے۔ من گھڑت ہے۔ اس
 کو وضع کرنے میں ذاعانت علیہ قوم الخرون بعض یوڈی
 لوگوں نے اللہ کے نبی کی مدد کی ہے۔ اس کو بعض اوقات یوڈی و نصاریٰ کی
 طرف منسوب کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام اُن سے مل کر یہ باتیں کہتے ہیں
 کیونکہ اُن کے پاس پرانی کتابوں کا کچھ علم موجود تھا بعض اس کو اپنی اپنی رومی
 اور بعض قدیم عراقی زبان بولنے والے غلاموں کی طرف منسوب کرتے تھے۔
 کہ یہ لوگ اللہ کے نبی کو کچھ باتیں بتاتے ہیں جنہیں آپ قرآن بنا کر پیش کرتے
 معالہ التامیل مکتبہ (نیواں)

ہیتے ہیں۔ جبر ایسا، عارس وغیرہ بعض غلام تھے مگر وہ تو بیچارے عربی زبان سے ہی ناواقف تھے، ان سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فصیح و بلیغ عربی میں ایسا کلام پیش کر دیں جس کی نظیر عربی زبان کے بڑے بڑے شاعر اور ادیب بھی نہ پیش کر سکیں۔ فرمایا ان لوگوں کا اعتراض بالکل لغو ہے حقیقت میں فَقَدْ جَاءَ وَظُلْمًا وَزُورًا یہ مشرک لوگ بہت بڑا ظلم اور جھوٹ لانے میں جو قرآن کو خود ساختہ کلام کہتے ہیں یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں جو ہر طرح جھوٹ بول رہے ہیں۔

پھر فرمایا، وَدِیہ بھی کہتے ہیں وَقَالُوا اسَاطِیْرُ الْاَوَّلٰیْنَ کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اِکْتَتٰہَا جہنیں میں شخص نے لکھ لیا ہے اور پھر ہمیں سنا رہا ہے۔ ظالم مشرک حضور علیہ السلام سے کہتے کہ تم ہمیں اقوامِ عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہو، آؤ ہم تمہیں ایران کے بہمنہ اور اسفندیار کے افسانے سناتے ہیں، وہ تمہارے افسانوں سے بھی بلجسپ ہیں (العیاذ باللہ) ہر حال انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے واقعات ہیں فَہِی تَمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃٌ وَّاصِیْلًا جو اس شخص پر صبح و شام پڑھے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ انہیں وحی الہی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

اللہ کی طرف سے جواب

اس پر وہ اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ قرآن پاک نہ عربوں کا بنایا ہوا ہے اور نہ عجمیوں کا وضع کردہ ہے بلکہ اَنْزَلْنٰہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ تو اس ذاتِ پاک کا نازل کردہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ذہنیت کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو لوگوں کی تہذیب و تربیت کے لیے ضروری ہیں، دوسری جگہ فرمایا نَزَّلَ الْکِتٰبَ صَحٰیۃً مَّعَہُ التَّزْوِیْلِ صَیۡۃً وَّتَفْسِیۡطِیۡۃً صَیۡۃً ۱۸ فیاض،

بَشَرًا وَاحِدًا نَذِيعَةً الْقَمَرِ ۱۲۲) کیا ہم اپنے نبی سے ایک
 بشر کی اتباع کریں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بارے میں بھی کافر و شرک ہی کہتے تھے کہ یہ تو ہمارا چنانچہ انسان ہے نہ
 اس کو کیسے رسول تسلیم کریں۔ اگر اللہ کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو وہ کوئی فرشتہ
 ہوتا جو نہ کھاتا پیتا، نہ اس کے بیوی بچے ہوتے اور نہ دیکھنے والی لوانیات اس میں
 پائے جاتے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء میں اپنے جانے
 والے لوازمات بشری ہی ان کی اقوام کے لیے پروردگار کے۔ انہوں نے اسے
 خلاف نبوت سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ انسانوں کی اصلاح
 مطلوب تھی، اس لیے اللہ نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ ستمیوں اللہ
 نے قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے وسیع پیمانے پر بیان فرمایا ہے۔
 اگر اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا کر زمین پر بھیج دیتا تو عامہ انسان اس سے
 کیسے متغیب ہو سکتے تھے؟ انسان کسی غیر نبی سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔
 اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے انسانوں کی ہدایت کے لیے جن نعمات کو منتخب
 فرماتا ہے، ان کو امتیاز بخشتا ہے۔ وہ معصوم عن الجحلا اور اخلاقی لحاظ سے
 بہت بلند ہوتے ہیں۔ وہ لوگ امت کے لیے بطور نمونہ ہوتے ہیں، مگر
 ہوتے انسان ہی ہیں۔ ان میں تمام لوازمات بشری پائے جاتے ہیں۔ عامہ الناس
 کی طرح انہیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے، وہ مٹی کھاتے پیتے ہیں۔ ان پر بیماری
 اور مند سنی بھی آتی ہے ان کے بیوی بچے بھی ہوتے ہیں اور یہ چیزیں منصب
 نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام
 کے جسم مبارک کو ہاتھ سے چھو کر کہا کہ حضور! آپ کو تو شہید بنجا رہے۔ آپ
 علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نسبت مجھے رگنا بنجا آتا ہے۔ ابن مسعودؓ نے
 لے انہوں نے کہیں لے لیا۔ (نیاض)

عرض کیا حضور! پھر آپ کو اجر بھی تو بڑا ملنا ہے فرمایا، یہ بھی درست ہے۔
 غرضیکہ پیغمبر دوسرے لوگوں کی طرح زخمی بھی ہوتا ہے، وہ ہنسا اور روتا بھی ہے
 اس کی بیوی بھی ہوتی ہے کسی کی صرف بیچیاں اور کسی کے صرف بچے اور کسی
 کے بچے اور بیچیاں دونوں ہوتے ہیں۔ اور وہ نوع انسانی سے خارج نہیں ہوتے
 علم کلام کی کتابوں میں نبی کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ يُرِىءُ آيَاتِهِ**
لِقَوْمِهِمْ لَعَنَهُ اللَّهُ لِمَنْ يَلْبِغْ مَا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيْهِ نبی ایک انسان
 ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے جو اس
 کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ نوع انسانی کو ایک انسان ہی ہدایت
 دے سکتا ہے۔ انسان کسی غیر جنس سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

تمام انبیاء و رسل میں انسانی لوازمات ہونے کے باوجود عام انسانوں پر انہیں
 دینی اور اخلاقی اعتبار سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ نبی عام انسانوں کی نسبت مقدم
 ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اُسے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُس سے کوئی
 گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جاتا۔ البتہ صحابہ کرامؓ اولیاء اور علمائے گناہ سے محفوظ
 ہوتے ہیں معصوم نہیں ہوتے۔ پھر وحی الہی سب سے بڑا اعزاز ہے جو انبیاء کو
 حاصل ہوتا ہے۔ کسی غیر نبی پر وحی نہیں آتی۔ انبیاء میں کامل درجے کی عبودیت
 ہوتی ہے۔ وہ کمال درجے کے عبادت گزار اور کمال اخلاص کے مالک ہوتے
 ہیں۔ اُن کے اعمال میں بڑا وزن ہوتا ہے، البتہ ہوتے انسان ہی ہیں، اُن
 پر بھی زندگی اور موت اسی طرح وارد ہوتی ہے۔ جیسے دوسرے انسانوں پر ہوتی ہے
 عیدائیوں نے مسیح علیہ السلام کو اس لیے خدا کا بیٹا کہہ دیا کہ آپ کا باپ
 نہیں ہے۔ اگر عقیدہ انبیت کا یہی معیار ہے تو پیغمبرِ آدم علیہ السلام کے
 متعلق آیا عقیدہ کیوں نہیں رکھتے جن کا نہ باپ ہے اور نہ ماں ہے ابراہیم
 علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عیسائی بھی انسان مانتے ہیں مگر مسیح علیہ السلام کو الوہیت
 کا درجہ دینے کے لیے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ یہ کتنی زیادتی کی بات ہے، وہ اللہ

ی کی امتیازی
 بشریت

کے بندے اور انسان تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق جس طریقے سے چاہا اُن کو پیدا فرمادیا۔

بازاروں
میں جانا

مشرکوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بازاروں میں جانا پھرنا عیب ہے، اسی لیے تو وہ بازاروں میں جانے والے رسول کو رسول ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوا سلف لانے یا کسی اور اچھے کام کے لیے بازار میں جانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ تاہم یہ بات درست ہے کہ مساجد کی فضیلت بازاروں کے مقابلے میں تو اپنی جگہ ملے۔ مسجدوں میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے، انہیں عبادتِ ستھیرہ کھا جاتا ہے۔ جب کہ بازاروں میں بعض اوقات دھوکہ، فریب وعدہ خلافی، ماپ تول میں کمی بیشی کے واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم جانے کا کام کے لیے بازار جانا ممنوع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے شاگرد سے فرمایا، چلو بازار چلیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے کوئی سوا سلف تو فرمایا نہیں، پھر وہاں جانے کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا، بیوقوف! ہم بازار جاکر لوگوں کو سلام کرتے ہیں تو ہمیں نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں تو حاصل ہو گئیں، چلو چلتے ہیں۔ واپس آکر پھر درس و تدریس میں مصروف ہو جائیں گے، غرضیکہ نیک کام کے لیے بازار جانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ البتہ بلا ضرورت یا کسی غلط مقصد کے لیے بازار جانا یقیناً گناہ کا باعث ہوگا۔ اور غلط کام اگر مسجد میں بھی کرے گا تو وہ غلط ہی ہوگا۔ بلکہ بازار کی نسبت دگن گناہ لازم آئے گا۔

معتزین کا
تصورِ رسالت

کفار و مشرکین نبی کی نبوت و رسالت پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ لَا
أُنْزِلَ لَیْہِ مَلٰئِکَۃٌ فِیْکُوْنُ مَعًا یَذِیْرُوْنَ اَللّٰہُ کے نبی کے
ساتھ ایک فرشتہ کیوں نہیں اترا جو ہمیشہ اُس کے ساتھ ہے اور لوگوں کو
بتائے کہ یہ اللہ کا رسول ہے۔ نیز وہ لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرائے
اس اعتراض کا جواب اللہ نے سورۃ الانعام میں دیا ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ

حَدِثٌ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ إِلَّا نَعْمَ - ۱۲۵۔ وہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھ دیا ہے۔ وہ انسانوں کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہی منصب رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے۔ نبوت و رسالت کسی کو خواہش اور کوشش سے نہیں ملتی، بلکہ یہ تو اللہ کی مہربانی ہوتی ہے۔ فرمایا اگر وہ ان کی خواہش کے مطابق ہم کسی فرشتے کو نبی بنا دیتے تو اس کی دو ہی صورتیں ہوتیں۔ یا تو فرشتہ انسانی شکل میں آتا یا اپنی مثالی شکل میں۔ اگر وہ انسانی شکل میں آتا تو پھر ہی وہی عکس ہوگا کہ یہ انسان سب سے ہم اس کی پیروی کیوں کریں؟ اور اگر فرشتہ اپنی اصل شکل میں نازل ہوتا تو انسان اس کی تاب نہ لا سکتے اور فوراً ہلاک ہو جاتے۔ لہذا انسانوں کا فرشتوں سے استفادہ ہونا کسی طور پر ممکن نہیں۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے انسان کا رسول ہونا ہی قابل عمل ہے۔

کفار و مشرکین کہتے تھے کہ اگر نبی کے ساتھ فرشتہ نازل نہیں ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ اَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَتْرٌ دُ اُس پر کوئی خزانہ اتارا جاتا اللہ کا رسول مالدار آدمی ہوتا، اُس کے نوکر چاکرہ جتے، عالیشان مکان ہوتا تو پھر بھی ہم سمجھتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے۔ مکے والوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم اس یتیم کو کیسے نبی تسلیم کر لیں۔ اگر وحی کا نزول مکے یا طائف کے کسی بڑے سردار پر ہوتا تو ہم مان بھی لیتے۔ کہتے اَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّتٌ يَأْكُلُ مِنْهَا يَاس اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا پیتا۔ پھر بھی ہم کہتے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے، وحی کا نزول اس پر ممکن ہے۔ مگر نبوت کے اس دعویدار کے پاس تو کچھ بھی نہیں، لہذا ہم اس کی رسالت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اس کے برعکس وَقَالَ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ مَقْصُورًا اِنْ ظَالَمَ لُكُوفُ نَسے کہا کہ تم تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو۔ اس پر توجہ دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ بھی ہوئی کہ اسے دعوہ ہائے اس کے حواس درست نہیں ہیں۔ تم اس کے پیچھے کیسے لگ رہے ہو؟ اس قسم

کی بیودہ باتوں کے ذریعے منصب رسالت پر اعتراض کرتے تھے۔

معتز غنبن
کی گمراہی

اللہ نے فرمایا اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ لِيُثْبِتُوا بِآپ
دیکھیں کہ ان بد نختوں نے آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہ لوگ اپنے
باطل عقائد کی وجہ سے فَضَلُوا اَگمراہ ہو چکے ہیں۔ اور گمراہی میں اس قدر دور
جا پڑے ہیں فَلَا دِيَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا کہ راہ راست پر چلنے کی صلاحیت
سے ہی محروم ہو چکے ہیں۔ یہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا
گویا بشریت منصب نبوت کے منافی ہے۔ یہ بد نصیب لوگ نہیں دیکھتے
کہ اللہ نے اپنے نبی کو کتنا کمال اور شرف بخشا ہے، اس کا اخلاق کتنا پاکیزہ ہے
اور اس کا کردار کتنا بلند ہے۔ نبی کے اخلاق و کردار پر مخالف ترین آدمی بھی کبھی
انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ لوگ دنیا کے مال و دولت کو لازمہ نبوت سمجھ رہے ہیں
جو کہ بالکل غلط اور گمراہی کا باعث ہے۔

آج بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہدایت کو مال و دولت کے پیمانے
سے مپتے ہیں۔ یہی دولت مندی ہے جو انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہے
اللہ کے رسول نے فرمایا بَدَا اِلَّا سَلَامٌ غَرِيبًا وَسَيَعُوْذُ كَمَا
بَدَا دین اسلام کی ابتدا غریب سے ہوئی اور آخر میں بھی یہ غریب طبقے میں
نمٹ کر رہ جائے گا۔ اکثر نچلے اور درمیانے طبقے کے لوگ ہی ہدایت قبول کرتے
ہیں اور دنیاوی اعتبار سے اعلیٰ درجے کے لوگ کم ہی اس طرف آتے ہیں
البتہ جب مجبور ہو جائیں تو پھر ان کا دین کی طرف آنا ممکن ہو جاتا ہے ابوسفیانؑ
کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ بیس سال تک مسلمانوں کے خلاف ورز مانی
کرتے تھے فتح مکہ پر جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو اسلام تسلیم کر لیا۔
تاہم بعد میں ان کی حالت بہت اچھی ہو گئی اور نبی کے ساتھ کمال درجے کی
محبت کا ثبوت دیا۔

تَبْرَكَ الَّذِيْ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ
 جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ
 قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَبَ
 بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ
 سَمِعُوْا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَا الْاُقُُوْرُ مِنْهَا
 مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْهُنَّ اِلَآ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوْ
 الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَاَدْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ
 ذَٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ
 كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ
 خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۝۱۶

منجھد۔ بڑی برکت دینے والی ہے وہ ذات اگر چاہے
 تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے باغات جن کے
 سامنے نہریں بہتی ہوں، اور بنا دے آپ کے لیے محلات ۱۰
 بلکہ بھڑایا ہے ان لوگوں نے قیامت کو، اور تیار کی ہے
 ہم نے اس شخص کے لیے جس نے جھڑپا قیامت کو
 بھڑکتی ہوئی آگ ۱۱ جب وہ (دوزخ) لیتے ہیں ان کو دور
 جگہ سے ترسین گئے اس کے ہے جہنم دور دور ۱۲

جب وہ ڈالے جائیں گے اس کی کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے تو پکاریں گے وہاں پر ہرکت کو (۱۳) رکھا جائے گا۔
 مت پکارو آج کے دن ایک ہرکت کو، بلکہ پکارو بہت سی ہرکتوں کو (۱۴) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے یہ اُن کا بدلہ ہوگا اور لوٹ کر جانے کی جگہ (۱۵) اُن کے لیے اُن باغات میں ہوگا جو چاہیں گے، اور ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ہے یہ تیرے پروردگار پر وعدہ صلب کیا ہوا (۱۶)

گزشتہ آیات میں کفار و مشرکین کی طرف سے قرآن پاک کی تحدیث کے متعلق اعتراض تھا کہ یہ خود ساختہ بت اور پاپے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں بلکہ خدا نے عیسیٰ و نبیہ کا نازل کردہ ہے۔ اُن کو دوسرا اعتراض رسالت پر تھا کہ یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے تھا جو اس کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈلاتا۔ نیز یہ ہے کہ پیغمبر کے خزانے اور باغات ہونے چاہئیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ لوازمات بشریت رسالت و نبوت کے مانع نہیں ہیں۔ رسول بھی انسان ہی ہوتا ہے جو کھاتا پیتا اور تمام بشری تقاضے پورے کرتا ہے۔ البتہ وہ معصوم عن افظا اور تمام امت سے افضل ہوتا ہے۔ نبی کی مالی کمزوری بھی نبوت کے منافی نہیں ہوتی کیونکہ مال و دولت رسالت کا لازمی جزو نہیں ہے۔ اب آج کے درس میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا کا مال و متاع اور باغات و محلات بھی عطا کر سکتا ہے۔ مگر متقیوں کو آخرت میں مہلے والے انعامات دنیا کے لوازمات سے بہت بہتر اور دائمی ہوں گے۔

ارشاد مولا ہے تَبْلُوكَ الَّذِي نَبِيٌّ بَرٌّ نَبِيٌّ دَالِيٌّ هُوَ ذَاتُ نِعَالٍ
 اِسْتَشَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ اَلَا اَنْتَ تَدْرِي مَا هُوَ
 تو بنائے آپ کے لیے اس سے بہتر مطلب یہ کہ کافر اور شرک لوگ تو آپ کے
 لیے باغات، اکو بھی، خزانہ اور نوکر بنا کر کام طلب کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو
 ان چیزوں سے کہیں زیادہ آپ کو عطا کرنے پر قادر ہے۔ فَرَمَا جَنَّتِ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا اَلْأَنْهَارُ وَفِيهَا بَنَاتٌ غَايَاتٌ كَمِثْلِ
 جن کے سامنے نہریں جتنی ہوں۔ صرف باغات ہی نہیں بلکہ جتنی جنتیں
 قصور، وہ آپ کو من پسند محلات بھی عطا کر سکتا ہے۔ اُس کے خزانے
 میں کوئی کمی نہیں۔ وہ نہ صرف جنت میں عالیشان محل دے گا۔ بلکہ اس دنیا میں
 بھی عطا کرنے پر قادر ہے۔ معترضین کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ نبی کے
 پاس مال و دولت، زر و جواہر، باغات اور مکانات ہونے چاہئیں۔ نبوت و
 رسالت کے لیے یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں یہ تو انسانی چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ
 جسے چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق عطا کرے گا۔ نبی کے لیے تو علم و
 عصمت، پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق و اطوار کی ضرورت ہے جو اسے اس دنیا
 میں میسر آتے ہیں۔ تاہم اللہ کے نبی دنیا میں منساب و مکالیف برداشت
 کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور آخرت میں بہتر اجر کے امیدوار
 ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں امام احمد اور امام ترمذی نے ابوالامرہ سے
 روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیش کش کی
 ان يجعل لحب بطحله مكة ذهباً کہ اگر میں چاہوں تو میرے
 لیے مکہ کی پتھر ملی زمین سونے کی بادی بن جائے۔ میں نے اس پیش کش کے
 جواب میں عرض کیا، پروردگار! مجھے اس چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں
 تو یہ چاہتا ہوں اَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا میں ایک دن پیٹ
 بھر کر کھائوں تو دوسرے دن بھوکا رہوں۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نہیں یہ سچا ہی اسے ہیں ہمیں امام عبوی سے عمل لیا ہے کہ جب
 میں بمو کا ہوں گا قَضَرْتُ الْيَدَ تَوْتِيرَ سِلْسِلَةِ كُرْطَاوُنْ كَا اور
 جب پیٹ بھرا ہوا ہو گا حَمْدُكَ وَشُكْرُكَ تَوْتِيرُ تَعْرِيفِ بِيَانِ
 کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔ بہر حال مجھے رنیا کے ان فرائض اور مالِ متاع
 کی ضرورت نہیں۔

حضور علیہ السلام
 کی انہی ہی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک موقع
 پر ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا کہ پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور
 ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں اِنَّ رَشِيْدَتَ نَبِيٍّ اَعْبَدَا اَوْ رَشِيْدَتِ
 نَبِيٍّ مَلِكًا یعنی اگر آپ یا ہیں تو نبی اور اللہ کے عبادت گزار بن جائیں
 یا چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ پاس ہی جبریل علیہ السلام بھی کھڑے
 تھے، انہوں نے مجھے اشائے سے لیا کہ آپ تواضع والی بات پسند کریں
 چنانچہ میں نے اُس فرشتے سے کہا کہ میں نبوت اور عبدیت کا طلبگار ہوں
 مجھے بادشاہت کی ضرورت نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کھانا تناول فرماتے تھے تو نہایت عافری
 کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ آپ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ آج کل کے
 طریقے کے مطابق نہ کبھی میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور نہ کھڑے ہو کر بلا اشاری
 کے ساتھ بیٹھ کر۔ آپ نے فرمایا اَكُلْ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ میں تو اس طرح
 کھانا کھاتا ہوں جس طرح اللہ کا کوئی بندہ کھانا کھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی موت
 میں آتا ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک پر چٹانی کے نشان دیکھے
 تو آبدیدہ ہو کر عرض کیا حضور! قیصر و کسری کے بڑے بڑے نافرمان تو عیش و
 عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں جب کہ آپ اللہ کے برگزیدہ رسول ہو کر
 عسرت کا وقت گزار رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے پُر جوش انداز میں فرمایا
 اِفْ هَذَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِنَّ ابْنَ خَطَّابٍ (عمرؓ) آپ
 لے معلم التنبید ص ۶۶ وخازن ص ۶۶ (فیاض)

اس قسم کے تصورات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان آرام پسند لوگوں کی حالت تو یہ ہے عَجَلَتْ لَهَا طَبِيبَتْ فِي حَيَاةِ الدُّنْيَا ان کو ساری بے لایاں اور عیش و آرام دنیا میں ہی سے دیا گیا ہے جب کہ آخرت میں یہ لوگ تہی دامن ہوں گے۔ تو کیا انھیں یہ بات پسند نہیں کہ ہم اہل ایمان کو بہتری کی ساری چیزیں آخرت میں نصیب ہوں اور یہ لوگ وہاں محروم رہیں؟ آخرت میں ان لوگوں کے پاس کفر و شرک اور معاصی کے پلندوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ کو بعد میں اللہ نے بے مال و دولت بھی دیا مگر وہ ہمیشہ اس خیال میں متفکر رہتے تھے کہ ہمیں آخرت کے ہمارے اجر میں کمی نہ آجائے۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کثیر المال صحابی تھے اور بڑے فیاض بھی تھے۔ ایک موقع پر آپ کے سامنے بہترین گوشت کے ساتھ کھانا آیا تو دیکھ کر منہ لگے حتیٰ کہ آپ کے کھانا ہی نہ کھایا گیا۔ کہتے تھے کہ اتنی اچھی نعمتیں کھالوں تو قیامت والے دن خدا تعالیٰ کہیں یہ نہ کہے کہ میں نے تمہیں ساری نعمتیں دنیا میں ہی دے دی تھیں اور اس طرح میں آخرت کے اجر سے محروم نہ رہ جاؤں۔

وقوع قیامت
کی تحذیر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ کفار و مشرکین آپ کی کسی کمزوری یا خامی کی وجہ سے تکذیب رسالت نہیں کرتے بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ بکہ درحقیقت انہوں نے وقوع قیامت کو جھٹلایا ہے جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے وہ اس ذمہ داری سے قطعاً محروم ہوتا ہے، کفر و شرک کی بنیاد عام طور پر احساس ذمہ داری سے محرومی ہوتی ہے۔ جب کسی شخص کو یہ وہم ہو جائے کہ اُس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی حساب کتاب کی منزل ہوگی۔ اور نہ جنت و دوزخ کا کوئی تصور ہے تو پھر انسان چھوٹ جاتا ہے۔ وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتا بلکہ جو چاہے آزادی کے ساتھ کرتا رہتا ہے، نہ اُسے اپنے کسی قول کا خیال

آتا ہے اور نہ کسی عمل کی ذمہ داری کی طرف دھیان جاتا ہے۔ فرمایا ایسے مارے
 پر آزاد لوگوں کے لیے وَأَعْتَدْنَا لَمَنْ كَذَبَ بِالسَّاعَةِ
سَعِيرٌ جنہوں نے قیامت کا انکار کیا۔ بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے
 قیامت کے دن اُن کا یہی ٹھکانا ہوگا۔ جس قیامت کی تہذیب کر سکتا
 وہ ان کے لیے ابی سمر کا موجب بن جائے گی۔

روزِ رنج
 کی تیغ رچا

فرمایا إِذَا رَأَوْهُمْ مِّنْ مَّحْكَانٍ بعید جب وہ روزِ رنج
 ان کو دُور سے دیکھے گی سَمِعُوا إِلَہَا تَغِیْظُ وَزَفِیْرٌ تو یہ لوگ
 اُس کے جوش اور چلانے کی آواز کو سنیں گے۔ یہ اتنی سخت اور غضبناک آواز
 ہوگی کہ دور سے ہی ناقابل برداشت ہوگی۔ روزِ رنج کے جوش اور غیظ و غضب
 کے متعلق ابو دائلؓ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے
 کہیں جاتا ہے تھے۔ ایک بزرگ صحابی ربیعؓ بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں لوہار
 کی دکان آئی۔ جہاں لوہا آگ میں تپایا جا رہا تھا۔ اُس بھٹی کو دیکھ کر حضرت
 ربیعؓ کا حال تو خراب ہو گیا۔ عذاب الہی کا نقشہ آنکھوں میں گھسوم گیا۔ اور
 قریب تھا کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ پھر آگے نہر کے کنارے پر ایک
 آتشیں بھٹی کو جوش مالتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کی زبان سے یہ
 آیت نکلی إِذَا رَأَوْهُمْ تَغِیْظُ وَزَفِیْرٌ پھر آپ نے پیٹ
 کر دھجیا تو حضرت ربیعؓ پر غشی طاری ہو چکی تھی۔ وہ اس خیال میں متفرق ہو گئے
 کہ جب دنیا کی اس بھٹی کا یہ جوش و خروش ہے تو جہنم کا جوش و خروش کس قدر
 تند و تیز ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ دو پہر تک حضرت ربیعؓ کے پاس بیٹھے اُن
 کو ہوش میں لانے کا چارہ کرتے رہے مگر وہ ہوش میں نہ آئے اور اسی حالت
 میں ختم ہو گئے۔

فرمایا وَإِذَا الْقَوَا مِنْہَا مَكَانًا ضِیقًا مَّقْرَبِیْنِ

جب روزِ رنج میں کسی تنگ جگہ میں مجھے سے ہوتے ڈالے جائیں گے
 نے نفسی معاوضہ کیا۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ (جانی)

دَعُوا هَٰذَا لَكُمْ شَبُورًا تَوَاسُّوْا وَقْتِ بِلَاكَتِكُمْ يَكَا رِيں گے اور کہیں گے
 ہائے! ہماری ہلاکت و تباہی بسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ اہلبیس کو
 دوزخ کی آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ وہ اس لباس کو اپنے سر پر رکھ کر چیخ و
 پکار کرہ گئے۔ اور ملے ہلاکت، ہائے ہلاکت کہتا ہوا دوڑے گا۔ اس کے
 ساتھ اس کے ماننے والے بھی ہلاکت و تباہی کو پکاریں گے۔ پھر اُدھر سے
 جواب آئے گا اَلَا تَدْعُوْا الْيَوْمَ شَبُورًا قٰلِحِدًا اَنِّ حَرَفَ اِيك
 ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ وَاذْعُوْا شَبُورًا كَثِيْرًا بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ آج
 تمہیں براہ عملی کی علیحدہ علیحدہ سزا ملے گی، لہذا تم پر بہت سی بلائیں آئیں گی، ان
 سب کو پکارو اور کسی ایک پر اکتفا نہ کرو۔

دوزخ میں تنگ جگہ میں ڈالنے کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے
 کہ دوزخیوں کو کسی تنگ و تاریک مقام پر اس طرح ٹھونس دیا جائے گا جس طرح
 کسی پتھر میں کیل ٹھونک دیا جائے۔ اس کے علاوہ حشر کے دن کی تنگی بھی ہو
 گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دُعَا میں کھایا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ
 بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اے اللہ!
 میں تیری ذات کے ساتھ دنیا اور قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ چاہتا
 ہوں۔ حشر کی تنگی کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ لوگوں کو پاؤں ٹکمانے کی جگہ
 بھی میسر نہیں آئے گی۔ اوپر سے گرمی اور پینہ ہوگا۔ اور پھر دوزخ کی تنگی کا تو
 کیا کہنا۔

متقیوں کے
 لیے انعامات

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اَزْلِكْ خَيْرًا کیا یہ بات
 بہتر ہے کہ انسان بنیم کی تنگ و تاریک جگہوں میں جکڑ دیا جائے؟ اَمْ جَنَّةُ
 الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ یا ہمیشہ کا باغ بہتر ہے جس کا وعدہ
 متقیوں سے کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والے اور کفر و شرک
 اور معاصی سے بچنے والے لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں اپنی

لے منہ احمدیہ دینا۔ یہ اکثر صحیح و معتدل التذلیل میں مذکور ہے۔ ہمارا اردو صحیفہ (فیض)

رحمت کے مقام جنت میں پہنچائے گا۔ اور پھر اُن کا بدلہ بھی یہ بتلایا کانت
 لَهُمْ جَزَاءٌ وَاصِيَةٌ اور یہی اُن کا بدلہ اور لوٹ کر جانے کی جگہ
 ہوگی۔ لَهِمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ وہاں اُن کے لیے ہر وہ شے ہوگی جسے
 وہ چاہیں گے۔ وہاں اپنی من مانی سزا دیں پائیں گے۔ اور یہ نعمتیں عارضی نہیں
 ہوں گی اور نہ ختم ہو جانے والی ہوں گی خَالِدُونَ جنتی لوگ ہمیشہ جنت
 میں رہیں گے اور ان کے انعامات بھی لازوال ہوں گے۔ وہاں سے نکلنے
 یا کسی نعمت کے ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا پھر فرمایا كَانَ عَلَى
 رَبِّكَ وَعْدٌ مَسْئُورًا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ یہ
 وعدہ اپنے ذمے لے رکھا ہے جو کہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ
 اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت کے مقام جنت میں ضرور پہنچائے گا۔
 بہ مال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دونوں مقامات کا ذکر کر دیا ہے۔
 قیمت کے منکرین کے لیے دوزخ کی تنگ ترین داویاں ہوں گی اور ان کے
 لیے عسکر کئی ہونی آگ کا عذاب ہوگا۔ اس کے برخلاف یقین کے لیے ہمیشہ رہنے
 کے بانعات ہوں گے جہاں انہیں خواہش کے مطابق ہر چیز میسر ہوگی۔ وہ وہاں
 ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلے جائیں گے اور نہ کسی نعمت
 میں کمی آئے گی۔ اللہ نے انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو ان دونوں مقامات
 میں سے کون سا مقام بہتر ہے اور تم کسی کو پسند کرتے ہو؟ اب یہ تمہاری مرضی ہے
 کہ اپنے عقیدے اور عمل کی بنا پر جو اس مقام چاہو منتخب کر لو۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلُّتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِيلَ ①۷ قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي
لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ
مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا
قَوْمًا بُورًا ①۸ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا
تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِمُ مِّنْكُمْ
نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ①۹ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ
الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ
فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً
تُصْبِرُونَ، وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ②۰

ترجمہ :- اور جس دن وہ (اللہ تعالیٰ) اکٹھا کرے گا ان کو اور
ان کو جن کی یہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، پس فرمائے گا ،
کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا یہ خود رستے سے
گمراہ ہو گئے ①۷ وہ کہیں گے ، پاک ہے تیری ذات ، نہیں
وہ حق ہمارے کہ ہم بنائیں تیرے سوا کسی کو کارساز ، لیکن تو
نے ان کو فائدہ پہنچایا اور ان کے آباؤ اجداد کو بیاں ہم کہ

یہ تیری یاد کو بھول گئے، اور تھے یہ لوگ ہلاک ہوئے (۱۸) پس بیشک انہوں نے جھٹلایا تم کو جو کچھ تم کہتے تھے۔
 یہ نہیں طاقت رکھتے تم اپنے آپ سے تکلیف کو ہٹانے
 اور نہ مدد کی۔ اور جو ظلم کرے گا تم میں سے، ہم پکھلیں
 گے اُس کو بڑا عذاب (۱۹) اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے
 پہلے رسول مگر یہ کہ وہ البتہ کھانا کھاتے تھے، اور چلتے تھے
 بازاروں میں، اور بنایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے
 لیے آزمائش، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور تیرا پروردگار سب
 کچھ دیکھتا ہے (۲۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے بطور وحی منزل من اللہ ہونے کا
 ذکر کیا۔ اُس سے پہلے توحید کا بیان ہوا۔ رسالت کے باب میں اُن موعظین کے اعتراف
 کا جواب دیا جو کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے
 اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جو اُس کی تصدیق کرے۔ اس رسول کے پاس خزانے
 اور باغات کیوں نہیں، بعض بد بخت آدمی رسول کو سوزدہ کہنے سے بھی نہ چوکتے۔ اللہ
 نے ان تمام اعترافات کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو اپنے نبی کو موعظین کی فرمائش
 سے بڑھ کر بھی عطا کر دے۔ مگر ان لوگوں کا اعتراف محض اس وجہ سے ہے کہ یہ قیامت
 کے منکر ہیں اور جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے وہ ایمان کے باقی اجزاء کا بھی منکر ہوتا
 ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کے دن کی سختی اور تلخی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی کہ منکرین توحید، رسالت
 اور وحی الہی کا اُس دن بہت بُرا حال ہوگا۔

اب آج کی ابتدائی آیات میں قیامت کے دن خود ساختہ معبودان اور ان کے
 متبعین سے سوال و جواب کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ
 وَمَا یَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور اللہ کے

اور ان کے خود ساختہ معبود سب میدانِ محشر میں جمع کیے جائیں گے۔ اللہ کے
سوا معبودوں میں انبیاء، اولیاء، فرشتے اور جنات بھی ہوں گے۔ تو اُس وقت
اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا فَيَقُولُ اور کسے گاء أَنْتُمْ أَضَلُّتُمْ
عِبَادِي هَؤُلَاءِ کیا دنیا میں تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا۔ یہ لوگ تمہاری
پرستش کرتے تھے، کیا تم نے اپنی پوجا کا حکم دیا تھا۔ اور انہیں شرک میں مبتلا
کیا تھا؟ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ یا۔ لوگ از خود راہِ راست سے جھٹک
گئے تھے۔ سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست س قسم کے
سوال کا ذکر بھی آتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ
دُونِ اللَّهِ (آیت - ۱۱۶) اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے
سوال کریں گے کہ کیا تو نے ان لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے
سوا معبود بنا لو۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام نہایت عاجزی کے ساتھ جواب دیں گے
کہ پروردگار! تیری ذات پاک ہے، بھلا میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے
کہنے کا مجھے حق نہیں ہے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عابدوں اور معبودوں کو
جمع کر کے جب معبودوں سے سوال کریں گے قَالُوا تو وہ جواب دیں کہیں گے
سُبْحَانَكَ پروردگار! تیری ذات پاک ہے مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا
أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ یہ بات ہمارے
لائق نہیں ہے کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو کارساز بنائیں۔ ہم تو خود تجھے ہی
اپنا کارساز مانتے آئے ہیں پھر بعد ہم ان سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ وہ ہیں
اپنا کارساز تیسرے کہیں مطلب یہ کہ مشرک لوگ دنیا میں جن مقربین الہی کو اپنا
مغفل کش اور حاجت روا سمجھتے رہے، وہ قیامت والے دن اپنی عبودیت
کا اعتراف انکار کر دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا تھا کہ
ہمیں اپنا معبود بنا لو۔ انہوں نے تو شیطان کے بہکاوے میں آکر اور اپنی

افسانی خواہش کی بنا، پہنچیں اپنا کارساز بنالیں۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔
 پھر وہ مقبرہ میں بارگاہِ الہی میں یہ عرض کریں گے کہ مولا کریم! اصل بات یہ
 ہے وَلَٰكِنْ تَمَتَّعْتَهُمْ وَاَبَادَهُمْ کہ تو نے ان کو اور ان کے اباؤ اجداد
 کو دنیا میں طرح طرح کا فائدہ پہنچایا۔ ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا، اسبابِ معیشت
 مہیا کیے، مال و متاع کی فراوانی دی اور دنیا کی زندگی میں ان کو خوشحال بنایا حتیٰ
 تَسْوَا الذِّكْرَ بِمَاں تک کہ یہ تیری یاد کو ہی بھول گئے۔ یہ لوگ دنیا کی آسودگی
 اور عیش و عشرت میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ اپنے پروردگار کو بھی بھلا بیٹھے
 وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا اور یہ تباہ و برباد ہونے والے لوگ بن گئے۔
 انہوں نے انبیاء کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا، کسی کی نصیحت پر کان نہ دھرا
 تیری نعمتوں اور مہربانیوں کا غلط فائدہ اٹھاتے رہے، لہذا ان کے حصے میں ہلاکت
 کے سوا کچھ نہ آیا۔

بُور کا معنی

اس آیت میں آمدہ الفاظ قَوْمًا بُورًا کا ترجمہ ہلاک ہونے والے
 لوگ کی ہے۔ ان معانی کی تفسیر بقبحیٰ دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے مثلاً
 حضور علیہ السلام کی سکھلائی ہوئی دُعا میں یہ الفاظ آتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
 اَعُوْذُ بِكَ مِنْ بُوْرِ الْبَوَارِ اَلْاَیْمِ السَّیِّئِ الْمَیْمِ اَلْمُتَّعِیْنِ اَلْمُتَّعِیْنِ
 تیری پناہ چاہتا ہوں۔ عبد اللہ ابن زبیریؓ عرب کا شاعر تھا۔ پہلے سخت مخالفین
 میں سے تھا مگر بعد میں اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ اُس کے بعض
 اشعار میں بھی بُور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کہنا سب لے

يَا رَسُولَ الْمَلِیْکِ اِنَّکَ لِسَکَانِیْ
 رَاتِقٌ مَا فَتَقَّتْ اِذَا اَنَا اَبُوْرٌ

اے اللہ کے پیغمبر اور بحق رسول! میری زبان اب اُن چیزوں کو جوڑنے
 والی ہے۔ جن کو میں توڑتا رہا ہوں جب کہ میں ہلاکت میں مبتلا تھا۔ گویا ہدایت
 میں نبی کی شان میں جوگستاخی کرتا تھا، توحید کے خلاف مات کرتا تھا، اب

میں اپنے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنا ہوں۔ اب میری زبان سے حق و
صدقہ کی بات نکلے گی جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والی بات ہوں
کہنا ہے کہ میں یہ اُس وقت کی بات کہہ رہا ہوں۔

إِذَا جَادَى الشَّيْطَانُ فِي سَنَنِ الْغَيِّ
وَمَنْ مَالَ مَيْلَهُ فَشُبُورُ

جب میں شیطان کے ساتھ گمراہی کے راستے پر چل رہا تھا۔ اور اُن لوگوں
راستے پر چل رہا تھا۔ جن کا میلان ہلاکت میں ڈالا ہوا تھا۔ یعنی جو لوگ حق کو چھوڑ
کر باطل کی طرف چلے گئے تھے میں بھی ان کے پیچھے جا رہا تھا۔ بہر حال بُور
کا معنی ہلاکت اور تباہی ہے۔

معبودان کا
اعلان بنیازی

جب مشرکین کے خود ساختہ معبودان اپنے متبعین سے اظہار بنیازی
کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن متبعین سے فرمائے گا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ
بِمَا تَقُولُونَ تمہارے اِن معبودان نے تمہاری بات کو جھٹلادیا ہے
تم کہا کرتے تھے کہ یہ تمہاری مدد کریں گے یا سفارش کر کے تمہیں بچالیں گے۔
اللہ نے اُن کو اختیار دے رکھا ہے اور یہ لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں۔
انہوں نے تو آج تمہیں جھٹلادیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ ہم تو خود اللہ
کے سوا کسی کو کار ساز نہیں مانتے، جھٹلاؤ ہم دوسروں کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ
تم ہمیں کار ساز تسلیم کر لو۔ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صرفاً آج حالت
یہ ہے کہ تم اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ اپنے آپ سے کسی تکلیف
کو ہٹا سکو۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی گرفت کو دوسری
طرف نہیں پھیر سکتے۔ وَلَا تَصْرُا اور نہ ہی تم ایک دوسرے کی مدد کر
سکتے ہو، اور نہ کوئی دوسرا تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ تمہارے معبودان نے بھی
تمہیں بنیازی کا اعلان کر دیا ہے۔

خود ساختہ معبودان کا اپنے متبعین سے بنیازی کا مضمون قرآن پاک

کے مختلف مقامات پر بیان ہو ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے اِذْ تَسْتَسْتَشِرُونَ
 الَّذِيْنَ كُنتُمْ تُشْعُرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ كُنتُمْ تَتَّبِعُوْنَ (آیت ۶۲)
 جب کہ متبعین اپنے متبعین سے بات کا اظہار کر دیں گے، اور وہ عذاب
 کو دیکھیں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ مقتبوعین
 کہ دیں گے کہ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہمیں اللہ تسلیم کر لو۔ تم نے تو از خود
 یہ کام کیا۔ لہذا آج نتائج کے ذمہ دار بنی تم خود ہو۔ اُس کو شیطان کا اتباع
 کرنے والے بھی مایوس ہو جائیں گے۔ وہ بھی کہہ دے کَا فَلَآ تَكُوْمُوْنَ فِیْ
 وَلَوْ مَوْآءَ اَنْفُسِكُمْ (ابراہیم ۲۲) آج مجھے علامت نہ کر دیکھو خود اپنے
 آپ کو علامت نہ کر دو۔ میرا تم پر کوئی تسلط تو نہیں تھا میں تو تمہیں ہدائی کی طرف
 ترغیب دیتا تھا۔ دوسری طرف اللہ کے نبی تمہیں نیکی کی ترغیب دیتے تھے
 اور عذاب الہی سے ڈراتے تھے، مگر تم نے ان کی بات نہ مانی اور میرے
 حجامے میں آ گئے۔ اب اپنی کارگزاری کا مذا اعلیٰ فرمایا وَمَنْ يُّظْلِمْ
 مِّنْكُمْ نُدِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا (ہم میں سے جو کوئی ظلم کا ارتکاب
 کر لیا، ہم اُس کو بڑا عذاب عظیمیں گے۔ ظلم میں ہر قسم کی تعدی شامل ہے
 مگر یہاں پر خاص طور پر عقیدے کا ظلم یعنی کفر اور شرک مراد ہے۔ دوسرے
 مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظَّالِمُوْنَ
 (البقرہ ۲۵۴) کفر کرنے والے ہی بڑے ظالم ہیں نیز فرمایا اِنَّ الشُّرَكَ
 لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (القمان ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ منقسم یہ کہ
 اگرچہ حق مطلقاً حق جیسے بڑے بڑے ظلم ہیں مگر عقیدے کا ظلم ایسا ہے
 جسکی کوئی معافی نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم ظالم کو بڑا عذاب عظیمیں گے۔
 اب کھلی آیت اُس سابقہ آیت کے جواب میں ہے جس میں معتزلی
 نے اعتراض کیا تھا کہ یہ کیا رسول ہے جو کھانا، پتیا اور بازار میں جتن پھرتا
 ہے۔ تو اللہ نے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَّا كُلُّوْكَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ

آپ کے پیلے ہم نے کوئی ایسے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھاتے تھے اور بازار

میں چلتے پھرتے تھے۔ مشرک اور کافر لوازمات بشریہ کو رسالت کے منافی

سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری طرح کھانے پینے اور چلنے پھرنے والا

رسول کیسے ہو سکتا ہے، مگر اللہ نے اس کے اس باطل خیال کی تردید فرمائی

اور فرمایا کہ تمام انبیاء اور رسل ان میں سے ہیں تمام انسانی لوازمات سمجھ

کھانا پینا، سونا سنا، صحت بیماری، بیوی بچے، روزانہ غذا وغیرہ پائے جاتے

تھے۔ اللہ نے سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کا ذکر

کریں فرمایا ہے كَانَا يَأْكُلِنَ الطَّعَامَ (آیت ۵۷) دونوں

کھانا کھاتے تھے جو کھانا کھاتا ہے اس کو قصائے حاجت کی ضرورت

بھی پیش آتی ہے۔ تو یہ سب چیزیں لوازمات بشریت میں سے ہیں

جو تمام رسولوں میں پائی جاتی تھیں۔ انبیاء ان چیزوں سے مستثنیٰ نہیں ہیں

سورۃ الکہف میں صاف موجود ہے۔ اللہ نے حضور عیسیٰ علیہ السلام

کو مخاطب کر کے فرمایا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(آیت ۱۱۰) آپ ان لوگوں پر واضح کر دیں کہ میں تمھارے جیسا ہی ایک

انسان ہوں۔ میں اپنے والدین کے گھمبہ پیدا ہوا۔ میرے بیوی بچے ہیں،

میں کام کاج کرتا ہوں، بازار سے سودا سلف خریدتا ہوں۔ اس میں کون

سی عیب والی بات ہے۔ ہاں میری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے

مجھے تمام امت پر شرف عطا فرمایا ہے۔ مجھے معصوم عن الخطا اور پاکیزہ کردار

کا مالک بنایا ہے۔ اللہ نے سائے نبیوں کو خطاب فرمایا ہے يَا أَيُّهَا

الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

والمؤمنون۔ ۵۱) کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام

دو۔ یہی صفت اللہ نے ایمان والوں کی بھی بتلائی ہے **كُؤَامِتِ
الطَّيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ (البقرہ - ۱۷۲) اَللّٰهُ**
ہماری عطا کردہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

بازار میں
جانا

بازار میں جانا بذاتہ کوئی عیب والی بات نہیں۔ ضرورت کے مطابق
دکانداری کے لیے سودا سلف خریدنے کے لیے بازار میں جانا ہے تو
اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ بازار کے
مقابلے میں اللہ نے مسجد کو بہت زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے حضور
علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے یوں فرمایا ہے **شَيْءُ الْبَيْتِ كَعِ
اسْوَاقِهَا وَخَيْرُ الْبَيْتِ مَسَاجِدُهَا** (مسند احمد)
یعنی بدتر خطے بازار ہیں اور بہتر خطے مساجد ہیں۔ بازاروں کی قباحت اسوجہ
سے ہے کہ وہاں تجارت کے دوران دھوکا فریب اور غلط بیانی کا ارتکاب
ہوتا ہے۔ جمہوری قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ وگرنہ ضرورت کے تحت بازار
میں جانا محبوب نہیں ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت
بیان کی ہے جسے ابو داؤد و طیالسی نے بھی روایت کیا ہے۔ کہ جس شخص نے
بازار میں داخل ہو کر یہ دُعا پڑھی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا
يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**
تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ایک لاکھ نیکی لکھ دے گا۔ اس کے ایک لاکھ چھوٹے
گناہ معاف کر دے گا اور ایک لاکھ درجات بلند فرمائے گا گویا بازار میں
داخل ہو کر انسان اتنی نیکیاں بھی کما سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک شاگرد کے ہمراہ بازار جانے
کے لیے تیار ہوئے تو شاگرد نے عرض کیا، حضرت! آپ نے کوئی خریداری
تو کرنی نہیں، پھر یہیں بیٹھ کر درس و تدریس کا کام کریں۔ فرماتے گئے

تمھیں سمجھ نہیں، ہم بازار میں سودا خریدا نے کے لیے نہیں جاتے بلکہ وہاں ہمیں بہت سے لوگ ملتے ہیں جن کو ہم سلام کرتے ہیں ایک دفعہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، لہذا یہ کوئی بڑا سودا نہیں ہے اگر کوئی شخص بازار میں غلط کام کے لیے جاتا ہے تو وہ اس کے لیے یقیناً باعث وبال ہوگا۔

آگے ارشاد ہے

ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۚ هُمْ فِي شَيْءٍ مِّنْهُ يَكْتُمُونَ
بعض کو بعض کے لیے ذریعہ آزمائش بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے مثلاً اللہ کے نبی منکرین کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہیں اور وہ نبی کے لیے ذریعہ آزمائش ہیں۔ جب کافر اور مشرک طعن و تشنیع اور بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ تو میں آمیز باتیں کرتے ہیں تو یہ چیزیں اللہ کے نبی اور اہل ایمان کے لیے آزمائش ہوتی ہیں کہ وہ کس حد تک صبر سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نبی اور اہل ایمان کافروں کے لیے ذریعہ آزمائش ہیں کہ وہ ان کی اطاعت کر کے اپنے لیے آخرت کا سامان پیدا کرتے ہیں یا نافرمانی کرتے ہیں۔ ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ اسی طرح فقیر دولت مند کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہوتا ہے کہ وہ اُس کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور فقیر اس لحاظ سے بتلائے آزمائش ہوتا ہے کہ وہ اس حالت میں صبر کا دامن تھامتا ہے یا جزع فزع کرتا ہے۔ چنانچہ بیمار تندرست کے لیے اور صحت مند مریض کے لیے ذریعہ آزمائش ہے۔ بادشاہ رعیت کے لیے اور رعیت حاکم کے لیے آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنادیا ہے، اب یہ تم پر موقوف ہے کہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتے ہو۔

فرمایا، اس آزمائش کا مقصد یہ دیکھنا ہے اَتَّصِبِیْ وَ لَکَ کیا تم صبر کرتے ہو؟ ہر شخص کسی نہ کسی طرح امتحان سے گزر رہا ہے۔ کیا اہل ایمان کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا کمزور، بیمار اور مازار اپنی حالت پر صابر رہتا ہے یا نہیں؟ اور کیا عام لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت پر اس کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ غرضیکہ کوئی بھی شخص آزمائش سے مستثنیٰ نہیں۔ فرمایا وَ کَانَ رَبُّکَ بِصَبْرِیْ اُتِیر اُپدردگار تجھے ہر آن دیکھ رہا ہے۔ تمہارا ہر عمل اور کائنات کی ہر چیز اُس کی نگاہ میں ہے وہ انسانوں کی نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے اور پھر وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

نظر یہ

اس آیت سے موجودہ زمانے کا نظریہ مساوات بھی باطل ثابت ہوتا ہے، اللہ نے انسانوں کی صلاحیت اور استعداد یکساں نہیں رکھی، اسی لیے اُن کے اشغال بھی یکساں نہیں۔ جب اُن کی ذہانت بھی یکساں نہیں تو پھر اُن میں مساوات کیسے قائم کی جاسکتی ہے؟ اصل مسئلہ معیشت کا ہے جسے قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے بیان کیا ہے کہ ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو حق معیشت حاصل ہونا چاہیے اور کوئی بھی اس حق سے محروم نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ کوئی انسان بھوکا نہ لگنا نہیں رہنا چاہیے۔ ہر ایک کو مکان، صحت اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات ملنی چاہئیں۔ تاہم جہاں تک درجات کا تعلق ہے یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ہر شخص کو اس کی قابلیت کے مطابق ہی مرتبہ حاصل ہونا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بنی نوع انسان کی تمام ارواح کو آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا، پروردگار! لَمَّا سَوَّیْتَ بَیْنَنَا عِبَادَکَ تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات کیوں نہیں قائم کی۔ کوئی بھاری بھر کم ہے، کوئی کمزور، کوئی صحت مند اور کوئی بیمار، کوئی امیر ہے اور کوئی غریب، کوئی گور ہے اور کوئی کالا، تو

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
 الْمَلَكُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
 وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۝ (۲۱) يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَى
 يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۝ (۲۲)
 وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً
 مَنْثُورًا ۝ (۲۳) أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
 مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝ (۲۴) وَيَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ
 بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝ (۲۵) الْمَلَكُ يَوْمَئِذٍ
 الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۝ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝ (۲۶)
 وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي
 أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ (۲۷) يُوبِلَتِي لَيْتَنِي لَمْ
 أَخَذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ (۲۸) لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ
 إِذْ جَاءَنِي ۝ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝ (۲۹)

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں اُمید رکھتے تھے ہماری
 ملاقات کہ کہ کیوں نہیں آئے جاتے ہم پر فرشتے ۔ یا
 (کیوں نہیں) دیکھتے ہم اپنے پروردگار کو ۔ (فرمایا) البتہ تحقیق انہوں

نے تجبر کیا ہے اپنے نفسوں میں اور سرکشی کی ہے ۔ انہوں
 نے ص سے زیادہ بڑی سرکشی (۲۱) جس دن دیکھیں گے ۔
 فرشتوں کو ۔ نہیں خوشخبری ہوگی اس دن مجرموں کے لیے اور
 کہیں گے کاش کہ ہمارے درمیان کوئی آڑ کھڑی ہوئی (۲۲) اور
 ہم متوجہ ہوں گے اُن کاموں کی طرف جو انہوں نے کیے
 ہیں ۔ پھر ہم کر دیں گے اُس کو ذرات بکھیرے ہوئے (۲۳)
 جنت دئے لوگ اُس دن بہتر ہوں گے ٹھکانے کے اعتبار
 سے اور بہتر ہوں گے آرام کی جگہ کے اعتبار سے (۲۴)
 اور جس دن بھٹ جائے گا آسمان بادل کے ساتھ ۔ اور
 آتے جائیں گے فرشتے لگاتار (۲۵) بادشاہی اُس دن سچی نہ آئے
 رحمان کے لیے ہوگی ۔ اور وہ دن کافروں پر بہت دشوار
 ہوگا (۲۶) اور جس دن کائیں گے ظالم لوگ اپنے ہاتھوں
 کو (افسوس کی وجہ سے) اور کہیں گے کاش کہ میں نے پکڑ
 لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ (۲۷) اے خرابی ! کاش کہ میں
 نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا (۲۸) البتہ تحقیق اُس
 نے گمراہ کیا مجھے نصیحت سے جب کہ میرے پاس وہ
 (نصیحت) آئی ۔ اور شیطان ہے انسان کے لیے دغا دینے
 والا (۲۹)

رابطہ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں تمام بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں جن میں خدا تعالیٰ
 کی وحدانیت اور اُس کے مطلق و نقلی دلائل ہیں ۔ قیامت اور جزائے عمل کا سلسلہ ہے ۔
 نبوت و رسالت کا بیان اور اُس پر اعتراض کرنے والوں کے باطل شکوک کا ازالہ ہے
 اس کے علاوہ دیگر بہت سی اخلاقی تعلیمات ہیں مگر زیادہ تر نبوت و رسالت کا بیان ہے

کافر اور مشرک لوگ نبی آخر الزمان پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیا نبی ہے جو کھانا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُن کے نزدیک بشریت نبوت و رسالت کے منافی تھی۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول دنیا میں آئے وہ سب کے سب انسان تھے۔ وہ سارے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ یہ چیز نبوت کے منافی نہیں ہے فرمایا ان لوگوں کے انکار نبوت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کا انکار کئے بیباک ہو گئے ہیں اور اس قسم کے یہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے پہلے شرکین کا شحہ بیان کیا ہے، اور پھر قیامت کو پیش آنے والے بعض واقعات کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں اُمید رکھتے ہماری ملاقات کی، یعنی جن کو بعثت بعد الموت پر یقین نہیں ہے اور مرنے کے بعد انہیں بارگاہ رب العزت میں پہنچنے کی کوئی توقع نہیں۔ رجبی کا معنی اُمید بھی ہوتا ہے اور خوف بھی۔ گویا نہ انہیں خدا تعالیٰ کے ربوہ پیش ہو سکی اُمید ہے اور نہ خوف، وہ گستاخی کے یہ کلمے کہتے تھے لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْعِلْمَ كَمَا هُمْ عَلَى فِرَاشِهِ کیوں نہیں آتے تاکہ ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ وہ واقعی خدا کا پیغام لاتے ہیں أَوْ نُرَىٰ رَبَّنَا یا ہم خود اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اُس سے ہم کلام ہوں۔ گویا کفار و مشرکین نے ایمان لانے کے لیے فرشتوں اور خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے لا کھڑا کرنے کی شرط عاید کر دی۔ فرمایا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي الْفُسْهِمِ انہوں نے یہ بات کر کے اپنے جی میں کس قدر تکبر کیا کہ وہ فرشتوں اور خدا کو اپنی پیشی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا یہ مطالبہ کر کے وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا انہوں نے حد

فرشتوں اور
سے ملاقات
کی خواہشات

سے بڑھ کر سرکشی کا ارتکاب کیا۔ کلام تو ان کے کفر اور شرک والے ہیں مگر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے براہ راست بہ کلام ہونے کا اہل سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی بے ادبی اور استغنیٰ کی بات ہے۔

بوقت موت
فرشتوں کے
حالات

اللہ نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں سے ملاقات کا شوق ہے تو ہم ان کا یہ شوق بھی پورا کر دیں گے جب ان کی موت کا وقت قریب آئے گا۔ اور پھر ایا ہوگا یَوْمَ يَرُودُ الْمَلٰٓئِكَةُ حَسْبُ دَنٍ يٰۤاِنَّ دَنٍ لِّمَنْ يَّكْفُرُ لَا بُدَّ لَّهٗ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ اُس دن مجرموں کے لیے خوشخبری کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ فرشتے موت کے وقت بھی نظر آنے میں اور بزرخ میں بھی۔ قرآن پاک میں ہے کہ جب کفار و مشرکین کی موت کا وقت قریب آتا ہے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (محمد - ۲۷) تو فرشتے ان کو پیروں اور پشتوں پر مارنے میں۔ ان پر دہشت طاری ہوتی ہے اور اس حالت میں ان کی دھجوں کو نکالتے ہیں پھر ان کو اگلا خطرہ بھی نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ وَیَقُوْلُوْنَ کَیْۤا جُرَّأ تَحْجُوْرًا کہتے ہیں۔ کاش ہمارے اور اس خوفناک منظر کے درمیان کوئی آڑ ہوئی اور ہمیں یہ خوفناک منظر دیکھنا نہ ہوتا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یَقُوْلُوْنَ کا فاعل فرشتے بھی ہو سکتے ہیں اگر ایا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اُس دن فرشتے ان مشرکین سے کہیں گے کہ آج تمہارے اور بہتری کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔ آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔ اب تم بہتری کی بات تک کہیں نہیں پہنچ سکو گے تم نے اس کا موقع دنیا میں ضائع کر دیا، اب تمہیں کہیں کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی فرمایا وَقَدْ مَنَّ اِلٰہُ مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ اَوْہَمَ تَوْبَةٍ ہوں گے ان کے کردہ اعمال کی طرف۔ دنیا میں رہ کر اگر انہوں نے کوئی نیک عمل بھی کیا ہوگا تو ان کے کفر اور شرک کی وجہ سے فَعَلْنٰہُ حَبَآءً لِّہٖ اَنْۢ کَشِیْرٌ مِّمَّا کَفَرُوْا (فیاض)

اعمال کا
ضیاع

مَنْشُورِ اہم نہیں بکھرے ہوئے ذرات کی مانند نابود کر دیں گے۔ اور ایسے اعمال کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا
 فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا
 (التہیت . ۱۵) اُن کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہاں میزان قائم
 کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس ایمان اور توحید
 نہیں ہوگی، لہذا ہم ان کے اچھے اعمال بھی ذرات کی طرح پرالکندہ کر دیں
 گے۔ جسو علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن بعض لوگوں کے اعمال
 پہاڑوں جیسے بڑے بڑے ہوں گے مگر انہیں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔
 آپ پر چھا گیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے
 جو دنیا میں نماز، روزے کے پابند تھے مگر حلت و حرمت میں امتیاز نہیں
 کرتے تھے، جو نہی اُن کے سامنے کوئی حرام چیز آتی تھی تو اسے بے دریغ
 استعمال کر لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُن کے سارے اعمال
 ہی غارت کر دیے۔

فرمایا، اس کے برخلاف أَصْحَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
 مُّشْتَقِّ اُس دن اہل جنت ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں گے
 وَأَحْسَنُ مَقِيلًا اور آرام کے اعتبار سے بھی اچھے ہوں گے۔ مستقر مستقل
 ٹھکانے کو کہتے ہیں اور مقیل آرام کرنے کی جگہ کو جسے کوئی دوپہر کے وقت
 تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منکرین کے مقبلے
 میں اطاعت گزاروں کو ہر طرح کا آرام و آسائش حاصل ہوگا اور انہیں کوئی
 پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

نزول ملائکہ

کفار و مشرکین کے نزول ملائکہ کے مطالبہ کے پیش نظر فرمایا وَ یَوْمَ
 نَسْفُقُ السَّمَاءَ بِالْغَمَامِ اور جس دن بادل کے ساتھ آسمان بھٹ
 جائے گا۔ یعنی قیامت کی گھٹری اُن پہنچے گی تو آسمان درتپے درتپے ہو جائیگا۔

غلام بدل کرکتے ہیں اور اس کی حقیقت کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی خصوصی تجلی یا نورانیت ہوگی جس کی فصل لطیف بادلوں جیسی ہوگی۔ پھر اس وقت وَ نَزَّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ان بادلوں جیسی تجلی سے فرشتے لگانا رہیں گے۔ میدانِ محشر پر پاہو کا اور فرشتے اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہو جائیں گے۔

سلطنت
خداوندی

فرمایا اُس دن کی کیفیت یہ ہوگی اَلْمَلٰٓئِكَةُ يَوْمَ يَذُنُ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اُس دن سچی بادشاہی خدا کے رحمان کے لیے ہوگی۔ بادشاہی تو آج بھی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، مگر اس دنیا میں اللہ نے مجازی طور پر بعض بادشاہوں کو محمد و علاقے میں محمد و اختیار بھی دے رکھے ہیں۔ دنیا میں بے شمار چھوٹی موٹی سلطنتیں اور جاگیریں ہیں جہاں لوگوں کا کہنا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو پھر اللہ کے سوا نہ کوئی حقیقی بادشاہی باقی رہے گی اور نہ کوئی مجاز سلطنت ہوگی نہ کوئی سُپر طاقت ہوگی اور نہ زیر دست حکومت، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کا کوئی تصور باقی نہیں رہے گا اور نہ کسی داخلی اور خارجی خود مختاری کی بات ہوگی، بلکہ ظاہری باطنی و حقیقی، مجازی غرضیکہ ہر طرح کی سلطنت صرف خدا تعالیٰ کی ہو گی۔ وَ كَانَ يَوْمَ مَا عَلَّمَ الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا اور کافروں کے لیے یہ دن بڑا ہی دشوار ہوگا۔ اُن کے اعمال اُن کے سامنے کر دیے جائیں گے اور پھر اُن سے ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا۔

اُس دن حالت یہ ہوگی وَ يَوْمَ يَعْصِيْ الضَّالُّمُ عَلٰٓمًا يَذُنُ کہ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ يَقُوْلُ اور نہایت افسوس کے ساتھ کہیں گے يٰكَيْفَ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا کاش کہ میں نے دنیا میں رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ وہاں تو میں اللہ کے نبیوں کی تکذیب کرتا رہا۔ رسالت پر بہبودہ اعتراض کرتا رہا، اُن کو تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ کاش کہ میں اپنے راستے پر چلتا تو آج ذیل و خوار نہ ہوتا۔ ایک تو انبیاء سے دور رہنے سے نفسیوں پر کشیدہ مصلحتیں (فیاض)

کی وجہ سے حسرت کر گیا اور دوسری بات یہ کہ مجھ کو یونکتی لیتنی کم
 اَتَّخِذْ فَلَا تَخْلِيْلًا لِّمِیْرِ خِرَابِی! افسوس، میں نے فلاں کو اپنا
 دوست نہ بنایا ہوتا۔ دنیا میں نبی کو چھوڑ کر دوسروں کو پیشوا بنایا، اُن کی رہنمائی
 میں زندگی میں غلط راستے پر چلتا رہا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی لیدری چھکاتا
 رہا، مگر اب پتہ چلا کہ وہ سب دعوے تھے۔ کاش کہ ان کی بجائے نبی کے بتائے
 ہوئے راستے کو اختیار کرتا تو آج کامیاب و کامران ہوتا۔ پھر ظالم شخص حسرت
 کے ساتھ یہ بھی کہے گا۔ لَقَدْ أَضَلَّكُنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَکَ فِی
 جِبْرِیْ مِیْرَیْ پَسْ نصیحت آئی۔ خدا کا کلام آیا، نبی کا فرمان آیا تو ان بد بخت
 نام نہاد رہنماؤں نے مجھے گمراہ کر دیا۔ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو
 چھوڑ کر ان کے پیچھے چل پڑا تو آج یہ روزِ بد و کھٹا نصیب ہوا۔ کاش کہ میں
 ان جھوٹے خداؤں کے ہکا بکاؤں میں نہ آتا۔ یہ سارا شیطان ہی کا بہکاؤ تھا۔
 وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا اور شیطان تو انسان کے
 حق میں سرسردھو کہ دینے والا ہے، وہ تو دعا باز ہے جس نے مجھے پھینکا کر
 غلط راستے پر ڈال دیا۔ مجھے نصیحت سے بیکار رکھا اور برائیوں کی طرف مائل
 کر دیا۔

اچھی اور
 جری

حدیث شریف میں آتا ہے کہ صالح ہم نشین کستوری والے کی مانند ہے
 اس کے پاس میٹھو گے تو کستوری خریہ لگے جو کہ اچھی چیز ہے۔ اور اگر گندہ بھی
 خرید تو کم از کم اُس کی خوشبو تو پاؤ گے۔ اور برے ہم نشین کی مثال بھیٹی والے
 کی ہے اس کے پاس بیٹھنے سے اول تو چنگاریوں سے کپڑے جلا، میٹھو گے
 ورنہ دھول اور بو تو بہر حال تمھارے حصے میں آئے گی۔ ترمذی شریف اور
 مسند احمد کی روایت میں آتا ہے لَا تَصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا صرف
 مومن کی رفاقت اختیار کرو کسی غلط آدمی کے قریب نہ بار، مگر ہم دیکھتے ہیں
 ہیں کہ کافر، مشرک اور دہریے کے ساتھ دوستی اور ہم نشینی پر فخر کیا جاتا ہے

کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے خیالات یکساں ہیں۔ بظاہر یہ کیسے ممکن ہے؟ کجا ایک مردِ مومن کے پاکیزہ خیالات اور کجا ایک کافر کے باطل خیالات، اسی نے فرمایا کہ مومن کے سوا کسی دوسرے کی رفاقت اختیار نہ کرو۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا تمھارا کھانا صرف متقی آدمی کو کھانا چاہیے۔ کسی نیک آدمی کی محبت کے ساتھ دعوت کرو گے تو اس کی وجہ سے اس میں تو انائی آئے گی۔ وہ خدا کی عبادت کرے گا تو اس میں سے تمہیں بھی حصہ ملے گا۔ وہ دعا کرے گا تو تمھاری دعا بھی مستجاب ہوگی حضور علیہ السلام کسی شخص کے ہاں کھانا کھاتے تو اس کے حق میں دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ برکت عطا کرے۔ اس کے برخلاف اگر فاسق فاجر لوگوں کو کھلاؤ گے تو وہ دلوں و لعب میں مشغول ہوں گے۔ نافرمانی کے کام کریں گے اور ان کی برائی میں تمھارا حصہ بھی ہوگا۔

صحبت کلنر

حضور علیہ السلام نے بُری رفاقت سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آپ کا فرمان ہے اَلْمَرْءُ عَلٰی دِيْنِ خَلِيْلِهِ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے۔ فرمایا تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس کی دوستی کس کے ساتھ ہے۔ اگر بد عقیدہ، بدعتی اور شرک کے ساتھ دوستی کرو گے تو تمھارا عقیدہ بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ مرزائی، عیسائی، یہودی اور دہریے کی صحبت اختیار کرو گے تو تم پر بھی دیا ہی اثر ہوگا اور اگر پاکیزہ اور دین دار لوگوں کے پاس بیٹھو گے تو تمھارا عقیدہ بھی پاکیزہ ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ اِنْجَام کے اعتبار سے آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی بزرگانِ دین کا بھی مقولہ ہے صَنْجَعَةُ الْاَشْيَاءِ تَذَرُثُ الْفُضُفَ الْاَخْيَارِ یعنی اگر تم بڑے لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک لوگوں کے لیے تمھارے دل میں نفرت پیدا ہوگی۔ حضرت مالک ابن دینار فرماتے

لَمْ يَخْلُصْ مِنْهَا سِوَاكَ سَمْعِيٍّ وَخَارِجِيٍّ اَوْ تَعَذُّلِيٍّ اَوْ اَفْسَافِيٍّ

ہیں نقل الاحجار مع الابرار خیر من اکل الخبیص
 مع الفجار یعنی نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھانے جیسی سخت محنت کرنا
 اس بات سے بہتر ہے کہ کوئی شخص بڑے لوگوں میں بیٹھ کر حلوہ کھائے ،
 مطلب یہ کہ نیک لوگوں کی رفاقت بہر حال انجام کے لحاظ سے بہتر ہے
 اگرچہ بری مجلس میں بظاہر کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہو ۔

۱۔ تفسیر روح البیان ص ۱۶۲ (فیاض)

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ
 مَهْجُورًا ③۰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ
 الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ③۱ وَقَالَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً
 كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ③۲
 وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ
 تَفْسِيرًا ③۳ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ
 جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ③۴

ترجمہ: اور کہا اللہ کے رسول نے، اے میرے پروردگار!

بیشک میری قوم نے بنا لیا ہے اس قرآن کو ترک کیا ہو ③۰

اور اسی طرح ہم نے بنائے ہیں ہر ایک نبی کے لیے

شمن مجنوں میں سے۔ اور کافی ہے تیرا پروردگار۔ میت

ہیٹے ولا اور مد کرنے والا ③۱ اور کہا اُن لوگوں نے

جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن ایک

ہی دفعہ؟ اسی طرح اُتارے ہم نے اس کو تاکہ ثابت

رکھیں ہم اس کے ساتھ آپ کے دل کے۔ اور ہم نے اس کو اتارا

ہے آہستہ آہستہ ③۲ اور نہیں داتے یہ لوگ تیرے پاس کوئی

مثال مگر داتے ہیں ہم تیرے پاس حق اور بہتر تفسیر ③۳ وہ لوگ

اس قرآن کو سنت سنو بلکہ شور شراب کرو تاکہ تم غالب آ سکو۔ قرآن کو شاعری کہتے۔
 کبھی کہانت اور کبھی پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے تعبیر کرتے۔ تو اس
 طرح خود صاحب قرآن اس سے اعراض کرنے والوں کے خلاف گواہی
 دیں گے۔ مہجور کا عام معنی 'تو ترک' ہی ہے کہ منکرین نے اس کو ترک کر دیا
 نہ اس کو ستا، نہ سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا۔ اور اگر یہ ٹھہر کے ٹٹ سے ہو تو
 اس کا معنی یہود و کلام بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ہر لوگ اس
 کو کلام الہی تسلیم کرنے کی بجائے اسے یہود و کلام سمجھتے تھے (العیاذ باللہ)
 بہر حال جس دن منکرین قرآن کے خلاف اللہ کے رسول کی شہادت ہوگی۔
 اُس دن ان کا بُرا حال ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کفار کی طرف سے ترک قرآن تو سمجھ میں آتا
 ہے کہ انہوں نے اسے اس کو تسلیم ہی نہ کیا۔ لیکن اس کو برحق تسلیم کر
 کے اس کے پروگرام پر عمل نہ کرنا بھی قرآن پاک کے عملی ترک پر دلالت کرتا
 ہے اس میں اہل ایمان بھی آجائیں گے جو اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوں
 یا جنہوں نے عملی طور پر اس کے پروگرام کی مخالفت کی۔ لہذا ایسے لوگوں کے
 خلاف بھی اللہ کے رسول اور خود قرآن کی گواہی ہوگی۔ حدیث شریف میں
 حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ وَ عَلَيْكَ
 قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف گواہی دے گا۔ اگر دنیا میں اس کو مان کر
 اس کے پروگرام کو عملی شکل دی ہے تو پھر تو یہ آدمی کے حق میں بطور گواہ پیش
 ہوگا اور اگر اس سے روگردانی کی ہے یا اس کی مخالفت کی ہے تو پھر
 یہ اُس شخص کے خلاف گواہی دے گا اور بارگاہِ ایزدی میں شہادت کرے گا
 کہ اس شخص نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ حضور علیہ السلام نے اس سلسلے میں
 یہ دعا بھی سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الْقُرْآنَ حُجَّةً عَلَيْنَا
 . وَاجْعَلْهُ حُجَّةً لَنَا اے مولا کریم! اس قرآن کو ہمارے برخلاف
 نہ مسلم میں (افاض)

دلیل نہ بنا سکتے تھے اسے حق میں دلیل بنائے۔

خود قرآن بھی آدمی کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔ جس نے اس کو تسلیم کیا اور پھر اس کے احکامات پر عمل کیا، قرآن اس کے حق میں گواہی دے گا۔ ہر سورۃ اور ہر آیت اپنے فای کے حق میں سفارش کرے گی۔ اور جس شخص نے ایمان لانے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا، قرآن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ اس زمانے میں تو کوئی شاذ لوگ ہی ہیں جو قرآن پر عمل پیرا ہیں وگرنہ تسلیم کرنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت اس کے کسی شعبے پر بھی عمل نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف چلتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کرنا، اس کی تلاوت اور اس میں غور و فکر سے گریز اور اس کی عدم تصدیق وغیرہ اس کو ترک کرنے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن اور صاحب قرآن ایسے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہود و نصاریٰ تو قرآن کو کلام الہی تسلیم ہی نہیں کرتے لہذا ان کی طرف سے اس پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر افسوس تو ان اہل ایمان پر ہے جو اس کو خدا کا آخری کلام مانتے ہوئے بھی اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اسی اعراض کی وجہ سے تو ذلت آتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ الْاٰخَرِيْنَ اس قرآن پاک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بعض اقوام کو بلند عطا کرتا ہے اور بعض کو پست کر دیتا ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا وہ ترقی کی منازل طے کر گیا اور جس نے روگردانی کی وہ رسوائی کے گڑھے میں جا پڑا۔

حضور علیہ السلام
کے لیے
تسلی

قرآن پاک سے روگردانی کا شکوہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کفار کی ایذا رسانیوں پر تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن بنائے ہیں مطلب

یہ کہ حق کی مخالفت کر نیوالی صرف آپ ہی کی قوم نہیں بلکہ آپ کی طرح ہر نبی کی قوم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی، اسے ساحر اور مجنوں کہا، اس کو تکذیب پہنچائی، بعض کو ہجرت پر مجبور کیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لہذا آپ دل شکستہ نہ ہوں بلکہ تہل رکھیں بالآخر کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئے گی۔ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا آپ کا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ آپ کو یونہی نہیں چھوڑے گا بلکہ آپ کی پوری پوری مدد کرے گا۔ اور آپ کی بات کو لوگوں کے دلوں میں بیوست کر دے گا۔ کفار و مشرکین کے بیوردہ اعتراضات سے قطع نظر آپ اپنا کام جاری رکھیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

بہترین نزول
قرآن پر اعتراض

کفار و مشرکین قرآن پاک پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے کبھی کہتے کہ یہ خود ساختہ ہے، کبھی کہتے کہ نبی یہ باتیں دوسروں سے سیکھتا ہے اور پھر قرآن بنا کر پیش کرتا ہے، اور کبھی اُسے پرانے لوگوں کی قصے کہانیاں بتاتے۔ اب آگے اللہ نے اُن کا ایک نیا اعتراض نقل کیا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کہ یہ قرآن اس شخص پر کب سے کیوں نہیں اتارا گیا؟ اس سے پہلے انجیل، تورات اور دیگر صحائف کی مشیت نازل ہوتے ہے میں کچھ قرآن کو محسوس طور پر کہہ کے تیس سال کے طویل عرصہ پر کیوں پھیلا دیا گیا ہے۔ کہتے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص محسوس طور پر سوچ سوچ کر بتاتا رہتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے خدا تعالیٰ نے اتارا ہے۔ اس قسم کا اعتراض پہلے رکوع میں بھی گزر چکا ہے۔ کافر لوگ کہتے تھے۔ اِنَّ هَذَا اِلَّا اَفْطَانٌ بِآيَاتِنَا فَتَرَاهُ وَاَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ اِخْشَوْنَ (آیت ۱۴) یہ تو اس شخص کا گھڑا ہوا ہے اور اس معاملے میں بعض دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ بہر حال اُن کا اعتراض

یہ تھا کہ یہ قرآن کیمشت کیوں نہیں نازل ہوا۔

جواب
دل کی پختگی

اللہ نے جواب میں فرمایا كَذَلِكَ ہم نے قرآن کو اسی طرح یعنی تَحْوِلاً مقصد کر کے نازل کیا ہے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے۔
لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ تاکہ اس کتاب کے ساتھ ہم آپ کے دل کو پختہ کریں۔
ظاہر ہے کہ وحی کے بار بار نزول سے ہر بار دل میں یقین اور پختگی پیدا ہوئی۔
وَمَا كُنَّا تَزَيِّدًا اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر نہ بڑھا رہے تھے۔
یعنی حق آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہوتا ہے جیسے سورۃ المزمل میں ہے
وَرَبِّكَ الْقُلُودَ تَزَيِّدًا (آیت - ۴) قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا ہے
کہہیں۔ تاہم یہاں یہ لفظ نزول کے معنی میں آیا ہے کہ ہم نے اس کو
بتدریج نازل فرمایا۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ جو چیز آہستہ آہستہ آنے لگی وہ
اچھے طریقے سے ضبط ہوتی جلتے گی اور دل و دماغ پر گہرے اثرات
مرتب کرے گی۔ برخلاف اس کے جو چیز جلدی جلدی سامنے آئے گی، وہ
نہ تو احسیٰ طرح ضبط ہو سکے گی اور نہ ہی اس پر پختگی حاصل ہوگی۔ تو فرمایا کہ ہم
نے اس قرآن کو اس لیے بتدریج نازل فرمایا ہے کہ یہ آپ کے قلب میں
پختہ ہو جائے۔

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام سے قرآن پاک کی جو آیات
سُنیے تھے، ان پر فوراً عمل شروع کر دیتے تھے، اس لیے ہر حکم دل میں
اچھی طرح پیوست ہو جاتا تھا۔ اور ہم اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ جاتے تھے
جب علم کے ساتھ عمل بھی شامل ہو جاتا تو ہم پر ایمان میں مزید پختگی آ جاتی۔
یہی اصولی طور پر بھی جو چیز آہستہ آہستہ سبقاً پڑھی جانے وہ اچھی طرح
ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی پوری کتاب ایک ہی
دن یا رات میں ختم کر دی جائے تو اس کے اثرات بھی دیر پا نہیں ہوں گے
کسی حصے کی سمجھ آئے گی اور کسی کی نہیں آئے گی۔ ذہن لوگ تو سمجھ بھی بہت

کے جواب میں حق لاتے ہیں وَأَحْسَنَ لَفْظٍ اور حسب ضرورت بہتر تفسیر بھی لاتے ہیں۔ جب کوئی مسئلہ وضاحت طلب ہو تا ہے تو اسکی وضاحت کہہ دیتے ہیں۔ اس بتدریج نزول کے ذریعے تمام مسائل حل ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ پورا قرآن یک مشرتا ازل کہہ دیا جاتا تو اس کی تعلیم، ازالہ شبہات اور علمہ آہ کمرنا مشکل ہو جاتا۔ لہذا اس کا آہستہ آہستہ نزول ہی بہترین صورتِ نزول ہے۔

چہروں کے
بل بوٹ

آگے منکرین کتاب رسالت کا انجام عجب بیان کیا گیا ہے الَّذِیْنَ یُحْشَرُونَ عَلٰی وُجُوْهِہُمْ اِلَیْ جَہَنَّمَ وہ لوگ جو اٹھائے جائیں گے اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف۔ یہ لوگ میدانِ محشر میں پاؤں کی بجائے سر کے بل چلیں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کَیْفَ یُحْشَرُ الْکَافِرُ عَلٰی وَجْہِہٖ یعنی کافر آدمی اپنے چہرے کے بل کیسے اٹھایا جائے گا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلِیْسَ الَّذِیْ اَمْسَتْہٗ عَلٰی رِجْلَیْہٖ فِی الدُّنْیَا قَادِرًا عَلٰی اَنْ یَّمْشِیْدَ عَلٰی وَجْہِہٖ حِیْنَ مَلَکَ الْمَلَائِکَۃِ اُسے دنیا میں پاؤں پر چلایا، کیا وہ چہرے کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے؟ وہ سر کے بل چلتے ہوئے جہنم کی طرف جائیں گے ترمذی شریف کی روایت میں تین گروہوں کا ذکر ہے انکم تحشرون رجالاً وُرُکْبَانًا یَتَجَرَّوْنَ عَلٰی وُجُوْہِہِمْ بعض پیدل چلیں گے بعض سواری پر اور بعض سر کے بل دوڑتے ہوئے جائیں گے، ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ محشر کے دن تین قسم کے لوگ ہوں گے، بعض کو زیادہ فخر نہیں ہوگی اور وہ سواری پر سوار ہو کر جائیں گے، دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو پاؤں پر دوڑتے ہوئے جائیں گے، اور تیسرا گروہ ایسا ہوگا جسے فرشتے چہروں کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔

۱۔ تفسیر کریمتہ، ۲۔ تفسیر طبری، ۳۔ تفسیر طبری، ۴۔ تفسیر السعوی، ۵۔ فیاض

فرمایا، جن کو چہروں کے بل اٹھایا جائے گا اُولَٰئِكَ نَشَرُّ مَكَانًا۔ وہ
 ٹھکانے اعتبار سے بدترین قسم کے لوگ ہونے۔ ان کو بہت ہی بُرا ٹھکانا بہتر
 ٹھکانا۔ وَأَضَلُّ سَبِيلًا اور راستے کے اعتبار سے بھی یہ لوگ سخت
 گمراہ ہوں گے۔ دنیا میں بھی انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور گمراہی میں مبتلا
 ہے آگے حشر میں بھی یہ گمراہ کن راستے کے مسافر ہوں گے، دنیا میں انہوں نے
 قرآن و رسالت کا انکار کیا، توحید باری تعالیٰ سے جگانہ سبب کی اچھے رائے
 کی طرف جاننا نہ ہوا، لہذا آخرت میں بھی یہ بھٹکتے ہی پھریں گے۔ اور انہیں
 جنت والا راستہ میسر نہیں آئے گا۔ وَكَرَّ قَامِرَةً وَمَنْ كَانَ
 فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ
 سَبِيلًا (بنی اسرائیل - ۷۲) جو اس دنیا میں اندھا یعنی ہدایت سے محروم
 رہا اُس کو جنت کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔ وہ اس لحاظ سے دنیا پر اندھا ہی ہو
 گا اور بالآخر جہنم کی تاریکی میں داخل ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ
 هَارُونَ وَزِيرًا ۝۲۵ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ
 كَذَبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمْرْنَهُمْ تَدْمِيرًا ۝۲۶ وَقَوْمَ نُوحٍ
 لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً
 وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۲۷ وَعَادًا وَثَمُودًا وَ
 أَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۝۲۸ وَكُلًّا
 ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَرْنَا تَبِيرًا ۝۲۹ وَلَقَدْ
 أَنَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرِ السَّوْءِ أَفَلَمْ
 يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۝۳۰

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ، اور

بنایا ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو معاون ۝۲۵

پس ہم نے کہا کہ تم دونوں ہاڑ اُس قوم کی طرف جنہوں

نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو ۔ پھر (بالانتہاء) ہم نے ہلک کر

دیا اُن کو ہلک کرنا ۝۲۶ اور قوم نوح ، جب کہ جھٹلایا انہوں نے

اللہ کے رسولوں کو ، تو ہم نے اُن کو پانی میں غرق کر دیا ۔

اور بنا دیا ہم نے اُن کو لوگوں کے لیے ایک نشانی ۔ اور

تیار کیا ہے ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب ۝۲۹

اور عا د اور ثمود کو ، اور کنوین والوں کو ، اور بہت سی جماعتیں
اس کے درمیان (۳۸) اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان
کیں ، اور سب کو ہم نے ہلک کیا ہلک کر ، (۳۹) اور البتہ
تحقیق یہ (میں نے) لوگ گزرتے ہیں اُس ہستی پر جس پر
بڑی بخشش برسانی گئی تھی ۔ کیا یہ اُس کو نہیں دیکھتے ؟ مگر یہ
لوگ نہیں اُمید رکھتے مگر دوبارہ جی ٹخنے کی (۴۰)

آیت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و شرکین کے رسالت کے بارے میں
اعترافات کے جوابات دیے اور اُن کے بُرے انجام کا ذکر کیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ
اللہ کے نبی اور اُس کے پیروکاروں کو تسلی بھی دی ۔ فرمایا منکرینِ توحید و رسالت کی طرف سے
صرف آپ کو ہی ایذا نہیں پہنچانی کہیں مگر اللہ کے ہر نبی کے ساتھ دشمنوں نے ایسا ہی
سلوک کیا ۔ آپ گمراہ نہیں بلکہ پناہ کا مرکز تھے جاہل ، اللہ تعالیٰ ہی مہربان ہے وہ اللہ اور
آپ کا مددگار ہے ۔

کفار و مشرکین نے یہ اعتراض بھی کیا کہ قرآن پاک کو اللہ کے نبی پر وحی نہیں
نازل کیا گیا ، عارضہ سابقہ کتب کا وہیہ تورت ، انجیل و دیجور صحیفے نبی ، عیسیٰ علیہ السلام پر ایک وقت
نازل ہوئے ۔ متر نے جواب میں فرمایا کہ قرآن کے ہر آیت کی نزول کا مقصد نبی کے دل کی پہنچ
اور آیات کا بہتر ضبط ہے ۔ نیز اس ضمن میں حتمیٰ جو شکاں وقتاً فوقتاً پیش کرتے ہیں اُن
کا جواب بھی مناسب اور قرآن پاک کی بہتر تفسیر پیش ہوتی رہتی ہے ۔ اس کے علاوہ
اللہ نے نافرمانوں کے بُرے انجام کا کچھ تذکرہ بھی بیان فرمایا ۔

اب آج کی آیات بھی پیغمبر علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے ہنرِ تفسیر کے ہیں ۔ اللہ
نے بعض انبیاء اور اُن کی قوموں کا حال ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں
نافرمانوں کی ایک سی روش رہی ہے لہذا اس بات سے گھبرا نا نہیں چاہیے کہ اہل مکہ
اللہ کے آخری نبی کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں ۔ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے کچھ حالات

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اُن کا واسطہ بھی ایک جابر شخص فرعون کے سامنے تھا مگر اللہ کے اس عظیم نبی نے خدا کا پیغامِ نبوت اس حالت میں لوگوں تک پہنچایا، اُن کی ایذا رسانیوں پر صلہ کیا اور بالآخر اللہ نے فرعون اور اس کے حواریوں کو تباہ و برباد کیا۔ پھر بعض دوسری اقوام کی تباہی کا حال بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ صبر کا دامن نہ چھوڑیں، بالآخر کہ ملیا بی و کامرانی انہیں کے منے میں آئے گی۔ اور وہ دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر سرفراز ہوں گے۔

موسیٰ علیہ السلام
اور فرعون کا
واقف

ارشادِ برتاب وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور البستہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ تورات عطا کی۔ اللہ نے بڑا احسان کیا کہ بنی اسرائیل کے لیے تورات جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی۔ اللہ نے تورات کی تعریف قرآن میں بھی بیان کی ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاكَ التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ (المائدہ - ۴۴) ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اللہ کے بہت سے نبی اور نیک لوگ اس کتاب کی تعلیم دیتے رہے۔ موجودہ بائبل میں پہلے پانچ بڑے باب تورات کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ چار انجلیں، زبور اور ۳۹ صحافت ہیں۔

فرمایا، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزَلَّيْنَا اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اُن کا معاون بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ اَهْلِي (۲۹) هَارُونَ اَخِي (۳۰) (سورہ طہ) کہ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا معاون بن دے، کیونکہ لہو اَفْصَحُ مِثْلِي لِسَانًا (القصص - ۲۴) وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے۔ تو اللہ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے نوازا فرمایا اور پھر قُلْنَا اذْهَبَا بِالْقَوْمِ الذِّينَ كَذَّبَا

بِاٰیٰتِنَا اٰہِم نے کہا کہ تم دونوں اُس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں
 کو جھٹلایا ہے۔ اللہ کے فریضوں کو حکم نہ دے کہ فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس
 جا کر میری پیغام اُن تک پہنچاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام دو قوموں کی طرف جوت ہوئے
 تھے۔ ایک تو ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھے اور دوسرے قبطی لوگ تھے جن کا بادشاہ
 فرعون تھا۔ بنی اسرائیل تو اس وقت فرعونوں کے غلام تھے، اس لیے
 اللہ نے سب سے پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے
 پاس تبلیغ حق کے لیے بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال تک اللہ کا پیغام
 قوم فرعون کو پہنچایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل کو زیادہ تکلیفیں
 دینے لگے۔ کبھی موسیٰ علیہ السلام بات کرتے اور ہارون علیہ السلام اُن کی تائید کرتے
 اور کبھی ہارون علیہ السلام حسب موقع بات کرتے مگر فرعون برا جابر اور مستبد
 تھا، اُس پر اس وعظ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر جبکہ دوسری سورتوں میں مذکور ہے
 موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحرِ قلزم
 پہ پہنچ گئے۔ جب فرعون کو پتہ چلا تو اس نے مع لشکر بنی اسرائیل کا تعاقب
 کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے تو اللہ نے سمندر میں راستہ بنا
 دیا اور وہ دوسرے کنارے پہ پہنچ گئے مگر فرعون مع لاؤ لشکر اسی راستے پر
 سمندر کے عین وسط میں پہنچا تو اللہ نے فرمایا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا
 ہم نے اُن کو صخرہ بنیاد سے ہی اکھاڑ دیا۔ اللہ نے پانی کو حکم دیا، وہ آپس میں مل
 گیا اور ساری قوم وہیں غرق ہو گئی۔ اُن میں سے ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔ البتہ
 جو لوگ پیچھے منسحاب رہ گئے تھے، وہ بچ گئے اللہ نے اپنے نبی آخر الزماں
 کی توجہ ان حالات کی طرف دلائی ہے کہ دیکھو ہم نے مجرموں کو کس طرح
 صفحہ ہستی سے نابود کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ہدایت دیتا ہے۔
 پھر آخر کار ان کو گرفت میں لے لیتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آپ جو صلہ رکھیں
 آپ کے دشمن بھی ناکام رہوں گے اور کلمہ حق بھی بلند ہوگا۔

قوم نوح
کی ہلاکت

فرمایا، ذرا قوم نوح کا حال بھی دیکھو و قوم نوح لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ
جب قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی اَعْدَفْنَاهُمْ اَنْ كُوْنُوهُمْ يَوْمَ
میں ڈبودیا۔ یہاں پر رسل جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اُس وقت
اللہ کے واحد نبی نوح علیہ السلام ہی اُن کو اللہ کا پیغام سناتے تھے مفسرین کو ائمہ
فرماتے ہیں کہ امت تو ہر شخص کسی ایک نبی کی جوتاہے۔ مگر ایمان تمام انبیاء
اور رسل پر لانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی ایک نبی کو انکار سارے انبیاء
کے انکار کے مترادف ہوتا ہے۔ قوم نوح نے اگرچہ نوح علیہ السلام کا
انکار کیا تھا۔ اُن کو جھٹلانا سارے رسولوں کا جھٹلانا تھا۔ اس لیے یہاں پر جمع
کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کا دین
تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ جیسے مشہور حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
نَحْنُ مَعَشَرُ الْأَنْبِيَاءِ أَوْلَادُ عِلَاقَةٍ دِينُنَا وَاحِدٌ
یعنی ہم انبیاء کا گروہ خلافتی معانی بھائی میں جن کا باپ ایک مانیں مختلف
ہوں۔ ہمارا باپ یعنی دین تو سب کا ایک ہی ہے۔ البتہ ہماری امیں یعنی
شرائع مختلف ہیں۔ جو دین آدم علیہ السلام کا تھا۔ وہی عیسیٰ علیہ السلام کا تھا اور
وہی نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

بہر حال جیسا کہ سورۃ ہود اور دیگر سورتوں میں موجود ہے کہ نوح علیہ السلام
کی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کے باوجود چند گنتی کے آدمی ایمان لائے اور باقی
ساری قوم نے آپ کو جھٹلایا۔ جس کے نتیجے میں اُن پر ہلاکت و تباہی آئی
چالیس شب روز تک آسمان سے موسلا دھار بارش برتی رہی اور نیچے سے
زمین کے سوتے بھی پھوٹ پڑے اور اس طرح پانی کی اس قدر فراوانی ہو
گئی کہ اونچی سے اونچی پہاڑی کے اوپر بھی بیس بیس فٹ تک پانی چلا
گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نہ کوئی جانور بچ سکتا تھا اور نہ کوئی انسان
سوائے اُن کم و بیش انسانی آدمیوں کے جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گئے

تو فرمایا اس طرح ہم نے ان کو پالی میں ڈبو دیا وَجَعَلْنَاهُمْ لَدُنَّاسِ اٰیَةً
اور ان نافرمانوں کو ہم نے باقی لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔ وَاعْتَدْنَا
لِلظٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا اور ظلم کرنے والوں کے لیے ہم نے دردناک
عذاب بھی تیار کر رکھا ہے جو انہیں قیامت کو ملے گا۔ ظلم میں ہر قسم کا ظلم
و تعدی۔ سنا کر، کبار، حق تلفی، چوری، ڈاکہ، زنا، دھوکہ، فریب آتا ہے۔
تاہم سب سے بڑا ظلم عقیدے کا ظلم کفر اور شرک ہے جس کے تعلق اللہ تعالیٰ
اعلان وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ: ۲۵۴) کفر کرنے
والے بہت بڑے ظالم ہیں۔ نیز فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ اَكْظَمُ عَظِيْمًا
(لقمان: ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

عاد و ثمود
اور کنوئیں
والوں کی
تباہی

پھر فرمایا وَاعَادَا وَثَمُوْدَ عَادًا وَّثَمُوْدَ اَقْوَامٍ کِی ہلاکت کا حال یہی دیکھیں
کہ ان کو ہم نے کس طرح تباہ و برباد کیا۔ ان قوموں کا حال سورۃ اعراف، سورۃ
ہود اور دیگر سورتوں میں مذکور ہے۔ وَاصْحَبَ الذِّبْوٰتِ اور کنوئیں والوں
کو بھی اللہ نے ہلاک کیا۔ یہ کنوئیں والے کون لوگ تھے کسی صحیح حدیث میں
ان کے کوئی الف نہیں ملتے۔ البتہ امام ابن جریر طبری نے کعب اخبار کی ایک
ضعیف روایت نقل کی ہے جو قابل اعتماد نہیں بہر حال بعض کہتے ہیں کہ
یہ قوم تھامہ کے مقام پر آباد تھی اور بعض کہتے ہیں یہ یمین کے مقام پر
بتلتے ہیں۔ بعض نے ان کا وطن شام کا مقام انطاکیہ بتایا ہے۔ مفسرین نے
اس قوم کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے کہ اللہ نے ان کی طرف اپنا ایک نبی مبعوث
فرمایا۔ بعض کہتے ہیں ان کا نام خنظلہ ابن صفیان تھا جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام
کی اولاد میں سے تھے بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام
کی اولاد میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ سوائے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

لہ تفسیر ابن جریر طبری ص ۱۰۶ لہ خطہ دیوبند معامہ التذلیہ ص ۹۲ و خازن ص ۱۰۶

لہ معامہ التذلیہ ص ۱۰۶ و خازن ص ۱۰۶ لہ معامہ التذلیہ ص ۹۲ و خازن ص ۱۰۶ (فیاض)

علیہ وسلم کے، بہر حال کوئی بستی تھی جہاں اللہ نے اپنا نبی مبعوث فرمایا۔ اس بستی میں ایک سیارہ تک کے حبشی غلام کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ ایک دن اُن کافروں نے منسوب بنایا کہ اللہ کا نبی ہمیں ہر روز تک کرتا ہے۔ ہمارے مہبودوں کو بڑا عطا کرتا ہے، اسے فلاں کنوئیں میں پیندیک کرے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے نبی کو کنوئیں میں پیندیک اور اس کے منہ پر ایک بڑی چٹان رکھ دی تاکہ اللہ کا نبی باہر نہ نکل سکے۔ وہ ایماندار حبشی غلام دن بھر محنت مزدوری کرتا اور شاہ کو کھانا لاکر کسی طرح اللہ کے نبی کو کنوئیں میں پہنچا دیتا یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا۔ ایک دن اس حبشی نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی آپ کے پاس کنوئیں میں آجاؤں مگر اللہ کے نبی نے منع کر دیا۔ ایک دن بستی والے کنوئیں پر آئے تاکہ دیکھیں کہ اللہ کا نبی زندہ بھی ہے یا نہیں۔ جو نبی انہوں نے چٹان کو ذرا سا سرکا کر آواز دی تو نیچے سے آواز آئی یَقُومِ الْعَبْدُ وَاللَّهُ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ عَذْرَاءَ (مہود۔ ۶۱) لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ جب اُس قوم نے نبی کو زندہ پایا تو انہوں نے مٹی اور پتھر ڈال کر کنوئیں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ پھر اللہ کا عذاب آیا اور وہ سارے سارے ہلاک ہوئے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اُن لوگوں نے پتھر کو بٹا دیا تھا۔ اللہ کے نبی باہر نکل آئے اور وہ لوگ تائب ہو گئے مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو ہلاک ہی کر دیا کیوں کہ یہاں قوموں کی ملامت کا حال ہی بیان ہو رہا ہے۔ لہذا ملامت والی بات راجح ہے۔

دیگر اقوام
کا حال

فرمایا وَقُرْوْنَا بَیِّنَ ذَٰلِكَ کہیں اس کے درمیان ہم نے اور بھی بہت سی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جب انہوں نے اللہ کے نبیوں کی نافرمانی کی، اُن کو ازتیں پہنچائیں، اللہ کی توحید کا انکار کیا تو اُن

پر بھی تباہی آئی۔ ایسی بعض قوموں اور ان کے انبیاء کا ذکر تورات میں ملتا ہے اور بعض کے حالات قرآن پاک نے بیان کیے ہیں۔ تاہم بہت سے ایسے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال بالکل بیان نہیں کیا۔ جیسے سورۃ المؤمنین میں ہے کہ تم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں منہم مَن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (آیت ۷۸) ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ کے لیے کیا ہے اور بعض کا نہیں۔ ہر حال میں یاد رہے کہ ہم نے بعض دیگر قوموں کو بھی تباہ و برباد کیا۔ جنہوں نے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی تاہم وَكَأَنَّهُمْ بَنَاتٌ لَا نَفْسَ لَهُنَّ شَيْءٍ اور سب کے لیے ہم نے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ جب اللہ کا نبی آتا ہے تو وہ اپنی زبان میں خدا کا پیغام لوگوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتا ہے اور پورے طریقے سے بات سمجھاتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر یہی ہوا کہ لوگوں نے اللہ کے نبی کو جھوٹا یا توہمہ اور قیامت کا اٹھایا۔ اور پھر وَكَأَنَّهُمْ تَبَارَئُتَ رَبِّیْہِمْ سَآئِیَۃٌ یَّوْمَ الْقِیَٰمَةِ اور پھر وَكَأَنَّهُمْ تَبَارَئُتَ رَبِّیْہِمْ سَآئِیَۃٌ یَّوْمَ الْقِیَٰمَةِ کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

فرمایا لَقَدْ آتَوْنَاكَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْنَا مَطَرًا السَّيِّئَۃِ اور یہ مکے کے اُس بستی پر سے گزرتے ہیں جس پر بری بارش برمائی گئی۔ مکے سے شام و فلسطین کے راستے پر وہ بستیاں آباد تھیں جن کو اللہ نے بری بارش برسائے تباہ کیا۔ ان پر پختروں کی بارش ہوئی اور انہیں زمین سے اُپر اٹھا کر چیر پٹ دیا گیا۔ فرمایا۔ مکے کے لئے تجارتی سفر پر جاتے ہیں تو ان اجڑتی ہوئی بستیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا كَمَا كَانَتْ اَوَّلَ مَا بَنَوْا عَلَيْهَا یعنی ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اما رہن کثیر اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں پر بڑے بڑے چھوٹے شہر آباد تھے جن کی آبادی چار لاکھ نفوس سے زیادہ تھی وہاں ان بستیوں

کے کفّہ ذرات اور بحیریت بھی نظر آتا ہے۔ وہاں کوئی انسان زندہ نہ بچا۔ آج بھی بحیریت کے بعض حصوں میں کوئی آبی جانور بھی زندہ نہیں رہتا۔ یہ ساری نشانیاں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ مکے والے ان کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا
 کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ جی اُٹھنے پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ اگر ان کو بعثت بعد الموت اور جزائے عمل کی فکر ہوتی تو نافرمانی کی اتنی بڑی جرات نہ کرتے۔
 دراصل عقیدہ قیامت کا انکار لوگوں کو آخرت کے فکر سے آزاد کر دیتا ہے۔
 لہذا وہ غافل ہو جاتے ہیں اور بالآخر اللہ کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔

وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَنْخَذُونَكَ إِلَّا هُزُواً هَذَا الَّذِي
 بَعَثَ اللَّهُ رَسُولاً ۝۳۱ إِنَّ كَادَ لِيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِتِنَا
 لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ
 يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۲ أَرَأَيْتَ مَنْ
 اتَّخَذَ إِلَهِهُ هَوًى أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝۳۳
 أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ
 إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۴

ترجمہ :- اور جب دیکھتے ہیں یہ لوگ آپ کو، تو نہیں بناتے
 آپ کو سزا دینا کیا ہوا۔ اور کہتے ہیں، کیا یہ وہ شخص ہے جس
 کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ۝۳۱ (بیشک اسان یہ جانتے
 کہ، قریب تھا کہ یہ ہم کو گمراہ کر دیتا ہمارے معبودوں سے اگر
 ہم صبر نہ کرتے اُن پر۔ اور عنقریب جان لیں گے جس
 وقت دیکھیں گے یہ عذاب کو کہ کون سے زیادہ بڑا ہوا۔
 راستے کے اعتبار سے ۝۳۲ اے پیغمبر! کیا آپ نے
 دیکھا ہے اس شخص کو کہ جس نے بنا لیا ہے معبود اپنی
 خواہش کو کیا آپ اُس کے ذمہ دار ہیں ۝۳۳ کیا آپ گمان
 کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا عقل رکھتے
 ہیں؟ نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ

بکے ہوئے راستے کے اعتبار سے (۴۴)

ربط آیات

اس رکوع کی پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی۔ ان انبیائے کرام کو بڑے سرکش اور مغرور لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اللہ نے ان کے مغرور کو توڑا اور ان کو تباہ و برباد کیا۔ اللہ نے نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی فرمایا کہ آپ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، پھر قوم عاد، ثمود اور کنوئیں والوں نے اللہ کے نبیوں کے ساتھ زیادتی کی تو ان کو بھی ہلاک کیا گیا۔ درمیان میں بہت سی دیگر قومیں بھی گزری ہیں جن کا تذکرہ نہ تو کتب سماویہ نے کیا ہے اور نہ ہی تاریخ نے انہیں محفوظ رکھا ہے ہر قوم کے لیے اللہ نے رسول بھیجے، مثالیں بیان کیں، ان کو ہر طریقے سے سمجھایا مگر اکثر لوگوں نے تسلیم نہ کیا اور ہلاک ہوئے۔ پھر ان بستیوں کا تذکرہ جن پر سے اہل مکہ تجارتی سفر کے دوران گزرتے ہیں۔ اللہ نے ان پر بُری یعنی پتھروں کی بارش برسا کہ انہیں تنہا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ آخرت سے غافل اور لاپرواہ ہو جاتے ہیں اور یہی چیز ان کی ہمیشہ کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

باطل پر ڈٹے
سننے کی خواہش

اس سورۃ میں زیادہ تر انکار رسالت کا مسئلہ بیان ہوا ہے لوگ اللہ کے نبیوں پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ٹھانڈے تھے اور اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ آج کی پہلی آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا رَأَوْكَ جب کفار و مشرکین آپ کو دیکھتے ہیں إِنْ يَسْتَحْذِرُونَكَ إِلَّا هُزُوا تو بتاتے ہیں آپ کو ٹسکا یا ہوا یعنی آپ کا مسخر اڑاتے ہیں۔ کتنے ہیں کہ اللہ کو نبوت و رسالت کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی ملا تھا۔ نہ اس کے پاس مال نہ جانور، نہ باغات نہ محلات اور نہ تو کمر چاکر، کھلایہ کیسے نبی ہو

ہو سکتا ہے؟ کہتے تھے اَھْذَ الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا کَیْیَہ
 وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ پھر یہ بھی کہتے اَنْتَ
 کَاذِبٌ لِّیْضَلُّنَا عَنْ اِلٰہِیْنَا قَرِیْبٍ تَحَاکِرُہِ شَخْصٌ مِّمَّنْ ہَاہُ
 معبودوں سے گمراہ کر دینا ہے کو لَّا اَنْتَ صَبَرْنَا عَلَیْہَا
 اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے یعنی ان پر مستحکم نہ ہوتے۔ اس شخص کی تقریر بڑی پُر اثر ہے
 اگر ہمارے معبودوں کے متعلق ہمارا عقیدہ ذرا بھی کمزور ہوتا تو یہ شخص ہمیں بظن
 کر کے گمراہ کر دیتا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو اپنے معبودان باطلہ پر سختی اختیار
 کرنے کی تلقین کرتے تھے وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اِلٰہَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ
 وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا (روح - ۲۲) کہتے
 تھے اس شخص کے کہنے میں آکر اپنے معبودوں وَد، یغوث، یعوق اور
 نسر کو نہ چھوڑ بیٹھا، بلکہ ان پر اپنا عقیدہ مضبوط رکھنا۔ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی
 قوم سے یہی کہا یَقُوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ
 (ہود - ۵۰) لوگو عبادت صرف اللہ کی کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود
 نہیں مگر قوم نے یہی جواب دیا وَمَا نَحْنُ بِتَارِدِیْنَ اِلٰہِیْنَا
 عَنْ قَوْلِکَ (ہود - ۵۳) ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے
 کے لیے تیار نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرُوْنَ
 الْعَذَابَ جب عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو انہیں طلبی ہی معلوم
 ہو جائے گا مَنَ اَصْلُ سَبِیْدٍ کہ کون زیادہ بہکا ہوا ہے راستے
 کے اعتبار سے آج تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نبی ہمیں معبودوں سے ہٹا کر
 غلط راستے پر ڈال رہا ہے مگر جب قیامت کا دِن آئے گا اور یہ لوگ
 مستحق عذاب ٹھہریں گے تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ غلط راستے پر کون تھا۔
 اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک بہت بڑی قباحت کا ذکر

خداوند تعالیٰ
 بطور معبود

کیا ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چلنا اس کو معبود بنالینے کے مترادف ہے۔ یہ بیماری انسانوں میں ابتداء سے چلی آرہی ہے، اب بھی ہے اور تاقیام قیامت موجود رہیگی۔ حق و باطل میں امتیاز نہ کرنا خواہشِ نفس کو پورا کرنا ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ اسی خواہش میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں اور پھر جدھر خواہش چاہتی ہے اُدھر ہی چلتے رہتے ہیں۔ یہ بات اللہ نے یہاں پر اس طرح بیان فرمائی ہے۔ اَدَّٰی بُتْ مِّنْ اَتَّخَذَ اللّٰهُ هُوَ کیا آپ نے اُس شخص کی طرف دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ یہاں پر اللہ کو مقدم اور ہوئی کو مؤخر کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ ترکیب بات میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک صرف خواہش ہی اُن کا معبود ہے۔ جدھر خواہش جاتی ہے۔ اُدھر ہی وہ جلتے ہیں۔ اُن کے نزدیک حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔

خواہش کی آفرینش کبھی خاندان کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی سوسائٹی کی وجہ سے اور کبھی علاقائی رسم و رواج کی وجہ سے۔ لوگ قانون کی پابندی کی پروا کیے بغیر اسی خواہش کے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خلیۃ القدس کا ممبر بننے کی بجائے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ مفسرین کرام حضرت ابوالامامہؓ سے روایت بیان کرتے ہیں جسے مفسر طبرسی، صاحبِ حلیۃ الاولیاء اور مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

بعضہ علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَا تَحْتَ ظِلِّ السَّمَاءِ
مِنَ اللّٰهِ يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَعْظَمُ عِنْدَ
اللّٰهِ مِنْ هَوٰی یُتَّبَعُ یعنی آسمان کے سائے کے نیچے اللہ
کے سوا سب بڑا معبود خواہش ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے۔ فرمایا
اَفَاَنْتَ تَتَّبِعُ عَلَیْہِ وَکَیْلًا، کیا آپ اُس کے زردار
لہ تفسیر بیان القرآن جلد ۱ (فیاض)

ہیں؟ مطلب یہ کہ خواہش کے پجاریوں کی ذمہ داری آپ پر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ خود ہی ان سے قیامت کو نپٹے گا اور ان سے وہی سلوک کرے گا جس کے یہ لوگ مستحق ہیں۔

چار چیزیں
ذریعہ آزمائش

تفسیر حسینیؑ والے مفسر لکھتے ہیں کہ آدم اور حوا کے ملاپ سے انسان پیدا ہوا اور جب شیطان کا ملاپ دنیا سے ہوا تو اس سے خواہش پیدا ہوئی۔ گویا شیطان کا عقد دنیا سے ہوا ہے۔ اس بات کو کسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ۵

الْحُبُّ بُلْبُلْتُ بِأَرْبَعٍ مَّا سَلَطُوا
إِلَّا لِعَظَمِ بِلَّتِي وَمَقَالَتِ
إِبْلِيسَ وَالذَّنْبِ وَالنَّفْسِ وَالْهَوَى
كَيْفَ الْخَلَاَصُ وَكُلُّهُمْ أَعْدَائِي

میری آنکھیں اور شقاوت کو بڑا بنانے کے لیے مجھے چار چیزیں سے آزما دیا گیا ہے یعنی یہ چیزیں مجھ پر مسلط کی گئی ہیں۔ ابلیس، دنیا، نفس اور خواہش۔ یہ ساری چیزیں انسان کی دشمن ہیں جو طے سے حق کے راستے سے بہکتی ہیں۔ ابلیس نے تو شروع سے ہی وعدہ سے رکھا ہے کہ وہ انسان کو قیامت تک گمراہ کرتا رہے گا۔ دنیا بھی ہمیشہ انسانوں کو اپنی طرف راغب کر کے غفلت میں مبتلا کرتی ہے۔ نفس کے متعلق قرآن میں موجود ہے اِنَّ النَّفْسَ لَآمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (یوسف - ۵۳) انسان کا نفس اُسے ہمیشہ برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ اگر اس پر قابو پایا جائے تو پھر یہ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ بنتا ہے۔ اور خواہش ایک ایسی چیز ہے جسے انسان الوہیت کا درجہ دے دیتا ہے اور پھر اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ بہر حال خواہش کے پیچھے لگ کر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فرمایا کیا آپ نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے خواہش کو ہی اپنا معبود بنا رکھا ہے؟

۵ تفسیر حسینیؑ ص ۱۲۴ (فیاض)

قانون کی پابندی ہر مکلف کے لیے انتہائی ضروری ہے مگر اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والی اولین چیز انسان کی خواہش ہے۔ جب انسان اپنی خواہش کے پیچھے چل نکلتا ہے تو پھر وہ قانون کی کچھ پروا نہیں کرتا بلکہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی خواہش ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی حکمت کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ قانون کی پابندی کے بغیر انسان خطیۃ القدس کے پاک مقام تک نہیں پہنچ سکتا مگر اسی کی اکثر لوگ خلاف ورزی کرتے ہیں حالانکہ قرآن پاک نے قانون کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا مِنْ طَائِفَةٍ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ (البقرہ - ۱۷۷)** اے لوگو! ہماری عطا کردہ روزی میں سے پاک چیزیں کھاؤ۔ دوسری جگہ آیا ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ (البقرہ - ۲۱)** اے لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اپنے عقیدے کو پاک کرو۔ جب تک عقیدہ پاک نہیں ہوگا۔ اخلاق اور عمل پاک نہیں ہوگا۔ جس کی فکر پاک نہیں ہے اس کا ذہن، روح، دل اور دماغ پاک نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (التوبہ - ۲۸)** مشرک لوگ سراپا ناپاک ہیں کیونکہ ان کی فکر میں شرک کی ملاوٹ ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا **فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج - ۳۰)** بت پرستی کی گندگی سے بچو کہ یہ بھی نجاست ہے۔ غرضیکہ قانون کی پابندی کے بغیر انسان ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا بلکہ ہمیشہ تنزل کا شکار رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا **وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (البقرہ - ۱۶۸)** شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا کہ یہی خواہش کی پیروی ہے جس کے متعلق فرمایا کہ لوگ خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔

أَوْ يَعْقِلُونَ كَمَا آتَىٰ الْكُفْرَانُ كَمَا آتَىٰ الْكُفْرَانُ كَمَا آتَىٰ الْكُفْرَانُ
 مُنْتَهَىٰ هِيَ يَسْمَعُونَ هِيَ فَرِيضَتُهُمْ هِيَ فَرِيضَتُهُمْ هِيَ فَرِيضَتُهُمْ
 یہ تو جانوروں کی مانند ہیں بَلْ هُمْ أَصْلًا سَبِيلًا بَلْ هُمْ أَصْلًا سَبِيلًا
 بھی زیادہ گمراہ ہیں بے عقل لوگوں کے جانوروں سے بھی بدتر ہونے کی
 دلیل یہ ہے کہ جانوروں میں تو اللہ نے عقل کا مادہ ہی نہیں رکھا جب کہ
 انسان کو عقل و شعور جیسا بہترین جوہر عطا کیا جس کے ذریعے وہ حق و باطل میں
 امتیاز کر سکتا ہے۔ جانور تو زیادہ سے زیادہ جمل بیط میں مبتلا ہوں گے کہ
 انہیں شعور ہی نہیں مگر کافر اور مشرک جمل مرکب کا شکار ہیں جو صحیح کو غلط اور غلط
 کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت کو گمراہی سے تعبیر کر رہے ہیں اور گمراہی
 کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔ یہ بڑی خطرناک روش ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ
 جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

جانور ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنے مالک اور محسن کو پہچانتی ہے اور
 اس کا حکم مانتی ہے۔ کسی بھی خدمت گزار جانور کو آواز دوتو وہ فوراً متوجہ ہوتا ہے
 جانور کھلانے پلانے والے مالک یا کارندے کی آواز پر چونک پڑتا ہے۔
 مگر کافر اور مشرک ان شرف المخلوقات کا فرد ہونے کے باوجود اپنے مالک
 حقیقی اور محسن حقیقی کو ذرا نہیں پہچانتا اور نہ ہی اُس کی آواز پر لبیک کہتا ہے
 ہم نے ایک بلی پال رکھی تھی جو جوان ہوئی، پھر اُس نے بچے دیے۔
 وہ بیماری بیمار ہو گئی۔ اندر آنا چاہتی تھی مگر دروازہ بند تھا۔ آخر دیوار پھلانگ کر
 اندر آئی اور میرے پاؤں کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا اسے دودھ
 پلاؤ۔ مگر اس نے نہ پیا۔ ٹھوڑی دیر بعد دروازے کے راستے باہر نکلی اور
 پھر تپ چلا کہ بیماری میں مر گئی ہے۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ بلی اپنی زندگی سے
 ایس ہو چکی تھی۔ اور آخری وقت سلام کرنے کے لیے آئی تھی۔ مقصد یہ کہ
 جانوروں میں بھی اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ مگر

محب دوس کا
 جانور کے بارے
 میں ذاتی تجربہ

انسان جانوروں سے بھی گیا گز رہا ہے جو اپنے حقیقی محسن کو نہیں پہچانتا بلکہ یا تو اس کا انکار کر کے کافر بن جاتا ہے اور یا پھر غیروں کے دروازے پر دستک دیکر مشرک ہو جاتا ہے۔ جانور بے شعور ہو کر بھی اپنا مقصد حیات پورا کر رہا ہے جب کہ انسان انسان ہو کر بھی اپنے مقصد حیات سے غافل ہے اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اپنی خواہش کو یہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں، وہ حقیقی معبود سے کٹ جاتے ہیں اور ایسے لوگ جانوروں سے بھی برتر ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۝

ترجمہ :- اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا اپنے پروردگار کی طرف سے اس نے سائے کو کیسے دراز کیا۔ اور اگر وہ چاہتا تو بنا دیتا اس کو ٹھنڈا ہوا۔ پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کے اوپر راہ بتلانے والا ۝ پھر ہم نے سمیٹ لیا اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹنا ۝ اور وہ وہی ذات ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے رات منزلہ لباس کے اور نیند کو ذریعہ آرام۔ اور بنایا ہے دن کو اٹھ کر باہر نکلنے

کا ذریعہ ۝

ربط آیات گزشتہ آیات میں تسلی کا مضمون تھا۔ اس کے بعد مشرکوں کو رد تھا۔ عبرت کے لیے بعض سابقہ اقوام کا حال بیان ہوا اور ان کی سزا کا ذکر کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ کافروں اور مشرک لوگ اللہ کے نبی کو دیکھ کر اس کا مسخرہ اڑاتے تھے، اور اپنے باطل عقیدے پر پختگی کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ عنتِ ربِ عذاب الہی کو دیکھیں گے تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ گمراہ کون تھا اور راہِ راست پر کون۔ نیز یہ کہ ان لوگوں سے قبولیتِ حق کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ جو شخص اپنی خواہش کو ہی معبود بنالیتا ہے۔ وہ حق و باطل کی تمیز سے

محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو حق بات سنتے ہیں اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ جانور تو اپنے مقصدِ حیات کو پورا کر رہے ہیں مگر مشرک اور کافر اس سے بھی عاری ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائلِ قدرت بیان فرمائے ہیں اور اسی ضمن میں نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

سایہ بطور
دلیلِ قدرت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ کفار و مشرکین سننے اور سمجھنے سے محروم ہیں اگر یہ دلائلِ قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرتے، تو توحیدِ خداوندی آسانی سے سمجھ میں آسکتی تھی۔ اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دلیلِ توحید ہی کے سلسلے میں سائے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الْمُتَّقِينَ الْخُلُقِ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف یہاں پر رویت بھری مراد نہیں بلکہ رویتِ قلبی اور رؤیتِ علمی مراد ہے کیا تمہارے علم و فہم میں یہ بات نہیں کیف مَدَّ الظِّلَّ کہ تیرے پروردگار نے سائے کو کس طرح دراز کیا ہر چیز کا سایہ گھٹنا بڑھتا رہتا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا اور وہ چاہتا تو اس سائے کو ساکن یعنی ایک جگہ ٹھہرا ہوا بنا دیتا اور ہر چیز کا سایہ گھٹنے بڑھنے کی بجائے ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا۔ گویا سایہ میں کمی بیشی دلیلِ قدرتِ خداوندی ہے۔ پھر فرمایا لَمْ يَجْعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا کہ ہم نے سورج کو اس پر راہ بتلانے والا بنایا ہے۔ سورج کی روشنی کی وجہ سے چیزوں کے سائے بنتے اور آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ گویا سائے کا گھٹنا اور بڑھنا سورج پر موقوف ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب پھیلتا ہے۔ پھر جوں جوں سورج اوپر کی طرف آتا ہے۔ سایہ گھٹتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عینِ دوپہر کے وقت سایہ اپنے اصل کے ساتھ اکمل جاتا ہے۔ پھر جب سورج مغرب کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروبِ شمس کے ساتھ

ہی سایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ سائے کا وجود سورج کے ساتھ متعلق ہے۔

سائے کا فرق

قرآن و سنت میں سائے کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ سایہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے۔ بعض حالات میں سایہ تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے جب کہ بعض حالات میں یہ ایک نعمت ہوتا ہے۔ دھوپ اور شدید گرمی میں انسان کسی درخت، پہاڑ یا دیوار کے سائے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے جاتے ہیں تو اس وقت بہترین بعد قہ ظِلُّ فُطْلٍ یعنی خیمہ کا سایہ ہے۔ مجاہدین کو خیمہ مہیا کر دینا جسے وہ دوران سفر و حضر سائے کے طور پر استعمال کر سکیں، بہت بڑی نیکی ہے۔ سائے کا ذکر دوزخیوں کی سزا کے سلسلے میں بھی آتا ہے فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ وَظِلِّ قَمَرٍ يَحْمُومٍ (الواقفہ - ۴۲ - ۴۳) ان کے لیے تند و تیز ہوا اور سخت تپش ہوگی۔ نیز دھوپ کا سایہ ہوگا، جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔ جس طرح ہائیڈروجن بم سے زیر ہونے والے دھواں نکل کر تباہی پھیلاتا ہے، اسی طرح دوزخیوں کے لیے بھی نہایت ہی مہلک دھواں کا سایہ ہوگا۔ زمانہ جاہلیت کا شاعر ابوبکر بن ابی شکار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

وَلَقَدْ صَدَّرْتُ عَلَى السَّمُومِ يَكْنِيهِ

قِرْدٌ عَلَى اثْنَتَيْنِ غَيْرِ مُرَحِّلٍ

میں نے سخت ٹو میں بڑا صبر کیا۔ جب کہ میرے پاس کوئی چیز نہ تھی سوائے مسر کی لٹوں کے جو کہ غیر کنگی شدہ تھیں اور میری گردن پر سایہ فلن تھیں مطلب یہ کہ اس قدر شدید تپش میں میرے سر کے بالوں کی لیٹیں ہی میری گردن کو ٹوسے پھر ہی تھیں گردن کے پیچھے بڑے نازک ہوتے ہیں جو دھوپ لگنے سے خراب ہو جاتے ہیں۔ اس کو گو لگنا یا (SUN STROKE)

کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب کے لوگ سر پر رومال باندھتے ہیں۔ جو ان کی گردن کو لو لگنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے **اتَّقُوا اللَّعْنَيْنِ** یعنی دو لعنت والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! وہ دو چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا راستے میں یاسلے کی جگہ میں پاخانہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان مقامات پر کوئی شخص گندگی پھیلانے کا تو راستہ چلنے والے یاسلے میں تھوڑی دیر آرام کرنے والے مسافروں کو تکلیف ہوگی۔ لہذا ان دو جگہوں پر بول و براز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ الیا کرنے والوں کے حق میں مسافر لعنت کرینگے۔

غزوہ ففتح مکہ ماہ رمضان میں پیش آیا۔ سخت گرمی کے ایام تھے۔ حضور علیہ السلام دس ہزار صحابہؓ کی جماعت لے کر مدینہ سے نکلے۔ حضور علیہ السلام نے سفر میں روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب ایک دن کا سفر باقی رہ گیا تو فرمایا کہ کل تو دشمن سے ٹھہر بیٹھ ہو جانے کا احتمال ہے لہذا روزہ نہ رکھو صحابہؓ کوام فرماتے ہیں کہ اس سفر کے دوران ہم میں سے سایہ صرف اسی شخص کے پاس ہوتا تھا جس کے پاس کوئی کھیل ہوا تھا جسے وہ مان کر سایہ بنا لیتا تھا، ورنہ ہم میں سے اکثر لوگ سوچ کی تپش سے پکھنے کے لیے اپنے چہروں کو ہاتھوں سے ہی ڈھانپتے تھے۔ سایہ کے لیے کوئی خیمہ، کپڑا یا درخت نہیں تھا۔

سایہ کے
نقصات

موسم گرما میں جہاں سایہ راحت کا باعث ہوتا ہے وہاں سخت سردی میں سایہ تکلیف کا باعث بھی ہوتا ہے۔ جہل جوں سوچ خط استوا سے دور اور قطبین سے قریب ہوتا جاتا ہے تو سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اور دھوپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ سکندر اعظم کے زمانے میں یونان میں بڑے بڑے حکماء گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک دیوجانس کلی تھا جو کتوں کے ساتھ بڑا انس رکھتا تھا۔ سردی کا موسم تھا، شیخس دھوپ میں بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔ اسی اثنا میں آدھی دنیا کا حکم ان سکندر اعظم اس

کے سلسلے آکھڑ ہوا اور دست بستہ عرض کیا، جناب عالی! کوئی کار خد مت ہو تو حاضر ہوں۔ بکلی نے نگاہ اٹھا کر سکندر اعظم کی طرف دیکھا تو بولا، مہربانی کر کے اپنا سایہ یہاں سے ہٹا دو اور مجھے دھوپ سے لطف اندوز ہونے دو۔ — بڑے آئے ہو۔ دنیاوی حاجتیں پوری کرنے والے۔ جاؤ اپنا کام کرو، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ علم کے استغناء کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے۔ بہر حال اُس وقت ایک آدمی کا سایہ بھی ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا جب کہ یہی سایہ بعض اوقات باغشِ رحمت ہوتا ہے۔

یاد ہے کہ دنیا میں دو سکندر بڑے مشہور گئے ہیں۔ ایک سکندر ذوالقرنین ہے جس کا ذکر سورۃ الکہف میں ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا اور لوگوں کو یا حوج ماجوج کی مغار سے بچانے کے لیے سد سکندری تعمیر کی تھی، یہ شخص ایماذرتھا۔ دوسرا سکندر جو سکندر اعظم کے نام سے مشہور ہے، یونان میں ہوا ہے۔ اس نے ۳۲۳ سال کی عمر میں نصف دنیا کو فتح کیا۔ اس کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ یہ شخص مشرک تھا اور مذکورہ بالا واقعاتی کا ہے۔

سائے کی
حقیقت

سایہ حقیقت میں ایک تاریکی ہوتی ہے جو کبھی مٹی اور کبھی بھاری ہوتی ہے۔ اس مقام پر اللہ نے سائے کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ دن کے پہلے پہر کسی چیز کا سایہ سورج کی الٹی طرف گھٹتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اصل چیز کی جڑ سے آکر مل جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا کا یہی مطلب ہے کہ ہم اس کو میٹ لیتے ہیں اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹنا۔ وہ سایہ آہستہ آہستہ متعلقہ شے کی جڑ سے آتا ہے۔

ہر چیز کی اصل تو ذات خداوندی ہے اور اُس کا شاد ہے۔
وَلَا يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُفْدًا (مہر: ۱۲۳) سب چیزیں اُسی کی طرف
لے موضع القرآن ص ۴۵ (فیاض)

رجب مکرہ تھی ہیں کائنات کی کسی چیز کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیحات کا عکس یا سایہ ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز اس کی طرف لوٹی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ دن کے پہلے پہر میں ہر چیز کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔ اور جب پچھلے پہر دوسرا رُخ شروع ہوتا ہے تو سایہ دوسری طرف لمبا ہوتا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو سایہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اور بعض دیگر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسی سلسلے سے ہم دنیا کی مستی کی مثال بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اول عدم یعنی کچھ نہیں تھا۔ پھر نور یعنی دنیا کا وجود آیا اور آخر میں یہ سب کچھ پھر عدم میں چلا جائے گا یعنی پوری کائنات ختم ہو جائے گی۔ جس طرح جسمانی نور اور سائے کی مثال ہے۔ اسی طرح — روحانی نور اور ظلمت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جب انسانیت کفر، شرک اور معاصی کی تاریکی میں مبتلا ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آفتاب نبوت کی روشنی بھیجتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو صحیح راستہ نصیب ہوتا ہے۔ گویا انبیاء کے ذریعے نور ہدایت میسر آتا ہے۔ توحید روشنی ہے اور کفر، شرک اور معاصی ظلمت ہے۔ یہ ظلمت نبوت کی تعلیم یعنی آسمانی ہدایت کے ذریعے ہی نڈر ہوتی ہے۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اے مخاطب! کیا تم نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں سائے کو کس طرح دراز کیا، اور اگر وہ چاہتا تو یہ سایہ ایک ہی مقام پر ٹکا رہتا۔ مگر اُس نے نظام شمسی اس طریقے سے قائم کیا ہے کہ سورج کی رفتار کے ساتھ ساتھ سایہ بھی گھٹنا بڑھتا رہتا ہے اور آخر میں بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ سائے کا گھٹنا بڑھنا سورج پر موقوف ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی قدرت کی دلیل ہے۔

کو سِرَاجاً مُنِيرًا (الاحزاب ۴۶) فرمایا ہے یعنی آپ روشن چراغ ہیں۔ اسی طرح قرآن، تورات اور انجیل کو بھی اللہ نے نور یعنی روشنی کا لقب دیا ہے۔ تو گویا جو روشن چراغ انبیاء کرام کتب سماویہ کی صورت میں لے کر آتے ہیں اُس سے نور ہدایت پھیلتا ہے اور کفر، شرک اور معاصی کی تاریکی دُور ہوتی ہے۔ تو گویا یہ سایہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے تو دوسری طرف نبوت کی دلیل بھی بنتی ہے کہ نورِ نبوت کی بدولت ہی دنیا سے تاریکی دُور ہوتی ہے۔

رات، غینہ
اور دن

آگے اللہ نے مزید تین چیزوں کو اپنی قدرت و وحدانیت کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے منزلہ لباس کے بنایا ہے۔ لباس سے انسان کو دروازہ حاصل ہوتے ہیں، ایک زینت اور دوسرا پردہ۔ اللہ نے قرآن پاک میں لباس کی حکمت اس طرح بیان فرمائی ہے يُكَبِّرُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لُبَاسًا يُخَوِّرُكَ سَوَاتِكُمْ وَرِثًا (اعراف ۲۶) اے آدم کے بیٹو! ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہارے لیے پردہ پوشی کرتا ہے اور باعث زینت بھی ہے۔ ویسے بھی یہ عام مقولہ ہے الْبَاسُ بِاللِّبَاسِ یعنی لوگ لباس پہن کر ہی اچھے لگتے ہیں جب کہ برہنگی ایک عیب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام متحذین دنیا کے لوگ خواہ وہ کسی مذہب، مسلک یا فرقے سے متعلق رکھتے ہوں، اس بات پر متفق ہیں کہ لباس باعث زینت اور برہنگی عیب ہے۔ برہنہ انسان جانوروں کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ نے لباس نازل کر کے انسان کو شرف بخشا ہے۔ گویا جس طرح انسان لباس پہن کر آرام پکڑتے ہیں۔ اسی طرح رات بھی لوگوں کے لیے آرام و سکون کا باعث ہوتی ہے۔

لَا حِجَّةَ لِلَّهِ الْبَالِغُ مِنْهُ (فیاض)

پھر اللہ نے نیند کے متعلق فرمایا وَالسَّوْمُ سُبَاتًا یعنی ہم نے نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا۔ انسانی صحت کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔ اطباء کے مطابق دن رات میں سات گھنٹے سونا ضروری ہے۔ مختلف طبائع کے مطابق کم و بیش بھی ہوتا ہے۔ اگر کئی دن تک نیند نہ آئے تو دماغ میں خشکی پیدا ہو کر انسان شدید قسم کے مایوس ہو گیا میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ جب نیند آتی ہے تو انسان کی تحلیل شدہ توہیں بحال ہو جاتی ہیں اور وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ کام کاج کے قابل ہو جاتا ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ نے رات کو تمہارے لیے زینت اور یہ پوشی کا ذریعہ بنایا اور نیند کو آرام و استراحت کا سبب بنایا۔ وَجَعَلَ النَّهَارَ نَشُورًا اور دن کو اٹھ کر اہل عمل کا ذریعہ بنایا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔ اگر انسان شب و روز کے اس نظام پر ہی غور کرے تو اسے اللہ کی دانیت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ ہی کا قائم کردہ ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً
مَيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَا بَسِي
كَثِيرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَكَّرُوا فَأَبَى
أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي
كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرِينَ
وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ۔ اور اللہ کی ذات وہی ہے جس نے چٹائی ہیں
ہوائیں خوشخبری لانے والی اُس کے بارانِ رحمت سے چلے۔
اور امارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا ﴿۴۸﴾ تاکہ
ہم زندہ کریں اس کے ساتھ مردہ شجر کو۔ اور پائیں ہم
ماس کو اُن کو جو پیدا کیے ہیں ہم نے موشی اور بہت سے
انسان ﴿۴۹﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تعظیم کیا ہے اس کو اُن
کے درمیان تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پس انکار کیا اکثر انسانوں
نے مگر ناشکر گزاری ہی ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے
بستی میں ڈر سنانے والا ﴿۵۱﴾ پس آپ نہ بات مانیں کافروں
کی۔ اور جہاد کریں اُن سے اس (قرآن) کے ذریعے
بڑا جہاد ﴿۵۲﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے سلسلے میں اس کے ذکر کیا
 کہ اس کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔ سورج اس کی رہنمائی کرتا ہے اور یہ گھٹتا
 بڑھتا ہے۔ پھر اللہ نے رات اور دن کا ذکر فرمایا کہ یہ بھی قدرت الہی کے نمونے
 ہیں۔ اللہ نے رات کو مینزلہ لباس قرار دیا، اور غنیمت کو آرام کا ذریعہ بنایا۔ پھر
 دن کے وقت کا دوبارہ محنت مزدوری کرنے کا موقع فراہم کیا۔ یہ سب
 اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر اس کی توحید سمجھ میں آتی ہے
 اب دلائل قدرت ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی کا
 ذکر بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا
بَيِّنَاتٍ يَدْعُو بِحَمِيمِهِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو چلاتا ہے خوشخبری
 سننے والی ہواؤں کو اس کی بارانِ رحمت سے قبل۔ ظاہر ہے کہ بارش سے
 پہلے ہوائیں چلتی ہیں جن کے دوش پر پانی سے لبریز بادل اٹھتے ہیں۔ پھر
 جہاں اللہ تعالیٰ کو بارش برسانا مطلوب ہوتا ہے، ہوائیں بادلوں کو وہاں
 لے جاتی ہیں۔ ان ہواؤں کو دیکھ کر ہی انسان پر امید ہوتے ہیں کہ اب
 اللہ کی رحمت بارش کی صورت میں نازل ہوگی اور خطے کی خشک سالی دور ہوگی
 انسانوں اور جانوروں کی حیات کا سامان ہوگا۔ اور کھیتیاں اور درخت پھل
 پیدا کریں گے۔ گھاس پھوس ہوگا، اور اس طرح انسانوں اور جانوروں کے لیے
 اکل و شرب کا انتظام ہوگا۔ گویا یہ ہوائیں ہیں جو بارش کی آمد سے پہلے بارش
 کی خوشخبری دیتی ہیں۔

پاکیزہ پانی
 کا نزول

ارشاد ہوتا ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور ہم نے
 آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ آسمان کا اطلاق بادل، فضا، ہوا اور ہر ملحدی
 پر ہوتا ہے۔ بظاہر تو پانی اللہ تعالیٰ بادلوں میں سے اتارتا ہے۔ مگر یہ صرف
 بادلوں کا کمال نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ چونکہ
 بارانِ رحمت کے نزول کا فیصلہ اُوپر ہوتا ہے، اس لیے اس کے نزول

کو آسمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔

فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا جو کہ طہور اور خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے۔ چنانچہ پانی کے علاوہ کسی دوسری چیز سے طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر دودھ، عرق، کیڑا، پٹرول وغیرہ خود پاک اشیا ہیں مگر ان کے ذریعے دوسری چیزوں کو پاک نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو ازالہ نجاست کے لیے بوقت مجبوری استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً پیزے کو نجاست لگ گئی اور پانی میسر نہیں تو اس نجاست کو پٹرول وغیرہ سے دور کیا جاسکتا ہے مگر ان سے وضو یا غسل نہیں کیا جاسکتا۔ پانی کو بدل اللہ نے مٹی کو قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا **فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَدِيدًا طَيِّبًا** (النساء - ۴۳) اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تمیمہ کیا جاسکتا ہے جو وضو یا غسل کا بدل ہوگا۔ تاہم جوہی پانی بستر آجائے وضو یا غسل ضروری ہو جائے گا۔ طہور مہلے کا سیغہ ہے یعنی یہ پانی خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے چنانچہ ہم روزمرہ کپڑے، برتن، جسم، فرش، غرضیکہ ہر چیز پانی ہی سے پاک صاف کرتے ہیں اور یہی اس کی صفت ہے آگے اللہ تعالیٰ نے پانی کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ کی یہ نعمت انسان، حیوان اور نباتات کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ اللہ نے اس کو بقائے حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے پاکیزہ پانی کو نازل فرمایا **لِنُخْرِجَ بِهِ مَبْدَاً قَدِيمًا** اگر ہم اس کے ساتھ سردہ شہر یا خشک زمین کو زندہ کریں۔ جب زمین بالکل خشک ہو کر سبزہ اگانے کے قابل نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ باران رحمت کے ذریعے پانی بہم پہنچاتا ہے۔ اور زمین نرم ہو کر روئیدگی کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس میں سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے۔

پانی کی
افادیت

فرمایا پانی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے زمین میراب ہوتی ہے
 اور دوسری یہ کہ وَنَسَقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَا سَيِّ كَشِيرُهُ
 تاکہ ہم پانی سے پانی اپنے پیدا کردہ مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو جیسا کہ پہلے
 عرض کیا پانی انسانوں، حیوانوں اور نباتات کے لیے بنیادی ضرورت ہے
 نباتات کا ذکر آیت کے پہلے حصہ میں ہوا کہ پانی کے ذریعے ہم مردہ زمین
 کو زندگی بخشتے ہیں۔ اور انسانوں اور حیوانوں کا ذکر اس حصہ آیت میں آگیا ہے
 کہ یہ دونوں انواع پانی کی محتاج ہیں۔ اگرچہ پانی کی ضرورت ہر قسم کے حیوانات
 سخیلے سلاخے، مچھلیاں، پر مویشیوں کا اور انسانوں کی نسبت سے کیا ہے کہ ان کو پانی
 کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ مویشی انسان سے زیادہ مانوس
 ہیں، انسان کے خادم ہیں اور انسان ان کا دودھ پیٹتے ہیں۔ سورۃ المائدہ
 میں ان کو تَهَيُّمًا الْأَنْعَامِ یعنی چوپائے جانور کہا گیا ہے، اور
 سورۃ الانعام میں ان کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ تَحْمِيَّةُ زَوَاجٍ
 یعنی آمٹھ جوڑے ہیں۔ ان میں بھڑ، بکری، گائے اور اونٹ کے زیادہ
 شامل ہیں۔ تاہم باقی تمام جانوروں، درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں
 کو بھی پانی کی ضرورت ہے اور ان کی زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ البتہ
 بعض جانور ایسے ہیں جنہیں پانی کی فوری ضرورت نہیں پڑتی۔ بعض جاندار
 چھ ماہ بعد پانی پیتے ہیں۔ جیسے گاوہ ہے جو بڑی میں رہتی ہے اور کبھی کبھار
 پانی استعمال کرتی ہے۔ تاہم مذکورہ مویشی دن میں کئی کئی مرتبہ پانی پیتے ہیں
 اس لیے اللہ نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق
 ہے۔ پانی اس کی غذا کا لازمی حصہ ہے۔ انسان جو بھی غذا استعمال کرتا
 ہے وہ خون پیدا کرتی ہے اور خون میں اسی فیصد پانی اور باقی بیس فیصد

دیگر اجزاء مثلاً نمک، چربی، پروٹین، لکھیاٹ، شکر، فیبر وغیرہ ہوتے ہیں۔ گویا انسانوں کے لیے بھی پانی اشد ضروری ہے۔

پانی کی فری
سپلائی

انسان کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے۔ اس کے بغیر انسان چند لمحے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر پانی ہے۔ اللہ نے اس کو بھی باافراط پیدا کیا ہے۔ یہ ایسی بنیادی چیز ہے جو صفت مہیا ہونی چاہیے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے لیے پانی کی فری سپلائی کا بندوبست کرے۔ ہوا اور پانی کے بعد غذا ان ضروری چیز ہے جس کے حصول کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پھر لباس اور رہائش کا حصول ہے۔ یہ بھی جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں صحت بھی شامل ہے۔ ہر نیا کرنا سب علاج، علاج کی سہولت حاصل ہونی چاہیے۔ اور تعلیم بھی کم از کم اتنی تو لازمی ہے کہ انسان کو اپنے فرائض کا علم ہو سکے۔ یہ ہر انسان پر فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ غرضیکہ پانی انسان کی بنیادی ضروریہ۔ میں شامل ہے جو اکثر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے اور اسے شائع کرتے ہیں۔ پانی کی قدر ان علاقوں میں ہے جہاں یہ مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں پورے ایک دین کی مسافت پر پانی لانا پڑتا ہے۔ لہذا جہاں پانی وافر دستیاب ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے اور جہاں نایاب ہے وہاں مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

فرمایا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيهِمْ مِّنْهُم مَّاءً فَهُمْ يَلْمِزُوهُ
طبقات میں تقسیم کیا ہے یعنی پانی کی فراہمی کو تمام خطوں میں یکساں نہیں رکھا بلکہ کہیں باافراط موجود ہے، کہیں مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور کہیں نایاب ہے۔ زیر زمین پانی عام طور پر میٹھا ہوتا ہے مگر بعض علاقوں میں کھاری بھی ہے۔ بارش، ندی، نالے اور دریاؤں کا پانی انسانی

زندگی میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر کھاری پانی تمام معمولات میں استعمال نہیں ہو سکتا
بعض جگہوں پر پانی بالکل کٹ رہا ہے جو نہ پینے کے کہ نہ آب ہے اور نہ کھیتی باڑی کے
پانی کا رسیکے بڑا ذخیرہ سمندر ہے مگر وہ پینے کے قابل نہیں ہے۔ بڑے بڑے
صحرائوں میں پانی بالکل ایسا ہے۔ اب جدید دور میں سمندر کے پانی کو صاف کرنے کے
قابل استعمال بنایا جا رہا ہے۔ مگر اس پر بہت زیادہ لاگت آتی ہے۔ بہر حال اللہ
نے فرمایا کہ ہم نے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا لَیْذِکُمْ وَآلَاکُمْ وَنَیْصِحْتُ
یَحْیٰی طٰی۔ مگر حقیقت یہ ہے فَالْجَبَّ اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کَفُوْرًا مَّ
اکثر لوگوں نے انکار کیا اور اس نعمت کی قدری کی۔ لوگوں کو چاہیے تھا کہ اس
نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے مگر انہوں نے نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔
اللہ تعالیٰ نے سچوہ بھی کیا ہے۔

کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اللہ نے ہر بستی اور ہر مقام
منہرین کی
بعثت
پہ اپنے رسول بھیجے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ہے
وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَذِیْرًا اَلَمْ یَحِثُّ لَہُمْ تَوْبٰہ
بستی میں ڈرانے والے بھیج دیتے۔ یہ کام ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے
مگر یہ ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ نے مختلف علاقوں میں خاص
خاص لوگوں میں اپنے رسول بھیجے۔ اُن پر وحی نازل کی اور اس طرح لوگوں کی
ہدایت و رہنمائی کا انتظام فرمایا۔ اور پھر آخر میں اقوام عالم اور تمام بنی نوع انسان بلکہ
جنات کے لیے اپنا آخری رسول مبعوث فرمایا اِلَّا نَذِیْرًا لَّكُمْ یٰہِمْ وَهٰنُ
اَبْلَکَ رَا لَآلِہَام۔ ۱۹ تاکہ وہ اس قرآن کے ذریعے اپنے مخاطبین اور تمام ان
لوگوں کو ڈرائے جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے
فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے بیودہ اعتراض کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنا کام
کرتے چلے جائیں۔

جہاد کبیر

آخر میں اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تُطِیْعُ الْکَافِرِیْنَ اَی

کافروں کی بات نہ مانیں مگر ان کے خلاف قرآن پاک کے ذریعے ایک ضروری کام یہ ہے **وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا** کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کبیر کریں۔ یہ کام جمع قرآن ہے کہ اس کے ذریعے آپ جہاد جہاد کبیر جس طرح اللہ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی جسمانی ضروریات پوری کریں، اسی طرح وحی الہی کے ذریعے قرآن نازل فرما کر انسان کی روحانی اور عقلی ضرورتوں کی تکمیل کی اور اس کی روحانی پیاس کو بجھایا۔ گویا اللہ نے قرآن نازل فرما کر انسان کی مادیت کو سامان دیا فرمایا۔

جہاد اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس سے مراد محض جنگ نہیں بلکہ جنگ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ جہاد سے مراد اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو دشمن کے مقابلے میں صرف کرنا ہے۔ جہاد کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنْتِكُمْ** یعنی کافروں اور مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی زبانوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ مطلب یہ کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ زبان کے ذریعے ذبیحہ تبلیغ اور کرنا، دین کے احکام لوگوں تک پہنچانا، لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنا، بوقت ضرورت بحوث مباحثہ کرنا، تہذیب و تائید کے ذریعے لوگوں تک علم پہنچانا، مال خرچ کرنا سب جہادیں آتا ہے۔ مگر قرآن کی تبلیغ کو اللہ نے جہاد کبیر سے موسوم کیا ہے۔ حضور علیہ السلام جب کسی جنگ کے لیے جاتے تو دیگر دعاؤں کے علاوہ یہ دعا بھی فرماتے **اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَ مُجْرِى السَّحَابِ وَ هٰكَذَا اَرْحٰزَابِ اَهْلِ مِثْهَمَ وَاَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ** اے اللہ! یہ کتاب کو نازل کرنے والے اللہ! مخالف لشکریوں کی شکست دے اور ہماری مدد فرما کہ ہمیں غلبہ عطا فرما۔ ہمارا مقصد ملک گیری نہیں بلکہ اس کتاب کے پروگرام کو آگے چلانے کا ہے تاکہ لوگوں کی فکر پاک ہو جائے اور ان کے

کے اعمال درست ہو جائیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ دشمن کے مقابلہ میں ظاہری، باطنی، مالی اور جانی قوی کو صرف کرنا جہاد کا ایک حصہ ہے۔

دین کے چار سکہ دشمن میں جن کا مقابلہ کرنے کے لیے قرآن نے تعلیم دی ہے۔ پہلے پہل دشمن دین خود نفس انسانی ہے جس کے تعلق سے فرمایا اَعْدَىٰ عَدُوُّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ تَهَارِبُ اَدْرَاثُ تُوخَر تھمارا نفس ہے جو تمھارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے اور انسان کو ہمیشہ برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ نفس کا مقابلہ عبادت و ریاضت سے ہوتا ہے۔ جو شخص عبادت الہی میں مصروف ہوتا ہے اس کا نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ فرمایا دین کا دوسرا دشمن شیطان ہے۔ قرآن نے اُس کو اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (البقرہ - ۱۶۸) کہا ہے یعنی یہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ شیطان کا مقابلہ اللہ کے ذکر کے ذریعے ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا کثرت ذکر کرو گے تو شیطان دفع ہو گا۔ فرمایا دین کا تیسرا دشمن کافر ہے جو خدا تعالیٰ کی توحید اور شریعت کا انکار کرتا ہے اور اس کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال - ۶۰) ان دشمنوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تیرکھان سے لے کر ٹیمپم اور بائیس رزمین تک ہر جتنے بھی وسائل میسر ہوں سب کو بیکار کر دو۔ چھ ذرا کہ دین کا چوتھا دشمن منافق ہے جو اندرونی طور پر بدلتا ہے دنیا کے جہالت المسلمین اور ان کے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاَحْطِ بِهِنَّ سَعِدِ الرَّتُّوبِ - ۷۳ اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کی شرارتوں اور سازشوں کو بے نقاب کرو اور انہیں خوب رسوا کرو تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں بہر حال ان چاروں دشمنان دین کا مستجاب کرنا

ضروری ہے۔

جہادِ مسلسل

دشمن کے خلاف جہادِ لُوقتی طور پر ہوتا ہے جو بالآخر ختم ہو جاتا ہے مگر قرآن کے ذریعے جس جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ مسلسل اور دائمی ہے۔ جب تک پوری دنیا کفر، شرک، بدعات اور عاصی سے پاک نہ ہو جائے جب تک لوگوں کی فکر پاک نہ ہو جائے، جب تک ظلم و انصافی کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہ جہاد جاری رہے گا۔

مخالفین قرآن بھی اپنی جگہ و دو جا رہی رکھیں گے۔ لوگوں کے دلوں میں شرک و شبہات پیدا کرنے کے لیے غلط پہا پکینڈا کریں گے ان سب کے خلاف جہاد کرنا جہادِ کبیر ہے۔ امام شاد دلی السنۃ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا نشانِ نزول یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کفر، شرک، بدعتی اور بد اخلاقی پائی جاتی ہے، ان کی اصلاح کرنا اور توحید کا پرچم بلند کرنا، فسق و فجور اور جہالت کو دور کرنا اور نیکی کو پھیلانا ضروری ہے۔ قرآن کی یہ آیات جسج جسج کہ جہاد کبیر کی دعوت ہے یہی ہیں جب تک برائی کو ختم نہیں کر دے گئے تم فلاح نہیں پاسکتے۔ آج مسلمان اسی فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے دولت کی پستی میں جا گئے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب آبادی میں چار ارب لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور باقی ایک ارب بھی برائے نام توحید پرست ہیں۔ ان میں سے بہت قلیل تعداد راہِ راست پر ہے۔ بہر حال برائی کے خلاف قرآن کے ذریعے جہاد ہر وقت جاری ہے اور جاری رہے گا۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
 وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَجُجْرًا
 مَحْجُورًا ⑤۲ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ
 نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ⑤۳ وَيَعْبُدُونَ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ
 الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ⑤۴

ترجمہ: اور وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ذات ہے جس نے
 دیا ہے دو دریاؤں کو، ایک میٹھا ہے اور خوشکوار یعنی
 پیاس بجھانے والا، اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے، اور بنا
 دی ہے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ، روک بنائی
 ہوئی ⑤۲ اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے
 پانی سے انسان، پس بنا دیا اُس کے لیے نسب اور
 سلال اور تیز پروردگار قدرت رکھنے والا ہے ⑤۳ اور
 پرستش کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے سوا اُن چیزوں کی جو
 نہیں پہنچاتیں ان کو فائدہ اور نہ نقصان، اور کافر اپنے رب
 کے سامنے (پشت پھیرنے والا) اور (شیطان کا)
 مددگار ہے ⑤۴

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نمونے اور توحید کے دلائل (آیات

بیان فرمائے۔ پہلے سائے کا ذکر ہوا، پھر شب و روز کے تغیر و تبدل اور ہواؤں کے چلنے کا ذکر ہوا۔ اللہ نے خاص طور پر پانی کے نروداں اور اس کی افادیت کا ذکر کیا۔ پھر کافروں کی مذمت بیان ہوئی اور اللہ نے اپنے پیغمبر کو مافروانوں کے ساتھ طرہ جہاد کر کے کا حکم دیا۔ معتزین کے رسالت کے متعلق اعتراضات کا شافی جواب بھی دیا۔ اب آج کی آیات بھی خدا تعالیٰ کی قدرت نامہ اور حکمت بالغہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔

دو تضاد
پانیوں کا
مطلب

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَهُوَ
الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَمِينًا قَدْرَتِ كَمَا فِي قَدْرَتِ خَدَائِدِي
ہے جس نے دو پانیوں کو ملا دیا ہے۔ مروج کا معنی خلطہ یا کمرہ ہے۔ اور
آپس میں ملا دینا ہوتا ہے۔ اس لیے عربی زبان میں مروج سبزہ ناز کو کہا جاتا ہے
جہاں مختلف قسم کے پودے اور گھاس وغیرہ اُگے پڑے ہوتے ہیں صحیح حدیث
میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تَسِيرَ أَرْضُ
الْعَرَبِ مِنْ وَجْهِ الْفُجَارِ اِقِيَامَتِ اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب
عرب کی سرزمین میں سبزہ ناز اور نہریں نہ جاری ہوں گی۔ فرمایا اس وقت عرب
کو علاقہ وسیع ریگستان اور لاقنا ہی ملے گا کہ وہ پتھروں سے جگمگاے وقت آنے
ملا ہے جب بہت سے مقامات پر سبزہ ناز ہوں گے اور وہاں پر نہریں چلیں گی
فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو دریاؤں، دو سمندروں یا دو پانیوں کو اکٹھا کر دیا اور
عجب شان ہے کہ ان دو پانیوں میں ہذا عَذْبٌ فُتٍ کِبَ پانی
میٹھا اور پیاس بجھانے کے لیے خوشگوار ہے وَهَذَا مَلْحٌ حَبَاجٍ
اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے جو کہ پینے کے قابل نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت
نامہ کی دلیل ہے۔ یہاں پر دو مختلف دریا، سمندری پانی نہایت سرد نہیں ہیں کے
پانی کا ذائقہ مختلف ہو، بلکہ اس حقیقت کا اظہار مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے بعض مقامات پر ایسے پانیوں کو اکٹھا رواں رواں کیا ہے کہ جن کے ذائقے مختلف ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں قسم کے پانی اکٹھا بننے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے بلکہ اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ جگہ پر بہتے ہیں اللہ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا ہم نے ان کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی ہے وَحِجَابًا مَّحْجُورًا اور ایک رکاوٹ کھڑی کر دی ہے جو دونوں قسم کے پانیوں کو خلط ملط ہونے سے روکتی ہے۔ علامہ نے کہا کہ اگر میٹھا اور کڑوا پانی آپس میں خلط ملط ہو جائیں تو سارے کا سارا پانی ہی کڑوا ہو جائے۔ دنیا کے تمام دریاؤں کا پانی میٹھا ہے اور جہاں جہاں سے یہ گزرتے ہیں لوگ اس پانی کو پیتے ہیں اور اس کا کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے کہ سمندر کا پانی کڑوا ہے اور جو نہی کسی دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے تو وہ بھی وہاں ہی کڑوا ہو جاتا ہے۔ تکرہ اللہ نے اپنے جس شاہکار کا یہاں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایک دریا، سمندر یا ندی نہلے میں دو مختلف ذائقہ پانی اکٹھے چلتے ہیں مگر آپس میں مل کر ان کے ذائقہ میں فرق نہیں آتا اور ان کی اپنی اپنی نوعیت قائم رہتی ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے بعض مشابہات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً حضرت جن سے اللہ تعالیٰ کی اس بیان کردہ حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ایک ہنگامی شاگرد کو لکھا کہ ہنگامی چونہ دریاؤں اور سمندر میں کا علاقہ ہے، لہٰذا آپ وہاں کسی دریا وغیرہ کے حالات لکھیں جہاں مختلف خواص کے پانی اکٹھے بہتے ہوں۔ تو انہوں نے دو معتبر علماء کی شہادتیں لے کر مولانا تھانویؒ کو آگاہ کیا جس کو آپ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں نوٹ کیا ہے لکھتے ہیں کہ ہنگامی میں اگر کان سے پھر چاٹکار تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں دو مختلف نوعیت کے پانی چلتے ہیں۔ ایک پانی سفید ہے جب کہ دوسرا سیاہ، سفید پانی میٹھا ہے

لے بیان القرآن ص ۵۵ ۸۶ (فیاض)

اور سیاہ پانی کھڑا ہے۔ سیاہ پانی میں سمندر کی طرح تلاطم ہوتا ہے۔ یہ کہ سیاہ پانی ساکن مینا ہے کشتی رانی بھی خبیہ پانی میں ہی ہو سکتی ہے تو اس طرح تو ایک دنیا میں دو مختلف الانواع پانی الگ الگ نغمہ آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ دنیا ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کھٹکے بہہ رہے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے حاشیہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ بحال کے ضلع اریال کے بعض طالبانے میرے سامنے یہ حقیقت بیان کی کہ ان کے علاقہ میں دو ندیاں ایک ہی منبع سے نکلتی ہیں مگر ایک کا پانی کٹہرا اور ناقابل استعمال ہے جب کہ دوسٹر کا شیریں اور لذیذ ہے۔ آپ سورت میں بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ آپ وہاں کے حالات لکھتے ہیں کہ صورہ ہجرات میں ضلع سورہ کے مقام دھابیل سکک سے سمندر نظر آیا بارہ میل کے فاصلے پر۔ جب سمندر میں آتا ہے تو اس کا پانی سمندر میں گرنے والی ندی میں چڑھ آتا ہے۔ نصف کی بات یہ ہے کہ سمندر کا کٹہرا پانی ندی کے پانی سے اور پیمہ کی صورت میں آجاتا ہے اور دونوں پانی آپس میں خلط ملط بھی نہیں ہوتے۔ کٹہرا پانی اوپر بہتا ہے اور میٹھا ہے۔ پھر جب جڑ ہوتا ہے تو کھاری پانی سمندر میں واپس چڑھ جاتا ہے۔ جب کہ ندی کا میٹھا پانی باقی رہ جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ سمندر کا پانی ندی میں کسی کمی میل تک چلا جاتا ہے مگر دونوں پانیوں کا آپس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ زمین پانی گہری کھاری سے اور زمین میٹھی۔ کسی ایک ہی بستی میں کھاری اور میٹھے پانی کے کنوئیں قریب قریب ہوتے ہیں مگر یہ پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ مدینہ طیبہ کے اکثر کنوئیں پانی کھاری تھا۔ مگر بہتر دور کا پانی میٹھا تھا۔ جو یہودیوں کی ملکیت تھا۔ حضور علیہ السلام کے ترغیب دلانے پر حضرت عثمانؓ نے یہ کنواں بیخود کیا۔ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا یہ بھی کمال قدرت کا نمونہ ہے۔ اللہ نے اپنا احسان جلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ لَیْسَ لَکُمْ اَنْ تَعْلَمَ اَحَافِلَهُ

لَا تَشْكُرُونَ (الوقت۔ ۷۰) اگر ہم چاہتے تو سائے پانی کو خرد بنا دیتے
 درختہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے۔ تم سیٹھا پانی پا کر اللہ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے؟
 فرمایا اس پانی کی ہمہ رسانی ہمارے ذمے ہے۔ ﴿مَجْرًا بِأَنْزِلْنَاهُ أَنْزَلْنَاهُ وَأَنْزَلْنَاهُ
 مِنْ الْمَزْنِ أَمْ نَخِفُ الْصَّاعِقَ لَكُمُ الْوَقْتُ ۝ ۹﴾ کیا تم نے
 اس پانی کو بادلوں سے اتارا ہے یا ہم اس کے آئے لئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ
 یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کلمہ شمر ہے کہ وہ آسمان کی طرف سے میٹھا اور قابل استعمال
 پانی نازل فرماتا ہے مخلوق میں یہ حافقت کہاں ہے؟

سمندر کہ پانی کثرت واسعے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص مصلحت کبھی ہے۔
 اس کی کثرت و آبیت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس میں مختلف قسم کے نمکیات
 اور دیگر کیمیائی مائے کھے ہیں جن کی وجہ سے یہ کھنے مٹرنے اور بعض پیدا کرنے
 سے محفوظ ہے۔ اگر تمام سمندروں کا پانی میٹھا ہوتا۔ تو اس میں نقص پیدا ہو کر
 انسانوں اور جانوروں کے لیے وبال جان بن جاتا۔ آبی جانوروں کی گندگی اور ان
 کے مرنے بھی اپنی نمکیات کی وجہ سے کھل سڑ جاتے ہیں مگر بدبو پیدا نہیں ہوتی
 یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

پانی پینے
 کی دعا

حضور علیہ السلام نے میٹھا پانی پینے کے بعد یہ دعا بھی سکھلائی ہے اَلْحَمْدُ
 لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانَا عَذْبًا قُلُوبًا بِرَحْمَتِهِ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا
 اَحْبَابًا یَذْنُوْبًا اَپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس پانی
 کو میٹھا بنایا ہے اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اسے کڑوا نہیں کر دیا۔ اس کا مطلب
 یہ ہے کہ انسان کے گناہوں کا اثر مختلف چیزوں پر پڑتا ہے۔ چپ پختہ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ حجرِ سود جب جنت سے اُترے اٹھا تو یہ
 بالکل سفید تھا۔ پھر ابن آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی عینیں کھا کر اور ٹھنڈا پانی پی کر اللہ کو شکر ادا کرتا ہے
 اور کھیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ نے اپنی دوسری دلیل قدرت یہ بیان فرمائی ہے وَهُوَ الَّذِي
خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ كَىٰ وَهُوَ ذَاتٌ هَبْطٌ
قَطْرَةُ آبٍ اِنسان جیسی ہستی کو پیدا کیا۔ اور وہ قطرہ بھی ایسا کہ کپڑے کو
اگ جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے۔ اللہ نے اسی قطرہ آب سے متعلق فرمایا
يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْخَلْقُ كُلُّكُمْ مِنْ مَّاءٍ مُّبِينٍ (المرات ۲۰۰)
کیا تم نے تمہیں حقیر مانی سے پیدا نہیں کیا؟ اللہ نے اس ناپاک قطرہ
سے حسین و جمیل انسان کو پیدا کیا جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے۔ اللہ
نے اس کو بہت سی قوتیں اور حواس بخشے فَجَعَلْنَا نَسَبًا وَصِهْرًا
پھر انسان کو سلسلہ نسب اور سلسلہ مصاہرت قائم کیا۔ اس کی مختلف
گوشتیں اور خاندان بنائے بھٹوں سے نسبی سلسلہ چلتا ہے اور بیٹوں سے سسرالی
اس طرح اللہ نے سلسلہ انسانی کو پھیل دیا۔ یہ سارا سلسلہ آدم علیہ السلام پر
منبتی ہوتا ہے۔ گویا پوری نسل انسانی کا سلسلہ مٹی کے ساتھ جاکر خیر جاتا ہے
اسی لیے فرمایا كُلُّكُمْ آبْنَاءُ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ
تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی
تھی غرض یہ سارا سلسلہ اللہ نے قطرہ آب سے چلایا۔ وَكَانَ رَبُّكَ
قَدِيرًا اور تیرا یہ ور دگار کمال قدرت کا مالک ہے۔ یہ سارا سلسلہ
اس نے اپنی قدرت کو مل کے ساتھ بنایا ہے۔

عبد اللہ
کی عبادت

فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر
دلائل کے باوجود حالت ہے وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اللہ یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں مَالًا يَنْفَعُهُمْ
وَلَا يَضُرُّهُمْ جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ النفع اور
النصا تو فقط ذات خداوندی ہے۔ مجبور دوسری کون سی ذات ہے جو
انفع نقصان کی مالک ہو۔ پرستش کے لائق تو وہ ذات ہے جو علیم کل اور

قادر مطلق ہے۔ اللہ کے سوا باقی سب عاجز مخلوق ہے، لہذا ان صفات کا حامل بھی کوئی نہیں تو ایسیستیوں کی عبادت کرنا اور ان کو خدا کا شریک بنانا کتنی بے عقلی کی بات ہے۔ وہ تو خود اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ بھلا وہ دوسروں کی حاجت بڑی کیسے کر سکتے ہیں؟

فَرِیَاقَاتِ الْكَافِرِ عَلَىٰ رَبِّهِمْ ظَهِیرًا دیکھو! کافر آدمی کس طرح اپنے رب سے پشت پھیر کر شیطان کا مددگار بنا ہوا ہے۔ شرکیہ امور میں موٹ ہونا شیطان کی اتباع کے مترادف ہے۔ شیطان کفر اور شرک کو پسند کرتا ہے اور اسی کی ترغیب دیتا ہے۔ لہذا شیطان کے بہکامے میں آکر غیر اللہ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایسا جبرم ہے جس کی کوئی معافی نہیں، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۵۶ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۵۷ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝۵۸ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِهِ خَبِيرًا ۝۵۹ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَّا سَجْدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝۶۰

نوحیہ اور اے پیغمبر! میں نہیں بھیجا ہوں آپ کو مگر خوشخبری
سنانے والا اور ڈرانے والا ۝۵۶ آپ کہہ دیجئے میں نہیں
مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ، مگر جو چاہے بنائے اپنے پروردگار
کی طرف راستہ ۝۵۷ اور آپ بھروسہ کریں اُس زندہ ہستی پر جو
کبھی نہیں مرے گا۔ اور تسبیح بیان کریں آپ اُس تعریف
کے ساتھ۔ اور کافی ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی
خبر رکھنے والا ۝۵۸ وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو
اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، چھ دن کے وقفہ میں۔

پھر دوسری ہوا عرش پر ۔ وہ بڑی رحمت والا ہے ۔
 میں یوں آپ اس کے دے میں نہ رکھنے کے (۵۵)
 جب کہا ہوتا ہے ان لوگوں سے کہ سجدہ کرو رحمان
 نے ساتھ لاتے ہیں کیا ہے رحمان ؟ کیا ہم سجدہ کریں جس
 کے یہ جس کے لئے تو ہمیں حتمہ دیتا ہے ؟ اور پھر ہائی
 ن کی عظمت اور زہود (۵۶)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامہ کی دو باتوں کا ذکر کیا تھا ۔
 پہلی بات یہ تھی کہ وہ دو مختلف دنیاؤں کو کھینچ چکا کہ ان کے درمیان رکاوٹ کھینچی کر دیتا
 ہے جس کی وجہ سے وہ پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے ۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ
 کہ اس نے انسان کا سلسلہ نسب حقیر قترہ آب سے پیدا کیا ہے ۔ یہ دونوں باتیں اس کی قدرت
 کا نمونہ اور توحید کے دلائل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم چیز پر قدرت رکھتا ہے مگر ان تمام تر
 دلائل و شواہد کے باوجود لوگ یہی پیروں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو اپنی مادی
 دنیا اور نقصان رسانی میں فریاد یہ لوگ خدا کی طرف سے پشت پھیر کر شیطان کے دھوکے
 بنے ہوئے ہیں ۔

آج کے درس کی پہلی آیات میں رسالت کا ذکر ہے ۔ انباء و شراعیں صریحہ سر
 سے من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے جس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ آپ کا کام
 نشانیاں دکھانا نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۔ وہ جب چاہے کوئی نشانی ظاہر کر
 دے ۔ آپ کے فرائض کے متعلق فرمایا وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا مَبَشِّرًا وَنَذِيرًا
 پیغمبر! نہیں میں جاہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرنا ڈرانے والا جو شخص اللہ تعالیٰ
 پر ایمان لائے گا اور اس کی توحید کو مانے گا ۔ اس کے متعلق آپ کا کام یہ ہے کہ آپ
 اُسے خوشخبری سنائیں اِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صَدِيقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یوسف ۱۰۲) کہ ایسے
 لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں سچائی کا پایہ ہے ۔ ان کے درجات بلند ہو جائیں گے

وہ خطیرۃ القدس کے ممبر بنیں گے اور بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ دنیا
آپ ایسے لوگوں کو خوشخبری دے دیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ کافر اور مشرک
ہیں، معاصی اور ظلمتوں میں پھنسے ہوئے ہیں، ان پر خدا کا غضب ہوگا۔ جنت
نہیں گی اور وہ ناکام ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔ آپ ان کو ان کے بُرے انجام
سے ڈرا دیں۔ غرضیکہ آپ کے ذمے نیکوکاروں کو خوشخبری دینا اور بُرے لوگوں
کو ڈرانا ہے۔

بے لوث
تبلیغ

فرمایا قل اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں جو کچھ اللہ کا
پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں اور جو تعلیم تمہیں دیتا ہوں، یہ سبے لوث اور بلا معاوضہ
ہے مَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ میں اس پر تم سے کوئی اجر
نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ مجھے تم سے کوئی دنیوی غرض نہیں، میرا
کوئی مالی معاوضہ واپس نہیں۔ نہ میں تم سے اس سطر میں کوئی فیس مانگتا ہوں۔ میں
میری غرض یہ ہے اِلَّا مَنْ شَاءَ اَنْ يَتَّخِذَ الْوَسِيلَ
سَبِيلًا کہ تم میں سے جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ بنائے
اور اُس کی اطاعت کرے اُس کی رضا کے مقابلے میں کچھ مانگے۔

بلا معاوضہ خدمت کی پیشکش نہ صرف حضور علیہ السلام تک ہی محدود نہ
تھی۔ بلکہ اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام ہی مشن کے لئے رُسُلًا مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ لِقَاءِ يَوْمٍ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَمٌ لِّلَّذِي هُمْ فِيهِ
الْوَسِيلُ (النار - ۱۷۵) تمام رسول خوشخبری دیتے ہیں اور ڈراتے ہیں
تاکہ ان کے بعد لوگوں کے لیے کوئی محبت باقی نہ رہے۔ تمام رسولوں نے یہی
کہا وَمَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ اِنْ اَنْتُمْ تَعْلَمُونَ
عَلَّمَ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء - ۱۰۹) لوگو! میں یہ پیغام پہنچانے پر
تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا حجت تو اللہ کے پاس ہے۔ وہی مجھے
صلہ دے گا۔ تم میری بات ماننے کی بجائے مجھ سے بدسلوکی سے پیش آتے

نیسے جو دھرتی کے دھرتی کے جوہر آں زمین پر بہت
 عَلَّی اللّٰہِ فَلِیْسَتْ وَکَلِ الْمُؤْمِنُوْنَ رَآیَتْ (۱۱۰) دین تو ہے وہ
 اثر یہی ہے جو دھرتی کے ہے۔ نیز فرمایا وَعَلَّی اللّٰہِ فَلِیْسَتْ وَکَلِ
 الْمُتَوَكِّلُوْنَ (ابراہیم - ۱۲) جو دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے
 جو دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے دھرتی کے
 ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

اور دوسری بات یہ قرآنی وَسَبَّحْتَ بِحَمْدِہِ اور اس کی تسبیح بیان
 کریں اُس کی تعریف کے ساتھ۔ وَکَفَّی بِہِ بِذُنُوْبِ عِبَادِہِ خَبِیْرًا
 اور کافی ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا۔ تمام مجرم افس
 کی نگاہوں میں ہیں اور اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

تخلیق افزا

انگلی آیت کریمہ میں پھر توحید کے دلائل ہیں ارشاد ہوتا ہے الَّذِیْ
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ
 اَيَّامٍ اللّٰہُ تَعَالٰی کی ذات وہی ہے جس نے پیدا آسمانوں اور زمین کو اور جو
 کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دنوں کے وقفہ میں۔ قرآن کی متعدد آیات
 میں آسمان و زمین کی چھ دنوں میں تخلیق کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ ذکر تورات میں
 بھی بیان ہوا ہے۔ البتہ یہودیوں نے تورات میں ایک بات بڑھا دی ہے
 جہاں زمین و آسمان کی چھ دن میں تخلیق کا ذکر ہے وہاں آگے یہ اضافہ ہے
 ثُمَّ اسْتَرَاحَ یعنی ارض و سما کی تخلیق کے بعد اللہ نے آرام کیا گویا اللہ تعالیٰ
 یہ کام کر کے تھک گیا تھا جو اسے آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی العباد اللہ
 حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ اور اس کا ارشاد
 ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لَّغْوٍ (ق - ۲۸) ہم نے آسمان و زمین
 کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ لاحق نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ
 تو ایک لمحہ میں تمام چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ یہ چھ دن کا وقفہ تو اُس کی

استوی
علی العرش

خاص مصلحت پر مبنی ہے۔ اُس کی طرف تہہ ٹاوٹ کو منسوب کرنا تو کفر کی بات ہے
تخلیق ارض و سما کے بعد فرمایا ثَمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ
پھر اللہ تعالیٰ عرش پر استوی ہوا۔ بعض مفسرین استوی کا معنی کرتے ہیں یُدی بٹ
اُدس یعنی وہ معاملے کی تدبیر کرتا ہے۔ سورۃ السجدہ میں موجود ہے
يُدَبِّرُ الْأَمْرَ إِنَّ سِعْمَاءَ إِلَى الْإِثْنِ ظِلٍّ (آیت - ۵) وہ
آسمان کی بندوبست سے لیکر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔
نوٹ انسانی کے متعلق خاص طور پر اشارہ ہے ۹ هُوَ الْفَاهِمُ فَوْقَ
عِبَادِهِ (الانعام - ۶۱) وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تفسیر حلالین کے
کوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے کَمَا يَكُونُ
بِشَّانِهِ جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے۔ وہ اس طرح عرش پر نہیں
بیٹھا جیسا کہ ہم چار پائی یا کبھی پر بیٹھتے ہیں کیونکہ وہ جسمیت اور جہت سے پاک
ہے۔ ہم اُس کے استوی کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے بعض بزرگان دین فرماتے ہیں
رَبُّ الْعَرْشِ فَوْقَ الْعَرْشِ لَكِنْ

بِلَا وَتَوَاسٍ التَّمَكُّنِ وَالِتَّصَالِ

عرش کا، تاکہ عرش کے اوپر ہے لیکن ایسا نہیں جیسا کہ کوئی اوپر ٹککا ہوا ہو یعنی
اتصال نہیں ہے۔ اتصال ٹنٹے سے جسمیت لازم آئے گی مگر اللہ تعالیٰ
جسم سے پاک ہے۔ اُس کا استوی علی العرش متشابہات میں سے ہے اور
انسانی عقل فہم کرتے نہیں ہے۔ استوی علی العرش کی مثال بھی ایسی ہی ہے
جیسے قریب خداوندی۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
مِمَّا يَحْسِبُ الْوَهِيدُ (ق ۱۶۰) ہم بندے کی شے گ سے بھی زیادہ
قریب ہیں مگر وہ قریب بلا کیف ہے، اس کی کیفیت کو وہ خود ہی جانتا ہے۔

ہست ربنا کس إجابنا

اتصال بے کیف ہے قیاس

لوگوں کا پروردگار اُن کی جانوں سے متصل ہے مگر اُس کی کیفیت کو کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح استویٰ علی العرش کے متعلق بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ عرش پر اسی طرح ستویٰ ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

فَرَمَا الرَّحْمَنُ وَهُوَ بَاطِنٌ مَّهِرٌ بِهٖ فَسُئِلَ بِهٖ حَبِذَا پَس
پوچھ لیں آپ کسی نمبر کھٹے ڈالے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں تو رات
کے عالم موجود تھے۔ یہ انہی کی طرف اشارہ ہے کہ کم از کم اُن سے پوچھ لیں
وہ بھی بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کو چھ دن کے وقفہ میں پیدا فرمایا
عام مفسرین یہ کہ ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت
کے بارے میں اہل علم سے دریافت کر لیں۔ بعض مفسرین یہ کہ بمعنی مِّنْہُ
بھی کہتے ہیں یعنی آپ اُس سے پوچھ لیں جو خبر رکھنے والا ہے۔ کیونکہ دوسرے
کو تو علم ہی نہیں ہے۔

رحمان کے
سجدہ

اِرْشَادُہٗ ہوتا ہے وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدْ لِلّٰهِ حُطَّ
جب اُن کفار سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے رحمان کے سامنے سجدہ کرو
تو وہ اس سے بدکتے ہیں۔ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ کہتے ہیں رحمان
کیا ہے؟ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ واقعہ حدیبیہ میں یہی معاملہ اسی بات
پر آکر رک گیا تھا۔ صلح نامہ کی ابتداء میں جب حضور علیہ السلام نے بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوایا، تو مشرکوں نے فوراً اعتراض کر دیا۔
کہ ہم کسی رحمان اور رحیم کو نہیں جانتے۔ اِنْدَ اَبْتَمَلَّ اللّٰهُمَّ لِحُجَّتِہٖ
جیسا پہلے لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی لکھا گیا۔

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ نبوت کا دعویٰ ہمیں تو وحید
کی دعوت دیتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحمان اور رحیم کو پکارنے کے
لیے بھی کہتا ہے۔ اللہ نے اس اعتراض کا جواب متعدد مقامات پر دیا ہے
جیسے فَرَمَا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہٗ بِہَا (الاعراف ۱۸)

تغذیر کبیر ص ۲۱۱ کبیر ص ۲۱۱ تہ تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۲ (فیاض)

خدا کی ذات کو ایک ہی ہے البتہ اُس کے اسمائے پاک اور صفات بہت سی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جس نام سے بھی پکارو گے۔ وہ راضی ہوگا۔ وہ رحمان، رحیم، ہستار، غفار اور ازق ہے۔ اُس کے تمام نام جملے ہیں اور اُسے کسی بھی نام سے پکارا جاسکتا ہے۔ اور صرف اُسی کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ اُس کے سوا کسی نے اسے سجدہ روا نہیں۔ الترتیب سورۃ تھہ کہ مسجدہ میں صریح فرمایا ہے لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ آیت - ۲۷ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بعد اُن کے خالق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ ہو جائے۔

ابن ابی عمیر محدث نے روایت بیان کی ہے کہ امام ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مدینہ کی کسی گلی بازار میں جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت سلمان فارسیؒ ملے۔ ایران کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے تو سلمان فارسیؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ اس پر آپؐ نے اس کو سمجھایا لَا تَسْجُدْ لِي يَا سَلْمَانُ وَاسْجُدْ لِلْمَلِكِ الَّذِي لَا يَمُوتُ اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ اُس زندہ باد بادشاہ کو سجدہ کرو جس کو موت نہیں۔ دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے کیونکہ اللہ نے خاوند کا بڑا حق رکھا ہے۔ آج کل کی مغربی تہذیب نے زن دشوہ کی مادات کا رواج پھیلایا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پر فضیلت عطا کی۔

ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! ہم غیر ممالک میں جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں لوگ اپنے مملوک کے سامنے سجدہ رہتے ہیں۔ تو آپؐ تو اس کے زیادہ حقدار ہیں، پھر کیوں نہ ہم آپؐ کے سامنے سجدہ کیا کریں۔

۔۔۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۵ (۱۳۵)

آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد اگر تمھارا گزیر میری قبر پر سے ہوا تو کیا میری قبر پر بھی سجدہ کر دو گے؟ اُس نے عرض کیا، حضور! ایسا تو نہیں ہو گا۔ فرمایا جس طرح میری قبر پر سجدہ روا نہیں اسی طرح میری زندگی میں بھی میرے سامنے سجدہ روا نہیں۔ سجدہ صرف اللہ کے سامنے کر دو۔

اس زمانے میں لوگ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں جو کہ شرک اور قطعی حرام ہے سر پر اپنے پیروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام نے اپنے سامنے سجدہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ کسی بے بند و پیر کے متعلق اخبار میں آیا تھا کہ وہ کبھی پرہیز جاتا اور اُس کے چیلے اُس کے سامنے آکر سجدہ کرتے یہ تو انسانیت کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو نافع اور ضار سمجھ کر سجدہ کرتا ہے تو وہ کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور ایسا نہیں سمجھتا تو سجدہ بہر حال حرام ہے۔ اس آخری امت میں نہ عبادت کا سجدہ روا ہے اور نہ تعظیمی سجدہ۔ فرمایا جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کے سامنے سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ اور ساتھ یہ بھی اَنَسِجِدُ لِمَا لَا مَدْرَا کیا ہم اُن کے لیے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ کافر اور مشرک لوگ جہالت میں مبتلا تھے۔ وہ خدائے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے سے پہنکتے تھے مگر انسانوں اور بتوں کے سامنے جھکنے میں ذرا عار محسوس نہیں کرتے تھے وَ زَادَهُمْ تُفُورًا اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے متعلق اُن کی نفرت مزید بڑھ جاتی تھی۔ قرآن پاک میں کل چودہ آیات سجدہ ہیں جن کو پڑھنے سننے سے سجدہ لازم آتا ہے، اُن میں سے ایک یہ آیت بھی ہے۔ تمام سامعین بعد میں سجدہ کر لیں۔

تَبْرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ⑥۱ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ ارَادَ اَنْ يَّذْكُرَ اَوْ اَرَادَ شُكُورًا ⑥۲

ترجمہ :- بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے بنائے ہیں آسمانوں میں برج اور رکھا ہے اُن میں ایک چراغ اور روشنی کمنے والا چاند ⑥۱ اور وہ وہی ذات ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لیے جو ارادہ کرتا ہے کہ نصیحت پکڑے یا جو ارادہ کرتا ہے شکرگزاری کا ⑥۲

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب کفار و مشرکین کو خدا نے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا جاتا تو وہ دیکھتے کہ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے اب اُن کی پہلی آیت میں اسی اعتراض کا جواب ہے اور اُس ذات کی تعریف بیان کی گئی ہے جس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَبْرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا بڑی بابرکت ہے وہ ذات خداوندی جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے ہیں۔ وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا اور اُن آسمانوں میں ایک روشن چراغ بھی رکھا ہے۔ وَقَمَرًا مُنِيرًا اور اجالا کرنے والا چاند بھی رکھا ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو ان صفات کی حامل ہے کہ اُس نے آسمانوں میں بُرج سورج اور چاند جیسی چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اُسی کے سامنے سجدہ و ریزہ ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ روشن چراغ سے مراد سورج ہے جو ساری دنیا کو روشنی اور حرارت پہنچا رہا ہے

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ بابرکت اس سورۃ میں دو دفعہ پہلے بھی بیان ہو چکی ہے سورۃ کی ابتدا میں پڑھ چکے ہیں قَدْ اُنْزِلَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهِ (آیت - ۱) بڑی برکتیں دینے والی ہے۔ وہ ذات جس نے فرقان کو نازل فرمایا ہے۔ پھر دوسرے رکوع کی ابتدا میں رسالت کے باب میں فرمایا قَدْ اُنْزِلَ الَّذِیْ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ (آیت - ۱۰) بابرکت ہے وہ ذات کہ اگرچاہے تو اسے پیغمبر آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے۔ اور اب تیسری تہہ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلہ میں آیا ہے

بعض فرماتے ہیں کہ برج سے مراد آسمان کے بڑے بڑے ستارے ہیں جو رات کو نظر آتے ہیں اور ان میں کسی کی روشنی سفید کسی کی سرخ اور کسی کی نیلی ہوتی ہے۔ اللہ نے ان میں مختلف قسم کے خواص رکھے ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ آسمان کے مختلف مقامات پر بڑے بڑے قلعے اور دروازے بنے ہوئے ہیں جہاں اللہ نے فرشتوں کی ڈیوٹیاں رکھا رکھی ہیں اور وہ وہاں پہرہ دیتے ہیں۔ ان قلعوں اور دروازوں کو برج کا نام دیا گیا ہے۔

معرفت
بارہ برج

البتہ بعض کا نظریہ ہے کہ یہاں پر برج سے مراد وہ معروف بارہ برج ہیں جو سات بڑے بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں جن کے نام یہ سیارے چلتے ہیں۔ سورج اور چاند بھی ان سبع سیارات میں شامل ہیں جن کی منازل کا ہمہ ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ ہر روز تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور پھر ان کے ذریعے ہر روز اور چار سو گھنٹہ نمایاں طور پر واقع ہوتے رہتے ہیں۔ ان بارہ برجوں میں جو ستارے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کی ایک خاص شکل بن جاتی ہے اور اسی شکل کی مناسبت سے ان برجوں کے نام بھی رکھے گئے ہیں۔ بارہ برجوں کے نام اور ان کی شکلوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کشیر ص ۲۲۱ ۲۔ ابن کشیر ص ۲۲۱ ۳۔ السراج ص ۱۶۵ (فیاض)

اس میں موجود ستاروں سے بننے والی شکلیں

نام بُرج

۱۔	حمل	بھیر کا بچہ
۲۔	ثور	بیل
۳۔	جوزا	اُخروٹ درخت
۴۔	سرطان	پانی کا کیکڑا
۵۔	اسد	شیر
۶۔	سنبلہ	اناج کا خوشہ
۷۔	میزان	ترازو
۸۔	عقرب	بچھو
۹۔	قوس	کمان
۱۰۔	جدی	بکری کا بچہ
۱۱۔	دلو	ٹڈل
۱۲۔	حوت	مچھلی

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے ہمارے اس نظام شمسی میں سات بڑے بڑے سیارے ہیں جو ان برجوں میں چلتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سبع سیارے
کی منازل

نام سیارہ	نام بُرج
۱۔	سربخ
۲۔	زہرہ
۳۔	عطارد
۴۔	قمر
۵۔	شمس
۶۔	مشتری
۷۔	زحل
	حمل اور عقرب
	ثور اور میزان
	جوزا اور سنبلہ
	سرطان
	اسد
	قوس اور حوت
	جدی اور دلو

اکثر اخبارات کے بغیر وراثہ میں ان سیاروں اور برہمنوں کی۔ جس سے بخیر لوگ
بعض پیشین گوئیاں بھی کہتے ہیں، جو کہ درست نہیں ہے، نجوم کے ذریعہ
غیب کی خبریں معلوم کرنا سحر اور شرک میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ ان سیاروں و
برہمنوں کے ذریعے مومنوں کے تغیر و تبدل و غیرہ علویہ کرم درست سے
بعض منجم لوگوں کی سعادت اور شقاوت کو ان سیاروں کے ساتھ وابستہ
کہتے ہیں اور پھر غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ ایسا کفر باطل ہے۔

سورج اور
چاند کے
فوائد

سات بڑے بڑے سیاروں میں سے سورج اور چاند کا ذکر اللہ نے
اس آیت میں کیا ہے اور دیگر بہت سے مقامات پر بھی ہے۔ مثلاً سورۃ
نور میں فرمایا ہے **وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِمْ نُوْرًا وَجَعَلَ**
الشَّمْسُ كَبَابًا (آیت ۱۶) اللہ نے سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر
کرنے کے بعد فرمایا کہ ان میں چاند کو اجالا کیسے دلاں اور سورج کو چراغ بنایا۔
چاند اور سورج دونوں بڑے نمایاں سیارے ہیں جن کا متعلق براہ راست
مخلوق کے ساتھ ہے۔ رات کے وقت چاند کی مدد روشنی اور ستاروں کی
دلاہلی رات کے مسافروں کے لیے رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ اور سورج
سب سے چمکدار سیارہ ہے اللہ نے اس میں روشنی اور حرارت کا بہت بڑا
ذخیرہ جمع کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ پورے نظام شمسی کو یہ دونوں چیزیں مہیا
کر رہا ہے۔ جب کہ اللہ نے سورج کو پیدا کیا ہے، اس کا ہر عین بدرجہ بلکہ
ہے اور قیامت تک جلتا رہے گا اور اس کی حرارت اور روشنی میں کوئی فرق
نہیں آئے گا۔ لیکن آخر میں ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ اندھن بھی ختم
ہو جائے گا پھر پورا نظام کو تبدیل کیا جائے گا۔ سورج کی جگہ دوسرا
نظام لایا جائے گا۔

آجکل ہم ٹیلی ویژن سے گزرتے ہیں۔ سائنس بہت ترقی کر چکی ہے
ابتداء میں ٹیلی ویژن کا کمرہ بنایا تھا۔ جوں جوں باری یہ مہم کنی اور

... اس کے لیے کہ وہ اپنی زندگی میں سے کچھ ایسا کر لے جو اس کے لیے بہت ہی مفید ہو۔
 سے لیا جائے گا۔ یہ چیزیں اور چیزیں دریافت ہوئے ہیں کہ ان تمام چیزوں سے
 دنیا بھر میں وہ چیزیں پائی جاتی ہیں جو اس سے نہایت ہی غنیہ کو رہیے جا
 سکتے ہیں۔ مگر اس کی پیداوار کا انتصار بھی تیل یا پانی پر ہے اور یہ چیزیں بھی زمین
 کی سطح پر، اندر سمندر کے اندر کی ایندھن کی ضروریات کا جائزہ دیتے ہیں
 اور ایندھن کے نئے نئے وسائل بھی دریافت کر رہے ہیں۔ اب سورج
 کی حرارت اور SOLAR ENERGY کے نام سے استعمال میں لانے
 کے لیے تجربات ہو رہے ہیں اور اس میں کسی عرصہ تک تاخیر بھی حاصل ہوئی ہے
 اور امید کی جاتی ہے کہ اکیسویں صدی میں شمسی توانائی کا استعمال نام ہو جائے
 گا۔ اور عام گھریلو استعمال کے علاوہ اس سے بڑے بڑے کارخانے،
 بجلی گھر اور گاڑیاں بھی چلنے لگیں گی۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورج
 میں اس قدر حرارت اور روشنی رکھی ہے جو پچھلے کالوں سے کام آ رہی ہے
 اور آئندہ نامعلوم کب تک اور کس کس طرح استعمال میں آتی رہے گی۔ لہذا یہ
 اللہ نے بطور احسان یاد دلایا ہے کہ وہ ایسی بابرکت ذات ہے جس نے
 آسمانوں میں برج کھڑے کئے ہیں اور ان میں خاص طور پر دو نہایت ہی
 مضبوط چاند اور سورج مقرر کیے ہیں جن سے جاندار اور نباتات مستفید
 ہو رہے ہیں۔

جس طرح شمس ایک نہایت ہی کارآمد سیارہ ہے، اسی طرح چاند سے بھی
 بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ قمر کی مدد سے اور دھیمی روشنی اپنے اندر خاص
 اثرات رکھتی ہے۔ مثلاً پھلوں میں رس چاندنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ انسانوں
 جانوروں اور نباتات پر بھی اس کے خاص اثرات پڑتے ہیں۔ سمندروں میں جزر
 بھی چاند کے اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت
 اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

شب و روز
 کے تغیر کی
 حکمت

آگے پھر اللہ نے فرمایا وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خُلْفَةً

کر لیا تو ایسا ہی ہے جیسا اُس نے وہ عمل رات کے وقت ہی کیا۔ کسی شخص نے کسی ورد، تلاوت یا نماز کا معمول بنا رکھا ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر یہ عمل کرے گا۔ مگر نہیں کرے گا تو اس کی تلا فی بھی حضور علیہ السلام نے بتادی کہ وہ اپنا عمل دن کے وقت کرے تو اسے پورا پورا ثواب ملے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بڑی دراز کر کے پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا، حضرت اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا، آج رات کی نماز مجھ سے رہ گئی تھی جسے میں نے اب ادا کیا ہے۔ نیز فرمایا **بَدِّلْ مَا قَاتَلَكَ مِنْ لَيْلِكَ فِي نَهَارِكَ** جو چیز تم سے رات کے وقت رہ گئی ہے اس کا بدل دن میں ادا کر لو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے **جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** کہ اُس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لیے ہے جو دھیان کرتا ہے نصیحت پکڑتا یا شکر گزار کرتا ہے۔ جو شخص غور و فکر سے عاری ہے، وہ رات دن کی نصیحت کیا سمجھے گا؟ اس کا نصیحت پکڑنے یا شکر کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور پھر رات دن کا سارا اس لیے قائم کیا ہے تاکہ لوگ پورے طریقے سے اس میں غور و فکر کریں اور پھر خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں۔ تمام تقلبات اور تصرفات خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کی کھرب سازی اُسی کے پاس ہے۔ رات اور دن کے فوائد کو دیکھ کر انسان کو شکر گزار بننا چاہیے۔ یہ سارا اُس خدا نے رحمان کا کارخانہ قدرت ہے جس کے نام سے شرک بہکتے ہیں۔ حالانکہ پورے نظام کائنات میں بے شمار مصلحتیں ہیں جن سے نصیحت حاصل کی جاسکتی ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا
خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝۶۳ وَالَّذِينَ
يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۶۴ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا ۝۶۵ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۶۶ وَالَّذِينَ
إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ
قَوَامًا ۝۶۷

ترجمہ:- اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین
پر وقار کے ساتھ۔ اور جب خطاب کرتے ہیں اُن سے نادان
لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام ۝۶۳ اور وہ لوگ جو رات گزارتے
ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے اور قیام
کرتے ہوئے ۝۶۴ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے
پیر و رجا! ہٹا دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔ بیشک اس
کا عذاب لازم ہونے والا ہے ۝۶۵ بیشک وہ جہنم بہت
بڑی جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی ۝۶۶ اور وہ لوگ
کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور
نہ بخل۔ اور ہوتا ہے اس کے درمیان اُن کا گزران ۝۶۷

رہنمائی آیات گذشتہ رکوع کے آخر میں مشرکین کا ذکر ہوا کہ جب انہیں خدا نے رحمان کے

سامنے سجدہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں، کون ہے رحمان؟ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے، اللہ نے اُن کے اس ہیورہ کلام کے جواب میں فرماتے رحمان کی صفات اور اُس کے کمالات کا تذکرہ فرمایا کہ رحمان وہ کہتے ہیں مانی بتی ہے جس نے آسمانوں میں بُرج قاف کیسے، سورج جیسا روشن چراغ اور چاند جیسا اجالا کرنے والا سپارہ بنایا۔ اُس نے رات اور دن کو الگ کیسے آنے والا بنایا اور اس تغیر و تبدل میں خاص صحت کسی جو نصیحت پہنچانے اور شکر ادا کرنے والوں کو دعوت غور و فکر دے رہی ہے۔ اب اس کو سماع میں اللہ تعالیٰ نے خدائے رحمان کے بندوں کی چودہ صفات بیان کی ہیں تاکہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ جس رحمان کے بندوں میں یہ اعلیٰ صفات پائی جاتی ہیں، خود رحمان کن کمالات کا مالک ہے جس کے سامنے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ یہود و مسلمانانہ کرتے ہیں

عباد الرحمن
کی صفات
را چال میں
طاہریت

ارشاد ہوتا ہے: **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ صَبَاحًا وَرَحْمَةً** اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر وقار اور طہارت کے ساتھ چلتے ہیں۔ یہ عباد الرحمن کی پہلی صفت ہے کہ وہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں غرور و تکبر اور اکثر کا اظہار نہیں کرتے بلکہ خدا کی زمین پر پستے وقت پر سکون اور عرفان نظر آتے ہیں۔ اُن کی چال و حال میں کمال درجے کی تہذیب اور نہایت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف کفار و مشرکین ہمیشہ غرور میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ اُن کا تکبر ہی تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے خدائے رحمان کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک نوجوان سینہ آگے نکال کر اکھڑتے ہوئے عمار ہاتھا، آپ نے اُس کو بلا کر کہا کہ اکھڑ کی جاں نہ دے کو اسبہ نہیں ہے سوائے جناد کے وقت کافروں کے مقابلے میں کہ ایسے موقع پر اکھڑنا درست ہے۔ تاکہ دشمن نہ غریب ہو، سورۃ لقمان میں ہے: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** تاکہ تیرے رب کی حکمت پر صبر کرے۔ چنانچہ میں یہاں روی اختیار کرو جس طرح غرور و تکبر وافی چال درست نہیں۔

ابن کثیر ص ۳۲۲ و در مشورہ ص ۱۱۵

اسی طرح غمیضوں والی چال و حال بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں
آپ کے آپ تو اسعازہ طریقے پر چلتے تھے مگر پاؤں زمین سے اٹھا کر۔
بیادوں کی طرح پاؤں زمین پر گھسٹ کر چلنا بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام چلتے
وقت آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوتے تھے گویا کہ آپ کسی دھلمون میں اتر
رہے ہیں۔ سینہ ان کے تجبر کی چال چلنا اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں
ہے کہ اگر اکثر مکر چلو گے۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طَوْلاً (آیت - ۳۷) تو نہ تو زمین کو پھاڑ سکے گا۔ اور نہ تھار
سر آسمان سے کھائیگا، بلکہ رہو گے۔ پھر بھی انسان ہی۔ لہذا اکثر کی چال اللہ
کو ہرگز پسند نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے بندے زمین پر ہمیشہ وقار کے
ساتھ چلتے ہیں۔ سکون اور اطمینان کو اپنا وطیرہ بناتے ہیں۔ بلاوجہ دوڑنا بھی بوجھوں
والی بات ہے۔ ایسا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب نماز
کے لیے آؤ تو تیز مت چلو بلکہ علیکم کم السَّکِیْنَةُ وَالْوَقَارُ تم پر
اطمینان اور وقار لازم ہے آرام سے آؤ۔ نماز کا تقاضا منہ ہواغت سے مل جائے اور
کرو۔ اور باقی حصہ بعد میں پڑھ لو مگر طہنیت کا دامن مت چھوڑو کہ یہ پسند ہے
عباد الرحمن کی دوسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا جِبَانًا سے جاہل لوگ بات جیت
کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں سلام ہو۔ کفار و مشرکین بے ادب، گستاخ اور
بے وقوف لوگ ہیں مگر اللہ کے بندے بے ادبی اور گستاخی کا جواب اس
طرح نہیں دیتے بلکہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ یہ سلام منارکت کو دلاتا ہے نہ
ہم تمھارے ساتھ اکھیں کھٹے نہیں۔ تمھاری اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں
دیں گے، گالی کا جواب گالی نہیں ہوگی۔ کیونکہ جہالت کا جواب جہالت سے
دینا جاہلوں کا کام ہے۔ عرب کے مشرک کہتے تھے۔

سورۃ منارہ

اَلَا یَجْهَلْنَ اَیُّهَا عَلَیْنَا فَجْهَلٌ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنَ

۱۔ ابن کثیر ص ۳۳۳ (فیاض)

۲۔ ابن کثیر ص ۳۳۳ و قرطبی ص ۳۳۳

نمبر ذکر کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش نہ آئے۔ ورنہ ہم تمام جاہلوں سے بڑے
 کر جہالت سے پیش آئیں گے۔ غرضیکہ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ جب جاہل
 لوگ کوئی ایسی بات کہتے ہیں تو اللہ کے بندے مناسب طریقے سے مناسب
 سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں اور یہود وہ لوگوں کو منہ نہیں لگاتے روزے دلی
 حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص روزے دار کے ساتھ یہودہ بات کہہ کر
 تو روزے دار کو چاہیے کہ وہ کہے کہ بھائی! اَلْحَرِ اَمْرٌ وَّصَاحِبُهُمِنْ دَرْدَارِ
 ہوں۔ میں تمہاری یہودہ بات کا جواب یہودگی سے نہیں دوں گا۔ اسی طرح
 عباد الرحمن کی صفت یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ الجھنے کی بجائے سلام کہہ کر
 گزر جاتے ہیں۔

(۲)
 سجدہ وقیم

فَرَمَا وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ لِرَبِّهِمْ سَجْدًا وَاقِيَامًا
 اللہ کے بندے وہ ہیں جو اپنے رب کے سامنے سجدہ کہتے ہوئے اور قیام
 کرتے ہوئے یعنی نماز پڑھتے ہوئے رات گزارتے ہیں یہ ان کی تیسری صفت
 بیان ہوئی ہے۔ ایسے لوگوں کی راتیں لہو و لعب، کھیل تماشے اور غفلت میں
 نہیں گزرتیں بلکہ اپنے پروردگار کے حضور گزرتے ہوئے بسر ہوتی ہیں۔ پرانے
 زمانے میں لوگ رات کے وقت بڑی بڑی مجلسیں قائم کیا کرتے تھے جہاں قصے
 کہانیاں سنائے جاتے، شعر و شاعری ہوتی، لطیفہ گوئی ہوتی۔ آج کے ترقی یافتہ
 زمانے میں لوگوں کی راتیں سینما، آرٹ گیلری اور کلب میں گزر جاتی ہیں۔ جہاں
 گانا بجانا، رقص و سرود اور یہودہ باتیں ہوتی ہیں، غریبی اور فحاشی کا بازار گرم ہوتا
 ہے مگر جو اللہ کے بندے ہیں وہ پرانے زمانے میں بھی ان لغویات سے
 مبرا تھے اور آج بھی ان کی راتیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری ہو کر ہی
 گزرتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ تنبیہ کی نماز نفل عبادتوں سے افضل
 ہے۔ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ اَفْضَلُ الصَّلَوةِ
 لَعَلَّ مَسْنَدَ اَحْمَدَ مَدَوْنَتُهُ مَذِي سَنَدًا (فیاض)

بَعْدَ الْمَفْرُوضَةِ صَلَاةٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ يَعْنِي فَرْضِ نَمَازوں کے بعد سب سے افضل نماز وہ ہے جو رات کو پڑھی جائے۔ ترجمہ: شرعیہ میں آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ إِلَىٰ هَذِهِ الْأَعْمَالِ اِتِّسَافِ قِيَامِ کو لازم پکڑو کہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی یہی عادت تھی۔ یہ تمہارے لیے خدا تعالیٰ کا قرب دلانے، برائیوں کو مٹانے اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ ہے، غرضیکہ فرمایا کہ اللہ کے بندوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ ان کی راتیں سجد و قیام میں گزرتی ہیں۔

جنہم سے دور رہنے کی دُعا

فرمایا اللہ کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے۔ اللہ کے بندوں کو ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں وہ دوزخ کے عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے وہ ہمیشہ اس سے پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ اللہ کے بندے اپنے پروردگار سے جہاں دنیا اور آخرت کی بعدنی طلب کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی درخواست کرتے ہیں وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آیت - ۲۰۱) پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ سورۃ آل عمران میں ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ رَاٰتِ ۱۸۵ جو شخص دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اللہ کے بندے ہمیشہ ایسی ہی کامیابی کی دعائیں کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ کے بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ جہنم کے عذاب سے رہائی چاہتے ہیں کیونکہ ان کا عَذَابُهَا كَانَ عَذَابًا بَشَرًا جہنم کا عذاب لازماً ہونے والا یعنی جیت جانے والا ہے۔ غرامہ تاوان کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ متعلقہ شخص کو چھوڑ دینے والا ہے۔

لَا تَمْدِي مِنْكَ (فیاض)

جانتے ہیں اِنَّہُمْ سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمَقَامًا بَیْکَ یہ دوزخ رہائش کی بہت بری جگہ اور بہت بُرا مقام ہے۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ دوزخ میں چار ہوا ایک شخص ایک ہزار سال تک یا اَحْتَنُّ یا مَتَنُّ یعنی اُسے شفقت کرنے والے اور حسان کرنے والے خدا پر مانتا ہے۔ ہر جنس کے فرشتوں سے فرمائے گا کہ جاؤ اس شخص کو پکڑ کر لے آؤ۔ فرشتے جا کر دیکھیں تو سب دوزخی اونٹھے بند پڑے ہوں گے اور مطلوبہ شخص کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔ واپس آکر اللہ کے سامنے صورت حال بیان کریں گے۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ اس کو لے کر آؤ۔ فرشتے اُس شخص کو پکڑ کر لے آئیں گے جب وہ اللہ کے سامنے پیش ہو گا۔ تو اللہ فرمائے گا، اے میرے بندے! دوزخ کا ٹکڑا کیا ہے؟ وہ کہے گا، بہت ہی بُرا ہے نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ واپس اُسی میں چلے جاؤ۔ وہ بندہ عرض کرے گا، مولاکریم! تیری رحمت سے مجھے یہ اُمید تونہ تھی کہ ایک دفعہ دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر اُسی میں داخل کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور حکم ہو گا کہ اُس کو دوزخ سے رُخسہ دے دوزخ بہت ہی بُرا تھا نا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

۱۵۰
خرچ میں
میان روزی

عباد الہ جہان کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ یُسْرِفُوا وَلَکُمْ یَقْتَدُوا اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل۔ اسراف دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک اسراف تو یہ ہے کہ انسان حرام، مکروہ اور ناجائز مٹا پیر مال خرچ کرے جیسا کہ دھوئوں، شادیوں اور پارٹیوں پر کیا جاتا ہے مختلف نظریات اور باطل رسوم پر وہ خرچ کیا جاتا ہے۔ یا پھر مکان کی زیبائش لباس پر فضول خرچی اور دیگر ناجائز امور پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا اسراف یہ ہے ابن کشیرؒ (فیاض)

ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ ایک کام محتوٹے خرچے سے
 آسانی پائیگیل کو پہنچ سکتے ہیں مگر ذاتی مورد و نمائش کی خاطر بے دریغ و پسہ
 بے اسراف ہے۔ ایک دعوت کا انتظام دو سو روپے میں ہو سکتا ہے تو اس پر
 ایک ہزار روپے خرچ کر دینا اسراف میں داخل ہے۔ چار چھ ڈش کی بجائے
 اگر ایک دو ڈش پر گزارا کر لیا جائے تو مال ضائع نہیں ہوگا۔ مگر اب تو ایک
 دو سو روپے بڑھ چھ سو روپے نمائش کی جاتی ہے اور پھر اس کے لیے کسی حد کا تعین
 نہیں ہو سکتا۔ جتنا بڑھاؤ گے بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی اسراف ہے حضور عمرؓ
 کا قول ہے کہ نفس کی ہر خواہش کو پورا کرنا، جو جی چاہے کھانے کے لیے فوراً
 مہیا کر لینا بھی اسراف میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت
 میں آتا ہے مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ جو میانہ روی اختیار کرتا ہے
 وہ محتاج نہیں ہوتا۔ اللہ کا فرمان ہے كَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا
 (الاعراف ۳۱) کھاؤ، پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔

جس طرح فضول خرچی ناپسندیدہ ہے اسی طرح بخل بھی بہت بُری
 بیماری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَحْسُ دَاءٍ اَدْوَعُ مِنَ
 الْبُخْلِ بخل سے بڑھ کر کوئی بیماری ہو سکتی ہے۔ اپنے بال بچوں کی جائز
 ضروریات بھی پوری نہ کرنا بخل ہے۔ غریب و مساکین کی حق تلفی کرنا، عزیز و اقارب
 سے روگردانی کرنا وغیرہ بخل کی علامات میں جو کہ حرام اور ممنوع ہیں۔ بخل اور
 فضول خرچی کے درمیان بہترین راستہ میانہ روی کا راستہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے دعا بھی سکھلائی ہے اے پروردگار! میں تجھ سے میانہ روی کا سوال کرتا
 ہوں۔ جب کوئی انسان فقر، غنی اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرے گا تو
 اس کو پریشانی لاحق نہیں ہوگی کیونکہ اس کی معیشت کا توازن برقرار رہے گا۔
 جمہوری کوئی شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرتا ہے۔ مفروض ہو کر ذیل خط
 ہو جاتا ہے۔

فرمایا، رحمان کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف
 کرتے ہیں اور نہ بخل و کَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا بَلْ هَٰؤُلَاءِ
 اِنَّ دُوْنُوں کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔
 امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ قوام اگر قلم کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ چیز
 ہوتی ہے جس سے انسان کی ضرورت پوری ہو جائے اور قوام کا معنی گزران ہے
 دونوں لحاظ سے معنی ایک ہی ہے کہ التدرک بندے خرچ کرتے وقت میزان
 اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جائز ضروریات بخوشی پورا کرتے ہیں مگر ناجائز امور پر اپنا
 مال خرچ نہیں کرتے۔

۱۔ بیضارک حینۃ فیاض،

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ ⑥۸ يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ ⑥۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ
 وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ
 حَسَنَاتٍ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ ⑦۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۖ ⑦۱ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ
 الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّفْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ ⑦۲

ترجمہ:- اور (عباد الرحمن) وہ لوگ ہیں جو نہیں پہچانتے اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ کسی اور کو الہ اور نہیں قتل کرتے اُس جان کو کہ اللہ
 نے اُسے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہیں وہ
 بدکاری کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ پائے گا،
 گناہوں کی سزا ⑥۸ دگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب
 قیامت کے دن، اور ٹھہریگا وہ اس میں غار کیا ہوا ⑥۹
 مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا عمل کیا۔ پس
 یہی لوگ ہیں کہ تبدیل کر دے گا اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں
 کو نیکیوں میں اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان

ہے (۷) اور جس شخص نے توبہ کی اور اچھا عمل کیا پس بیشک وہ شخص رجوع رکھتا ہے اللہ کی طرف رجوع رکھنا (۸) اور وہ لوگ جو نہیں شامل ہوتے جھوٹے کام میں اور جب وہ گزرتے ہیں کسی یہودہ بات کے پاس سے تو گزرتے ہیں شریفانہ طریقے پر (۹)

پہلے خدا نے رحمان کے اوصاف اور کمالات کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے عباد الرحمن کی صفات بیان فرمائیں۔ اب تک پانچ صفات کا بیان ہو چکا ہے یعنی خدا نے رحمان کے بندے وہ ہیں جو (۱) زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے بلکہ وقار اور سکینت کے ساتھ چلتے ہیں۔ (۲) جب ان سے نادان لوگ بات کرتے ہیں تو وہ انھیں کی بجائے سلام کر کے گزر جاتے ہیں۔ (۳) اللہ کے بندوں کی راتیں سجد و قیام میں گزرتی ہیں (۴) وہ اپنے پیروں و گارے دوزخ کو دور کرنے کی دعائیں کرتے ہیں (۵) وہ لوگ خرچ کرتے وقت نہ سرف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

اب آج کی آیت میں عباد الرحمن کی چھٹی صفت یہ بیان ہوئی ہے وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا خَيْرًا

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں بناتے۔ یہ بڑی عظیمہ اور سب سے عمدہ صفت ہے۔ خدا کا بندہ کسی کو الوہیت میں شریک نہیں کرے گا۔ چونکہ خالق، مالک، قادر مطلق، بخار مطلق اور علیم کل صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے لہذا اس کے سوا ستم عبادت بھی کوئی نہیں۔ قَوْلًا بَعْدًا عَمَّا فَتَرَ اللَّهُ لَهُمْ سَبِيلًا

صمیمین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کن سا ہے؟ آپ نے فرمایا اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًا وَهُوَ خَلَقَكَ سبَّ سَبًّا اَنْ تَقُولَ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا فِيْ بَيْتِكَ وَتَقُولُ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا فِيْ بَيْتِكَ وَتَقُولُ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا فِيْ بَيْتِكَ (فیاض)

حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، عرض کیا، اس کے بعد کو نسا گناہ ہے۔ فرمایا:
 اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةً اَنْ يَّطْعَمَ مَعًا تَوَلَّيْنِيكَ كَرِهًا
 اس وجہ سے قتل کرنے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو
 جائے گا۔ اولاد کی پرورش کے خوف سے مار ڈالے۔ ابن سعود نے پھر
 عرض کیا، اس کے بعد کرن ساگناہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اَلْبَنُ تَزَانِي
 حَلِيلَةَ جَارِكَ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔ گویا یہ اکبر الکیاہ
 میں سے بعض جہانم میں، اور ان میں سے سرفہرست ائمہ اک بالشر ہے اگر
 کوئی شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اللہ کی عبادت میں یا صفت میں شریک
 کرے گا، کسی کو نافع اور ضار سمجھ کر اُس سے حاجت طلب کرے گا، مردانگی
 گا۔ یا کسی کی نذر و نیاز پیش کرے گا تو یہ شرک ہو گا جسے سب سے بڑا جرم شمار کیا گیا ہے
 فرمایا اللہ کے بندوں کی ساتویں صفت یہ ہے وَلَا يَقْتُلُوا
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں
 کرتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ صرف تین صورتوں میں قتل کرنا روا ہے
 ایک ایسا قتل جو قتل کے بدلے میں قصاص کے طور پر کیا جائے۔ دوسرا مرتد کا
 قتل ہے جو دین اسلام سے پھر جائے اور سمجھنے نہ سکیاں اور شکوک و شبہات
 دور کرنے کے باوجود دین میں واپس نہ آئے، اور تیسرا قتل محسن زانی کا ہے جسے
 شہداء کر دیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ کی صراطِ کردہ
 اسی بن کو قتل نہیں کرتے سوائے قتلِ حق کے۔

(۷)
قتل نفس
اجتناب

(۸)
زنا سے
بیمائز

آگے فرمایا اللہ کے بندے وہ ہیں وَلَا يَزْنُوا جو بدکاری کا ارتکاب
 نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، زنا بھی اکبر الکیاہ میں شامل ہے
 پھر اس میں بھی قبیح بدکاری وہ ہے جو اپنے پڑوسی کی بیوی سے کی جائے۔
 کیونکہ اِنَّ لِلْجَارِ عَلَى الْجَارِ حَقًّا پڑوسی کا پڑوسی پر بڑا حق
 ہوتا ہے۔ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے مال اور عزت ناموس کا محافظ ہوتا ہے

اور اگر وہی اُس کی آبروریزی کرے تو بہت بُرا گناہ ہوگا۔ حضورِ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دس گنہوں سے چوری کہنا زیادہ بدکام ہے اس سے کہ چوری کے ایک گنہ سے چوری کی جائے۔ چوری تو عطا کرنا ہے مگر چوری کی چوری دس گناہ زیادہ بیخ ہے۔

فَرِيَا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكْ يَلِاقِ أَثَامًا جو کوئی ایسے فعل کا ارتکاب کرے گا، وہ گناہوں کے جبرم کو پائے گا۔ آثام کی جمع ہے جس کا معنی گناہ ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آثام جہنم کی ایک داری کا نام ہے۔ جس میں سخت سزا دی جائے گی۔ اگر یہ معنی ہو تو جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جہنم کی اُس داری کو پائے گا یعنی اُس میں پہنچ جائے گا۔ فرمایا ایسے مجرم کے لیے يُضَعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قِيَامَتِ دُنِ اُس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا۔ نہ اُس کا جبرم ختم ہوگا اور نہ سزا ختم ہوگی۔ بلکہ بڑھتی ہی جائے گی، اسی سے فرمایا کہ اُس کی سزا کو ڈبل کر دیا جائے گا۔ وَيَجْعَلُ فِيهَا مُهَنَّاتًا اور وہ اس میں ذلیل و نوار ہو کر رہے گا۔ یہ تو ایک گناہ کی سزا ہے۔ اگر اس کے علاوہ دیگر جرائم بھی ہیں تو ہر جبرم کی گناہ الگ سزا ملے گی اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

فَرِيَا إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (۵۱) تو بہ اور اہل بیت
مگر جس شخص نے توبہ کر لی، وہ ایمان لے آیا، اور اس نے اچھا عمل بھی کیا۔
فَأُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ پس یہی لوگ ہیں کہ جن کی
برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یعنی پہلے جرائم معاف ہو کر اُن
کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں
اور اس پر موت کا غرغره طاری نہیں ہو جاتا۔ اس کے لیے توبہ کا دروازہ
کھلا ہے۔ وہ ہر گناہ سے حتیٰ کہ کفر اور شرک جیسے بدترین گناہوں سے بھی
تائب ہو کر اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: قیامت
 والے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو حاضر کرنے کا حکم دیں گے۔ جب وہ
 حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو شمار
 کیا جائے۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے یہ گناہ کیا۔ وہ شخص اقرار
 کرتا جائے۔ گا اور ساتھ ساتھ خائف بھی ہوگا کہ کہیں اللہ تعالیٰ بڑے
 بڑے جرائم کے متعلق نہ پوچھے۔ پھر حکم ہوگا، جاؤ ہم نے تمہارے یہ
 چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیئے اور ان کے بدلے میں ایک ایک نیکی
 دے دی۔ وہ شخص دلیر ہو جائے گا کہ گناہوں کے بدلے میں نیکیاں ہی مل رہی
 ہیں تو کیوں نہ بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ بھی ہو بہت تاک ان سے دے میں بھی نیکیاں ملتی
 ہیں۔ پھر وہ عرض کرے گا کہ مولا کریم! ابھی میرے بعض گناہوں کا ذکر نہیں
 ہوا۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا کہ رکھو! یہ شخص
 پہلے تو پت گناہوں سے خائف تھا مگر اب اللہ کی مہربانی دیکھ کر اتنا
 دلیر ہو گیا کہ خدا ان کا تذکرہ کر رہا ہے۔ بہر حال بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ اس
 قدر راضی ہو جائے گا کہ ان کے گناہوں کی بجائے ان کے نام نیکیوں درج ہو
 جائیں گی۔ یہ سب سچے دل سے توبہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے
 اللہ نے یہ بھی فرمایا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا جس نے توبہ
 کر لی ورنہ عمل انجام دیا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا
 پس بیشک وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ رجوع رکھنا۔
 یہ ایمان والوں کی حق صفت ہے کہ کوتاہی ہو جاتی ہے تو فوراً تائب ہو
 جاتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کے نہ صرف گناہ معاف ہو جائیں گے
 بلکہ اُس کے گناہ نیکیوں میں بدل دیے جائیں گے۔

(۱۰)
 چھوٹے
 سے پرہیز

اس کے علاوہ اللہ کے بندوں کی دسویں صفت یہ ہے وَالَّذِينَ
لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرَ کہ وہ چھوٹے کام میں حاضر نہیں ہوتے بلکہ ہر چھوٹے
 کام میں ہرگز نہ ہوتے (فیاض)

فعل سے پرہیز کرتے ہیں۔ جس سے اس سے مراد جھوٹی گواہی لیتے ہیں یعنی اللہ کے بند سے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے کہ جھوٹی گواہی بھی اکبر الکبائر میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاقِمُْوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق ۲) یعنی اللہ کے لیے گواہی صحیح صحیح دو۔ چنانچہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔ کسی فاسق فاجر اور غیر عادل گواہ کی گواہی معتبر نہیں ہے کیونکہ جھوٹی گواہی سے یا تو کسی کا جائز حق ضائع ہوتا ہے یا ناجائز حق ثابت ہوتا ہے۔ کسی مسلمان کی حق تلفی بھی بہت بڑا عہدہ ہے۔ اسی لیے مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق جیسی کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی معاملہ میں جھوٹی گواہی دی ہے تو اس کو چالیس دے دے جائیں، اس کا منہ سیاہ کر کے اس کی تشہیر کی جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔ نیز اس کو قید میں بھی ڈالا جائے وہ تینوں سزاؤں کا مستحق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہماری عدالتوں کا سارا نظام ہی جھوٹی گواہیوں پر چل رہا ہے۔ پولیس نے گواہ کو اچھی طرح پڑھا کہ عدالت میں پیش کرنے میں کہ یوں کہنا اور یوں نہ کہنا۔ درحقیقت ہونا تو یہ چاہیے کہ گواہ جو کچھ جانتا ہے یا اس نے جو دیکھا ہے بے کم و کاست بیان کر دے۔ مگر اس طرح تو مقدمہ خراب ہو جاتا ہے۔ جب تک اس میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہوگی۔ مقدمے کا فیصلہ حسبِ عدالت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ سارا قانون شہادت ہی غلط ہے۔ عدالتوں میں روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ مقبوضی سی فیس کے بدلے پیشہ ورا جھرتی گواہ مل جاتے ہیں۔ بعض تو ایک سگریٹ کے بدلے جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لوگ گواہی کی اہمیت سے اس قدر بیخوف ہو چکے ہیں ایسے حالات میں عدالتوں کا نظام کیسے درست ہو سکتا ہے اور سائنٹی کیسے پاک ہو سکتی ہے؟ بہر حال عباد الرحمن کی ایک صفت یہ

بھی ہے کہ نہ وہ مجبورئی گواہی دیتے ہیں اور نہ کسی مطلق مجبور نے معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔

(۱۱)
لغویات
سے تارکشی

اللہ کے بندوں کی گیارہویں صفت یہ ہے وَإِذَا مَسَّوْا بِاللَّغْوِ
مَسَّوْا كَرَامًا کہ جب وہ کسی لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو
شریفانہ طریقے پر گزر جاتے ہیں۔ بہرہ پروردہ، نانا جانہ اور خوش بات لغو کے
زمرہ میں آتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور امام ابوحنیفہؒ لغویات سے
گناہ، بگناہ، سردی سنتے ہیں۔ کھیل تماشہ، گناہ، بگناہ، عشق و محبت کی داستانیں سب
لغویات میں شامل ہیں بعض آثار میں آتا ہے يُنْبِتُ الْيَفَاقَ
فِي الْقَلْبِ کہ یہ چیزیں دل میں نفاق پیدا کرتی ہیں۔ مگر آج آپ معاشق
میں نظر مار کر دیکھ لیں، کوئی گھر، کوئی مکان، کوئی رفاه عامہ کا ادارہ، کوئی
کلب اور آرٹ گیلری اس قیامت سے پاک نہیں ہے۔ ریڈیو ہوائی دی
ہر وقت موسیقی کا پروگرام چل رہا ہے کھیل تماشے کے لیے وزارتیں بنی
ہوئی ہیں۔ لاکھوں روپیہ کا زرمبادلہ خرچ کر کے بین الاقوامی کھیلوں میں
حصہ لیا جاتا ہے اور پھر جیتنے پر صدہ اور وزیر اعظم کی طرف سے مبارکباد
دی جاتی ہے۔ اللہ کے بندو! انہوں نے کون سا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ کوئی
قوم اور ملک کی خدمت کی ہوئی، دین کی خدمت کی ہوئی تو کچھ قائمہ بھی ہوتا
یہی حال پہلوانی اور باڈی بلڈنگ کے فن کا ہے۔ محض فضولیات اور
تفصیح اوقات ہے۔ پیسے کی بربادی ہے۔ عیساٹیوں، یودیوں اور دہریوں
کے نقش قدم پر بلا سوچے سمجھے چل رہے ہیں۔ آخر ان ڈراموں سے قوم کی
کون سی اصلاح ہوتی۔ یہ تو الٹا چوری، ذہنی اور عشق و محبت کی تربیت گاہیں
بن چکی ہیں مگر ساری قوم انہی لغویات میں اکھج کر رہ گئی ہے، کوئی نہیں
کہتا کہ بھائی ان لغویات کی بجائے کوئی اچھا کام کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ اللہ
کے مقبول بندے وہ ہیں جو ایسی لغویات سے شریفانہ طریقے سے گزر جاتے
ہیں، اور ان میں عورت نہیں ہوتے

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُوْا عَلَيْهَا
صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ
لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۴﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا
صَبَرُوا وَيُلْقَوْنَ فِيهَا زَجْجَةً وَاسْلَمًا ﴿۵﴾ خُلِدِينَ
فِيهَا حَسُنْتَ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۶﴾ قُلْ مَا يَعْبُودُكُمْ
رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جب کہ ان کو یاد دلائی جاتی ہیں اپنے

پروردگار کی آیتیں، تو نہیں گرتے اُن پر بہرے اور اندھے

ہو کر ﴿۳﴾ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار

عطا فرما ہم کو ہماری بیویوں سے اور ہماری اولادوں سے

ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا دے ہمیں متقیوں کا پیشوا ﴿۴﴾

یہی لوگ ہیں جن کو بدلہ دیا جائے گا بلاخانوں کا اس وجہ

سے کہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ دیے جائیں گے اس

میں دُعا اور سلام ﴿۵﴾ اِس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

اچھی ہے وہ ٹھہرنے کی جگہ اور قرار گاہ ﴿۶﴾ اے پیغمبر،

آپ کہہ دیجئے، نہیں پروا رکھتا تمہاری میر پروردگار اگر نہ ہو

تمہارا پکارا اُس کو پس بیشک تم نے بھٹلا دیا ہے، لہذا

عنقریب مسند بھیڑ ہوگی ﴿۷﴾

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اذیت کے روز
ذکرِ آیاتِ ربّیہ اور اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب نہیں
ان کے پروردگار کی آیات یعنی احکام اور دلائل پر دلالت جاتے ہیں
سمجھائے جاتے ہیں۔ لَمْ یَخْفَوْا عَیْنَهُمْ شَيْئًا وَاعْمِیَانَا تو
وہ اُس پر بہرے اور اندھے ہو کر یہ کہہ رہے تھے اس کے برخلاف وہ
اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرتے
ہیں اس کے احکام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ اللہ کے بندے آیاتِ الہی کے ساتھ کفار و مشرکین جیسے
بہرے اور اندھوں کا سا سلوک نہیں کرتے کہ ان کو سنا نہ سمجھا نہ
غور نہ کیا اور نہ اُس پر عمل کیا۔ بہر حال عباد الرحمن آیاتِ الہی سے
غفلت نہیں برتتے جن باتوں پر یقین رکھنا ضروری ہوتا ان کو دل و
دماغ میں جگہ دیتے ہیں اور جن پر عمل کرنا ہوتا ہے ان پر عمل پیرا ہو جاتے
ہیں۔ یہ ان کی بارہویں صفت ہے۔

یہ غور و فکر
اللہ تعالیٰ کے
آیات سے

تعلیم و علم

ذکرِ آیاتِ الہی کا معنی یاد دلانا یا سمجھانا ہوتا ہے۔ گویا آیاتِ الہی کا سمجھنا
ضروری امر ہے۔ سب سے پہلے اللہ کا نبی و وحی الہی کو اپنے مخاطبین تک
پہنچانا ہے اور اس کی جزئیات سمجھانا ہے۔ پھر امت کے اہل علم
لوگ احکامِ الہی کو نسل در نسل سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات
بھی اخذ ہوتی ہے کہ علم سمجھانے سے آتا ہے اور جو لوگ خود بخود محض
مطالعہ کے زور پر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ غلطیاں
کرتے ہیں۔ استاد کے بغیر کوئی شخص کسی بھی علم میں کمال حاصل نہیں
کر سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی
کسب و بہر خواہ وہ موحی، طبعی، درزی یا لکھڑا ہو، استاد کے
لے حجة اللہ بالافضلہ (فیاض)

سمجھائے بغیر نہیں آتا۔ کوئی ڈاکٹر خود بخود مطالعہ کمرہ کے ڈاکٹر نہیں رہتا اور نہ ہی کوئی انجینیئر ذرا لی مطالعہ کے ساتھ کامیاب انجینیئر بن سکتا ہے۔ یہ شعبہ میں سخت محنت اور اتالی پشت پرستی کا تقاب جائزہ لیں تو اپنے فن میں مہارت حاصل ہونے والے ہر طالب علم کو سمجھنے کے ساتھ ضرورت ہے کہ وہ نہ دنیاوی دجیسے ہول حاصل کرے۔

عربی زبان پڑھ کر قرآن کریم کو ترجمہ شروع کر دیتے ہیں تو پھر وہ کمرہ کی ہمت بھی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** (النمل - ۴۳) جس چیز کا تمہیں علم نہیں وہ یاد کرنے والے یعنی اہل علم سے دریافت کر لو۔ قرآن پاک میں اس بات کا بار بار تذکرہ آیا ہے کہ ناواقف لوگ جاننے والوں سے پوچھ لیا کریں تاکہ ان کا رنج سیدھا ہو جائے۔ جب بھی کسی معاملہ میں مشکل درپیش ہو، کسی بات کی سمجھ نہ آتی ہو تو پھر **لَعَلَّكُمْ الَّذِينَ يَسْتَبْطِلُونَهُ مِنْهُمْ** (النساء - ۸۲) اہل علم کے پاس جاؤ، وہ احتیاط و استخراج کمرے تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ اور اس طرح گویا اسناد سے صرف لکھنا ہی کافی نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کا نمونہ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا بھی لازم ہے۔

(۱۳)
انسان اور اولاد
کی مشورہ

عبارۃ الرحمن کی ایک صفت یہ بھی ہے **وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قَوِيَةً** اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک مطلب یہ کہ ہماری بیویوں کو ایسی ہدیت عطا فرما کہ وہ قلب و نصیر کا سرور بن جائیں اور اولاد بھی ایسی ہو کہ جسے دیکھ کر دل مٹھن اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس کا کامل الایمان آدمی کی ہوی ذرا بڑا ہو، اس کا عقیدہ اور اخلاق درست ہو اور عمل صالح ہو تو وہ اس کے لیے مسرت کا باعث ہوگی۔ اسی طرح

جس کی اولاد نیک اور باعمل ہوگی وہ بھی اُس شخص کے لیے اطمینان کا باعث ہوگی۔ اس کے برعکس اگر بیوی یا اولاد کا عقیدہ خراب ہوگا، یا عمل میں کوتاہی ہوگی۔ اخلاق غیر معیاری ہوگا تو ایسے شخص کو سرور اور اطمینان کیسے حاصل ہو سکے گا؟

حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد اس کے حق میں جو دعا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس کا صلہ مرنے والے کو دیتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں **أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَكَ** یعنی وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ ظاہر ہے کہ اگر اولاد نیک ہوگی تو وہ دعا بھی کرے گی اور اس کا فائدہ بھی ہوگا اور اگر اولاد نیک ہی نہیں ہے تو وہ والدین کو اُن کے مرنے کے بعد کیا فائدہ پہنچا سکے گی۔ اسی لیے اللہ کے بندے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ اُن کی اولاد اطاعت کے راستے پر گامزن ہے وہ مفید علم حاصل کرے اور اچھی باتوں کے ساتھ شغل رکھے تاکہ اُس کو دیکھ کر دل کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔ اگر اولاد نالائق، فسران اور بد معاشر ہوگی تو مومن کا دل کیسے مطمئن ہوگا؟ جو اولاد نقصان پہنچائے، والدین کے مال کو ضائع کرے تو ایسی اولاد سے تو سائب اچھا ہوتا ہے بدکار اولاد والدین اور خاندان کو بدنام کرتی ہے اور اُن کی عزت و شرفیت کو بڑھ گمانی ہے۔ چنانچہ عباد الرحمن یہی دعا کرتے ہیں کہ **مولا کریم! انکی بیویوں اور اولادوں کو نیک بنائے جن کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں**۔ یہ ہے کہ ہر مومن آدمی کو اپنی بیوی اور اولاد کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔ اُن کو خود بھی سمجھانا چاہیے اور صحیح راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک مومن آدمی جہاں اپنے اہل خانہ کی بہتری اور اصلاح کے لیے دعا کرتا ہے، وہاں وہ اپنی ذات کے لیے بھی ایسی ہی خواہش رکھتا ہے

لے ابن کشیر رحمہ اللہ (فیاض)

چنانچہ عباد الرحمن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرتے ہیں وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اے پروردگار! کہ خود ہمیں ایسا اصلاح یافتہ بنائے کہ ہم متقیوں کے پیشوا بن جائیں یعنی آئندہ آنے والے لوگ ہمارے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کریں۔ انسان کی ابدی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے درجے میں ایسی روحانی ترقی حاصل کرے کہ دوسروں کے لیے پیشوا بن جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے لیے یہی دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (الشعر آد - ۸۴) پچھلے لوگوں میں میرا نیک ذکر جاری فرما۔ ہمارے بعد آنے والے ہمارے نقش قدم پر چلیں۔

ظاہر ہے کہ نیکی، ایمان اور توحید کا راستہ ہی ایسا راستہ ہے جس پر چل کر لوگ فخر محسوس کر سکتے ہیں۔ جو شخص ایمان سے عاری حیا سے خالی، اور کھیل تماشے کا دلدادہ ہوگا، وہ آئندہ آنے والوں کے لیے کیسے نمونہ بن سکتا ہے۔ ہمارے سلف صالحین نے کیا اچھا نظام قائم کیا جس پر چل کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوئے۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ اُن کی تعلیم کو بھول چکے ہیں۔ آج ہمارے پاس اپنا کوئی نظام ہی نہیں ہے۔ ہم یور و نصاریٰ اور دہریوں کے نظام کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور اُسی کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں ہاں! جو اللہ کے بندے ہیں وہ ہمیشہ متقیوں کی پیشوائی کے لیے دعا کرتے ہیں۔

عباد الرحمن
کے لیے
انعامات

یہ اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے عباد الرحمن کے انعامات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُقَّةَ بِمَا صَبَرُوا یہی لوگ ہیں جن کو بالآخر نے دیے جائیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جنتیوں کے لیے عجیب و غریب بالائی منزلیں ہوں گی جو اس قدر شفاف ہوں گی کہ اندر کا منظر باہر سے نظر آئے۔ درمنثور ص ۵۷ (فیض)

آئے گا اور باہر کا منظر اندر سے دیکھا جاسکے گا۔ یہ اُن کے صبر کا اجر ہوگا۔
 کیونکہ صبر بھی دین کے بڑے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ خدا کی
 وحدانیت، اُس کا ذکر، اس کی نعمتوں کی قدر دانی، اُس کا شکر ادا کرنا، شکارِ حق
 کی تعظیم، خدا کی عبادت وغیرہ بڑے بڑے اصول ہیں جن میں سے صبر بھی
 ایک اصول ہے صبرِ اطاعت کے وقت بھی کام آتا ہے اور مصیبت
 کے وقت بھی۔

فَرُوا وَيُكْفَوْنَ فِيهَا حَيَّةً وَسَلَامًا اللہ کے نیک
 بندوں کو جنت میں دُعا اور سلام کے تحفے میں گے۔ اُن سے جو بھی ملے گا
 اچھے دعائیہ کلمات کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ مومن اور فرشتے سب
 سلام کریں گے۔ سورۃ یسن میں بھی ہے سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ
 رَبِّ رَحِيمٍ (آیت ۵۸) اہل جنت کو مہربان پروردگار کی طرف
 سے بے سلام ہوگا۔ خَلْدِيْنٌ فِيْهَا وہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں
 گے اور وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔ حَذِّثْ مُسْتَقْبَاً
 وَمُقَامًا اُن کے لیے بہترین قرار گاہ (محضر) کی جگہ ہوگی اور بہترین
 رہنے کا مقام ہوگا، جنت کی خوبصورتی، پاکیزگی اور سہولتوں کا کوئی اندازہ
 نہیں لگا سکتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَمْ يَوْضِعْ سَعِطٌ فِي
 الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا یعنی جنت میں ایک
 کوڑا بھر جگہ ساری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔ وہاں اہل جنت
 کے سامنے اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، اے اہل جنت! اِنَّ
 لَكُمْ اَنْ تَصِيْحُوْا فَلَا تَسْقُمُوْا وَاَنْ لَّكُمْ اَنْ
 تَحْيُوْا فَلَا تَمُوْتُوْا وَاَنْ لَّكُمْ اَنْ تَسْتَبُوْا
 فَلَا تَهْرَمُوْا وَاَنْ تَنْعَمُوْا وَلَا تَبْسُوْا اَبَدًا
 بتم ہمیشہ کے لیے تندرست رہو گے اور بیمار نہیں ہو گے۔ تم

ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی موت نہیں آئے گی۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے اور تم پر بوجھ نہیں آئے گا۔ تم ہمیشہ خوشحال رہو گے اور کبھی بد حالی اور تکلیف کا شکار نہیں ہو گے اسی لیے فرمایا کہ جنت کے بالا خانے ٹھہرنے کی بہترین جگہ اور سب سے بہتر مقام ہو گا۔

ابتدائی

آخر میں اللہ تعالیٰ نے تشریف فرمائی ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہیں مَا يَعْصُوا بِكُمْ رَبِّ لَوْلَا دَعَاؤُكُمْ مِيرے پیور دکار کو کچھ پروا نہیں اگر تم اُس کو نہیں پکارو گے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی اطاعت یا اُس کی عبادت نہیں کرو گے تو اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم سے پکارو یا نہ پکارو، وہ اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ قائم و دائم ہے بعض اس کا معنی یوں کرتے ہیں کہ ”اگر میرے پیور دکار کو تمھارا پکارنا نہ ہوتا تو وہ تمھاری کچھ پروا نہ کرتا“ سبب مصیبت آتی ہے تو کافر اور مشرک لوگ بھی خدا تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ فرمایا تمھاری یہی پکار تمھارے لیے مہلت کا باعث بن رہی ہے، ورنہ تم سے تمھاری کچھ پروا نہ نہیں ہے۔ وہ جب چاہے تمھیں ہلاک کر دے اور آخرت بھی برباد ہو جائے۔ اس کے علاوہ بعض نے یہ ترجمہ بھی کیا ہے ”اگر تمہیں ایمان کی طرف دعوت دینا مقصود نہ ہوتا تو میرے پیور دکار تمھاری کچھ پروا نہ رکھتا“ ظاہر ہے کہ انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریت - ۵۷) میں جنوں اور انہوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہذا اس کا معنی ایمان کی دعوت بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ پس تم نے جھٹلادیا ہے یعنی تم نے اللہ کی توحید، رسالت، وحی الہی اور قیامت کا انکار کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا کہ عنقریب تم سے سزا بھیجی

ہوگی۔ جنگ و جہاد ہوگا اور پھر تمہاری سرکوبی ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ جنگِ بزرگ کے موقع پر پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی تو بڑے بڑے مہر ان کفر سے گئے، کچھ قیدی بنے اور باقی بھاگ گئے حضور علیہ السلام نے بد کے کنوئیں پر کھڑے ہو کر کفار کو خطاب کیا کہ اے فلاں! اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ تو آج پورا ہو گیا۔ اللہ نے ہمیں فتح مبین عطا فرمائی اُس وعدے کو تو ہم نے سچا پایا۔ اب تم بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا کہ نافرمانی کر دے گے تو سزا دوں گا۔ وہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں، اور کیا تم نے سزا پائی یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضور! یہ تو مردہ لاشیں پڑی ہیں۔ آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ مردہ ہیں مگر تم سے زیادہ سُنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو میری بات سنا رہا ہے مگر ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں۔ غرضیکہ اللہ نے کمزور کو حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلایا دیا کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا، لہذا اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت سے شروع کی، پھر معاد کا ملکہ بیان ہوا۔ رسالت کے متعلق شکوک و شبہات کو مٹانے والوں اور منکرین کا رد فرمایا۔ بعض دیگر باتوں کے علاوہ اللہ نے عبادِ الہیہ کی چودہ صفات بیان فرمائی ہیں اور آخر میں کفار و شرکین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارے ساتھ میدانِ جنگ میں سمٹ کر بیٹھ کر رہو گی۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غالب کرے گا اور تمہیں ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔

سُورَةُ
الشُّعَرَاءِ
مَكَّمَل

وَقَالَ الَّذِينَ ۱۹

الشُّعْرَاءُ ۲۶

درس اول ۱

آیت ۱ تا ۹

سُورَةُ الشُّعْرَاءِ مَكِّيَّةٌ قَدْ هِيَ مَائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَاحِدَةً عَشَرَ رُكُوعًا
سورة الشعراء مکی ہے۔ اس کی دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

طسّم ① تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ② لَعَلَّكَ
بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③ إِنْ نَشَأْ
نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ
لَهَا خِضَعِينَ ④ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ
مُحَدِّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوا
فَسَيَاتِيهِمْ أَنْبُؤا مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑥ أَوَلَمْ
يَرَوْا إِلَى الْآرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيمٍ ⑦ إِنَّ فِيْ ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ
أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ⑧ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ⑨

ترجمہ :- طسّم ① یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے

والی کتاب کی ② شاید کہ آپ اپنا گھر گھونٹ دیں گے

اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے ③ اگر ہم

چاہیں تو اتار دیں ان پر آسمان کی طرف سے ایسی نشانی کہ

ہو جائیں ان کی گردنوں اس کے ساتھ ساتھ دلی (۳) اور انہیں
 آتی ہے پس کوئی نصیحت نئی خدائے زمان کی طرف
 سے مگر یہ لوگ اس سے مدافعت کرنے لگے ہوتے ہیں (۵)
 پس بیشک جہنم انہوں نے پس عقیب آئے کی
 ن کے پاس خبر میں چیز کی کہ جس کے ساتھ یہ ٹھٹھا
 کیا کرتے تھے (۶) کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف
 کہ ہم نے اس میں کتنی عمدہ قسم کی چیزیں نکالی ہیں (۷)
 بیشک اس میں اہل نشان ہے مگر ان میں سے اکثر
 بیان قبول کرنے لگے ہیں (۸) اور بیشک تیرا پروردگار
 زبردست ہے اور ہم کرتے ہیں (۹)

اس سورۃ ہمد سورۃ شعرا ہے جس کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے
 شورش عی اور شاموں کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ
 نام رکھا گیا ہے۔ البتہ اہل علم کے قول کے مطابق اس سورۃ کا ایک نام سورۃ الجاحۃ
 بھی ہے کیونکہ یہ نصیحت کی بات ہی باتوں کو جمع کرنے والی سورۃ ہے۔
 یہ سورۃ مکی نزول کی ہے نازل ہوئی بعض کے مطابق اس سورۃ کا نزول سورۃ واقہ
 کے بعد ہو یعنی ہجرت سے دو یا تین سال قبل۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ۲۲ آیات اور
 کیا یہ کوٹ ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۲ الفاظ اور ۵۵۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین

اس سورۃ میں مختلف مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت
 و صداقت اور اس کے فضائل کا ذکر ہے۔ اصول دین کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ
 کا ذکر ہے۔ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور آحمرؑ میں
 انصاف و انصاف علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا پیغام اپنی
 اپنی امت تک پہنچاتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔

معاذین اور کمذین توجید و رسالت کے شکوک و شبہات کو رفع کیا گیا ہے اور ان کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اخلاقی تعلیمات ہیں۔ توجید کے عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ بعثت بعد الموت کا ذکر ہے اور اس ضمن میں لوگوں پر پڑے ہوئے حجابات کا ذکر ہے جن کو اٹھانے کا کوشش کی گئی ہے۔

حروف
مقطعات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا حروف مقطعات طسٹہ سے ہوئی ہے جو قرآن پاک کے اسماؤں سے ایک اسم ہے۔ بعض کے نزدیک سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے ایہ تو وہی ستر جانتا ہے۔ تاہم تفسیر فہم کے لیے بعض مفسرین نے ان حروف کے معانی نبھانے کی کوشش کی ہے چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں کہ طسٹہ میں سے حرف ط کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک ظاہر کی طرف ہے۔ س سے مراد اسم پاک سار یا دم ہے اور مر کا اشارہ اسم پاک مجید یا محیط کی طرف ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ط سے مراد طول یعنی طاقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ذی الطول بھی ہے کہ وہ طاقت کا مالک ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ س سے مراد تقدیس ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک اسم پاک قدوس بھی ہے۔ اس طرح مر سے مراد صفت الرحمن ہے کہ یہ سارا سلسلہ خدا تعالیٰ کی صفت رحمان کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ط کا اشارہ طوبیٰ کی طرف ہے جو ایک درخت کا نام ہے۔ س سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے اور مر کا ارشاد بحکمہ ربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان تینوں اسماء کا تعلق واقعہ معراج سے ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ نیز سورۃ البقرہ میں بھی موجود ہے۔

صاحب تفسیر کبیر امام رازی نے بعض بزرگوں کے حوالے سے ان حروف کی تشریح اس طرح بیان کی ہے کہ ط کا اشارہ قدوب، فہن میں

لے تفسیر کبیر ص ۱۱۴ (فیاض)

پیدا ہونے والے طرف یعنی خوشی کی طرف ہے۔ اس سے مراد سیر الی اللہ یعنی
خدا تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے لوگ ہیں اور اس سے مراد مناجات المرید ہے
کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرتے
ہیں اور اس کے سامنے مناجات اور دعائیں کرتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ ط کا اشارہ طاثران وحدت یعنی خدا تعالیٰ کی توحید کی
طرف تیزی سے چلنے والے لوگوں کی طرف ہے۔ اس سے مراد سیر الی اللہ
یعنی خدا کی طرف چلنے والے عام لوگ ہیں اور وہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو راہ حق
کی طرف پیدل یعنی آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی حکمت کے مطابق بیان کرتے
ہیں کہ ط سہ اجمال ہے اور اس کی تفصیل آگے سورۃ میں بیان ہوگی۔ ان
حروف میں انبیاء علیہم السلام کی منازل کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عالم بالا کی
طرف کس طرح حرکت کرتے تھے جس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کا فیضان اس
لہری جہان میں سرایت کرتا ہے اور پھر آفاق میں پھیل جاتا ہے۔ آپ یہ بھی
فرماتے ہیں کہ ط سہ خدا تعالیٰ کی ذات مقدس ہے جیسا کہ تقدیس کا حق
ہے اور اس کا فیضان اس عالم تخیل میں سرایت کرتا ہے۔ جو کہ پاک سرایان
ہوتا ہے۔ گو یا کہ یہ اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے ان اسمائے پاک کے فیضان اور
ان کے احکام کی طرف جو اس عالم متدنس میں قدسی طریقے پر سرایت کرتے
ہیں۔ بہر حال زیادہ آسان بات وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے فرمائی
ہے کہ ان حروف کے متعلق زیادہ کہہ دینے کی جائے بلکہ ان کے بارے میں یہی
عقیدہ رکھا جائے اللہ اعلم بمرادہ بذاتہ کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر
جانتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔ تاہم اللہ کی جو بھی مراد اور منشاء ہے۔
اَسْأَوْصَدَقْنَا ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے

ہیں۔ زیادہ سلاستی والی یہی بات ہے

لے غور الکبیر رحمۃ اللہ تفسیر جلالین ص ۱۶۱ (فیاض)

حروف مقطعات کے بعد فرمایا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ
 یہ کھول کر بیان کر دینے والی کتاب کی آیتیں ہیں جو آپ کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں
 یہ آیات ایسے عمدہ طریقے پر احکام کو بیان کرتی ہیں کہ حق و باطل کو الگ الگ
 کر دیتی ہیں اور کوئی تشکیکی باقی نہیں رہنے دیتی۔ بعض مقامات پر یہ آیات
 اپنی تفسیر خود آپ ہیں کہ اگر کسی غلام پر اجمال ہے تو دوستِ مقام پر اُس کی
 تفصیل ہے یا پھر اللہ تعالیٰ ان آیات کی تفسیر اپنے پیغمبر کی زبان سے کر دے
 دیتا ہے عہدِ مہول تو کتاب الہی بیان کرتی ہے اور اُس کی جزئیات اللہ کا نبی اپنے
 قول اور عمل سے کر کے دکھا دیتا ہے۔ غرضیکہ فرمایا یہ واضح طور پر بیان کرنے
 والی کتاب کی آیات ہیں۔

انہی کا مضمون

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی
 ہے۔ کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سخت متفکر رہتے
 تھے اور آپ کو شدید غم لاحق ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے
 ہوئے فرمایا کہ آپ اتنا غم نہ کریں بلکہ اپنا فرض تبلیغ ادا کرتے جائیں اور نتیجہ
 خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا أَلَّا يَكُونُوا
 مُؤْمِنِينَ شَآئِدَ کہ آپ اپنا گلا گھونٹ لیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں
 لاتے۔ تو فرمایا کہ کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ضائع کر لیں گے؟ ان کو مٹھنوں
 کے ساتھ اتنی دلسوزی اور شفقت کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی عمل کے خود ذمہ دار
 ہیں وَلَا تَسْأَلْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (البقرہ - ۱۱۹) اہل جہنم
 کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ دوزخ میں کیوں گئے؟ بلکہ خود ان
 سے پوچھا جائے گا مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ (المذثرہ - ۴۲) کہ تم دوزخ
 میں کیوں پہنچے؟

فرمایا اِنَّ شَانِئَكَ عَلَيْهِمْ مِنْ سَمَاءٍ اَيَّةٍ
 اگر ہم چاہیں تو آسمان کی طرف سے ایسی نشانی اتار دیں فَطَلَّتْ غَمَامًا

لنھا خضعین جس کے سامنے ان کی گردنیں دب کر رہ جائیں۔ وہ مجبور ہو جائیں اور ان کی ساری سرکشی ختم ہو جائے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کا اختیار سلب نہ کیا جائے بلکہ ہدایت کی ہر چیز واضح کر دی جائے۔ اس کے بعد جو کوئی اس ہدایت کو قبول کرے گا تو وہ کامیاب ہو جائے گا، اور جو اس سے انحراف کرے گا وہ جہنم رسید ہوگا۔

آیات الہی
سے اعراض

ارشادِ باری وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الرَّحْمَنِ
فَخَذَتْهُمُ الرَّحْمَةُ مَغْرَضًا مِّنْ أَعْيُنِهِمْ فَذَرَوْهُم
مُّتَبَعِينَ وَمَا يَبْصُرُ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ
مِنْ عَذَابٍ إِلَّا دُخَانٌ يُّغْشَىٰ ۚ وَالْعَذَابُ أَلِيمٌ ۚ
پس خدا نے رحمان کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ اس سے منہ پھیر لینے
میں۔ یہ تو ان کی بہتری کی ضمانت ہوتی ہے مگر یہ ان کی بدبختی ہے کہ کسی نصیحت
کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ فَقَدْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
التي هم فيها مُخْتَلِفُونَ ۚ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ مِنْ عَذَابٍ إِلَّا دُخَانٌ
يُّغْشَىٰ ۚ وَالْعَذَابُ أَلِيمٌ ۚ ان کے سامنے اس چیز کی خبر یا حقیقت آجائے گی جس کے
ساتھ یہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ ان کی ساری مجرمانہ کارگزاریاں ان کے رو برو کر
دی جائیں گی جن کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ، اس کے انبیاء
ملاحم، قرآن اور احکام شرعیہ کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ جب ان کی حقیقت
سامنے آئیگی تو پھر ان کو یہ پتہ چلے گا کہ وہ دنیا میں کس اُسے پر چلتے تھے اس وقت
یہ پچھتاؤں گے مگر اُس وقت کا پچھتاؤ کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کئے
کا بدلہ مل کر رہے گا۔

مختصر
مطالبہ

اکثر کفار و مشرکین ایمان لانے کی شرط کے طور پر طرح طرح کی نشانیاں
طلب کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے اس بیہودہ مطالبہ کا ذکر کرتے
ہوئے فرمایا اُولَٰئِكَ يَدْعُوا الْاٰمَنِيْنَ كَمَا اَنبَتْنٰ بِهٖ

میں کُل زونچ کُرنیہ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ
 ہم نے اس میں کئی عمدہ قسم کی چیزیں اگائی ہیں۔ بھلا اس سے بڑا معجزہ اور
 نشانی کیا ہو سکتی ہے؟ ایک اناج کے پودے کو ہی دیکھو۔ کسی پھلدار درخت پر
 نگاہ ڈالو۔ پھلوں کی مختلف قسمیں ملاحظہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں کیسے
 کیسے رنگ بھرے ہیں اور کیسی کیسی خوشبو میں بخش دی ہیں۔ اللہ نے چھوٹے
 چھوٹے دانوں کی صورت میں اناج پیدا کر کے انسانوں کی خوراک کا بندوبست
 کیا ہے۔ اور چارہ پیدا کر کے جانوروں کی تربیت کا سامان مہیا کیا ہے۔
 اللہ نے زمین میں ایسی قوتِ روئیدگی رکھ دی ہے کہ وہ تمام جانداروں
 کے لیے خوراک اگاتی ہے۔ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت
 کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر منصف مزاج آدمی خدا کی وحدانیت
 پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَذَكَّرُ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ
 ہر چیز میں ایسی نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ واحد و یکتا
 ہے۔ مگر جو لوگ ضدی اور متعصب ہیں انہیں اتنی واضح نشانیاں بھی نظر نہیں آتی
 لہذا وہ ظلم و ناانصافی پر ہی قائم رہتے ہیں اور نئے نئے مطالبات پیش
 کرتے رہتے ہیں۔

فَرَمَا آتَتْ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً بَيِّنًا اِنْ مِّنْ شَاۤءٍ اِذْ يٰۤاٰمَنُوْنَ
 پیدا ہونے والی چیزوں میں نشانی ہے، مگر حقیقت حال یہ ہے۔ وَمَا
 كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کہ کفار و شرکین کی اکثریت ایمان
 قبول کرنے سے قاصر ہے۔ دنیا کی اکثر آبادی ہمیشہ ایمان سے بے بہرہ رہی ہے
 آج بھی دیکھ لیں، دنیا کی کل آبادی کا صرف پانچواں یا چھٹا حصہ ایسا ہے جو خدا کی
 وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے، وگرنہ باقی سارے کے سارے کفر اور شرک
 میں مبتلا ہیں۔ فَرَمَا يٰۤاٰرْكَصُوْا اِنَّ رَبَّكُمُ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

بے شک تیرا یہ دروگہ غریب یعنی زبردست اور مہربان ہے۔ اٹس کی مہربانی کا
تقاضا ہے کہ وہ جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دینا رہتا ہے۔ پھر جب
مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو نافرمانوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے
اور پھر آخری اجتماع قیامت کے دن ہوگا۔ جب زندگی بھر کے عبادت و اعمال
کا حساب لیا جائے گا اور ہر ایک کو اپنا اپنا حساب کتاب دینا ہوگا۔ وہ
کمال قدرت کا مالک، ہر چیز پر غالب اور مہربان ہے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ اثَّتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑩
 قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ⑪ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ
 يُكَذِّبُونِ ⑫ وَلَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَايُ
 فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذَنْبٍ فَأَخَافُ
 أَنْ يَقْتُلُونِ ⑭ قَالَ كَلَّا ۖ فَادْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ
 مُسْتَمِعُونَ ⑮ فَآتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ ⑯ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ⑰ قَالَ
 أَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ
 عُمُرِكَ سِنِينَ ⑱ وَفَعَلْتَ فَعْلَكَ الَّتِي فَعَلْتَ
 وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ
 الضَّالِّينَ ⑳ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ
 لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ㉑ وَتِلْكَ
 نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ㉒

ترجمہ :- (اُس واقعہ کو یاد کرو) جب کہ پہلا تیرے پر دیا

نے موسیٰ علیہ السلام کو (اور فرمایا) جاؤ ظالم قوم کے پاس ⑩

(یعنی فرعون کی قوم) (اور کہو کہ) کیوں نہیں ڈرتے ⑪

کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے (۱۳) اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان اچھے طریقے سے نہیں چلتی۔ پس پیغام بھیج دے تو ہارون علیہ السلام کی طرف (۱۳) اور ان کے لیے مجھ پر گناہ بھی ہے، اور میں خوف کھاتا ہوں کہ وہ مجھے مار نہ ڈالیں (۱۴) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) ہرگز ایسا نہیں ہوگا، پس تم دونوں جاؤ پہلی نشانیاں دے کر ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سننے والے ہیں (۱۵) تم دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور دونوں اس سے کہو کہ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں (۱۶) (اور ہمارا مطالبہ ہے) کہ بھیج دے تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو (۱۷) کہا (فرعون نے) کیا ہم نے نہیں پالا تھا تم کو اپنے درمیان بچپن میں۔ اور گزرا ہے تو نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال (۱۸) اور کیا تو نے وہ کام جو تو نے کیا، اور تھا تو ناشکر گزاروں میں (۱۹) کہا (موسیٰ نے) کیا تھا میں نے وہ کام اُس وقت کہ تھا میں بے خبروں میں سے (۲۰) پس بھاگ گیا میں تم سے جب کہ میں نے خوف کھایا تم سے۔ پس بخشا مجھ کو میرے پروردگار نے حکم اور بنایا مجھ کو رسولوں میں سے (۲۱) اور کیا یہ احسان ہے جو تو احسان جلاتا ہے مجھ پر کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے (۲۲)

فرعون کو
دعوت توحید

سورۃ کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور تسلی کے مضمون کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے

جس سے اصل تہ سوراصلیٰ دین یعنی توحید اور ایمان کی دعوت دینا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی واقعات تو سورۃ قصص اور بعض دیگر سورتوں میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ تاہم یہاں پر مضمون کی ابتداء تبلیغ حق سے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور پھر ان کو تبلیغ کے لیے فرعون اور اس کی ظالم قوم کے پاس بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَوَاسْتَاقِلْ ذِكْرُ هِيَ وَادِّ نَادَىٰ رَبِّكَ مُوسَىٰ جب کہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور کہا اے انت اَنْتَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ کہ تم ظالم قوم کے پاس تبلیغ کے لیے جاؤ۔ قَوْمٌ قُرْعَوْنٌ جو کہ فرعون کی قوم ہے۔

اللہ نے ساری قوم فرعون کو ظالم کا خطاب دیا ہے۔ اگرچہ اصل ظالم فرعون تھا مگر اس کے امیر، وزیر، حواری، بھائی، دوست احباب، عزیز و اقرباء سب اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، اس لیے سب کو ظالم کہا گیا ہے۔ ان میں کوئی بھی نیک کے دائرے میں نہیں رہتا۔ اس قسم کی مثالیں بعض دوسری اقوام کے متعلق بھی ملتی ہیں مثلاً نون علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ نے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنًا (الاعراف: ۶۳) بے شک وہ ساری کی ساری قوم اندھی تھی۔

پوری قوم فرعون میں بعض استثنائات کا ثبوت بھی ملتا ہے مثلاً ان کے سورۃ مومن میں آتا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اٰیْمَانَهُ (المومن: ۶۸) کہ فرعون کی قوم میں ایک ایماندار آدمی بھی تھا جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اس طرح فرعون کی بیوی آسیہ بھی صاحب ایمان تھی۔ بہر حال یہ ایک کو چھپوٹ کر ساری قوم ظالم تھی، اسی لیے پوری قوم کے لیے ظالم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر دورانِ سفر ہی نبوت عطا ہوئی تھی اور وہیں حکم ہوا تھا کہ فرعون کے پاس جا کر تبلیغ حق کرو۔ فرمایا کہ اس قوم کو باک نہ کرو اَلَا يَتَّقُوْنَ کیا وہ خدا

کی نافرمانی اور غصے ڈرتے نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام نے بعض رکاوٹوں اور کمزوریوں کا ذکر کیا ^{موسیٰ کا عذر} جو انہیں راہِ حق میں نظر آرہی تھیں، چنانچہ بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِا پروردگار! میں خوف کھانا ہوں کہ فرعون اور اس کی قوم مجھے جھٹلا دیں گے۔ وہ لوگ نہ میری نبوت و رسالت کو تسلیم کریں گے اور نہ میری بات کو مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام اسی قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ اُسی ماحول میں پل کر جوان ہوئے لہذا وہ ان کی نفسیات اور ان کے اخلاق و اطوار سے خوب واقف تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ وہ لوگ میری بات نہیں سنیں گے۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ اور میرا دل تنگ ہوتا ہے۔ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ اور میری زبان بھی اچھے طریقے سے نہیں چلتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں قدرے لکنت تھی اس لیے عرض کیا فَارْسِلْ اِلَیَّ اَھْرَافَہٗ پروردگار! میرے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف بھی پیغام بھیج تاکہ وہ میرے کام میں میرا معاون بن جائے سورۃ طہ میں واضح طور پر عرض کیا وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اٰھْلِیْ ۝ اَھْرَؤْنَ اَخِیْ (آیت ۲۴-۲۵) میرے بھائی ہارون کو نیز وزیر یعنی معاون بنائے تاکہ ہم دونوں مل کر تبلیغ کا کام بطریق احسن انجام دے سکیں۔ سورۃ قصص میں اپنے مقصد کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ ہارون میرا بھائی ہے ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے۔ دعا کی اچھے طریقے سے وضاحت کر سکتا ہے فَارْسِلْہٗ مَعِیْ رَدًّا یَّصْدِقُنِیْ (آیت ۲۴-۲۵) اے میرے ساتھی بھیج دے جو کہ میری پشت پناہی اور تصدیق کرنے میں جو بات کرؤں گا، ہارون اس کی تصدیق دہانہ کرے گا تو بات چل سکے گی۔ سورۃ طہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا بھی کی قَالَ رَبِّ اشرحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِّیْ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ (آیت ۲۵-۲۸) اے پروردگار!

میرا سید کھول دے، میرے کام کو آسان کر دے۔ میری زبان کی گدہ کو کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات کو سمجھنے لگیں۔ جواب میں اللہ نے فرمایا قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ یٰمُوسٰی (آیت ۳۶) اے موسیٰ! ہم نے تمہاری درخواست قبول کر لی۔ چنانچہ اللہ نے زبان کو کھول دیا۔ اور ہارون علیہ السلام کو وزیر یعنی معاون بھی بنا دیا اور اس طرح آپ کے کام کو آسان بنا دیا۔

موسٰی علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے ایک اور عذر بھی پیش کیا۔ وَلَهُمْ عَلٰی ذٰلِکَ فِرْعَوْنِیُّوْنَ کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے۔ فَخَافُوْا اَنْ یَّقْتُلُوْکُمْ لِهٰذَا بَعْضُ خَوْفِیْ کہ کہیں وہ مجھے قتل ہی نہ کر ڈالیں۔ وہ الزام یہی تھا کہ میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ قتل عمد نہیں تھا مگر اُن کا آدمی تو بہر حال میرے ہاتھوں سے مارا گیا تھا اور اسی وجہ سے میں مصر چھوڑ کر دس سال تک مدین میں مقیم رہا۔ اب اگر اُن کے پاس دوبارہ جاذبہ کا۔ تو وہ مجھے سابقہ جرم میں گرفتار کریں گے۔

ان معروضات کے جواب میں قَالَ اللّٰهُ نے فرمایا کَلَّا اِیْسَیٰ بَرَزْنٰہِیْ ہُوَ کہ فرعون نے مجھے قتل کر دیں اور تم میرا پیغام ہی اُن تک نہ پہنچا سکو فرمایا فَاذْهَبْ بِاٰیٰتِنَا بَلٰکَ ہٰمٰی نٰثِیَآ لَے کہ تم دونوں جاذبہ ناثیوں سے مراد عصا اور یہ بنیاسیہ دو واضح معجزات ہیں کہ یہ معجزات لے کر اُن کے پاس جاؤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سننے والے ہیں۔ تمام معاملات اور ان کا حسن و قبح ہمارے علم میں ہے تم گھبراؤ نہیں فَاتِیَا فِرْعَوْنَ پس دونوں فرعون کے پاس جاؤ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور دونوں کہو کہ ہم پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ یعنی ہم از خود تمہارے پاس نہیں آئے بلکہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے پیغام لیکر آئے ہیں اس مقام پر زیادہ تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر چھپا لکھیں مرتبہ سے زیادہ بیان کیا گیا ہے کہیں اجمال

اللہ کی طرف
سے آیات

ہے اور کہیں تفصیل۔ کہیں واقعہ کا ایک پہلو بیان کیا گیا ہے تو کہیں دوسرا۔ اس مقام پر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی زیادہ وضاحت نہیں کی گئی۔ البتہ بعض دوسرے مقامات میں کچھ مزید باتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً سورۃ طہ میں اللہ نے اپنے دونوں انبیاء سے فرمایا کہ تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ کہ اُس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْسًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (آیت - ۴۴) پس تم دونوں اُس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے، اور تمھاری بات اُس کے ذہن میں اثر کر جائے، گویا اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ایک کلیہ بتا دیا کہ تبلیغ کے وقت ہمیشہ نرم لہجہ اختیار کرو کہ یہ مؤثر ہوتا ہے، سخت کلامی سے بات بگڑ جاتی ہے۔ اسی طرح سورۃ النحل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ۔ کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَهٌ إِلَّا أَنَا تَزَكَّى (آیت - ۱۱) اور اُس سے یوں کہو کیا تم میں پاک ہونے کی کوئی خواہش ہے؟ تاکہ میں تمھاری راہنمائی کر دوں۔ اور تمھیں کفر، شرک، کُندگی سے طہارت حاصل ہو جائے بہر حال اس مقام پر صرف اسی قدر ذکر ہے کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں جہانوں کے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ

اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں جا کر پہلے فرعون کو دعوتِ توحید دو اور پھر اس سے یہ مطالبہ کرو اَنْتَ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور فلسطین تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے خاندان کے کہ و بیش بہتر افراد مصر میں آکر آباد ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک سارے چار سو یا پانچ سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں بنی اسرائیل کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ جب وہ مصر سے نکلے تھے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا مناد یہ تھا کہ انہیں ان کے اصلی وطن میں دوبارہ آباد کیا جائے اور اس مقصد کے

یہ فرعون کی غلامی سے آزادی کی ضرورت تھی۔ اللہ نے یہ مطالبہ دے کر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔

فرعون کو
احسان بتانا

جب فرعون نے اللہ کے نبیوں کی یہ باتیں سنیں تو سخت برہم ہوا۔ اسے یہ گمان نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جیسا اس کا اپنا پروردگار اس کے سامنے یوں حرمت کے ساتھ بات کر سکے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنا احسان بتانا شروع کیا۔ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا کُنْتَ لَنَا کَمِیْمًا ہم نے تمہیں اپنے درمیان بچپن میں نہیں پالا تھا؟ تمہاری ماں نے تمہیں صندوق میں بند کر کے پانی میں بہا دیا تھا۔ ہم نے تمہیں نکال لیا اور پھر تمہاری پرورش کی۔ اب تم ہمیں ہی آنکھیں دکھانے لگے ہو اُس نے یہ بھی کہا وَلِیْنَا مِنْ عُمُرٍ مِّنْ قَبْلِکَ سِنِیْنٍ تم اپنی عمر کے کئی سال ہمارے درمیان نمبرے۔ ظاہر ہے کہ تقریباً تیس سال کی عمر میں موسیٰ علیہ السلام مدین چلے گئے۔ دس سال تک وہاں رہے۔ اور پھر واپسی کے سفر میں آپ کو نبوت عطا ہوا جب کہ آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی دور کا ذکر سورۃ قصص میں موجود ہے۔

فرعون نے کہا کہ تو اپنی عمر کے کئی سال ہم سے ساتھ رہا وَقَعَلْتَ فَعَلْتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَکَ اور پھر تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا۔ یعنی تو نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ ہم نے تو تمہیں پالا پوسا، تمہاری جان بچائی اور تو نے یہ مل دیا کہ ایک قبیلے کو قتل کر کے مین چلا گیا۔ وَأَنْتَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ تو تو، لشکر گزرائوں میں سے نکلا تو نے ہمارے احسان کا بدلہ احسان فراموشی کے ساتھ دیا۔ ان واقعات کا تفصیلی ذکر سورۃ قصص اور دیگر سورتوں میں موجود ہے۔

فرعون کی بات کے جواب میں قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے کہا فَعَلْتُهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ میں نے وہ کام (قبیلے کو قتل) اس وقت کیا جب کہ میں بے خبروں میں سے تھا۔ ہم نے یہاں پر ضلالت کا معنی بے خبر کیا ہے جب کہ اس کا معنی گمراہ بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ معنی یہاں پر مناسب نال نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام
کا جواب

اس لفظ کا معنی ہے خبر کے علاوہ حیران۔ سرگردان اور پریشان بھی ہوتا ہے، چنانچہ
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى (الضحیٰ - ۷) کا بھی یہی معنی ہے کہ ہم نے آپ
کو سرگردان پایا، پس رہنمائی فرمائی۔ بعض ضال کا معنی خطا کرنے والے کہتے ہیں۔
مولانا شیخ الحداد جو کہنے والا کہتے ہیں کہ مجھ سے خطا ہوئی، اکثر مفسرین اس کا ترجمہ
یہ خبر کرتے ہیں اور یہ زیادہ درست ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے قبیلے کو قتل
کے ارادے سے مکہ نہیں مارا تھا، اور قتل عمدہ نیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔
موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو ایک منظم قوم اسرائیلی کو ظالم قبیلے سے نجات دلانا تھا مگر
وہ ایک ٹمکے برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ
جواب دیا کہ ان سے قبیلے کا قتل بے خبری میں غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا، آپسے
یہ بھی وضاحت کی کہ قبیلے کے قتل کے بعد خود میری جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔
مجھے گرفتار کرنے کے منصوبے بنائے تھے جس کی اطلاع مجھے میرے ایک
خیر خواہ نے دی فَفَرَدْتُ مِنْكُمْ پس میں تم سے بھاگ گیا لَتَمَازِحُنَّكُمْ
جب کہ میں نے تمہاری طرف سے خوف محسوس کیا۔ پھر اللہ نے مجھے پرہیزگاری فرمائی
فَوَهَبَ لِيَ بَيْتًا حُكْمًا کہ اُس نے مجھے حکم یعنی علم عطا کیا وَجَعَلَنِي
مِنَ الْمُرْسَلِينَ اور مجھے رسولوں میں سے بنایا یعنی میرے
پرانے نبوت رکھنا، نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی مختلف سورتوں میں بیان ہوا
ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے دوران سفر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔
پھر آپ کی فرمائش پر آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنایا۔ البتہ موسیٰ
علیہ السلام عظیم المرتبت رسول تھے اور کتاب و تورات بھی آپ ہی پر نازل ہوئی۔
تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں اللہ کا رسول بن کر تمہارے پاس
آیا ہوں، البتہ جہاں تک تم نے میری پرورش کا مجھ پر احسان جتلیا ہے وَتِلْكَ
نِعْمَةٌ لَّمْنَهَا عَلَيَّ تو یہ ایک احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے مگر حقیقت
یہ ہے کہ میری پرورش بھی تیرے ہی ظلم کی وجہ سے ہی ہوئی تھی تو نے بنی اسرائیل

پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ اُن کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتا تھا۔ تیرے اس ظلم کے ڈر سے جی میری والدہ نے مجھے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ اللہ کو اسی طرح منظور تھا۔ وہ صندوق تمھارے محل میں پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق وَالْقَيِّتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةٌ مِّنِّي (طہ۔ ۲۹) اللہ نے مجھ پر ایسی محبت ڈال دی کہ جو بھی دیکھتا تھا گریہ ہو جاتا تھا جب فرعون نے دیکھا تو وہ بھی میری زندگی بچانے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھنا تھا اور بڑا کام لیتا تھا، اس لیے اُس نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ میری زندگی بچ گئی۔ مقصد یہ کہ میری پرورش میں تیرا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کو کامیاب بنایا کہ تیرے دل میں میری محبت پیدا کر دی گویا تیرے ہاتھوں سے میری پرورش بھی کسی احسان کی وجہ سے نہیں بلکہ تیرے ظلم کی وجہ سے ہوئی تھی۔

فرمایا، تیرے ظلم و ستم کی داستان تو یہ ہے جسے تو احسان بتلا رہا ہے۔ کیا یہی تیرا احسان ہے اَنْ عَبَدْتُ بَنِي إِسْرَءِیْلَ کہ تو نے ساری قوم بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے؟ ایک فرد کی پرورش کر کے لاکھوں افراد کو غلام بنانا اور اُن کے مشقت لینا کہاں کا انصاف ہے؟ بنی اسرائیل نے فرعون کے ہاتھوں واقعی بڑے مظالم برداشت کئے تھے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ اپنے اصلی وطن پہنچ کر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝ قَالَ
 لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ
 الْأَوَّلِينَ ۝ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ
 لَمَجْنُونٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ قَالَ لَئِنْ أَخَذْتُ إِلَهًا
 غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۝ قَالَ
 أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَ فَأْتِ بِهِ ۚ إِنَّ
 كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ
 ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ
 لِلنَّظَرِ ۝

ع ۲۳

- توجہ فرما۔ کہ فرعون نے اور کیا ہے رب العالمین ؟ ۲۳
- کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین
 کا اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے، اگر تم نے یقین
 کرنا ہے ۲۴ کہ (فرعون نے) اُن سے جو اُس کے ارد گرد
 تھے، کیا تم سنتے نہیں ؟ ۲۵ کہ (موسیٰ نے) جو تمہارا بھی پروردگار
 ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا پروردگار بھی ہے ۲۶

کہا (فرعون نے) ایک تھار یہ پیغام لانے والا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، دیوانہ ہے (۲۷) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) وہ سب ہے مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو (۲۸) کہا (فرعون نے) اگر تو بنائے گا کسی کو الہ میرے سوا، تو میں کروں گا تجھ کو قید میں ڈالے ہوئے لوگوں میں سے (۲۹) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اگرچہ میں لاؤں تیرے پاس کئی کھلی چیز؛ (۳۰) کہا (فرعون نے) لاؤ اُس کو اگر تم سچے ہو (۳۱) پس ڈالا (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنی لٹھی کو۔ پس اچانک وہ ایک اژدھا بن گیا (۳۲) اور کھینچا انہوں نے اپنے ہاتھ کو، پس وہ اچانک سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے (۳۳)

بعد آیات

اس سورۃ کی ابتداء سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا تذکرہ بیان کیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر تاج نبوت رکھا تو آپ کو حکم دیا کہ فرعون کے سامنے جا کر کلمہ حق بلند کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے بعض مشکلات کا ذکر کیا تو اللہ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور پھر دونوں کو حکم ہوا کہ فرعون سے جا کر کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے فرستادہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت کو قبول کر لو اور دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو۔ اس کے جواب میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو طعن کیا کہ کیا تم وہی نہیں جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی تھی۔ تم نے ہمارے درمیان اپنی عمر کا کافی حصہ گزارا۔ پھر تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا بے خبری میں ہوا تھا، در نہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا۔ پھر میں خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اللہ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے اور میں اسی فرض منصبی

کی تکمیل کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں مگر یاد رکھو! بچپن میں میری پرورش کرنا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ یہ تمہارے ظلم ہی کی وجہ سے ہوا تھا، مگر تم نے ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں تمہارا پرورش کرنے کا احسان کیا حیثیت رکھتا ہے؟

رب العلمین
کی تعریف

گزشتہ درس میں گزشتہ چیمکے کہ اللہ کے حکم کے مطابق موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون کو دعوتِ توحید دیتے ہوئے فرمایا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت - ۱۶) کہ ہم رب العلمین کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں۔ اس کے جواب میں فرعون نے خود سوال کیا قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہ رب العالمین کیا ہے جس کی طرف سے تم رسول بن کر آئے ہو۔ سورۃ النزعۃ میں موجود ہے کہ وہ اپنے سوا کسی دوسرے کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، بلکہ علی الاعلان کہتا تھا اِنَّا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی سب سے بڑا رب تو میں ہوں۔ تم کس رب العلمین کی بات کر رہے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے پروردگارِ عالم کا تعارف اِنِ الْفٰظِیْنَ کَرِّیْا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا کہ رب العلمین وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کا رب ہے اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ اگر تم نے یقین کرنا ہے تو رب العلمین تو وہی ہے جو کائنات کا خالق ہے۔ کائنات کی ہر چیز کی تدبیر کر کے اُسے حدِ کمال تک پہنچانے والا ہے۔

رب العلمین کی حیثیت کے بارے میں سوال منطقی کہا جاتا ہے۔ جب فرعون نے اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق سوال کیا تو جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی صفات کو بیان کیا۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور حقیقت کو تو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ وہ تو درالوراد ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے لَا فِکْرَۃَ فِی الرَّبِّ رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ وہ انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے

لہذا اس کی پہچان اس کی مصنوعات کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی مصنوعات میں غور کرو گے تو اس کی صفت سمجھ میں آئے گی۔ اور پھر خدا کی ذات کا تصور قائم ہو گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر کیا کہ رب العالمین وہ ہے جس نے زمین و آسمان اور تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور جو ان کی تدبیر کرتا ہے۔

یہ سن کر فرعون اپنے حواریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ اَلَا تَسْمَعُونَ اور اپنے ارد گرد والوں سے کہنے لگا، کیا تم سنتے نہیں؟ کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ میں نے اسے رب العالمین کے متعلق پوچھا ہے تو یہ ارض و سما کی تخلیق کی بات کرتا ہے۔ دراصل فرعون اپنے حواریوں کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بگڑتہ کرنا چاہتا تھا کہ کہیں یہ اُس کے کہنے میں نہ آجائیں۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی دوسری تعریف بیان کی قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَائِكُمُ الْاَوَّلِينَ کہنے لگے رب العالمین وہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے۔ نہ یہ نہ سمجھو کہ کسی نے تمہیں پیدا نہیں کیا، یا اپنی پیدائش کو اپنے آباؤ اجداد تک ہی محدود نہ سمجھو بلکہ تمہارا ایک حقیقی خالق بھی ہے جس نے تمہیں بھی اور تمہارے باب دادوں کو بھی پیدا کیا۔ اور وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں ہر طرح کا سلانہ زینت دیا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار کی یہ صفت اس لیے بیان کی کہ شاید کہ فرعون کے دماغ پر چوٹ لگے۔ وہ خود کہہ لیتا تھا اور کسی دوسرے کو الہ نہیں مانتا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کی طرف دلائی کہ الہ تو وہ ہو سکتا ہے جو خالق ہو جب تم نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم کیسے الہ ہو سکتے ہو۔ الہ ابراہیم رب المسلمین تو وہ ہے جو سب کا خالق ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی اس دلیل کا فرعون کو کرنی جواب نہ آیا تو اپنے حواریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے بظن کرنے کیلئے کہنے لگا قَالَ اِنَّ دَعْوَاكُمْ اَلَّذِي اُرْسِلَ اَيْكُمْ لَمَجْنُونٍ جس کا یہ

پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) یہ البتہ دیوانہ ہے یہ تو سبکی بھکی باتیں کرتا ہے۔ نہ صرف ہمیں کو کتاب ہے بلکہ ہمارے آباء و اجداد کی خبر بھی لیتا ہے۔ اس نے ہماری حکومت اور شان و شوکت کی کچھ پرواہ نہیں بھی، اور نہ ہی مجھے اللہ ماننے کے لیے تیار ہے۔ یہ تو پاگلوں والی باتیں کرتا ہے اس کی بات کو بھجیہ گی سے نہ لینا۔

مگر موسیٰ علیہ السلام بات کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ انہوں نے تیسری دلیل پیش کر کہ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَسُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ تو وہ ہے جو مشرق و مغرب اور اُن کے درمیان ہر چیز کا پر نگاہ ہے۔ شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اسی کی بادشاہی ہے۔ فرمایا تمہاری سلطنت تو ایک محدود علاقے پر مشتمل ہے جس کے باہر تمہارا حکم نہیں چلتا بلکہ کسی دوسرے بادشاہ کا سکھ جیتا ہے، مگر پروردگار عالم وہ ہے جس کی بادشاہت کا کوئی کنارہ نہیں۔ اُس کا تسلط پوری زمین پر بھی دیا ہی ہے جیسا آسمانوں پر۔ اُس کا تسلط سمندروں پر بھی ہے اور قضاؤں پر بھی۔ وہ پہاڑوں کا بھی خدا ہے اور صحراؤں کا بھی۔ اس کا حکم ہر جگہ چلتا ہے اور کوئی چیز اُس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ میرا رب تو وہ ہے جو ان صفات کا مالک ہے اِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تمہیں کچھ عقل ہے۔ تو اب بھی سمجھ جاؤ اور اسی وعدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ جو ہر چیز کا خالق مالک اور پرورش کنندہ ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ایک بات کہتے جاتے تھے اور خدا کی قدرت پر دلائل دیتے تھے مگر فرعون اپنے حواریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے یظن کہ نے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ وہ آپ کے دلائل سے متاثر نہ ہو جائیں۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی حکومت کو چیلنج کیا اور بتایا کہ تمہیں ایک محدود نقطے میں تسلط حاصل ہے تو وہ اس کا کوئی جواب تو نہ دے سکا۔
لہ موضع القرآن ص ۳۴ (فیاض)

البتہ غصے میں آکر موسیٰ علیہ السلام کو دہکی دی قال لَیْنِ اتَّخَذْتُ إِلَهًا غَیْرَیْ کُنْتُ لَکَ اے موسیٰ! اگر تو نے میرے سوا کسی دوس کو معبود تسلیم کیا۔ لَا جَعَلْنَاكَ مِنَ الْمَسْجُورِیْنَ تو میں تجھے قید میں ڈالے ہوئے لوگوں میں سے بنا دوں گا یعنی میں گرفتار کس کے جیل میں ڈال دوں گا۔ کئے لگا ملک مصر میں تو میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اگر تو نے کسی دوس کو معبود بنا تو یاد رکھنا میں تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہوں۔ پھر بیشک اپنے رب کو میرے مقابلے پر لے آنا۔

معجزات کا
انکشاف

موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے پیچھے نہ تھے، وہ ایسی دیکھوں سے کہاں مرعوب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حیثیت کو منوانے کے لیے پہلے انہوں نے عقلی دلائل پیش کیے جن کا فرعون پر اثر نہ ہوا۔ لہذا اب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا کہ تم عقلی دلائل کو تو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قَالَ اَوْ کَوْجُتُکَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ اگر میں تیرے پاس کوئی واضح چیز نشانی لے آؤں تو کیا پھر بھی تم اپنے نظریہ پر قائم رہو گے اور میری صداقت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرو گے؟ قَالَ فَاتِّبِعْ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فرعون نے فوراً کہا، اگر تم سچے ہو تو ایسی کوئی نشانی لاکر پیش کرو۔ پتہ چل جائے گا تم اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نشانیاں پیش کرنے لے گئے تھے۔ لہذا انہوں نے اس چیلنج کو فوراً قبول کر لیا۔ اور پہلی نشانی کے طور پر قَالَ لَقِیْ عَصَاہُ اَسَیْہُ اپنی لاشی پھینک دی۔ آپ کے ہاتھ میں ہمیشہ معجزانہ لاشی ہوتی تھی جسے آپ نے زمین پر ڈال دیا فَادَّاهِیْ ثَعْبَانِ مُّبِیْنٍ پس آپ نے وہ ایک بڑا اڑھ بن گئی جسے دیکھ کر فرعون کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ تمام درباری خوفزدہ ہو گئے۔ آخر ان تھے۔ ایسی عجیب و غریب چیز دیکھ کر دہک رہ گئے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی پیش کی وَنَزَعَ يَدَهُ اَيْسَرًا
 اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر بائیں نکالا فَاِذَا رَهِقَ بَصِصًا لِّلنَّظَرِ
 تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔ آپ کے دست مبارک
 میں سورج جیسی چمک آگنی تھی۔ اور یہ کوئی ایسی
 سفیدی نہیں تھی۔ جیسی کہ برص کے مریض کی ہوتی ہے مِنْ غَيْرِ سُوٍّ
 (طہ ۲۲) اس میں کوئی نقص یا خرابی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو معجزانہ
 طور پر سفید اور چمکدار بنا دیا تھا۔ مگر فرعون پھر بھی ایمان نہ لایا اور اس نے ان معجزات
 کو سحر پر محمول کیا۔ اس بات کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے

قَالَ لِلْمَلَأِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ③ يُرِيدُ
 أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ④ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ⑤
 قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ⑥
 يَا تَوَكُّ بِكُلِّ شَعَارٍ عَلِيمٍ ⑦ فَجُمِعَ الشَّعْرَةُ لِمِيقَاتِ
 يَوْمٍ مَعْلُومٍ ⑧ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ⑨
 لَعَلَّنَا نَبْغِ الشَّعْرَةَ إِنَّ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ⑩
 فَلَمَّا جَاءَ الشَّعْرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ إِنَّ كُنَّا لَأَجْرًا
 إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ⑪ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ
 الْمُقَرَّبِينَ ⑫ قَالَ لَهُمُ مُوسَى الْقَوْمَا أَلَمْ تَكُنْ
 مَلْفُورُونَ ⑬ فَالْقُوا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا
 بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ⑭ فَالْقَى مُوسَى
 عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ⑮ فَالْقَى
 الشَّعْرَةَ لِسُجْدٍ ⑯ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ⑰
 رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ⑱ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ
 أَنْ أَدْنَى لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ
 فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ⑲ لَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَارْجُلُكُمْ مِنْ
 خِلَافٍ وَلَا وُصِّلَتْكُمْ أَجْمَعِينَ ⑳ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَى

رَبَّنَا مُنْقِلِبُونَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيَاۡتَنَا
اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾

۱۵۰۰۰

ترجمہ:- کیا فرعون نے اپنے سرداروں سے جو اُس کے ارد گرد
تھے کہ بیشک یہ شخص البتہ جادوگر ہے علم والا ﴿۲۳﴾ یہ چاہتا
ہے کہ تم کو نکال دے تمہاری سرزمین سے اپنے جادو
کے زور سے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ﴿۲۵﴾ کہا انہوں
نے بہت دے اس کو اور اس کے بھائی کو، اور بھیج دے
مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے ﴿۲۶﴾ تاکہ وہ لائیں تمہارے
پاس بہ قسم کا علم دار جادوگر ﴿۲۷﴾ پس اکٹھے کئے گئے جادوگر
ایک معلوم دن کے واسطے پر ﴿۲۸﴾ اور کہا گیا لوگوں کو کہ
تم بھی اکٹھے ہو جادو ﴿۲۹﴾ شاید کہ ہم پیروی کریں جادوگروں
کی، تاکہ وہ غالب رہیں ﴿۳۰﴾ پس جب آئے جادوگر تو انہوں
نے فرعون سے کہا، کیا ہمارے لیے کوئی بدلہ ہوگا؟ اگر
ہم غالب آگئے ﴿۳۱﴾ کیا فرعون نے، ہاں (بدلہ ہوگا)

اور بیشک تم اُس وقت میرے معقوبین میں ہو گے ﴿۳۲﴾
تو اُن جادوگروں، سے سوئی علیہ السلام نے کہ ڈالو جو کچھ
تم ڈالنے والے ہو ﴿۳۳﴾ تو انہوں نے ڈالی اپنی رسیاں اور
لاٹھیاں اور کہنے لگے، فرعون کی عزت و اقبال کی قسم،
بیشک ہم غالب ہوں گے ﴿۳۴﴾ پھر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے
اپنی لاٹھی کو۔ پس اچانک وہ نکلنے لگی اُس چیز کو جو اُن لوگوں
نے بنایا تھا ﴿۳۵﴾ پس گر پڑے جادوگر سب سے میں ﴿۳۶﴾ کہنے

لگے ہم ایمان لائے ہیں رب العالمین پر (۴۹) وہی جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو پروردگار ہے (۴۸) کہا افرعون نے کیا تم اس پر ایمان لائے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یہ تمہارا بڑا استداد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ پس عنقریب تم جان لو گے کہ میں کانٹوں کا تمہارا ہاتھ اور پاؤں لٹے سیدھے اور لٹکاؤں گا تم سب کو سولی پر (۴۹) وہ کہنے لگے، کوئی ڈر نہیں ہے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف ہٹ کر جانے والے ہیں (۵۰) اور ہم اُمیہ کہتے ہیں کہ بخش دے گا ہمارا پروردگار ہماری غلطیاں۔ اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے والے ہیں (۵۱)

رہنمائی

گزشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ رب العالمین کی طرف بھیجے جوئے ہیں اُس نے متکبرانہ انداز میں سوال کیا کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کیں اور اُس کی پہچان کی نشانیاں بتلائیں کہ رب العالمین وہ ہے جو ارض و سما کا پرورش کنندہ سب اور جس نے تمہیں زمین آباد و آباد کو بھی پیدا کیا ہے۔ مشرق و مغرب کی تمام اشیاء بھی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو دھکی دی کہ اگر تم نے میرے سوا کسی دوست کو تسلیم کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کوئی کھلی نشانی پیش کروں تو کیا تم پھر بھی اپنی قبیح حرکت سے باز نہیں آؤ گے؟ فرعون کہنے لگا۔ دیکھو تم کون سی نشانی پیش کرنا چاہتے ہو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دو نشانیاں پیش کیں۔ اپنی چوٹی کو زمین پر پھینکا تو وہ ایک بڑا اثر و جان گنی جسے دیکھ کر سب درباری مع فرعون خوفزدہ

ہو گئے۔ آپ نے دوسری نشانی یہ پیش کی کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر نہ لے گا تو وہ سوچ کی طرح چمکنا نظر آنے لگا۔ یہ واضح نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے حواری سمجھ گئے کہ یہ شخص سچا ہے مگر اپنے ظلم و تعدی کی بنا پر انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

فرعون کا
درباروں
سے مشورہ

فرعون کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس کے حواری درباری کیسے موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے معترف نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اُس نے اُن کو موسیٰ علیہ السلام سے بظن کرنے کے لیے ایک تدبیر سوچی اور قَالَ لِلْمَلِكِ حَوْلَكَ هَذَا السَّحَرَاءُ عَلٰی سَمْعِی اور اپنے ارد گرد کے حواریوں سے کہنے لگا کہ یہ (موسیٰ علیہ السلام) تو ٹیپھا لکھا جادوگر ہے۔ فرعون کی یہ افترار پر دازی کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ کافروں، مشرکوں اور جباروں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب وہ انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ معجزات سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر اسے جادو کہہ کر ہی رد کرتے ہیں۔ فرعون نے بھی یہی عمر بہ استعمال کیا اور اپنے صاحبین سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ نشانیاں بہت بڑا جادو ہے۔ یُرِیدُ اَنْ یَّخْرِجَکُمْ مِنْ اَرْضِکُمْ لیسحدرہ یہ شخص اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرنا اور تمہارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں حکم کا ذِا اَمْرُوْنَ کہ بتا رہے تھے کیا مشورہ دیتے ہو۔ ہمیں اپنے ملک کی کس طرح حفاظت کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبی کسی کا ملک یا حکومت غصب نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں سلطنت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی زمین پر اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اصلاح میں دونوں چیزیں آتی ہیں۔ یعنی عقیدے کی درستگی اور امن و امان کا قیام۔ اللہ کے ہر نبی نے اپنی دو چیزوں کو اپنی تبلیغ کا عرصہ بنوایا۔ مثال کے طور پر شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا یَقُوْمُوا عِبَادُ اللّٰهِ مَا لَکُمْ مِّنْ نَّارٍ غَیْبَةٍ

(ہود - ۸۴) اے میری قوم کے لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس نے
 علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ نیز عام اصلاح کے متعلق فرمایا اِنَّ اَرْبِيْدُ
 اِلَّا اِلَاصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (ہود - ۸۸) میں تو حسب استطاعت
 تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ زمین کو کھڑد شکر اور فتنہ و فساد سے پاک کرنا چاہتا
 ہوں۔ میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ یہ کسی کا مال و دولت یا حکومت و اقتدار
 نہیں چاہتا چاہتا بلکہ خدا کی زمین پر خدا کے حکم سے اصلاح چاہتا ہوں۔

جادو کے
 ذریعے سے

فرعون کے درباریوں نے جب اس کی بات سنی تو کہنے لگے کہ اس
 معاملہ میں جلد بازی سے کام نہیں لینا بلکہ اس معاملے کو حکمت کے ساتھ سٹے
 کرنا چاہیے قَالُوا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ كُنْصُكُ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے
 بھائی کو بہت سے دن یعنی ان کے خلاف کوئی فوری کارروائی نہ کریں کہیں
 ایسا نہ ہو کہ سارا معاملہ ہی بگڑ جائے۔ لہذا احسن طریقہ یہ ہے وَابْعَثْ فِي
فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ آپ مختلف شہروں میں (جادوگروں کو) انہی
 کرنے والے بھیج دیں طلب یہ کہ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں آدمی بھجیں
 کہہ مابہر جادوگروں کی خدمت حاضر ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ وہی کر سکیں گے
 تمہارے بھیجے ہوئے ایچی یا تو لاء دِكْلٍ سَحَابٍ عَلَيْهِ ثِمَارٌ سے
 پاس بڑے بڑے علم والے جادوگر لے آئیں گے۔ سحر بالذکر کا مینہ ہے یعنی
 بہت زیادہ عالم فاضل جادوگر آجائیں گے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کے
 مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے عمال مختلف شہروں میں دوڑا دیے جو امیر ترین
 جادوگروں کو اکٹھا کر کے لے آئیں۔ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِحِثْقَاتِ
يَوْمٍ مَّعْلُومٍ چنانچہ ایک معلوم دن کے وعدے پر جادوگر اکٹھے ہو گئے
 جادوگروں کے اجتماع کا ایک دن مقرر کر دیا گیا کہ فلاں دن تمام جادوگر
 فلاں جگہ پر اکٹھے ہو جائیں۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ فرعون یوں کے میلے
 والے دن جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا۔ اس دن بہت سے لوگ جہنم منانے گئے

لیے ویسے ہی اکٹھے ہوتے تھے لہذا اس دن سب سامنے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ سورۃ طہ میں ہے قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْتُمْ يُحْشَرُونَ (آیت - ۱۵۹) وہ وعدے کا دن ان کی زیب و زینت اور حشیش کا دن تھا اور لوگوں کو پاشت یعنی دوپہر کے وقت یہ مقابلہ دیکھنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ اور عام لوگوں سے بھی کہا گیا کہ فلاں دن اور فلاں وقت پر اکٹھے ہو کر جاؤ گے۔ یہاں پر مقابلہ دیکھو۔ ساتھ یہ اعلان بھی کیا کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (آیت - ۱۶۰) تاکہ تم گھبراؤ۔ ان بڑے بڑے جادو گروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب آجائیں۔ مطلب یہ تھا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمارے دین، عقیدہ، اور پورا نظام سلطنت تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اسے جادو گروں نے ان دونوں کو شکست دے دی تو پھر ہم اپنے موجودہ طریقے پر قائم رہتے ہوئے انہی کی پیروی کرتے رہیں گے اور ہمیں اپنا دین تبدیل نہیں کرنا پڑے گا۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقررہ دن پر ہزاروں کی تعداد میں جادو گمراہ اکٹھے کیے گئے۔ فَلَمَّا جَاءَ الشَّعْبَ قَالَ انْفِرْ عَوْنُكُمْ (آیت - ۱۶۱) جب وہ سارے فرعون کے دربار میں اکٹھے ہو گئے تو اس سے کہنے لگے اے آپ! لَنَا زَجْرٌ أَنْتُمْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ (آیت - ۱۶۲) کیا ہمارے لیے کچھ منہ دہری بھی ہوگی۔ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے جادو گر تو اسی لیے آئے تھے کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمیں انعام و کرم دے دیں گے۔ ہماری عزت افزائی ہوگی اور اس طرح ہمیں ملک بھر میں شہرت دے دی ہوگی۔ جادو گروں اور انبیاء علیہم السلام میں یہ تو بنیادی فرق ہے۔ جادو گر دنیا کے مال و دولت اور عزت و شہرت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ جب کہ اللہ کے پیروں کا یہ اعلان ہوتا ہے وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ ثَوَابٍ

اِنْ اَجْرِيْكَ لَا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعرا: ۵۱) اے لوگو! میں دعوتِ حق کا تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا کیونکہ میرا اجر تو رب العالمین کے پاس ہے۔ میں اسی کے حکم کی بجا آوری کر رہا ہوں اور وہ مجھے اس سے صلہ بھی عطا کرے گا۔ ہر نبی نے ہی کہا کہ میری نسبت بے لوث ہے اَبْلَفُكُمْ رِسَلَتِ رَبِّكَ وَانْصَحْ لِحُكْمِ (الاعراف: ۶۲) اپنے پروردگار کو بخیر تمنا کرنا اور تمہیں نصیحت کرنا۔ یوں، مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے، لہذا میری بات کی طرف توجہ کرو۔

جادو کا فلسفہ

جادو گر کی ہزاروں قسم کا فن ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی ٹھانوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اعلیٰ درجے کا جادو کفر اور شرک پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے کہ جو دو آدمی جادو سیکھتے تھے وہ لوگوں پر دامن کر دیتے تھے اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ (البقرہ: ۱۰۲) کہ تم تو آزمائش میں مبتلا ہیں مگر جادو کر کے تم کفر نہ کرو۔ جادو میں ایسا کام کرنا جو ٹھیک ہے اور ایسی حرکات و سکنات اور اعمال کرنا پڑتے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ درجے کا جادو کفر اور شرک کا مترادف ہو گا۔ بہت جادو کا کہ از کہ درجہ بھی بدست کے ارتکاب سے کہ نہیں ہے اور اس میں بھی فسق و فجور اور گناہ پایا جاتا ہے۔ جادو کا شعبہ غیر نافع یا مرنہ علم میں شمار کیا گیا ہے یہ دنیا میں تو کسی حاکم مفید ہو سکتا ہے مگر آخرت کے اعتبار سے محنت مند ہے اور انسان کو جہنم رسید کر کے چھوڑتا ہے۔

سجود کے ذریعے غیب کی باتیں معلوم کرنے کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ بھی سحر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس میں بھی جادو گروں کی ترس و زلیل حرکتیں کرنا پڑتی ہیں۔ کہیں مردوں کا گوشت، ہڈیاں یا بال حاصل کرنا پڑتے ہیں، کہیں زندہ انسانوں کو قتل کر کے اُن کا خون حاصل کیا جاتا ہے کہیں قبر یا مہمان کی مٹی یا رگھو حاصل کی جاتی ہے۔ یہ سب شیطانی حکمت ہوتی ہیں

جو محض دنیا کی کمائی کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حَدَّثَنَا السَّاحِرُ
صُرِبَ بِالسَّيْفِ ہاروگر جادو کے ذریعے لوگوں کی جانیں تفت کرتا ہے۔
 اس کی سزا سزائے موت ہے۔ تقوٰۃ کے ساتھ اس کا سر قلم کریدو اور اگر سحر کی وجہ
 سے کوئی جان تو ضائع نہیں ہوئی بلکہ ترقی نقصان پہنچے تو حاکم حد سے کی نوبت
 کے اعتبار سے قید و بند کی سزا بھی نہ سکتا ہے۔ بہر حال جادو گری، ٹوٹے ٹوٹے
 تعویذ گندے جن کے ذریعے مخلوق خدا کو نقصان پہنچا جائے، سریع حرام۔
 اور شدید گناہ کا کام ہے۔

انعام و اکرام
کا وعدہ

بات یہ ہو رہی تھی کہ جادو گروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم کو سیلاب ہو
 گئے تو ہمیں کچھ معاوضہ بھی ملے گا یا نہیں۔ اس کے جواب میں فرعون نے کہا۔
قَالَ نَعَمْ ہاں تمہیں نہ صرف معقول معاوضہ ملے گا بلکہ وَإِنَّا لَنَكْفِيكُمْ
إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ تم میرے مقربوں میں سے ہو جاؤ گے کہ یہی نشین
 ہو گئے مجلس شوریٰ کے ممبر بن جاؤ گے یا تمہیں فلاں خطاب مل جائے گا۔
 وغیرہ وغنیب۔

یاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس دور میں نجومیوں، ساحروں اور
 کابینوں کو بھی وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کے دور میں نبی سے سید نبیوں
 ڈاکٹروں، انجینیئروں اور سائنس دانوں کو حاصل ہے۔ آج کے زمانے میں ہر
 کام کی سیکھیں ماہرین ہی ملکی سطح پر بناتے اور ان پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اسی طرح
 فرعونی دور میں یہ کام نبی سے بڑے ساحروں سے کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے جادو
 کے زور پر جس چیز کی نشاندہی کر دیتے تھے، حکومتی سطح پر اسی کے مطابق عمل کیا
 جاتا تھا۔ آج حکومت کے موجودہ مشیر بڑی بڑی مراعات حاصل کر رہے ہیں۔
 تو اس زمانے میں جادو گروں کی چاندنی تھی۔

جادو گروں
ساکر تپ

جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مخالفے میں فرعون، تمام جادو گروں اور عام
 لوگ جمع ہو گئے تو مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے
 صلح قرنیہ ص ۲۴ (فیاض)

تو جادو گروں کے سامنے نصیحت کی اور فرمایا **وَيُكَلِّمُكَ لَا تَفْتَنَ وَعَلَى**
اللّٰهِ كَذِبًا (طہ ۶۰) تم کو نصیحت ہو، خدا تعالیٰ پر افسردہ نہ بنو، جادو
 جیسا غلط کام کہہ کے اپنی عاقبت خراب نہ کرو اور اس سے باز آ جاؤ۔ اس
 نصیحت آموز بات سے جادو گروں کے دل ہل گئے مگر فرعون کے خون سے
 انہوں نے مقابلہ کا چیلنج دے دیا۔ چنانچہ **قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَ مَا**
أَنْتُمْ مُلْتَمُونَ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا چیلنج قبول کرتے ہوئے
 فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو یعنی جادو کا جو کہ تیرے قدم دکھانا چاہتے ہو۔
 اُس میں پہل کر دو اور اس عام مجمع کے سامنے اپنی کارکردگی ظاہر کر دے **فَأَنقَضُوا**
حِبَالَهُمْ وَ **عَصَاهُمْ** پس ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں
 جادو گروں نے اپنا بہترین کرتب پیش کیا۔ سورۃ الاعراف میں ہے۔ **وَ**
جَاءُوا بِمِصْرٍ عَظِيمٍ (آیت ۱۱۶) کہ جادو گروں نے بہت بڑا جادو دیکھنے
 تغیری روایات میں آتا ہے کہ ملک بھر سے پندرہ سو جادو گروں اکٹھے کیے گئے
 اپنا کرتب پیش کر کے جادو گروں نے نعرہ **وَقَالُوا بَعْدَ فَرْعَوْنَ**
 کہتے گئے۔ "فرعون کی جگہ گویا انہوں نے زبانی طور پر موعوب کہہ نے کے لیے
 فرعون کی فتح مندی کا نعرہ بھی بلند کیا۔ اسی قسم کا نعرہ میدان احد میں ابو سفیان نے
 بھی لگایا تھا۔ جب مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑا تو ابو سفیان نے
 پہاڑ پر کھڑے ہو کر کہا **أَعْلَى هَبْلُ** یعنی ہبل بت کی جگہ اس کے جواب میں حضور ﷺ
 نے یہ نعرہ دینے کا حکم دیا **اللّٰهُ أَعْلَى وَأَجَلُ** یعنی اللہ تعالیٰ ہی بلند و بزرگ ہے۔

اس مقام پر یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ جادو گروں کی طرف سے رسیاں
 اور لاٹھیاں پھینکنے کے بعد کیا ہوا۔ البتہ سورۃ طہ میں موجود ہے کہ جب
 جادو گروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں **فُجِّسَلْنَ** اکیس مرتبہ
سُحِرَ بِهِمْ اُنہما لَسَعَى (آیت ۶۶) تو موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں
 ایسا آگیا کہ وہ میدان میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں۔ وہ رسیاں اور لاٹھیاں پھینک
 پھینکے سانپ بن کر دوڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس شعبہ بازی پر جادو گروں

نے فرعون کی قسم اٹھا کر کہا اِنَّا سَخَعْنَا الْغَابِیْنَ بِآیَاتِہِمْ جَمِیْعًا لِّیَاجِبَہِمْ
ہے۔ انہوں نے اپنے فن کی بختگی کی بنا پر اپنی کامیابی پر پیشی و غوغا کر دیا۔

موسیٰ کی طرف
سے جواب

جادوگروں کا کرتب دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی قدرے خوف
پیدا ہوا کہ ممکن ہے یہ لوگ جادو اور معجزے میں فرق نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ
نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی اور فرمایا اِنَّا نَخَفُ لَکَ کُنْتَ
اِنَّ عَلٰی رُطْبَہ - ۱ کہ ڈرو نہیں، بیشک تم ہی غالب ہو گئے۔
خدا تعالیٰ تمہیں بلند مقام دے گا۔ اب پورے میدان کی نظریہ موسیٰ علیہ السلام
کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ وہ جادوگروں کے کرتب کا جواب کس طرح دیتے
ہیں۔ فَالْقٰی مُوسٰی عَصَاہُ اِیْسٰی مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ نے بھی اپنی لاشی
پیش کر دی جو نہی وہ زمین پر پڑی تو وہ بیت بڑا اثر دیا نظر آنے لگا۔ فَاِذَا
ہِیَ تَلَقَّیْ مَا یَا فِکُوْنُ کَیْسَ اِیْمَاہِ وہ ٹھہر گیا جو کچھ یہ دو گروں
نے بنایا تھا۔ اُن کے بنائے ہوئے پوتے چھوٹے سانپ موسیٰ علیہ السلام
کا بڑا اثر دکھا کھان گیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ خوفزدہ ہو کر رہ گئے تھے حتیٰ کہ فرعون
کے پیشاب بھی خط ہو گیا۔ اور اس طرح جادوگروں کا بنایا ہوا سا رکھیل کچھ ٹکڑا ہوا
وہ مخلوب ہو گئے۔

جادوگروں کا
ایمان لانا

جب جادوگروں نے یہ ماجرا دیکھ کر فَالْقٰی اِسْمٰہُ سَجْدَہِ
تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے اقرار کیا قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ کُنْتَ لَکَ ہِم رَّبُّ الْعٰلَمِیْنَ یہ ایمان لانے۔ وہ چور و گمار
ہے رَبِّ مُوسٰی وَہَارُوْنَ جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا
بھی پروردگار ہے۔ جادوگر سمجھ چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام
اللہ کے پیغمبر ہی ہیں اور ان کو بزرگوار اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ یہ
کسی انسانی بس کا کہہ کر نہیں۔ لہذا اس کو مقابلاً ناممکن ہے۔ ہر حال جادوگروں
میں بہت ہی نہ رہی کہ اس معجزے کے مقابلہ میں کوئی دوسرا جادوہ لاسکتے۔

جب بادو گرا ایمان لے آئے تو فرعون سخت ٹپٹپٹا یا اور اب وہ جاوڑا نہیں
کو خطاب کر کے کہتے تھے۔ فَاِنْ اَمَدْتُمْ كَذِبًا اَنْ اَذِلَّ لَكُمْ
کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں تم میری نعمت
ہو اور تمہاری زندگی میرے رحم و کرم پر ہے۔ تم کیسے ایمان لے آئے ہو۔ کہتے
تھے۔ اَبِیْنِیْ سَمِجْدًا یَّهْیَیْ۔ دراصل تم سب ایک ہی جوا تھا کہ لَا یُزِکُّکُمْ
الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ دراصل موسیٰ علیہ السلام تمہارا بڑا بھائی تھا۔ استاد
بادو گرا رہتے ہیں نے تمہیں سارا بادو سکھایا ہے۔ یہ جو کچھ جوابت تمہاری ملی
سے جواب ہے فَلَسَوْفَ نَعْلَمُ۔ پس تمہیں یقین ہے کہ یَا اَقِطْ
کہ میں تم سب کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ یاد رکھو اَلَا قَطِیْعًا
اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ میں تمہارے ہاتھ پاؤں اپنے
سیدھے کھٹ دوں گا جیسا کہ ڈاکوؤں کو نہرا دی جاتی ہے وَلَا صَلْبَکُمْ
جَمِیْعًا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ ایسی سخت سزا دوں گا۔

ایمان پر
استقامت

اسے جواب میں بادو گراؤں نے کہا فَاَلَا نَضِیْدُکُوْنِیْ۔ اب ہم
خوف کی مدد سے نکل چکے ہیں۔ ہمارے میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جو لوگ کفر
میں شدید تھے جب ان میں تغیر آیا تو وہ ایمان میں بھی درجہ کمال تک پہنچے اور اللہ
کے قریب میں شامل ہو گئے۔ فرعون تو انہیں اپنا مقرب بنا چاہتا تھا۔ تَحَرَّ
اُس کی بجائے اللہ نے انہیں اپنا مقرب بنایا۔ کہنے کے اِنَّا لَط
رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں۔ ابھی تمہارے ہمتوں شہادت کا جام پی لیں یا کچھ دیر کے بعد عجبیہ تو
سے ہم کنا رہوں۔ ہم ایمان کی دولت لے کر اس دنیا سے جانیں گے انہوں
نے یہ بھی کہا۔ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّعْزِلَنَا رَبِّنَا خَطِیْبًا ہمیں
ہے کہ ہمارے پروردگار ہماری سابقہ غلطیوں کو معاف فرمے گا۔ اَنْ کُنْتَ
وَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول کر لی ہے اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر ایمان پر ثابت قدم ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی یقین ہو گیا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم پر ہایت و انس جوچی ہے اور ہم اس پر تجھے تو جین نہیں دے سکتے فَاَقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (آیت ۷۲) تو جو چاہتے ہیں کہ تیرا فیصلہ تو موسیٰ و نبی تک محدود ہو گا، تو زیادہ سے زیادہ ہماری یہ نعمتی دنیا کی ہی ختمہ کر سکتے ہیں۔ اب ہم ایمان کو سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ قرآن نے بیان نہیں کیا کہ فرعون نے جادوگروں کے ساتھ فی الحقیقت کیا سلوک کیا، مفسرین کہتے ہیں کہ فرعون صرف آدمی تھا، اس نے اپنے فیصلے پر سرور غلہ آگے کیا ہو گا اور جادوگروں کو یقیناً نذر دی ہو گی۔ اس کے بعد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام چالیس سال تک یہاں مقیم رہے اور وقت فوقتاً خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ساتھ ساتھ فرعونوں کے مظالم بھی یادداشت کرتے رہے جیسا کہ سورہ اعراف میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو رہا ہے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنَّ اسْرِ بِعِبادِي إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾
فَارْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ
لَشُرُومَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿۵۵﴾
وَأَنَا لَجَمِيعٌ حَاضِرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّتِ وَ
عُيُونِ ﴿۵۷﴾ وَكُنُوزِ وَمَقَامِ كَرِيمٍ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا
بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ :- اور ہم نے وحی میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ
رات کے وقت میرے بندوں کو بے کراہی سے باہر دیکھ
تمہارا بیٹھا کیا جائے گا ﴿۵۲﴾ پھر بھیجا فرعون نے مختلف شہروں
میں اکٹھا کرنے والوں کو ﴿۵۳﴾ ہاں فرعون نے، بیشک یہ اہل
ایک جماعت ہے بہت عسکری ﴿۵۴﴾ اور بیشک یہ ہیں
بہت غنم دارانہ ہیں ﴿۵۵﴾ اور بے شک ہم ان سے
نقطہ نکالتے ہیں یا ہم سب مسلح ہیں ﴿۵۶﴾ پس تمہارا ہم نے
اُن فرعونوں کو باغوں اور چشموں سے ﴿۵۷﴾ اور خانوں اور
عمہ مکانوں سے ﴿۵۸﴾ اسی طرح، اور وارث بنایا ہم نے
ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو ﴿۵۹﴾

ربط آیت جب موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق کا آغاز کیا تو فرعون نے آپ پر جادوگری کا الزام لگایا اور آپ سے مقابلہ کے لیے ملک بھر کے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ فرعون نے

کے قومی نیلے کے دن سب لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہو سکے۔ جہاں جاوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کرنا تھا۔ جاوگروں نے پہل کی اور کچھ رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں جو دوڑتے ہوئے سانپ نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاکھٹی پھینکی تو وہ بہت بُرا اثر دھا بن گئی اور جاوگروں کے تمام سانپوں کو نکل گئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر جاوگروں ایمان لے آئے مگر فرعون اور اس کے حواری اپنی ضد پر اڑے رہے۔ فرعون نے جاوگروں کے ایمان لانے کا بھی بہت بُرا منایا اور ان کو سخت سزا دینے کی دھمکی بھی دی، مگر ان کو اللہ نے ایمان پر سخت بخشی اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ انہیں اب کچھ خوف نہیں ہے اور وہ اپنے پروردگار کی طرف ہی پلٹ کر جانے لگے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام مصر میں مقیم رہ کر اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور فرعون کو درس تو جید دیتے رہے آپ اس سے اسرائیلیوں کی آزادی کا مطالبہ بھی کرتے رہے تاکہ وہ اپنے اصل وطن شام و فلسطین جا سکیں مگر فرعون نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے اسرائیلیوں کو مزید تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ بنی اسرائیل نے فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی **قَالُوا اَوْزِنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (الاعراف ۱۲۹)** کہ آپ کی مین سے واپسی سے پہلے بھی ہم تکلیف میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہمارے مصائب میں کمی نہیں آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم صبر کرو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے **وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف ۱۲۸)** اور آخری کامیابی متقین ہی کے حصے میں آتی ہے۔ سورۃ یونس میں اس ضمنوں کو مزید دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون بنی اسرائیلیوں کو کھلے بندوں نماز بھی نہیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مصری میں اپنے گھروں میں رہو **وَجْعَلُوا**

يُؤْتِكُمْ قَبْلَهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۝ آیت ۱۷۰ اپنے گھروں میں
 قبلہ رخ نماز ادا کرتے رہو۔ اس دوران فرعون بنی اسرائیلیوں کو قتل کرتے رہے
 ان سے سخت شدت کے کام لیتے رہے اور وہ بچے ظلم کی چٹی میں پلٹے
 رہے۔ بعض اوقات جب فرعون بنی اسرائیلیوں پر غلط سالی یا کوئی دوسری مصیبت آتی تو وہ
 موسیٰ علیہ السلام سے ڈر کر رستہ بھی کھینچتے اور ساتھ وعدہ بھی کرتے کہ
 اگر تیرے حکیمیت و ورہ گئی تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو
 آزاد بھی کر دیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے وہ حکیمیت دُور کر دیتا تو وہ
 اپنے علم کو توڑ دیتے۔ یہ سارے واقعات سورۃ یونس میں مذکور ہیں۔

بنی اسرائیل
 کا خروج

اس مقام پر ان درمیانی واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ جاہلو گھروں کے
 مقابلہ کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے سرے سے خروج اور فرعون بنیوں کی طاقت
 کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری وَإِذْ جَاءَكَ الْمَوْسَىٰ
 اور جب نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اِنَّ اَمْرًا بِعِبَادِي كَرِ
 میرے بندوں کو کہے کہ اِنوں رات نکل جاؤ۔ امری رات کے سفر کو کہتے
 ہیں جیسا کہ واقعہ حجاز بھی بیان کیا گیا ہے لَسُبْحَانَ الَّذِي سُلِيَ
بِعَبْدِهِ یعنی اسرائیل۔ ایک بات وہ خدا تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات کے وقت
 لے گیا۔ تو یہاں پہ موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت حاضر کرنے کا حکم دیا گیا۔

بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بنی اسرائیل ہر سال شہر
 سے باہر کھلے میدان میں چند دن کے لیے کوئی تقریب منایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ
 بھی جب وہ دن قریب آئے تو انہوں نے جشن منانے کی تیاری شروع کی۔ وہاں
 پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے تقریب کے موقع پر پینے کے لیے بعض قبیلوں
 سے تھپہ زلیو رات بھی ستھار لیے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام
 لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ دورانِ سفر استعمال کے لیے خوراک کا مختصر ذخیرہ بھی مہراہ
 لے لیں۔ اُدھر کسی وبائی مرض کی وجہ سے قبیلوں کے گھروں میں کچھ نوجوان اموات

بھی واقع ہو گئیں جس کی وجہ سے وہ لوگ زیادہ تر اُدھر سرخرو ہو گئے۔ اُدھر
 بنی اسرائیل کو راتوں رات بچکنے کا حکم مل گیا۔ فرعونی لوگوں نے اس بات کا زیادہ
 نوٹس نہ لیا وہ جانتے تھے کہ بنی اسرائیل ہر سال چند دن کے لیے جشن منانے کے
 لیے جابا ہی کرتے ہیں۔ بہر حال بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ رات کے وقت محل چلو
 اور ساتھ اس بات سے بھی آہا کہ یَا کَیْہَا اِسْکَہُ شَبَوْنَ کہ تمہارا بیچا
 کیا جائے گا، مگر گھبرا نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی عطا کرے گا۔

فرعون کی
 منصوبہ بندی

بنی اسرائیل کے خروج کے تین دن بعد فرعونیوں کو خیال آیا کہ اس مرتبہ
 سارے کے سارے بنی اسرائیلی میلے میں چلے گئے ہیں اور ان کا ایک فرد
 بھی پیچھے نہیں رہا، آخر کیا بات کی ہے؟ انہیں بنی اسرائیل کے فرار کا شبہ
 پیدا ہونے لگا چنانچہ فرعون نے فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کا تعاقب کر کے معلوم
 کیا جائے کہ وہ کہاں گئے ہیں فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَائِنِ
حَشِیْرِیْنَ پس بھیجا فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو۔
 منصوبہ یہ تھا کہ تمام فوجی جوان اور سرکردہ قبیلے اکٹھے ہو کر بنی اسرائیل کا تعاقب
 کریں۔ آجکل کی اصطلاح کے مطابق پورے ملک میں جنگی حالت نافذ کر دی
 گئی۔ تمام سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں اپنی اپنی ڈیوٹیوں
 پر حاضر ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعے فوجیوں
 سرکردہ عہدیداروں اور دیگر اہم لوگوں کو اکٹھا کیا گیا۔ اس وقت منہ میں ایک ہزار بڑے
 بڑے شہر اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بتیاں تھیں۔ سب میں آدمی بھیج کر شکر جمع کیا
 گیا۔ ان کو بنی اسرائیل کے تعاقب کے فیصلے سے آہا کہ یَا کَیْہَا اِسْکَہُ شَبَوْنَ
 بھی بندھائی گئی کہ اس نہم سے گھبرا نہیں اِسْکَہُ شَبَوْنَ کَشِیْرِیْنَ
قَلِیْلُوْنَ یہ بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے جسے ہم نے پکڑا ہے
 اور ہماری کثرت تعداد کے پیش نظر یہ ایک معمولی سا کام ہے۔ نیز اپنے لوگوں
 کو ابھارنے کے لیے یہ بھی کہا وَ اِنَّہُمْ لَفَاِیْطُوْنَ اور بیشک

یہ بنی اسرائیلی ہمیں غصہ دلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا رتوں رات نکل
 بہا فرعون کے لیے غصے کا باعث تھی، لہذا اُس نے اپنے حواریوں اور والیوں
 کو تعاقب پر آمادہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہا وَمَا لَكُمْ حِذْرُوقَیْ اور مثیل
 ہم سب ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے پیسے بھی کئی دفعہ
 بحث بائیسہ سو چکات تھی اور آپ نے ہر دفعہ فرعونیوں کو جواب کیا حتیٰ کہ فرعون کے
 بندے بڑے جادوگر بھی آپ پر ایمان لا چکے تھے، لہذا فرعون پوری اسرائیلی قوم
 کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ یہ کسی بھی وقت اُس کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔
 مفسرین کہہ رہے ہیں حِذْرُوقَیْ کا معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ ہم مسلح ہیں۔ جیسا کہ جہاد
 کے معنی میں آتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت بھی خُذُوا حِذْرَکُمْ (النساء: ۱۰۰)
 اپنے ضروری ہتھیار اپنے پاس رکھو کہ کہیں دشمن دورانِ نماز ہی حملہ نہ کر دے۔ اس
 لحاظ سے یہ معنی بھی درست ہے کیونکہ فرعون کی پوری فوج ہتھیار بند تھی جب
 کہ اسرائیلی قوم غیر مسلح اور بے ہود سامان تھی۔

فرعون کی
 طرف سے
 تعاقب

فرعونی لشکر کو جمع ہوتے ہوئے کئی دن گزر گئے اور اس اثنا میں بنی اسرائیل
 بحرِ قلزمہ کے کنارے پہنچ گئے۔ فرعونیوں کا ہر دھیرہ لاکھ لاکھ اسرائیلیوں کے
 تعاقب میں چل پڑا۔ اسی دفعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاَخْرَجْنَاهُم مِّنْ مِّصْرَیْ
وَعِیْوَسَیْ ہم نے نکالا ان کو باغات اور چشموں سے
 مصر بڑا سرسبز ملک تھی اس میں ذیمہ اور نہریں بنی ہوئی تھیں۔ دریائے نیل سے
 سال بہتا تھا۔ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے فصل اور باغات پیدا ہوتے تھے
 اس لیے اس کو باغات اور چشموں کی سرزمین کہا گیا ہے کہ ہم نے قبیلوں کو
 ایسی جگہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنے ڈیم نریں اور چشمے، فصل سے
 بھر پور کھیت اور پھل سے لدے باغات کو چھوڑ کر اسرائیلیوں کے تعاقب
 میں چل پھڑے ہوئے وَکُنُوْا مَقَامَیْ کہ ہم نے انہیں خزانوں
 اور عمدہ مکانات سے نکالا۔ ظاہر ہے کہ خوشحال ملک کے باشندوں کے پاس

مال و دولت اور خزانے بھی وافر ہوں گے اور ان کی رہائش گاہیں بھی اعلیٰ درجے کی ہوں گی، جن میں برسم کی آرام و آسائش ہوگی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں ایسی جگہوں سے نکال کر بحرِ قلزم کی لہروں کے سپرد کر دیا اور پھر وہ لوٹ کر اپنے باغات اور گھروں میں واپس نہ آ سکے۔ فرمایا: **كَذٰلِكَ هَمَّ نُنَازِلُ** اُن کو اسی طرح نکالا جس کا نقشہ سورۃ ہود میں کیسٹیا کیا ہے **يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْدَدَهُمُ النَّارُ** (آیت - ۹۸) کہ آگے آگے فرعون تھا اور اُس کے پیچھے پیچھے سارا لشکر اور موالی درباری تھے فرمایا قیامت والے دن بھی ایسا ہی ہوگا کہ فرعون آگے آگے چل رہا ہوگا۔ اس کا سارا لشکر اُس کے پیچھے پیچھے ہوگا۔ جنہیں لے کر وہ دوزخ میں پہنچ جائے گا۔

بنی اسرائیل کی کثیت
ورثت کے لئے

فرمایا ہم نے فرعون کیوں کو ان کے باغات، چشموں، خزانوں اور عمدہ ٹھکانوں سے نکالا **وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ** اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ مفسرین کے نزدیک یہ حصہ آیت اس لحاظ سے اشمال پیدا کرنے والا ہے کہ فرعون کی بحرِ قلزم میں غرقابی کے بعد بنی اسرائیل تو ان کی ملک کے وارث نہیں بنے مگر یہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل بحرِ قلزم کو عبور کرتے راستوں کے ذریعے عبور کرتے تو پھر وہ واپس مصر نہیں آئے بلکہ آگے بڑھ گئے سینا پہنچ گئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **أَرْبَعِينَ مَسْنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ** (المائدہ - ۲۶) چالیس سال تک وہیں بھٹکتے رہے ان کے لیے حکم یہ تھا کہ ارضِ مقدس میں واپسی کے لیے وہاں کے قابضین سے جہاد کریں مگر انہوں نے پس و پیش کیا اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ اسی دوران موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فوت ہو گئے۔ پھر نئی نسل آئی اور انہوں نے حضرت یوشع کی سرکردگی میں جہاد کیا اور ارضِ مقدس شام و فلسطین پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

اس ضمن میں مفسر قرآن حضرت قنادی کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے بنی اسرائیل صحرائے سینا کی قید کے بعد دوبارہ مصر گئے ہوں اور انہوں نے فرعونوں کی املاک پر قبضہ بھی کیا ہو جس کا ذکر اس آیت میں اللہ نے کیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعون غرق ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا مایہ تیرا لاکھ کا لشکر بھی لقمہ اجل بن گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے پچھرا اسرائیلیوں کو واپس مصر بھیج دیا تھا تاکہ جا کر وہاں کا نظم سنبھال لیں کیونکہ فرعونوں کی اکثریت اور ان کے سرکردہ لوگ تو ختم ہو چکے تھے اور مصر میں نظم و نسق کا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی روایت پایا۔ ثبوت کو نہیں پہنچتی، کیونکہ بنی اسرائیل اُس وقت واپس مصر نہیں گئے۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں مصر پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوا جو کہ بہت عرصہ بعد کی بات ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہی فرعون کی طاقت کے بعد مصر پر قبضہ کرنے کو ہی اقتدار حاصل رہا۔ حتیٰ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر دوبارہ آپ کے زیر نگیں آیا۔

اندریں حالات مفسرین کرام اس آیت کا حل یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باغات، چشموں اور محلات و خزانوں کا وارث مصر میں نہیں بلکہ شام و فلسطین میں بنایا تھا۔ یہ سرزمین بھی بڑی زرخیز ہے جہاں دریا، نہریں اور چشمے جاری ہیں۔ اناج، پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ لوگ خوشحال ہیں، خزانوں اور عمدہ رہائش گاہوں کے مالک ہیں۔ تو اس وارثت سے مراد ارض مقدس کی وارثت ہے نہ کہ مصر کی۔ چنانچہ سورۃ الاحقاف میں آتا ہے وَأَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ مَا أَخْرَجْتُمْ (آیت ۲۸) وہاں پر باغات، چشموں، کھیتی باڑی اور محلات کا ذکر ہے کہ ہم نے دوسروں کو اس کا وارث بنایا۔ دوسروں میں اسرائیلیوں کا ذکر نہیں ہے، البتہ یہ نعمتیں انہیں ملک شام میں جا کر حاصل ہوئیں۔ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے۔

بڑے بڑے بادشاہ اور جبریل پیدا ہوئے۔ پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دور آیا۔ مختلف اقوام سے مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد نوح نے پھر ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اوانہوں نے سو سال تک غلامی کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد اللہ نے پھر انہیں اس غلامی سے رهایی دلائی اور ان نعمتوں کا وارث بنایا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس حنفیہ آیت کا یہی معنی راجح ہے۔

فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ⑥۰ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ
 أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ⑥۱ قَالَ كَلَّا إِنْ مَعِيَ
 رَبِّي سَيَهْدِينِ ⑥۲ فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ اضْرِبْ
 بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
 الْعَظِيمِ ⑥۳ وَازْلَفْنَا ثَمَرِ الْأَخْرَيْنِ ⑥۴ وَأَنْجَيْنَا
 مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ⑥۵ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ⑥۶
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ⑥۷
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑥۸

ترجمہ :- پھر پیچھے آئے وہ اُن کے سورج نکلنے کے وقت ⑥۰
 جب آئے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں تو کہا موسیٰ علیہ السلام
 کے ساتھیوں نے بیشک ہم تو پکڑے گئے ⑥۱ کہ
 موسیٰ نے جگڑ نہیں، بیشک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے
 وہ ضرور مجھ کو رو بتدیکھا ⑥۲ پھر وحی نازل کی ہم نے
 موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ رو اپنی لاشی سمندر پر پس پھٹ
 گیا وہ پس ہو گیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی
 طرح ⑥۳ اور ہم نے دہلیز پر دوسروں کو ⑥۴
 اور سمجھات دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھ

دلوں سب کو (۶۵) پھر ہم نے پانی میں ڈبو دیا دوسروں کو (۶۶)
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر
 ایمان لانے والے نہیں ہیں (۶۷) اور بیشک تیرا پروردگار البتہ
 زبردست اور رحم کرنے والا ہے (۶۸)

روحیات

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف
 وحی بھیجی کہ بنی قوم کو لے کر اتوں رات مصر سے نکل جائیں اور ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ فرعون کا
 لشکر آپ کا تعاقب کرے گا۔ حربِ محکمہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکل کھڑے
 ہوئے۔ جیسا کہ پتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل ہر ماں خاص دنوں میں اپنا
 قومی میدان کرتے تھے۔ حسبِ معمول اس سال بھی انہوں نے شہرے بابہ جا کر جشن منانے
 کا پروگرام بنایا اور اس سلسلے میں بعض نے قبیلوں سے زیورات بھی مانگے جو انہوں نے
 بخوشی دے دیے۔ پروگرام کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بمع قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل
 گئے اور پھلتے پھٹتے بحرِ قلزم کے کنارے پہنچ گئے۔ اب انہیں اپنے وطن ارضِ مقدس
 شام و فلسطین پہنچنا تھا مگر راستے میں بحرِ قلزم پڑتا تھا۔ اس دوران میں فرعونوں کو شک گزرا
 کہ بنی اسرائیل نہیں بھاگ ہی نہ جائیں۔ چنانچہ فرعون نے بڑے بڑے شہروں میں گھڑ سوار
 دوڑائے تاکہ وہ تمام چھ ذہنیوں سے فوج کو اکٹھا کریں اور ساتھ ساتھ ملک کے سرکردہ
 آدمیوں کو بھی بلا لیں تاکہ بنی اسرائیل کا تعاقب کر کے انہیں پکڑا جاسکے۔ اس حکم کی تعمیل
 میں دو تین دن گزر گئے۔ اتنے میں بنی اسرائیل بحرِ قلزم کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ فرعون
 نے تمام جمع شدہ فوج اور دیگر سربراہان و لوگوں کو بتلایا کہ بنی اسرائیل کی ایک قلیل سی جماعت
 ہمیں تنگ کرتی ہے اور اب وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ ہمیں بہت غصہ دلا ہے۔
 لہذا ان کا تعاقب کر کے انہیں اپنی غلامی میں سبے پر مجبور کرنا چاہیے۔ سب فرعونوں نے
 اس تجویز کی حمایت کی اور وہ بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلے۔ اب آج کے درس میں واقعہ
 کا اگلا حصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

بنی اسرائیل
کی خوفزدگی

اشارہ ہوتا ہے فَاتَّبَعُواهُمْ مُشْرِقِينَ فَرُغُوا مِنْ سَمْنِ كَيْسِ كَافِرِ
وقت ہی بنی اسرائیل کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ بڑی شان و شوکت سے بنی اسرائیل کو
کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے نکلے اُن کی کل تعداد تفسیری روایات کے مطابق بارہ تیرا
لاکھ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اُن میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں
پر سوار تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق سیاہ رنگ کے گھوڑوں کی تعداد لاکھ
تھی۔ تاہم یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ قرآن پاک یا کسی صحیح روایت میں ان کی
تعداد نہیں بتائی گئی۔ بہر حال یہ شکر تعاقب کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گیا
فَلَمَّا تَرَاكَ الْجَمْعُ جِبِ دُونَ جَمْعَتَيْنِ لَمْ يَكُنْ دُونَكَ قَالَ
اَصْحَابُ مُوسَى اِنَّا لَمُهْذَرُّكُمْ قَوْمَ مِصْرَ اِنَّهُمْ لَبُغْ اَعْيُنَ كَافِرِ
کہ اب تو ہم پھڑے گئے۔ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل سمندر کے کنارے گھر
تھے۔ سمندر میں کود جانے کے لیے ان کے پاس کوئی کشتیاں بھی نہیں تھیں
اور پیچھے سے فرعون کا لشکر بھی پہنچ گیا تو اُن کی تشویش ایک فطری اس تھا۔ انہوں
نے گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام حکمِ الہی کی
تعمیل میں مصر سے نکلے تھے۔ لہذا انہیں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر مکمل بھروسہ تھا
چنانچہ انہوں نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے قَالَ كَلَّا فَرَا بَا فَرْعَوْنَ تَمْلِكُ بَرَكُزِ
نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اِس مَعِي رَجَبٌ مِیْرَابِ مِیْرَبِ سَامْعِ
ہے۔ ہم اُسی کے حکم سے مصر سے نکلے ہیں۔ اسی کی مدد ہمارے شاملِ حال ہے
سَيَفْدِيكَ وَهْ ضَرُورٌ مَجْهُدٌ كُورَاهُ بَلَاؤُكَ كَا۔ یعنی ہمارے بچاؤ کی کوئی سبیل پیدا
کرے گا۔ بالکل اسی قسم کا واقعہ حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا ہے ہجرت
پر روانہ ہوتے وقت جب حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ
نے غارِ ثور میں قیام فرمایا تو قریش مکہ آپ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے۔
حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پاؤں بھی نظر آ رہے تھے۔ اگر وہ نیچے جھک کر دیکھ لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو پا لیتے مگر انہیں ایسا کرنے کی توفیق نہ ملی۔ غار کے منہ پر مکھڑی کا جالا تھا اور وہ

تو ان کی سُننا اور ماننا چنانچہ سمندر راست بحیرہ قلاطم میں رہا۔ اس کی وجہ سے اُدھر اُدھر
سُرگراتی رہیں کہ نامعلوم موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آکر مجھے لالٹھی مار دیں
اور مجھے خبر ہی نہ ہو جس کی وجہ سے ان کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے۔ جب آپ
سمندر کے بائیں کنارے پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام نے
پوچھا، اللہ کے نبی! آپ کو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے سمندر پر لالٹھی
مارنے کا حکم ہے۔ انہوں نے کہا پھر دیکھ کیا ہے؛ پھر موسیٰ علیہ السلام نے پانی
پر لالٹھی مار کر کہا کہ مجھے چلنے کا راستہ ملے۔ پس اُسی وقت پانی پھٹ گیا
اور درمیان میں بارہ راستے صاف نظر آنے لگے۔ ہوا کو حکم ہوا کہ ان راستوں کو خشک
کر کے چلنے کے قابل بنا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر بارہ راستوں کے درمیان
طاق بھی بن گئے۔ جن کے ذریعے بارہ قابل ایک دوسرے کو دوران سفر
دیکھ سکتے تھے۔

بائیں کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ ہلاؤ۔ جب آپ نے
ایسا کیا تو ہوائے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ لالٹھی مارنے
والا واقعہ درست ہے۔ بعض سرسید جیسے گمراہ لوگوں کی نام نہاد تحقیق یہ ہے
کہ سمندر میں دو جزیرے جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ مد و جزیر میں مندر کا پانی گہنی گہنی
میل تک خشکی پر پڑ رہا تھا اور پھر واپس بھی چلا جاتا تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ
مندر کا پانی بند کی حالت میں پیچھے ہٹ گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی
اس کو پار کر گئے۔ پھر تہرب آیا تو فرعونی لشکر غرق ہو گیا۔ یہ سب محض باتیں ہیں
سیمح بات یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہی ماری نو پانی دو حصوں
میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے پہاڑوں جیسے برف کے تودوں کی شکل میں کھڑا ہو
گیا اور درمیان میں بارہ راستے بن گئے۔ جن پر سے بنی اسرائیل گزر گئے۔

فرعونوں کی
غیر قابل

ارشاد ہوتا ہے وَأَزْلَفْنَا ثَمَرِ الْأَخْضَرِ لِنُحْمِمْ نَصْرًا دِیَا
وہاں پر دوسروں یعنی فرعونوں کو۔ جب فرعون اور اس کے لشکر نے دیکھی کہ

بنی اسرائیل سمندر کے تیوں تیچ بنے ہوئے راستوں پر جا سکتے ہیں تو انہوں نے بھی پیچھے جانا چاہا۔ پہلے تو انہوں نے کچھ پس و پیش کیا مگر بعد ازاں روایات میں آتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام سیاد گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور انہوں نے اپنا کھوٹا فرعون کے گھوڑے کے کلمے رکھا دیا جسے دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی سمندر میں اتر گیا اور پھر اس کے پیچھے سارا لشکر اسی راستے پر چل نکلا۔ جب وہ سارے کے ساتھ سمندر کے اندر پہنچ گئے تو اتنے میں بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے جب آخری اسرائیلی خشتی پر پہنچا تو عین اسی وقت آخری فرعون سمندر میں اتر جاتا۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سمندر کا منجمد پانی پھر سے آپس میں مل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا وَأَنجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ ان میں سے فرد و ان بھی ضائع نہ ہوا۔ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ پھر ہم نے دوسروں یعنی فرعونوں کو سمندر میں ڈبو کر مٹا کر دیا۔ فرمایا اِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأَسْمَاءِ واقعہ میں غور و فکر کر کے والوں کے لیے نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرت اپنے فرمانبرداروں کو محفوظ رکھتا ہے اور نافرمانوں کو نیرت و نابود کر دیتا ہے۔ فرمایا حَقِيقَتُ يَوْمَئِذٍ کہ اس قسم کی بیشمار نشانیاں دیکھنے کے باوجود مٹا گئے الَّذِينَ هُمْ مُؤْمِنِينَ لوگوں کی اکثریت ایمان سے خالی رہتی ہے۔ آج پوری دنیا میں دیکھ لیں پانچ ارب کی آبادی میں سے غالب اکثریت کفر و شرک میں مبتلا ہے اور ایمان سے خالی ہے ایک قلیل تعداد ایمان کی دولت سے مالا مال ہے۔ باقی سب بے دین اور مٹے ہیں۔ فرمایا وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ بیشک تیرا پروردگار غالب بھی ہے اور از حد مہربان بھی ہے۔ وہ ہزار فرمان، ہر شرک اور کافر کے لیے برداشت اور اس کو سزا دینے پر قادر ہے جب کہ ہر اطاعت گزار کے لیے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اشعراء ۲۰
آیت ۶۹ تا ۷۷

وقال الذین ۱۹
درس ہفتم

وَآتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ
لَهَا عِكِفِينَ ۖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۖ
أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا
كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنتُمْ
تَعْبُدُونَ ۖ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ
لِإِلَهِ الْعَالَمِينَ ۖ

ترجمہ :- اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو ابراہیم علیہ السلام کی خبر
سنا دیں ۶۹ جب کہا اُس نے اپنے باپ سے اور اُس کی قوم
سے کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو ۷۰ کہا انہوں نے ہم
مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں ۔ پس ہم سارا دن ان کے سامنے
جھکے رہتے ہیں ۷۱ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) کیا وہ تمہاری
بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ۷۲ یا تم کو نفع
پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ ۷۳ انہوں نے کہا نہیں
بلکہ پایا ہے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو وہ اسی طرح کرتے
تھے ۷۴ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) بھلا کیا تم دیکھتے ہو جن
چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ۷۵ تم بھی اور تمہارے
پہلے آباؤ اجداد بھی ۷۶ پس وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین

گذشتہ مین کو حین اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بالتفصیل ربط آیات

بیان فرمائے۔ اس سورۃ مبارکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے حالات اُن کی فرعون کی طرف
روائی سے تشریح ہوئے۔ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ فرعون اور اس کی ظالم قوم کو
میرا پیغمبر تو نہیں دے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تأیید چاہی
اور ساتھ یہ مذمت بھی ظاہر کیا کہ میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، شاید کہ وہ
مجھے بھی نہ مار ڈالیں۔ اللہ نے تسلی دی تو آپ فرعون کے پاس پہنچے۔ اپنی رست
ہدایت کیا اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ فرعون نے آپ پر بچپن میں کے
کئے احسانات یاد دلانے اور کہا کہ تو ہماری ناشروں کا مترتب ہو رہا ہے۔ موسیٰ
علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو میرے رب کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے تمہارے
ظلم سے بچایا اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ فرعون کے استفسار پر
رب العالمین کا تعارف بھی کر دیا کہ وہ وہی ہے جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد
کو پیدا کیا اور وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو نے میرے
سوا کسی کو معبود بنایا تو تجھے قید میں ڈال دوں گا۔ پھر فرعون کے مطالبہ پر آپ نے
غصا اور یہ سینا کے عجزات پیش کئے۔ فرعون نے مقابلہ کے لیے ملک
بھر سے بادگرہ اکٹھے کیے۔ تمام لوگوں کی موجودگی میں ایک کھلے میدان میں
موسیٰ علیہ السلام اور بادگرہوں کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں موسیٰ علیہ السلام غالب
آئے اور بادگرہ موقع پر ہی ایمان لے گئے۔ پھر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام
اپنی قوم کو لے کر راتوں رات نکل کھڑے ہوئے فرعون کے لشکر نے پیچھا کیا
تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاشی پانی پر مار دیا کہ نے سب سمندر
میں بارہ خشک راستے بن گئے جن کے ذریعے بنی اسرائیل سمندر پار جانے کیلئے
چل پڑے۔ لشکر فرعون بھی اپنی راستوں پر سمندر میں اتر آیا۔ اللہ نے سب
کو مع فرعون غرق کر دیا اور اس طرح بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو

گئے۔ اب اگلے رکعت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت
توصیہ کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے باپ اور قوم کے ساتھ پیش کی اور
عقلی دلائل دیے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اور جن بتوں کی قوم پوجا کرتے
ہو انہیں کچھ اختیار نہیں اور وہ تمھارے کچھ کام نہیں آسکتے

ابراہیم کے
ابن ابی ہاشم

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر میں جنہیں جہ الانبیاء یعنی کہا
جاتا ہے۔ آپ عراق کے قصبہ بصرہ مزجد میں پیدا ہوئے۔ مؤرخ ابن سعد کی
روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام تارث اور لقب آذر تھا۔ واصل آذر ایک
بت کا نام تھا اور اسی لقب سے آپ نے شہرت پائی۔ قرآن میں دو مقام پر آپ
کے باپ کے لیے آذر کا لفظ آیا ہے۔ جیسے فرمایا: **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ**
أَذِرْهُ فَإِنَّهُ هَادٍ سَافِهٌ اور بت پرست اور بت پرستی کو سرکیز اور پوری قوم کا
محو بن چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور قوم سے جدا ہو کر دریائے فرات
کے مغربی کنارے پیر اور مکہ انیسین نامی بستی میں کچھ عرصہ رہائش پذیر رہے۔ اپنی
بیوی حضرت سارہ اور آپ کے بیٹے حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ
تھے۔ یہاں سے آپ ہران کی طرف چلے گئے اور پھر اُکے فلسطین کے
مغربی حصے میں کنعانیوں کے زیر اثر شہر نابلس میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے مغرب
کی جانب سفر جانیچے۔ مسر میں ملک جبار والا واقعہ پیش آیا جو بخاری اور مسلم
میں مذکور ہے۔ فرعون بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح سامی نسل سے تعلق رکھتا
تھا۔ جب اس نے حضرت سارہ کی بددعا اور ان کی کراہت کو دیکھا تو اپنی
بیٹی ہاجرہ کو ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ خاندان ابراہیم اللہ کے
نزدیک ایک مقرب خاندان ہے اور اگر اس کی بیٹی حضرت سارہ کی خدمت میں
کہی گئی تو اس کے لیے باعث سعادت ہوگی۔ بعض بنی اسرائیلی کہتے ہیں کہ حضرت
ہاجرہ ابراہیم کی لڑکی تھی اور اس شہر اسماعیلی خاندان لونڈی کی اولاد میں جو کہ
درست نہیں ہے۔ بعض یہودی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ یا تو خود

فرعون نے کہی جیسی یا پھر کوئی دوسری شہزادی تھی جو فرعون کے قبضہ میں تھی حضرت
موانا اور شاہ کشمیری نے یہی بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

ابراہیم علیہ السلام کی ماورائی زبان سرانی تھی محکم حب آپ اور کلام انہیں پہنچے
تو وہاں پر عبرت کی زبان بولی جاتی تھی لہذا آپ یہ زبان بھی بولنے لگے۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ متی، داؤد، اسحاق علیہ السلام کے ساتھ متی، داؤد، اسحاق علیہ السلام
آپ کے بھتیجے تھے جن کو اللہ نے شرقِ اردن کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں
حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام آپ کے حقیقی فرزند اور اللہ کے نبی
اور رسول تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اُس وقت ہوئی جب ابراہیم
علیہ السلام اسی یا تراسی سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ پھر جب آپ کی عمر سو سال ہوئی
تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے کل دو سو سال عمر پائی اور اس دوران آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام بھی
پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک کی پینیس مختلف سورتوں
میں آیا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ
کو اوائلِ عمر میں محمد، یوحنا، ریشہ و ہدایت اور بصیرت نے نوازا دیا تھا۔ آپ اہلِ اہل
بت پرستی کے سخت خلاف تھے اور آپ کو یقین تھا کہ یہ مورتیاں نہ تو سن سکتی ہیں۔
نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ کسی کی چار بھابھ دے سکتی ہیں۔ نہ کسی اور پتھر کے بنے
ہوئے یہ بت کسی نفع و نقصان کے مالک نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
دعوتِ توحید کا آغاز اپنے والد اور خاندان سے کیا۔ آپ نے نہایت نرمی اور لطافت
کے ساتھ پسند و نصیحت کا حق ادا کیا محکم باپ نے کوئی بات نہ مانی بلکہ دھمکے دیے
تکھر سے باہر نکال دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے حق میں تہ سے جائدار اور
فدائی دلائل پیش کئے مگر پوری قوم اُن کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ آخر انہوں
نے وہی جہال و الاطرافیت اختیار کیا اور آپ کو ظنِ طعن کی افیتیں پہنچانے لگے
نمودنے سات سال تک آپ کو قید میں بھی رکھی مگر آپ دعوتِ توحید

دینے سے باز نہ آئے بالآخر اُس نے آپ کو بیتہ کے لیے ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اس مقدمہ کے لیے بہت بڑا آگ کا آؤ بھلا کر آپ کو اُس میں پھینک دیا گیا مگر اللہ نے دہاں بھی آپ کو صحیح سلامت رکھا اور مشرکین کی ہر تہہ ویر کو ناکارہ بنا دیا۔ آپ عراق سے ہجرت کر کے تار و فاسطین پہنچے اور تین دفعہ مکہ مکرمہ کا سفر بھی اختیار کیا۔ آپ نے اپنی دوسری بیوی ہاتبرہؓ اور نومولود بچے اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا، خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حج کا اعلان فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کی پہلی بیوی سارہؓ سے تھے جو کہ سو سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ سارہ کی وفات کے بعد آپ نے بنی کنعان کی ایک خاتون قنطوردہ سے نکاح کیا جس سے چار فرزند پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور خاتون حمرنی سے نکاح کیا جس سے سات بیٹے پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ کے جملہ بیٹوں کی تعداد تیرہ بنتی ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ کی والدہ کا نام نزام بنت کرہ بنایا بیواتھا۔

درس فیحد

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے اُس درسِ توحید کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ عَلَّمْنَاهُ نَبَأَ الْبُحْرِ اے پیغمبر! ذرا آپ ان مشرکین مکہ کو ابراہیم علیہ السلام پر خبر سنادیں۔ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے دینِ حنیف کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ ذرا ان پر واضح کر دیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے کونسا دین پیش کیا اور تم کہاں جا پہنچے ہو۔ تمہیں تو دینِ ابراہیمی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ جب کہ لکھا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے مَا تَعْبُدُونَ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ قَالُوا نَعْبُدُ آبَاءَنَا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں فَقَضَلُوا لَهَا لَكِيفَ بَيْنَ پس ہم متوازن بنی پر جھکے بہتے ہیں۔ عَنَّمْ وہ بت ہوتا ہے جو کسی انسان جانور یا کسی یا تسلسلے کی شکل پر بنایا گیا ہو اور دشمن وہ بت ہوتا ہے جو ان گھڑا پتھر، مٹری وغیرہ

ہو، مشرکین مکہ نے بھی مختلف ناموں اور مختلف شکلوں پر بیشمار بت تراش رکھے تھے
 حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کی دیواروں کے ساتھ بھی تین سو ساکنہ بت لگا رکھے تھے
 اور ہر وقت ان کی پوجا پاٹ میں گئے جتنے کبھی ان کو غسل دیتے، کبھی کپڑے
 پہناتے، کبھی ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور کبھی ان سے حاجت والی
 اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے ملنے کے مشرکوں کا بھی
 یہی حال تھا کہنے لگے کہ ہم تو ہمہ وقت ان بتوں کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔
 اب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ضمیر کو بھنجوٹے کے لیے چوٹ
 دیا۔ **قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكَ اِذْ تَدْعُوْنَ** کہنے لگے کیا تمہاری بات
 کو سنتے ہیں جب کہ تم ان کو پکارتے ہو، ظاہر ہے کہ وہ تو مٹی، پتھر اور دھاست
 کی بنی ہوئی مورتیاں تھیں، بھلا وہ کیسے کسی کی پکار کو سن سکتی تھیں، مشرکین لا جواب
 تھے، وہ بتوں کی سماعت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے پھر ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا
 سوال کیا **اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يُضَرُّوْنَ** یا وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں یا نقصان
 پہنچا سکتے ہیں۔ آخر بات تو یہی کہ تم کس مقصد کے لیے ان بتوں کی پرستش کر رہے ہو؟
 جب مشرکوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہی امیجی تقلید والی پرانی ریت نکالی
قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آباءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کہنے لگے، جبکہ ہم
 نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے، وہ بھی ان بتوں کی پوجا کرتے تھے
 ان کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے اور پھر ان سے مرادیں مانگتے تھے، ہم بھی ایسا
 ہی کرتے ہیں۔ ہم کسی دلیل کو نہیں جانتے، مشرکوں کی یہ جلد سازی اللہ نے قرآن
 میں جگہ جگہ بیان فرمائی ہے۔ سورۃ الذہبیاء میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے
 مشرکوں سے پوچھا کہ تم ان مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے ہو **قَالُوا وَجَدْنَا
 آباءَنَا كَالِهٰٓءِ عٰبِدِيْنَ** آیت ۵۳، کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو
 ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا تو ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ تقریباً یہی الفاظ سورۃ
 الشعراء اور سورۃ الزمر میں بھی ہیں۔ سورۃ البقرہ میں بھی مشرکوں کا یہی جواب بیان کیا

امیجی تقلید

گیا ہے کہ ہم تو اس چنیرہ تیغ کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ اس کے
 جواب میں اللہ نے فرمایا **أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِبُونَ**
شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (البقرہ ۱۷۰) اگرچہ تمھارے باپ دادا بے عقل اور
 اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلو گے؟ بہر حال مشرکین نے
 براہم علیہ السلام کو یہی جواب دیا کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرن بتوں کی پوجا
 کرتے پایا ہے، لہذا ہم بھی ویسے ہی کیے جا رہے ہیں۔

ہر مسکرم
اعلان حق

پھر ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے طریقے سے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ کہنے لگے کیا تم نے دیکھا ہے یعنی کیا تمہیں خبر ہے کہ جن کی تم پر جا کرتے ہو انہیں واپاؤ کو الْأَقْدَمُونَ تم بھی اور تمہارے پہلے آواؤ اجداد بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ فَانْهَضُوا عَلٰى أَعْقَابِهِمْ یہ سب میرے تو دشمن ہیں۔ چونکہ میں موحّد ہوں اور ان کی مذمت بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لہذا یہ بھی میرے دوست نہیں ہو سکتے۔

الْأَرْبَ الْعَلَمِينَ

سوائے تمام جانوں کے پروردگار کے کہ وہی میرا دوست ہے اور وہی میرا کارساز ہے۔ میں نے اُسی کے حکم کے مطابق ان تمام جھوٹے معبودوں کی دشمنی لی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ ان سب کے مقابلے میں اکیلا ہی میری مدد کرے گا اور ان سب پر غالب بنے گا۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي
وَيَسْقِيْنِي ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي
يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِيْنِي ﴿٨١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي
خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقْنَ
بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾
وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاعْفُرْ لِابْنِ
إِنَّةٍ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ
سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

ترجمہ:- وہ جس نے مجھے پیدا کیا، پس وہی میری رہنمائی
فرماتا ہے ﴿۷۸﴾ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور
وہ کہ جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا
ہے ﴿۸۰﴾ اور وہ جو مجھ پر موت طاری کرے گا، پھر مجھے
زندہ کرے گا ﴿۸۱﴾ اور وہ کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ میری
کوآہی کو انصاف کے دن معاف فرما دے گا ﴿۸۲﴾ اے پروردگار
عطا فرما دے مجھے حکم (حکمت) اور ملا دے مجھے نیکو کاروں
کے ساتھ ﴿۸۳﴾ اور رکھ دے میرے لیے پسلی زبان بچپنوں
میں ﴿۸۴﴾ اور بنا دے مجھے نعمت کے باغ کے داروں میں

سے (۸۵) اور معاف کر دے میرے باپ کو۔ بیشک وہ بت
گمراہوں میں سے (۸۶) اور مجھے سزا نہ کرنا جس دن لوگ
دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۸۷) جس دن فائدہ نہ پہنچائے گا
مال اور نہ بیٹے (۸۸) مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس قلب سیدم
لے کر (۸۹)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تھا کہ انہوں نے اپنے باپ اور
قوم کو توحید کا درس دیا۔ آپ نے یہ انداز اختیار کیا کہ خورائے مشہد کین سے ہی پوچھا کہ تم
کون چیزوں کی پوجا کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان بتوں پر جھکے پڑتے ہیں۔ فرمایا، کیا
یہ بت تمہاری بات کر سکتے ہیں یا تمہارے لیے کسی نفع نقصان کے مالک ہیں۔ کہنے
لگے، ہم یہ باتیں تو نہیں جانتے، البتہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی پرستش کرتے
دیکھا ہے لہذا ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ فرمایا
تم تو ان کو اپنا معبود اور کارساز سمجھتے ہو مگر یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین
کے کہ فقط وہی میرا دوست اور کارساز ہے اور مجھے اسی پر عبور ہے کہ وہ مجھے
بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

مشرکین نے اپنے
معبودوں کا کوئی کام پیش نہ کر سکے۔ البتہ ابراہیم علیہ السلام
نے اپنے پروردگار کی بعض صفات بیان کیں جس پر مشرکین کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ فرمایا
میرا پروردگار، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہے الَّذِي خَلَقَنِي جِسْمِي
پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اُس نے نسل انسانی کی ابتدا اسی
سے کی اور پھر اے نطفہ کے ذریعے آگے چلایا۔ سورة النجم میں ہے وَأَنَّهُ خَلَقَ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (۴۵) مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ (۴۶)
انسی نے نطفہ کے ذریعے مرد و زن کے جوڑے پیدا کیے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

مشرکین نے اپنے
معبودوں کا کوئی کام پیش نہ کر سکے۔ البتہ ابراہیم علیہ السلام
نے اپنے پروردگار کی بعض صفات بیان کیں جس پر مشرکین کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ فرمایا
میرا پروردگار، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہے الَّذِي خَلَقَنِي جِسْمِي
پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اُس نے نسل انسانی کی ابتدا اسی
سے کی اور پھر اے نطفہ کے ذریعے آگے چلایا۔ سورة النجم میں ہے وَأَنَّهُ خَلَقَ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (۴۵) مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ (۴۶)
انسی نے نطفہ کے ذریعے مرد و زن کے جوڑے پیدا کیے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

پھر فرمایا فَهُوَ يَهْدِيكَ پس وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساتھ ساتھ اس کی ہدایت کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ انسان کو عقل و شعور عطا کیا تاکہ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول میں غور و فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات دیکھے اور پھر اس کی وحدانیت پر ایمان لائے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے انسان کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً نبی اور رسول بھیجے۔ ان کے نابین اور باغین نے اگر اللہ کا راستہ دکھایا۔ پھر اللہ نے اپنی کتابیں نازل فرما کر انسان کی رہنمائی کے لیے مستقل انتظام فرما دیا۔ اسی لیے ابابہم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جس نے نہ صرف مجھے پیدا کیا بلکہ میری رہنمائی کا بندوبست بھی کر دیا۔

خورد و نوش
کا بندوبست

آپ نے اپنے پروردگار کی تیسری صفت یہ بیان کی وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي میرا پروردگار وہ ہے جو مجھے کھلاتا اور پالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر جاندار کی روزنی بھی اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اس کا اعلان ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَيْنَا رِزْقُهَا (ہود-۶) زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ وہی وسائل رزق مہیا کرتا ہے تو انسان اور دوسرے جانداروں کو غذا ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا ہے کہ وہ مندرجہ سے بادلوں کی صورت میں بخارات اٹھاتا ہے۔ پھر ہوا ان بادلوں کو مطلوبہ خطے کی طرف لے جاتی ہے۔ وہاں پر اس کے حکم کے مطابق بارش ہوتی ہے جس سے سرورہ زمین میں زندگی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ زمین میں پھیل جانے والے پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی خیمے سے بارش کو روک دے تو وہاں کچھ پیدا نہ ہوا۔ نہ کسی جاندار کو خوراک میسر آئے۔ اسی لیے فرمایا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جس نے میرے لیے اکل و شرب کا انتظام کر دیا ہے

شفا سجاد

پھر چوتھے نمبر پر فرمایا وَإِذَا مَرَضْتُ فہو کیشفین اور جب میں بیمار ہو جاتا

ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔ بیماری اور شفا دونوں قبضہ قدرت میں ہیں مگر یہاں پر
 ابراہیم علیہ السلام کے ہمال ادب کا غور نہ دیکھیے کہ انہوں نے مَرَضَتُ کمرہ بیماری
 کو اپنی طرف منسوب کیا ہے وگرنہ آپ خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِيْنِي کی طرح
 مَرَضَتُنِي کمرہ بیماری کرنے کو بھی اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے مگر آپ نے
 بیماری جیسی تکلیف دہ چیز کو اللہ کی بجائے خود اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ اکل و
 شرب میں بے اعتدالی یا بود و باش میں کسی بے احتیاطی کی بنا پر خود بیمار ہوتا ہوں
 اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور پھر جب بیمار ہو جاتا ہوں
 تو شفا وہ بخشتا ہے گویا بندے کے حق میں بہتر چیز شفا کو اللہ کی طرف منسوب
 کیا کہ وہ چاہے تو شفا ہوتی ہے وگرنہ نہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم اور ڈاکٹر
 گزرتے ہیں جو بڑی بڑی پیچیدہ بیماریوں پر عرصہ کرتے ہیں مگر کسی دوائی میں شفا
 کی ناصیت پیدا کرنے والی اللہ ہی کی ذات ہے۔ بس تک اس کا حکم نہ ہو کوئی
 دوائی کارگر نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جیلے کے طور پر علاج
 کرنا تو درست ہے مگر دوائی کو مؤثر بالذات سمجھنا ترک میں ملوث ہونے کے
 مترادف ہے۔ شفا ہمیشہ منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے
 اَمْتُ كَرِيهَ دَعَا سَكْنٰى هِىَ اَذْهَبَ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَاشْفِ
 اَنْتَ الشَّافِىُ لَا شِفَاۗءَ اِلَّا شِفَاۗؤُكَ اے سب لوگوں کے پروردگار
 تکلیف کو دور کر دے، اور شفا دے کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں
 بھی شفا نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پانچویں صفت یہ بیان کی وَالَّذِیْ یُعِیْذُنِیْ
 ثُمَّ یُخَيِّبُنِیْ کہ وہی مجھے موت دے گا اور وہی قیامت کو دوبارہ زندہ
 کرے گا۔ موت اور زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی انسان کو پیدا کرتا
 ہے کسی کو کم عمر دیتا ہے اور کسی کو زیادہ۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ
 موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ انسان کی انفرادی موت۔ مگر اس قوم کی مجموعی موت
 ہے بخاری ص ۴۴۴ د ابن کثیر ص ۴۹۹

موت و حیات

ذَآءًا جَاءَ أَجْلُهُ لَمْ يَسْتَخِرْ رَسُلًا وَلَا يَسْتَأْذِنُ مَوْتَ
 (الاعراف ۲۴۰) جب مقرر وقت آجاتا ہے تو پھر گھڑی بھر بھی آئے تیغے
 نہیں ہوتی۔ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
 (آل عمران ۱۸۵) ہر جان کو موت کا ذائقہ چکنا ہے اور اس سے کوئی بھی بچ نہیں
 سکتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہے تو کوئی دوسرا
 شخص لاکھ کوشش کرے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ الغرض! ابراہیم علیہ السلام نے
 واضح طور پر فرمادیا کہ میری موت میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لاکھ مذاہیر
 اختیار کر لو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے تم نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے موت دینے
 والا بھی وہی ہے۔

موت ایک مصیبت ہے مگر اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام نے موت
 کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے کہ وہی مجھے
 موت سے بکن کرے گا۔ مفسرین کرام اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ دراصل
 موت اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے عنایت کے مقام کی طرف اتصال کا
 کا ایک ذریعہ ہے، اس لحاظ سے موت ایک نعمت بھی ہے اور اس کی نسبت
 اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل درست ہے مسلم شریف کی حدیث میں جہاں جمعہ کی فضیلت
 کا ذکر ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق
 فرمائی، اسی دن اُن کو جنت میں داخل کیا، اور اسی روز آپ کو جنت سے نکالا
 گیا۔ یہاں بھی یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ تو نعمت خداوندی ہے اور
 اللہ نے اس کا ذکر فضیلت جمعہ کے طور پر کیا مگر جنت سے اخراج تو نعمت
 نہیں، پس اس سے جمعہ کی فضیلت کیسے ثابت ہوتی۔ تو یہاں بھی محدثین کرام
 فرماتے ہیں کہ جنت سے اخراج دراصل اس میں دوبارہ اور ابدی دخول کا سبب اور
 ذریعہ ہے لہذا یہ اخراج نعمت میں شامل ہے

مشرکین بعث بعد الموت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت

برپا ہوگی، نہ مردے دوبارہ زندہ ہوں گے اور نہ حساب کتاب کی منزل کے بعد کوئی جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر ٹیچبین کا لفظ بول کر کفار و مشرکین پر واضح کر دیا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور وہ تمہیں بھی دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہے۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا اور پھر تمام کردہ اعمال کا حساب ہو گا۔ مجھ کے مشرک بھی قوم ابراہیم کی طرح قیامت اور جزائے عمل کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کرٹی میں مل جائیں، ہماری ٹہیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ جیسا کہ دوسری سورۃ میں مذکور ہے: اللہ نے فرمایا: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَخْسِلُونَ (یس - ۵۱) جب صور میں پھونکا جائیگا تو سب لوگ اپنی خواب گاہوں سے اٹھ کر دوڑتے ہوئے اپنے پروردگار کی طرف جائیں گے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آنے کی اور اعمال کے فیصلے ہوں گے۔

اچھائی اور برائی
کی نسبت

ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کا اچھائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور برائی کو اپنی طرف منسوب کرنے کا اصول خود اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ ہے۔ سورۃ النہل میں ارشاد ربانی ہے: مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (آیت - ۷۹) تمہیں جو بھی اچھائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی پہنچے وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کے آغاز میں بھی اس مثال مٹی سے خضر علیہ السلام نے اچھی بھلی کشتی کو عیبناک کر دیا تو اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کشتی بعض مسکین لوگوں کی تھی جو اس کے ذریعے دریائے مدینہ کے کنارے تھے مگر نیچھے بادشاہ ہر اچھی کشتی پر قبضہ کر رہا تھا فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا (الکہف - ۷۹) پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو داغدار کر دوں اگرچہ یہ فعل بھی کشتی کے مالکان کے حق میں تھا۔ مگر عیبناک کرنے کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا کہ ادب کا یہی تقاضا تھا اور آگے کہاں گری ٹہری دیوار کو تیرے بچوں

کی خاطر دوبارہ تعمیر کرنے کا فعل تھا تو اسے اللہ کی طرف منسوب کیا فَاَرَادَ رَبُّكَ
 اَنْ يَّبْنِيَ اَشَدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كُنُوزَهُمَا (المکھن ۱۲۰) تیرے
 رب نے ارادہ کیا کہ دیوار کو اس وقت تک قائم رہنا چاہیے جب تک یہ تمہارے
 باغ ہو کر اس کے نیچے سے خزانہ حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

معافی کی
 درخوست

اللہ تعالیٰ کی مذکورہ پانچ صفات کا ذکر کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے
 عبادت کے کمال انداز میں اپنی خطاؤں کی بخشش کی دُعا کی۔ عرض کیا میرا اللہ وہ
 ہے جس کی یہ صفات ہیں وَالَّذِي اَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَ لِي
خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ میرا پروردگار وہ ہے کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ
 قیامت کے دن وہ میری کوتاہیوں کو معاف فرما دے گا۔ اللہ کے نبی اور رسول اس کے
 برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی خود حفاظت کرتا ہے اور اُن سے
 گناہ سرزد نہیں ہوتے دیتا۔ اس کے بعد اللہ کے نبی جتنے زیادہ شرب ہوتے
 ہیں اتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنے ڈوبتے
 ہوئے بیٹے کے لیے براہِ راست دُعا نہیں کی بلکہ کمالِ عجز کے ساتھ پروردگار
 کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ اِنِّیْ اُبْسِیْ مِنْ اَهْلِیْ (مہود - ۴۵) پروردگار
 میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ اسے بچا لے مگر جواب ملا
 کہ اپنے غیر صالح اعمال کی وجہ سے وہ تیرے اہل خانہ میں سے خارج ہو چکا ہے
 اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی اور بھائی کی کوتاہیوں کی معافی کی درخواست
 کی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَادْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ (الاعراف ۱۵۱)
 پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل
 کر لے۔ بخود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا
 رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّحِمِیْنَ (المومنون - ۸۰)
 پروردگار! مجھے معاف کر دے اور رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔ ہر حال
 ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کوتاہیوں کی معافی اس انداز میں چاہی کہ میں اُمید رکھتا ہوں۔

کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری کوتاہی کو معاف فرمائے گا۔

پھر عرض کیا رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا پور دیکھا مجھے حکم یعنی حکمت عطا فرما

امام رازمی فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت نہیں کیونکہ یہ تو پہلے ہی آپ کو حاصل تھی

البتہ اس سے مراد قوت علمی و نظری کا کمال ہے جس کے ذریعے اشیائے عالم کو کھانتے

سمجھنے کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام پر مامور کیا تھا۔

اس کے لیے ان چیزوں کی اشد ضرورت تھی لہذا آپ نے ان چیزوں کے لیے دعا

کی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَالْحَقُّنِي بِالصَّلَاحِ اِنَّ اَرَبَّكُمْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

مُتَعَلِّمٌ اس سے آخرت میں نیک لوگوں سے عطا فرمائے۔

رابط اور طلب یہ ہے کہ میرا انجام خیر فرما اور مجھے عزت والے مقام میں جگہ عطا

فرما۔ یہ دعا اللہ کے سب نبی اور صالحین کرتے رہے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام

کی دعا کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ آپ نے عرض کیا تھا اے آسمان زمین

کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے تُو فَنِّیْ مُسْلِمًا

وَالْحَقُّنِي بِالصَّلَاحِ اِنَّ اَرَبَّكُمْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّتَعَلِّمٌ مجھے اسلام کی حالت میں وفات دینا

اور اپنے نیک بندوں کی رفاقت نصیب کرنا۔ ایک شہادت میں حضور علیہ السلام

کی یہ دعا بھی منقول ہے اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَمِّتِنَا مُسْلِمِيْنَ

وَالْحَقُّنَا بِالصَّلَاحِ اِنَّ اَرَبَّكُمْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّتَعَلِّمٌ اے اللہ! ہمیں اسلام

پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور ہمیں نیک مسلمانوں کے ساتھ ملا دے درآئیکہ

نہ رسوائی ہو اور نہ تبدیلی۔ اس سے مراد قوت عملیہ بھی ہے کہ جس کے ذریعے اعمال و

افعال کو صحیح طریقے پر انجام دیا جاسکے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی وَلَجْعَلْ لِّيْ نَسَاءً صٰدِقٰتٍ

فِي الْاٰخِرِيْنَ اور میرے لیے سچی زبان یعنی میری ذکر خیر سمجھنے والوں میں بھی باقی

کہندہ۔ اسی لیے اہل اللہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کا طریق باقی ہے تاکہ ان کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آنے والی نسلیں بھی میرے طریق پر چلیں اور اس طرح میرا ذکر خیر کرتی رہیں۔ آپ کی دعا کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ جو دوزخ عیسائی اور اہل ایمان بیک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جہنم میں لے گئے تھے اگرچہ اہل کتاب آپ کی تعلیمات سے منحرف ہو چکے ہیں مگر وہ آپ کا ذکر خیر ہمیشہ ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری امرت کو طرقت ابراہیمی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے اہل کتاب کی بات نقل کی ہے کہ وہ اہل ایمان کو یہودی یا نصرانی بن جانے کا مشورہ دیتے ہیں مگر اللہ نے اپنے آخری نبی کو فرمایا **قُلْ بَلْ مَلَكًا بَرَكًا** **حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْبِهَةِ** (آیت ۱۲۵) آپ ان سے کہہ دیں کہ ہم تو دین ابراہیمی کو اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا کے واسطے راجع کر کے رکھ دئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اہم ماکت فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر یہ مفسر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص پسند کرے کہ اس کی تعریف کی جائے۔

ابراہیم علیہ السلام نے ارگاہ رب العزت میں یہ دعا بھی کی **وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ** اور مجھے نعمت کے باغوں کے وارثوں میں سے بنائے یعنی آخرت میں مجھے کامیابی عطا کرنا اور جنت میں داخل کرنا۔ اظہار ہے کہ ہر شخص کی آخری خواہش تو یہی ہے کہ جنت میں داخل ہو جائے۔ سورۃ الزمر میں یہاں جزائے عمل کا ذکر ہے وہاں اللہ نے فرمایا **فَمَنْ رُحِّحَ عَنْ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ** (آیت ۷۵) اور جو جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے لیے نعمتوں کے بارے میں جنت کی دعا کی۔

پھر عرض کیا: **مَوْلَا كَرِيمٍ**! **وَاعْفُ عَنِّي**! آپ کو معاف کر دے

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ : بیشک وہ گناہوں میں سے تھا، مشرکین کے لیے دُعا کا مسئلہ بھی وضاحت طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فیصلہ کر دیا ہے کہ کسی نبی اور اہل ایمان کے لائق نہیں کہ وہ شرکوں کے لیے بخشش طلب کریں اگرچہ ان کے قربت درجہ کیوں نہ ہوں جب کہ ان کا جہنمی نوما واضح ہو چکا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بیشک مشرک اور جہنمی تھے مگر یہاں وہ اپنے گمراہ باپ کے لیے بخشش کی دُعا کر رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت سورۃ توبہ ہی کی اگلی آیت میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کے لئے دُعا نے مغفرت ایک دُعا کی بنا پر قبی جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے۔ سورۃ مريم میں ہے کہ بتوں کی مذمت کی بدولت میں جب ابراہیم کو ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تو جلتے ہوئے انہوں نے کہا تھاماً سَتَقِفِرُ لَكَ رَبِّ اِنَّهٗ كَانَ بِى حَقِيۡمًا (مریم: ۴۷) میں تیرے لیے اپنے بچے بخشش کی دُعا کروں گا۔ بے شک میرا پروردگار بڑا ہی مہربان ہے۔ چنانچہ اسی دُعا کے مطابق آپ نے بخشش کی دُعا کی جو آیت زیر درس میں مذکور ہے: بَٰرِکْ سُوْرَةُ تُوْبَةٍ مِّیْنِ فَرٰیۡا فَلَمَّا تَبٰیۡنَ لَہٗ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبٰیۡرًا مِّنْہٗ (آیت - ۱۱۴) مگر جب آپ پہ واضح ہو گیا کہ باپ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے اور پھر کبھی باپ کے لیے دُعا نہیں کی۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا فَلَیْ تُخْزٰیۡ یَوْمَ یُعْشَوْنَ : مولاکریم! مجھے سوانہ کرنا جس دن لوگ دوبارہ اٹھنے جائیں گے۔ اس دُعا کا تعلق بھی ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے مشرک ہونے سے ہے۔ ظاہر ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں اور اسی وجہ سے ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے دوبارہ دُعا بھی نہ دی۔ اب قیامت کے دن جب سب اٹھیں گے جمع ہوں گے تو اس دن ابراہیم علیہ السلام کے باپ کی ذلت آپ کے لیے سوائی کا سبب بن سکتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد سے

ملقات ہوگی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کا منہ ذلت اور گرد و غبار سے آلودہ ہو رہا ہے
 دوسری روایت میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ پروردگار! میرا
 محبوب سے دل سے کہ مجھے قیامت کے دن روانہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا
 کہ جن سے جنت تو کافر پر قطعاً حرام ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام
 اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایاں گے کہ باپ! میں تجھے نہ کہتا تھا کہ میری
 نافرمانی نہ کر۔ باپ جواب دے گا، اچھا اب نہ کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام بارگاہ
 رب العزت میں عرض کریں گے، پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس
 دن مجھے روانہ کرے گا مگر اس سے بڑھ کر کیا سوائی ہوگی کہ میرا باپ اس طرح
 رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمانے کا۔ میرے خلیل! میں نے جنت تو کافر پر
 پر حرام کر دی ہے، پھر حکم ہو گا، ابراہیم! دیکھ تیرے پیروں تلے کیا ہے۔ آپ
 دیکھیں گے کہ ایک بد صورت بچہ کچھ پانی میں لقمہ لقمہ اٹھا رہا ہے جس اور پاؤں سے پتہ
 کہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوں گے جن کی شکل
 تبدیل کر دی جائے گی۔

مال و اولاد

فرمایا قیامت کا دن ایسا ہوگا یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ
 جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ اس دن کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا
 اور نہ کوئی کسی کی طرف سے وکیل پیش ہو کر مقدمہ پیش کر سکے گا وَكُلُّهُمْ
 اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدٌ (مریم - ۹۵) قیامت کے دن ہر شخص اکیلا
 ہی حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا۔ سورۃ آل عمران میں بھی فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا لَنْ تَغْنِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ
 مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (آیت - ۱۰) کافروں کو ان کے اموال اور اولاد کچھ کام
 نہیں آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کمال تو یہ ہیں رو جائے گا اور انسان خالی ہاتھ
 اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ جہاں تک اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کا تعلق ہے
 تو وہ سب اپنی اپنی غمزدگیوں کے۔ یَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ

وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ هَ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (سورة عبس ۲۲) انسان اپنے
بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے بھلے گا کہ کہیں مجھ سے کوئی نئی نہ طلب
کرے۔ ہر ایک کو اپنی فسر ہوگی کہ کس طرح میں نیک جاؤں۔

البتہ بعض مال اور اولاد کا کام بھی آئیں گے۔ حدیث شریف میں آگاہ ہے کہ
جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں کا فائدہ
اُس کو مرنے کے بعد میں پہنچتا رہتا ہے۔ پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی اپنا مال
اچھی جگہ صرف کر کے گیا جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ قیامت کے دن
فائدہ دے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوں، اور
تیسری نیک اولاد ہے جو باپ کے حق میں دعائیں کرے۔ حدیث میں آگاہ ہے
کہ بچپن میں فوت ہونے والا بچہ بھی والدین کے حق میں سفارت کرے گا۔ تیسری چیز
موت کے بعد بھی نافع ہوتی ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں غیر مفید جو نامغیر موتوں کے
لیے ہے۔ ایسے شخص کو نہ مال کام آنے لگا اور نہ اُس کی اولاد بلکہ اس کا فیصلہ
اُس کے اعمال و عقائد کے مطابق ہوگا۔

قلب سلیم

فرمایا قیامت والے دن ہر شخص کا مال و اولاد تو مفید نہیں ہوگی، البتہ
إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ مگر جو کوئی اللہ تعالیٰ کے پاس
قلب سلیم لے کر آیا۔ وہ کامیاب ہوگا، اس دن قلب سلیم ہی مفید ہوگا۔ مطلب
یہ کہ جس انسان کا دل کفر، شرک، نفاق اور بدعتی کی آلودگیوں سے پاک ہوگا اسے
یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کیا ہو مال بھی مفید ہوگا اور اس کی نیک اولاد
بھی مفید ہوگی جو اس کے لیے دعائیں کرے گی۔

حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ اپنی کتاب سلک السلوک میں لکھتے ہیں کہ
لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ قلب سلیم کس کو کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا
کہ قلب سلیم الیادل ہے جو بیس خصلتوں سے پاک اور بیس خصلتوں سے پر
ہو۔ فرمایا بڑی خصلتیں یہ ہیں۔ شرک، کفر، نفاق، عداوت، (بلا وجہ) اور بغاوت۔

درایعنی امور کی طرف احسن بنسب، جہالت، اصرار، کناہ، بہر، تجربہ، تعلق و غلط باتوں
 سے (طمع، لمبی آرزو، بے خبری، خود پسندی، بخل، مایوسی، بے فکری، خدا کی گرفت
 سے) حسد، ہگمانی اور زیان (حق و انجام کو فراموش کر دینا) پھر فرمایا اچھی فصلتیں یہ
 ہیں۔ جو ان میں موجود ہونی چاہئیں یعنی توحید، اخلاص، نعیست، زہد، قناعت،
 یقین، علم، تفویض (اپنے امور کو اللہ کے سپرد کرنا) لوگوں سے مایوسی، آرزو کما
 اختصار، سیر، موت کی یاد، سخاوت، توبہ، تواضع، خوف و ربا، بھوک،
 حسن ظن، اللہ کا ذکر اور اس کی محبت۔

وَأَزَلَفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ⑩ وَبُرِّزَتِ الْجَحِشِيمُ
 لِلْغَافِينَ ⑪ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ⑫
 مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ⑬
 فَكَبَّوْا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ⑭ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ
 أَجْمَعُونَ ⑮ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ⑯ تَا اللَّهُ
 إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ⑰ إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ
 الْعَالَمِينَ ⑱ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا السُّجْرُمُونَ ⑲ فَمَالَنَا
 مِنْ شَافِعِينَ ⑳ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ㉑ فَلَوْلَا نَكَا
 كَرَةٌ فَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ㉒ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ
 وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ㉓ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
 الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ㉔

ترجمہ ۱۔ اور قریب کر دی جانے لگی جنت متقین (ڈرنے والوں) کے لیے ⑩ اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے ⑪ اور کہا جائے گا اُن سے کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے ⑫ اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا وہ بدلے سکتے ہیں؟ ⑬ پھر اوندھے منہ ڈالے جائیں گے اس میں وہ سب اور

کجور ۹۳ اور ابلیس کے تمام لشکروں کو بھی ۹۵ اور کہیں گے وہ جب کہ وہ اس دوزخ میں جھکڑا کرتے ہوں گے ۹۶ اللہ کی قسم، بیشک ہم تھے البتہ کھلی گمراہی میں ۹۷ جب کہ ہم تمہیں پروردگارِ عالم کے ساتھ برابر کرتے تھے ۹۸ اور نہیں بہکایا ہم کو مگر مجنوں نے ۹۹ پس اب نہیں ہے کوئی ہماری سفارش کرنے والا ۱۰۰ اور نہ کوئی محبت کرنے والا دوست ۱۰۱ پس کاش کہ ہمارے لیے دنیا میں دوبارہ پینے کا موقع ہوتا تو ہم ایمان والوں میں سے ہوتے ۱۰۲ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے، اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۱۰۳ اور بیشک تیرے پروردگار ہی زبردست اور حمد والا ہے ۱۰۴

بط آیات

اس کوخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ گذشتہ درس میں آپ کی بعض دعاؤں کا ذکر تھا جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیں۔ اور ساتھ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمات بھی بیان کی گئی تھیں کہ وہی خالق ہے اور صراطِ ستیم بھی وہی دکھاتا ہے۔ مجھے وہ بہانہ کی راز کی راز ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا بھی ہی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے موت دیکھا اور پھر قیامت کو دوبارہ زندہ کرنے کا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ پروردگار! میری غلاموں کو معاف فرما، مجھے مکتِ عطا فرما اور نیکوں کے ساتھ انجام فرما۔ آپ نے پچھلے لوگوں میں اپنے ذکرِ نیر کے جاری رکھنے کی دعا بھی کی۔ اپنے لیے جنت کی درخواست اور آپ کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔ اب آج کے درس میں نیکو کاروں کے لیے جنت کی بشارت اور سرکشوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جنہوں کے بعض حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جو قیامت کو پیش آنے والے ہیں۔

نعمت سے
بے جنت

ارشاد ہوتا ہے وَأَزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ اور جنت متقیوں کے قریب

کر دی جائے گی، قرآن پاک میں جنت اہل رسانی دوسری قول سے بیان کی گئی ہے۔
 مگر مفہوم ایک ہی ہے ایک طرز بیان یہ ہے جو یاں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جنت
 مقیموں کے قریب کر دی جائے گی، سورۃ ق میں جی ہی الفاظ میں اور آگے اخذ ہے
 غَیْبٌ كَعِیْدٍ (آیت ۳۱) جو کہ دوزخ میں ہوگی۔ اسی طرح سورۃ التکویر میں - وَ
 اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (آیت ۱۳) جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ بیان
 کا دوسرا طریقہ عام ہے کہ اہل ایمان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جیسے سورۃ النحل
 میں مقیموں کے متعلق فرمایا جَنَّتْ عَلَیْہِمْ یَدْخُلُوْنَہَا (آیت ۲۱)
 ہمیشہ رہنے کے باغات میں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ اسی طرح سورۃ زمر
 میں ہے کہ فرشتے نیچو کاروں کو گردہ در گردہ جنت کی طرف سے جائیں گے، اُن
 کے دروازے کھول دیے جائیں گے، تو اس کے درمیان اُن سے کہیں گے۔
 تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے ہو، قَدْ خَلَّوْہَا خَالِدِیْنَ (آیت ۲۲)
 اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت
 یا دوزخ لوگوں سے حجاب میں ہوں گے، پھر جب وہ حجاب اٹھا دیا جائے گا
 تو جنتی جنت کو قریب ہی پائیں گے، ایک عام عقولہ بھی ہے کہ جب کوئی مسافر
 سفر کرتے ہوئے کسی شہر یا بستی میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں بستی قریب آگئی
 ہے حالانکہ بستی تو اپنی جگہ قائم ہوتی ہے اور مسافر خود وہاں پہنچتا ہے۔ اسی طرح
 جنت تو اپنی جگہ پر قائم ہے مگر جب جنتی وہاں قریب پہنچیں گے تو اسی کو کہاں
 ہے کہ جنت اُن کے قریب کر دی جائے گی۔ اگر اس جملے کو بعینہ ظاہری معنیوں
 میں لیا جائے تو یہی درست ہے جیسا کہ دوزخ کے متعلق مسلم شریف میں آیت
 یَوْمَ یَجْہَنَّمُ یَوْمَئِذٍ لَّہَا سَبْعُونَ اَلْفَ زَمَامٍ مَّعَ کُلِّ
 زَمَامٍ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلٰٓئِکَۃٍ اِسْمُہُمْ کُتُبُہُمْ کُتُبُہُمْ اِنْ مَحْشَرُہُمْ
 قَرِیْبٌ لِّیَاہِیْہِہِمْ جِسْمٌ کِی سِتْرٌ بَرَزَہُمْ بَرَزَہُمْ بَرَزَہُمْ بَرَزَہُمْ
 اِلٰی فرشتے ہوں گے

فَرِیَّا وَتُبِّرَ ذَاتِ الْجَحِیْمِ لِلْعَوِیْنِ اور ظاہر کر دیا جائے گا۔

محمد رسول
الحمام

دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔ جو لول عمر بھر کفر و شرک اور کفر ہی میں پھنسے رہے۔ ان کو دوزخ کا نظارہ کر دیا جائے گا جس کے تعلق سورۃ المعارج میں مذکور ہے
كَلَّا مَا اِنَّهَا لَظٰهٍ نَّزَاعَةٌ لِّلنَّاسِ (آیت ۱۰۰) یہ خبر لیتی ہوئی آگ سے جو کمال اور بیڑ کر رکھ دے گی۔ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس جہنم میں سے ایک گروہ نکالے گئے جو گنہگاروں کی طرف غصہ بنا کر یوروں سے لیٹھے کی اور ایسا شور مچائی کہ دل اڑ جائیں گے۔ یہی مل جائیں گے اور شرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا وَقِيلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ
مِنْ دُونِ اللّٰهِ کہاں ہیں تمہارے وہ باطل معبود جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ کیا آج وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟
اَوْ يَنْصُرُوْنَكَ یہ وہ بدلے لے سکتے ہیں؟ مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوِنَ پھر وہ اور تمام کج رو جہنم میں
اندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ تابع اور متبوع سب کا ایک ہی ٹھکانا ہو گا اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا۔ وَتِىْ نٰسٍ يٰۤاٰدَمُ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ
اٰجْمَعُوْنَ شیطان کے تمام لشکر بھی جہنم میں آکر دیے جائیں گے۔ جو لوگوں کو بہکا کر کفر اور شرک پر آمادہ کرتے رہے۔ قَالُوْا وَهٰؤُلَآءِ
يَخْتَصِمُوْنَ دوزخ میں پہنچنے والے آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اللہ کی قسم ہم تو کھلی گمراہی میں
تھے۔ اس وقت اقرار کریں گے کہ دنیا میں ہم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا اور اذہر
اٰدَمُ بَشَرٌ بَیِّنٌ اِذْ نَسَوْنٰکُمْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب کہ ہم میں پروردگار عالم کے ساتھ
براہ کرتے تھے وَمَا اَصْلٰکَ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ہمیں تو ان مجرموں یعنی
گنہگاروں نے گمراہ کر دیا تھا۔ اس وقت چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف
اشاہ کریں گے اور تابعین اپنے متبعین کو مورد الزام ٹھہرائیں گے کہ یہ ہم سے اپنی
عبادت کراتے رہے۔ ہم ان کے حکم کو خدا کا حکم سمجھ کر عمل کرتے رہے ان کو مذہبنا
پیش کرتے رہے مگر یہ آج ہماری کچھ مدد نہیں کر پائے بلکہ ہمارے ساتھ یہی جہنم

میں پہنچ چکے ہیں۔ ہمیں تو انہوں نے مرادیا

فَمَا كُنَّا مِنْ شَافِعِينَ اَج ہمارے سفارش کرنے والا کوئی
 نظر نہیں آتا جو ہمیں اس عذاب سے چھڑائے وَلَا صَدِيقٌ حَمِيمٌ اور نہ ہی
 کوئی محبت کرنے والا دوست ہے جو دوستی کا حق ادا دے سکے۔ اس وقت بالبعین
 سخت مایوسی کا اظہار کریں گے۔ یہاں پر یہ نقطہ غور طلب ہے کہ لفظ شافعین کو
 جمع لایا گیا ہے جب کہ صدیق مفرد ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ
 صدیق اسم جنس کی طرح ہے جس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ اور
 اس کا مطلب یہ ہے کہ سفارشی تو نادانیت ہوتے ہیں اس لیے جمع کا
 صیغہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ مخلص دوست عزیز الوجود یعنی بہت کم ہونے
 میں اس لیے صدیق مفرد لایا گیا ہے۔

دنیا میں
 واپسی کی حسرت

پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَذَّةً فَنُكُونُ
 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹ جائیں اور وہیں
 جا کر ایمان لانے والوں میں ہو جائیں۔ اب کی بار ہم کھڑے اور شرک کے قریب نہیں
 جائیں گے اور نہ شیطان اور دوسرے معبودان باطلہ کے جھانے میں آئیں گے
 بلکہ صدقہ دل سے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے کیا ایسا ممکن ہے؟
 مگر اُن کی یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ تَابِعِينَ کہیں گے
 کہ اگر ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے، تو ہم ان متبعین سے اسی طرح
 بیزاری کا اظہار کریں گے جس طرح آج یہ ہم سے کر رہے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ
 ان کے اعمال کو حسرت کی صورت میں۔ دکھائے گا وَمَا هُمْ
 بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (آیت - ۱۶۶) مگر وہ دوزخ سے کبھی نہیں نکل
 سکیں گے۔ اُن کی حسرت اُن کے دل میں ہی رہ جائے گی۔ سورۃ السجدہ میں بھی
 ہے کہ ہجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور کہیں گے
 پروردگار! ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سن لیا فَأَنْزِلْنَا

نَعْمَلْ صَالِحًا رَأَيْتَ (آیت ۱۲) ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ اب تم اپنے اعمال انجام دیں گے، مگر جواب ملے گا کہ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۱۴) اب اپنی کارگزاری کے لئے میں ہمیشہ کا عذاب چکسو۔ اب تم واپس نہیں جاسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بد بخت اگر دوبارہ بھی دنیا میں لوٹنے جائیں تو پھر وہی اعمال شروع کر دیں جو پہلے کیتے تھے۔
 فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ يَّرْتَدِّيْ (آیت ۱۵) اس میں البتہ نشانی ہے اور وہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اللہ کی وحدانیت کی جو جہنمی بات پیش کی تھی اور قوم کو جس طریقے سے سمجھایا، اس میں خدا تعالیٰ کی یمانی کی برہان پیش موجود ہے۔ ان ان اگر ذرا سا بھی غور و فکر کرے تو اس کے تمام شک و شبہات رفع ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آیت ۱۶) ان میں سے لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم رہتی ہے۔ انہیں توحید کی بات سمجھ میں ہی نہیں آتی اور اس طرح کفر و شرک پر اڑے بستے ہیں فرمایا اِدْرِكُوْهُ وَانۡ رَّبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (آیت ۱۷) تیرا پروردگار زبردست ہے۔ آج تو یہ لوگ اس کی توحید کو تسلیم نہیں کرتے مگر قیامت کے دن ان کو پتہ چلے گا کہ جس کے ساتھ غیروں کو شرک بناتے تھے وہ کتنا زبردست اور غالب ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰ یَكُنۡ اَکْثَرُ النَّاسِ لَا یَفۡکَمُوْنَ (آیت ۲۱) اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام پر غالب ہے، اُس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حامل نہیں ہو سکتی مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور وہ گمراہی میں لا پرواہ پڑے بستے ہیں۔ فرمایا اس کے ساتھ ساتھ وَنَاۡلِیۡمُہِۭمۡ مِمَّا یَشَآءُوْنَ (آیت ۲۲) اُس کا کوئی بندہ جب تیری مرضی کو چھوڑ کر اُس کے دروازے پر آجائے اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرے تو وہ نہایت رحم والا ہے، اور معاف کر دیتا ہے کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (الانعام ۱۲) اُس نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کر رکھا ہے۔

حرف آخر

اس کا یہ بھی فرمان ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف ۱۵۶)
 میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ جو نہی اُس کا کوئی بندہ اُس کی طرف رجوع نہ کرے
 اُس کی رحمت بندے کو ڈھانپ لیتی ہے اور وہ بندے کو معاف کر کے اپنی آغوش
 رحمت میں لے لیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۰۵ اِذْ قَالَ لَهُمْ اخُوهُمْ
 نُوحٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۝۱۰۶ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُولٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ فَاتَّقُوا
 اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۝۱۰۸ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنِّ
 اَجْرِىْ اِلَّا عَلَى رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۹ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ۝۱۱۰
 قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْدَلُوْنَ ۝۱۱۱ قَالَ وَمَا
 عَلٰى يَمٰى كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۱۱۲ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلَى
 رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۳ وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۴
 اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۵ قَالُوْا لَيْنُ لَّمْ تَنْتَهِ
 يٰنُوحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝۱۱۶ قَالَ رَبِّ اِنْ
 قُوِّىْ كَذَّبُوْنَ ۝۱۱۷ فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَ
 نَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۸ فَانْجَيْنٰهُ
 وَمَنْ مَّعَهُ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۱۹ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدَ
 الْبٰقِيْنَ ۝۱۲۰ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
 مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۱ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۲

ترجمہ ۱۔ جبکہ نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ کے رسولوں
 کو ۱۰۵ جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے

کیا تم ڈرتے نہیں؟ ⑩ بیشک میں تمھارے لیے رسول
ہوں امانت دار ⑪ پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت
کرو ⑫ اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔
نہیں ہے میرا بدلہ مگر رب العالمین کے ذمے ⑬ پس
ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو ⑭ کہا انہوں نے کیا
ہم ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تیری پیروی ذلیل لوگ کرتے
ہیں ⑮ کہا (نوح نے) اور مجھے کیا علم ہے اُن باتوں
کا جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ⑯ اُن کا حساب میرے رب
کے ذمے ہے۔ اگر تم میں کچھ شعور ہے ⑰ اور میں
نہیں دیکھنے والا ایمان والوں کو ⑱ میں نہیں ہوں مگر
نہ سنانے والا کھول کر ⑲ کہا انہوں نے اگر تو باز
نہیں آئے گا اے نوح! البتہ ہوگا تو سننا۔ کیسے ہوں
میں ⑳ کہا (نوح نے) اے میرے پروردگار! بیشک
میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے ㉑ پس فیصلہ کر دے درمیان
اور ان کے درمیان واضح فیصلہ۔ اور نجات دے مجھے اور
جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے ㉒ پس ہم نے نجات
دی اُن کو اور جو اُن کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں ㉓
پھر ہم نے عاقبت کر دیا اس کے بعد دوسروں کو ㉔ بیشک
اس واقعہ میں البتہ نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ایمان
لانے والے ㉕ اور بیشک تیرا پروردگار البتہ زبردست اور
نہایت رحم کرنے والا ہے ㉖

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت

ربط آیات

کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان کیا ہے۔ بتا
 میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم مشرکین مکہ کے تعصب
 اور بہت دھرمی کا ذکر کیا اور اپنے پیغمبر کو تسلی دی کہ آپ اتنی دل سوزی نہ کریں۔
 پھر اہل ایمان کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کی
 قوم کا حال بیان کیا۔ فرعون اور قبطیوں کی غرقابی کا ذکر کیا اس سورۃ مبارکہ میں مختلف
 انبیاء کے احوال کی ترتیب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ جیسا کہ سورۃ اعراف میں اس
 ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہاں پر مختلف اقوام کے غرور و تجبر کی شدت کے
 پیش نظر ان اقوام اور ان کے انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم
 چونکہ سب سے زیادہ تجبر تھی، لہذا اس سورۃ میں تاریخ انبیاء اور ان کی اقوام کا حال
 حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کا ذکر ہے کیونکہ آپ کا مخالف فرود جیسا مفرور بادشاہ تھا۔ اس کے بعد اب
 نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر آ رہا ہے کہ غرور و تجبر میں فرود کے بعد قوم نوح
 کا نمبر آتا ہے فرعون کے تجبر کا حال یہ تھا کہ اُس نے کہا: يَا اَنَارُ رَبِّكَ الْاَعْلٰی
 (الفرجۃ - ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اور فرود نے ابراہیم علیہ السلام کے
 سامنے اپنی بڑائی کا اظہار اس طرح کیا اَنَا اَحْمٰی وَاُمِیَّتُ الْاَبْقَرُ ۱۰۱۵ یہ بھی
 زندہ کہتا اور مارتا ہوں۔ اب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے غرور و تجبر کا ذکر
 ہو رہا ہے۔

نوح علیہ السلام
 کا قوم کے
 خطاب

ارشاد ہوتا ہے: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِیْنَ حضرت
 نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت
 نوح علیہ السلام کی قوم میں صرف آپ ہی ان کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے
 جیسا کہ سورۃ نوح میں صاف موجود ہے: اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ
 (آیت - ۱) ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، مگر یہاں پر فرمایا
 ہے کہ آپ کی قوم نے مرسلین یعنی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا۔ مفسرین و ائمہ

فرشتے میں کہ یاں پہنچتے ہیں اس لیے استعمال ہوا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پچیس
 ہزار سے کسی ایک کا محبتلانا سب کے محبتلانے کے مترادف ہے۔ اللہ کے تمام نبی و
 اور ایمان ہی کی دعوت تھی۔ تمام انبیاء کے بنیادوں اصول دین ایک ہی ہیں
 لہذا یاں پہنچتے ہیں اس لیے استعمال کیا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ جَب ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے
 اپنی قوم سے فرمایا۔ اَلَا تَتَّقُونَ کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ تم اللہ کے نبی کی بات
 کو نہ صرف تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہو بلکہ اسے طرح طرح کی ذمہ داری اور جہانی ہمیشہ
 بھی پہنچاتے ہو۔ کیا تم خدا تعالیٰ کی گرفت سے خوف نہیں کہلاتے؟ یاں پر نوح علیہ السلام
 کو آپ کی قوم کے بھائی کہا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنی قوم اور برادر
 ہی کے ایک فرشتے اس لیے نسب ہیں ان کے بھائی کہتے تھے بعض نبیوں
 کو اللہ تعالیٰ نے غیر اقوام کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے مثلاً حضرت لوط علیہ السلام
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے مگر اللہ نے ان کو شرق اردن کی دوسری
 قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ ان کے خاندانی بھائی نہیں تھے۔ بھائی بھائی کے
 بعض دوست ذرا بے بھی ہیں مثلاً ایک ہی دین کے پیروکار آپس میں دینی بھائی
 ہوتے ہیں۔ ایک ملک کے باشندے یا ایک زبان بولنے والے لوگوں میں بھی ملی یا
 لسانی رشتہ اخوت موجود ہوتا ہے جب کسی غیر ملک میں جا کر ایک ہی ملک کے
 رہنے والے دو آدمی اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ ملکی بھائی کہلاتے ہیں۔ ہر مال لوت علیہ السلام
 علیٰ قومی اور نسبی اعتبار سے اپنی قوم کے فرد اور ان کے بھائی تھے۔ اسی لیے فرمایا
 کہ لوت علیہ السلام کی قوم سے ان کے بھائی نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ دیکھو
 اِنْفُ لَكُمْ رَسُولٌ امِینٌ میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا
 ہوں۔ ظاہر ہے کہ حق تبلیغ کی ادائیگی میں اللہ کا برائی امانت دار ہوتا ہے۔ جو
 تبلیغ کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام
 سے خطاب کر کے فرمایا یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

ذَٰلِكَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَالْعَالَمِينَ ۝۱۷
 رسول! یہ بتیرے رب کی طرف سے آیا گیا ہے کہ اسے اسے پہنچا دے۔
 پہنچا دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے حق رسالت نہی اور ایمان لیا غرضیکہ حضرت
 نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں فالتقوا
 اللہ واطيعوا پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ یہ نبی قوم کی تعلیم اور
 اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ انبیاء کی اطاعت کو یا اللہ نبی کی اطاعت سے ایمان
 فرمان باری تعالیٰ سے مکتب یقطع الرسول فقد اطاع الله (العن ۱۰)
 جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نوح علیہ السلام نے
 بھی قوم کو یہی کہا کہ اللہ کی گرفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ نیز فرمایا
 اس تبلیغ حق کے ضمن میں وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ مِنْ قَبْلِ
 رَبِّ كُوفُوا بِرَبِّكُمْ يَرْزُقْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ لَا يُبْذَلْ عَلَيْكُمْ
 شَيْءٌ مِنْ حَتَّىٰ يَأْتِيَكُمُ الْيَقِينُ ۝۱۸
 رَبِّ الْعَالَمِينَ میرا اجر تو تمام جہانوں کے پروردگار کے ہاتھ سے ہے۔ اسے
 انبیاء کا یہی مشن رہا ہے کہ وہ احکام الہی کی تبلیغ و تعلیم کے لیے کوئی معاوضہ طلب
 نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہترین بدلے سے امید دار
 ہوتے ہیں فالتقوا الله واطيعوا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت
 کرو کہ اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کا سب سے زیادہ فائدہ ہے۔ میری بے لوث اور بے غرض تبلیغ
 طاعتنا میں سے کہ میری طرف سے پیش کردہ حقیقی بات کو مان لو۔ یہاں پر اللہ نے امت
 کے ساتھ نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ ہود سورۃ یوسف سورۃ
 اسراف اور سورۃ نوح میں تفصیلات ہی بیان فرمائی ہیں

قوله من جواباً

جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے یہ پیغام رکھا قَالُوا الْيَقِينُ
 لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَالُونَ ۝۱۹ تو وہ کہنے لگے اے نوح! یہ ہم تیری بات
 کو مان نہیں مالاں ہم تیرے پیچھے چلنے والے تو رذیل لوگ ہیں۔ تیری مجلس میں کوئی نہیں
 لوگ بیٹھتے ہیں۔ مجدد محمد ان کے ساتھ کیسے بھیج دیتے ہیں جب کہ محمد علی خاندان اور

اعلیٰ مدنی کے اشرف لوگ میں یہی کبر کی بات تھی۔ جو قوم فرعون اور مردود نے بھی
 کی تھی۔ قریش مکہ بھی اسی بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ تیرے پاس گھٹیا درجہ
 کے لوگ آکر بیٹھتے ہیں ہم ان کی ہم نشینی کیسے اختیار کر سکتے ہیں حضور علیہ السلام کی
 حیاتِ طیبہ میں یہی کچھ ہوا۔ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ جیسے اشرف بہت کم تھے۔
 جو ابہرانی دور میں ایمان لائے۔ ورنہ جمہور خانہ انی آریوں کا حال یہی تھا کہ جب کوئی دوسرا
 راستہ پاتی نہ رہا تو چاروں چارہ ایمان لے آئے۔ ابوسفیانؓ نے بیس سال تک سخت
 مخالفت کی جنگیں لڑیں۔ پھر جب فتح ہو گیا تو ایمان لے آئے۔ اس کے بعد
 ان میں بڑا اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور وہ جاہلیت کی زندگی پر سخت افسوس کیا کرتے تھے
 خود اپنے خاندان کے لوگوں کے زہر و کما کرتے تھے کہ ہم نے سخت غلطی کی۔ لہذا
 اس غلطی کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ باقی زندگی میں دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی
 جائے۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے الشرائع کی امتوں میں غزوانی پہلے اسلام لائے
 حضور علیہ السلامؐ فرماتے ہیں بَدَاَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ
 كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ اسلام کی ابتدا غریبوں سے ہوئی اور پھر یہ
 لوگ ہی ملت کو رہ جائے گا۔ لہذا غریبوں کو خوش خبری کے مستحق ہیں۔ پس زندہ
 یا نامہ ان کی بناء پر کسی کو حقیر جانتا سخت جہالت کی بات ہے حضور علیہ السلامؐ کا فرمان
 ہے كَلُّكُمْ أَبْنَاءُ آدَمَ وَأَدَمُ مِنْ شَرْبِ تَمْرٍ سَبَّ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 کہ ہمارے سب لوگ آدمؑ کے بچے ہیں۔ لہذا پیدا ہونے والی ہر پرہیزی کوئی حقیر یا اشرف
 نہیں ہے کہہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (احزاب: ۱۳)
 اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور شریف وہ ہے جو زیادہ متقی ہے لہذا کسی کو کسی
 نام سے پیشے کی بناء پر کم تر خیال کرنا نہایت ہی بری بات ہے۔ بلکہ یہ توانائیت
 کی توہین ہے۔

فہم نے کرم نے پیشوں کے کمال سے جو افسوس کا منہ نکالا ہے وہ محض
 لوگوں کی دولت کے لئے ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کو آپس میں زیادہ بنا بہت ہوتی ہے
 صَلِّ صَلَوَاتَكَ عَلَى (فیاض)

لہذا اگر وہ آپس میں رشتے لمٹے کریں گے تو ان کے لیے آسانی ہوگی۔ اہم بات
 فرماتے ہیں کہ یہ کوئی لازم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ مسلمان دوست کا کفو ہے
 اور رشتہ کر سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کی عورتوں کا نکاح امتیہوں
 سے نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی غلط بات ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنے منہ بولے
 بیٹے زید جو آزاد کردہ غلام تھے، ہم نسل قریش نامزدان کی حضرت زینب سے
 کر لیا۔ اگرچہ بوجہ اُن کا نباہ نہ ہو سکا۔ مگر ہر مومن دوست مومن کا کفو ہے۔ ہاں اگر
 کوئی مرد یا عورت دینی یا اخلاقی اعتبار سے محبوب سے تو اس میں خرابی آنے کی
 گریہ شرافت یا رذالت دین اور اخلاق کے اعتبار سے ہے نہ کہ بھداری، خاندان
 اور پیشوں کے اعتبار سے۔ بعض نامزدانوں کو اللہ نے دنیاوی طور پر بھی معزز بنایا
 ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ورنہ حقیقت میں تو ساری
 اولاد آدمی میں بہر حال نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کے کما کہ ہم آپ پر کیسے
 ایمان لائے تھے ہیں۔ جب کہ آپ کے ہم نشین اور اتباع کرنے والے تو رذیل لوگ ہیں۔
 اِشَادَہُ ہوتا ہے قَالَ وَمَا عَلَّمِيْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
 نوح علیہ السلام نے فرمایا، مجھے کیا علم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اِنْ حِسَابُنْہُمْ
 اِلَّا عِلْمِ رَبِّیْ فَکَیْفَ تَشْعُرُوْنَ اُن کا حساب تو میرے رب کے پاس ہے
 اگر تم کچھ شعور رکھتے ہو۔ طالب یہ کہ جن لوگوں نے عداوت دل سے ایمان قبول
 کیا ہے اُن کی نسبت اور ارادے کو زندہ اللہ ہی جانتا ہے اُن کے اعمال
 بھی اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ تم اُن کو حقیر سمجھتے ہو مگر وہ تو ایسا نہیں سمجھتا لہذا
 میں اُن کو اپنی محاسن سے کیوں اٹھا دوں۔ میں تو تمھارے لئے یہ ایسا عار کئے
 کے لیے تیار نہیں ہوں، تمھارا خیال غلط ہے کہ ہدایت مستلک کر کے اپنے گمراہ
 کہیں لوگ ہیں بلکہ اللہ کے ہاں یہ اہل ایمان عزت و احترام سے قابل ہیں۔
 اِنْدَ اَوْ مَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ میں ان مجلس ایمان والوں کو
 اپنی مجلس سے نہ نکالتا۔ اِنِّ اَنَا لَا تَدْرِیْ مَبِیْنِیْ

ایمان
 کی قدر و قیمت

میرا حیاتیت تو یہ ہے کہ میں کھول کر ڈرنا ہے۔ الہوں۔ دوسری جگہ یہ بھی وجود
 ہے کہ اگر میں ان ایمان والوں کو وسیلہ دوں گا تو ظاہر بن جائوں گا (العیاذ باللہ)
 یہاں پر کسی کے نامزدان اور قبیلے کا سماں نہیں۔ بار ایمان اور انہیں جس کی قدر قیمت
 ہے۔ یہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس کا دل نور ایمان اور نور توبہ سے نور ہے؟
 کہ ان شخص سے جو اطاعت کرتا ہے اور صدق و امانت کا پاسدار ہے؟

نور نور کی
 طرز سے ہوگی

نور علیہ السلام کی توبہ و دلیل کے ساتھ تو کوئی بات یہ نہ کہ کسی اس لیے انہوں نے
 آپ کو دیکھاں اپنی شروع کر دیں۔ قَالُوا لَیْن لَّمْ تَنْتَهِ یَنُوحْ
کُنْ لَکَ نُونٌ عَلَیْہِ سَلَامٌ اَکْرِہُ لَو اِنِّیْ تَبْلُغُ سے بَرَزْنَا بِآیَاتِکَ کُوْنُ مِنْ
الْمَرْجُوْمِیْنَ تو موبائے کا تو شکار کیے ہوؤں میں سے یہ سب یہ کہ اگر تو
 اپنی نیکتوں سے باز نہیں آئے گا تو تم تمہیں پتھر مار کر مار لک کر دیں گے یہ قسم
 کا ہے۔ و تبریل یا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اکیلا آدمی ہے چند مزد و قسم سے
 لوگ اس کے حقائق میں سمجھ جاتے ہیں ان کے ساتھ کر گزریں گے چنانچہ انہوں
 نے نور علیہ السلام کو بہت زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں آپ کو بار بار کہہ
 بیرون کر دیتے تھے۔ ذرا موش آتی تو پھر اسٹر کا پیغام سن لیتے تھے۔

جیتے رہیں

ان تمام تر کھلیت کے باوجود نور علیہ السلام نے اپنا مشن جاری رکھی
 سورۃ کہن میں موجود ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یہ وہ
الْحِفْ دَعُوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَ نَهَارًا آیت ۱۵ میں نے اپنی
 قوم پر شب و روز توبہ و ایمان کی دعوت دی۔ الْحِفْ دَعُوْتُھُمْ جَہَارًا
 آیت ۱۶ میں نے ان کو علانیہ ایمان تبلیغ کی۔ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَھُمْ
وَ اَسْرَرْتُ لَھُمْ اَسْرَارًا آیت ۱۹ میں نے ان کو ظاہر بھی دعوت دی
 اور خفیہ طور پر بھی سمجھایا کہ انہوں نے میری ایک نہ مانی تمام لوگ مغرور اور سرکش
 تھے سمجھئے ان بہتر یا انی افراد کے جو شوق میں سوار ہوئے اللہ نے ماری قوم میں
 کہ قَوْمًا عَمِیْنًا (الاعراف ۱۶۲) انہیں آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں تو قیں

مکہ وال کے مذمت کرتے، وہ حق کو اپنا پاسنے کے لیے تیار نہ تھے۔ آخر میں مہکم
 اگر نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا قَالَ رَبِّ اَنْتَ
 قَوْمِي كَذَّبُوْنِي بِمَا كُنْتُ اَدْعِيْهِمْ اِلَيْهِ فَاَفْتَحْ
 بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا پس میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے
 وَتَجْعَلْنِيْ مِنْ مَّعِي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور مجھے اور یہ سب ساتھ
 دوسرے درمیان والوں کو نجات دے اللہ کے سنت ہی سے عذاب پر سب کو کرنے
 سے مگر آخر اللہ کے سامنے اپنی مدد کے لیے درخواست کرنے پر مجبور ہو
 گئے۔ قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِيْ بِمَا كُنْتُ اَدْعِيْهِمْ اِلَيْهِ فَاَفْتَحْ
 میری مدد فرما کہ یہ لوگ مجھے جھٹلاتے ہیں۔

دُعَا
 قُبُوْلِ

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، فَاجْبِبْنَاهُ
 وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُوْنِ پس ہم نے نجات دی نہ صرف
 نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی کے ذریعے یہاں پر کشتی بناتے
 اور پھر طوفان آنے کا ڈر نہ کیا۔ دوسری سورتوں میں مسلسل حالات مذکور ہیں
 نوح علیہ السلام کی دعا کے ضمن میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ تمہارے آپ کو اور آپ کے
 ساتھ والے بھائی بھائی افراد کو بچا لیا جو کشتی میں سوار ہو گئے۔ یہ کشتی اللہ کے حکم سے تشریف
 لے کر نوح علیہ السلام نے کشتی پر بنائی تھی جس کی لمبائی ساڑھے چار سو فٹ تھی یہ تین منزلہ
 کشتی تھی اور ہمارے زمانے کے سفینہ جہان جیسے بحری جہاز کے مانند تھی جس میں
 جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور باقی اہل انسانی تھے جن میں نوح علیہ السلام کے دو بیٹے
 اور ان کی بیویاں بھی شامل تھیں

بہر حال فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بچا لیا ثُمَّ
 اَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ پھر اس کے بعد تمہارے باقی سب اہل انسانی اور
 جانوروں کو پانی میں ڈبو کر مٹا کر دیا یہ آنا بڑا سیلاب تھا جس کی نظیر پوری انسانی
 تاریخ میں نہیں ملتی۔ تو ازل سے بیان کے مطابق انہی کو پانی میں نہر میں ڈبو کر

یعنی سیس فٹ اور نچا چلا گیا اور سب کچھ غرق ہو گیا فرمایا: إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
 اس سائے واقعہ میں ایک نشانی ہے جسے اہل مکہ اور بعد میں آنے والے بھی دیکھ
 لیں کہ خبر ہوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ اس کتب کو ہی اللہ نے نشانی کے
 طور پر باقی رکھا ہے جو کہ انسانی تاریخ کا ایک نمونہ ہے۔ اس قدر بڑے انجام کے
 باوجود اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ الشّر لو کہ ایمان
 قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں کہ انبیاء کی آمد کتب کے نزول اور
 ہدایت کے دیگر تمام تر اسباب مہیا ہونے کے باوجود لوگوں کی الشّریت ایمان
 سے خالی ہے لوگ غفلت میں پڑے ہونے میں اور کفر، شرک اور رحم و درودان
 کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ فَرِادَاتِ رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ بیشک تیرا پروردگار غالب بھی ہے اور رحیم ہی ہے۔ حضرت
 نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے حق میں خدا تعالیٰ کی صفت رحمت
 کا مظہر ہوا جب کہ باقی مجرموں کے لیے اس کی صفت عزیز کا مظہر ہوا کہ وہ سب
 پر غالب ہی ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ
 هُودٌ إِلَّا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا
 اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
 أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ كُلٌّ رِيعَ
 آيَةٍ تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ
 تَخْلَدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
 وَاطِيعُونَ ﴿١٣١﴾

ترجمہ: جھڑپا قوم عاد نے اللہ کے رسول کو ﴿۱۲۳﴾ جب
 کہا ان کے لیے میں نے تمہاری ہود علیہ السلام نے کیا تم
 ڈرتے نہیں؟ ﴿۱۲۴﴾ بیشک میں تمہارے یہ رسول ہوں
 امانت دار ﴿۱۲۵﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۲۶﴾
 اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ میرے ہونے
 ہے مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۲۷﴾ کیا بناتے ہو تم ہر جہ
 جگہ پر ایک نشانی جس کے ساتھ تم کہیں کرتے ہو ﴿۱۲۸﴾
 اور بناتے ہو تم مختلف کاریگریاں دیا عایشان مکانات شاید
 کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۲۹﴾ اور جب تم ہاتھ ڈالتے ہو
 کسی پر تو گرفت کرتے ہو تم ظہم کے ساتھ ﴿۱۳۰﴾ پس اللہ سے
 ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۳۱﴾

یہ قسلی کا سنمون بیان ہو رہا ہے۔ سورۃ ہذا کی ابتدائی آیات میں
 صو علیہ السلوۃ والسلام اور آپؐ راہی، کو قسلی دی گئی تھی کہ آپ اتنی زیادہ فکر نہ کریں اور
 یہ لوگ آپ کی بات کو تسلیم نہ کریں گے۔ بلکہ آپؐ ایذا پہنچا کر کہتے رہیں گے
 اور تم ان کے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہیں، اب اسی سلسلے میں سابقہ اقوام کا حال بیان کیا
 گیا ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر مشرکین بہت بڑے سرکش میں تو ان سے
 پہلی قوم کے لوگ بھی کوئی کم سرکش نہیں تھے۔ انہوں نے بھی اپنے اپنے الٰہوں
 علیہم السلام کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ ان کو تخریب کی مگر وہ خود ہی ہلاک ہوئے
 مضمون میں قوم فرعون، قوم ابراہیم اور قوم نوح کا ذکر ہو چکا ہے۔ قوم فرعون اور قوم
 نوح کو اللہ نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے
 باپ اول بھی بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ انہوں نے آپ کو سات سال تک قید میں
 رکھا۔ پھر آپ کو بڑی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ نے آپ کو صحیح سلامت بچا
 دیا۔ پھر بابل والوں پر اللہ کی گرفت آئی اور وہ تباہ و برباد ہوئے۔ اب آج کے
 برس میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول حضرت
 ہود علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان کو کیا انجام ہوا۔

قوم عاد
 کا حال

ارشاد ہوتا ہے کَذَّبَتْ عَادُ الْعِصْرَ لَمَّا بَلَغَ لُوطُ مَعَهُمْ عَادُ نَارٍ
 مَجْہُلاً اِذَا رَآهٖ مِنْهُمْ اَخَاهُ وَرَءٰی اٰیٰتِ الْاٰلِ الْاٰثِرِ اِذَا رَآهٖ مِنْهُمْ اَخَاهُ وَرَءٰی اٰیٰتِ الْاٰلِ الْاٰثِرِ
 وجہ یہ ہے کہ تمام رسولوں کا دین اور مشن تو ایک ہی رہا ہے لہذا کسی ایک رسول کا
 مجھنا تمام رسولوں کو مجھانے کے مترادف ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی
 اپنی قوم کو اسی طرح خطاب کیا اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ هُوْدُ حَسْبُكُمْ اِنْ
 كُنْتُمْ اٰتِیْنَ اِلٰیَّ بِبَیِّنٰتٍ مِّنْ سِیِّئٰتِكُمْ اَوْ اِنْ كُنْتُمْ اٰتِیْنَ اِلٰیَّ بِبَیِّنٰتٍ مِّنْ سِیِّئٰتِكُمْ
 یعنی اسی قوم کے فرد تھے۔ اس لیے آپ کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ تو انہوں نے
 اپنی قوم سے فرمایا اَلَا تَتَّقُوْنَ اَللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ اَنْفُسَکُمْ وَارْءٰی اٰیٰتِ الْاٰلِ الْاٰثِرِ
 کہ تم تمہارے اسرار اور دیگر طرح طرح کی باریوں میں مبتلا ہو کفر و شرک تمہارا شعار ہے
 مگر اس کے باوجود تم خدا تعالیٰ کی کثرت سے ڈرتے نہیں۔ یاد رکھو اِلَّا رَءٰی اٰیٰتِ الْاٰلِ الْاٰثِرِ

رَسُولِ امِّیْنٍ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول اور امانتداروں میں تمہیں امانت
 کہ پیغام بے مکہ و کاست پہنچاتا ہوں کسی کی در رعایت نہیں رکھتا لہذا فَاتَّقُوا اللَّهَ
 وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اس کے بعد آپ نے وہی
 جادو ہوا جو سات نبی کہتے آئے ہیں وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَبَرٍ
 یہ تم سے اس تبلیغ حق کے عوض کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا کہو اِنَّ اَحْبَرَی
 اَلَا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کیونکہ میرا بدلہ تو صرف تمام جہانوں کے پروردگار
 کے ذمے ہے۔ وہی مجھے حق محمدؐ تازہ ادا کرے گا۔ میرا تم سے صرف یہ مطالبہ ہے
 کہ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرو اور میری بات مان کر بدعت کے راستہ پر گمان نہ ہو بار
 کفر شرک اور معاصی کو ترک کر کے اللہ کے مقبول بندہ سے بن جاؤ۔

اسراف کی
 بیماری

مختلف اقوام میں مختلف اخلاقی بیماریاں پائی جاتی رہی ہیں۔ عقیدہ کی بیماری
 کفر، شرک تو سب قوم میں تھا، تبسم قوم لوح، قوم برہانہ اور قوم فرعون کی اخلاقی
 بیماریوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح قوم عاد میں ظلم و ستم کے علاوہ اسراف کی
 بیماری عام تھی۔ بڑی بڑی عمارات تعمیر کرنا ان کا عام مشغلہ تھا جن کا کوئی خاص مصرف
 نہیں بلکہ محض نمود و نمائش مطلوب ہوتی تھی۔ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا اَتَّبِعُوا رِیْعَ
 رِیْعَ اٰیۃٍ تَعْبَثُوْنَ کیا بات ہے؟ قوم ہود کی جگہ پر کوئی نشانی سن نہیں
 لیے؟ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصٰنِعَ اور طرح طرح کی کاریگریاں یا مکانات بناتے
 ہو لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ کہ بات نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ آپ نے اپنی
 قوم کی توجہ اس طرف دلائی کہ تم عالیشان عمارات بنا کر اور اس میں نشین رہ کر
 فضول خرچی کے مرتب ہو رہے ہو۔ رہائش یا کسی دوسرے ضروری مقصد کے لیے
 کوئی عمارت تعمیر کی جائے تو اس میں تو کوئی مسرت نہیں مگر اتنی بڑی عمارت بنا
 جن کا کوئی مصرف نہ ہو، محض اسراف ہے۔ اللہ کے نبی نے قوم کو ایسی بات سے
 منع فرمایا۔

قوم ماد حضرت، نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے سامی نسل سے تعلق رکھتی تھی ان کا مرکز بین کے اطراف میں رادی وابتا اور ریگستانی علاقہ تھا۔ یہ لوگ فن تعمیر کے ماہر تھے۔ انہوں نے بیشمار عمارتیں تعمیر کیں جن میں قصر محمدان یا محمدان چالیس منزلہ تھا۔ اس کے کفندرات حضرت عثمانؓ کے دور تک پائے جاتے تھے۔ مصر سے لے کر ترکستان، ہندوستان اور ایشیا کے دیگر ممالک پر ان کا وہبہ تھا۔ ابراہیم مصر بھی ساٹھ پانچ ہزار سال پہلے ہی کچھ سلامت ہیں اور کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں جس طرح فرعون مصر کو بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا شوق تھا، اسی طرح قوم ماد بھی نمود و نمائش کے لیے عالیشان عمارتیں تعمیر کرتی تھیں۔

عبد بخارا

ان آیات میں آمدہ الفاظ ریع، تعبثون اور مصانع خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ ریع کا معنی درہ بھی ہوتا ہے مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ریع کا معنی اونچی جگہ ہے۔ قوم ماد کے لوگ اونچے ٹیلے پر اونچی عمارتیں بنانا اور گنبد وغیرہ بناتے تھے۔ دوسرے لفظ مصانع ہے جو صنعت کی جمع ہے۔ آج کل یہ لفظ فیکٹری یا کارخانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگر یہ لفظ بطور معمرہ مورتو اس کا معنی مختلف کاریگیاں یا فنون ہوگا۔ تاہم یہاں یہ عالیشان مکانات محلات، مینار، گنبد اور کبوتر اڑانے کے اونچے جھوڑے مراد ہیں جنہیں قوم ماد کے لوگ تعمیر کرنے لگے تھے۔ قرآن پاک کی رو سے بلا ضرورت ایسی شاندار عمارت تعمیر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ جسے اس مقام پر عبث سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی فضول بے مقصد، عبث قول سے ہوا فعل سے دونوں طرح ناہائز ہے۔ غرضیکہ عبث ہر وہ چیز ہے جس کا نتیجہ ان کے حق میں آخرت کے اعتبار سے اچھا نہ نکلے اور یہ قابل مذمت ہے۔ پرانی اقوام میں اس قسم کی عبث عمارت مسریوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں مشہور اہرام مصر فرعون کے قبرستان اور مقبرے میں بے مقصد ہیں

تان امریکہ منبر جہانگیر مقبرہ نور جاں، قطب سب کی لاٹ وغیرہ اسی قبیل
 سے ہیں۔ حیدر آباد دکن میں کسی امیر آدمی نے قسطنطنیہ منانا کر افضل الدولہ کو تحفہ
 میں ۱۰ یا ۱۲ ہزار روپے اور پہنا ہوا، مالیشان محل سے جس کے چالیس کمرے
 ہیں اور ہر کمرے کی آرائش، تزیین و زینت، فرنیچر پر سے جنگ و زین اور
 ماحول الگ الگ ہے۔ اسی طرف پاکستان کی تاریخ میں جہان صاحب کا مقبرہ
 کمرہ زرد کی لاگت سے تعمیر ہوا ہے۔ لاہور میں منار پاکستان سے ملے اقبال
 کا مقبرہ ہے اس کے علاوہ کھیلوں کے لیے بڑے بڑے سٹیڈیم اور کمپلیکس تعمیر ہوئے
 ہیں جن پر کروڑوں روپیہ صرف ہوا ہے۔ یہ سب عمارات نام و نمود کے لیے
 تعمیر ہوئی ہیں مگر نہ ان کا حقیقی فائدہ کچھ نہیں۔ ان کی بجائے اگر یہی روپیہ سکول
 کالج یا لائبریریاں بنائے پر صرف ہوتا تو لوگوں کو اجتماعی فائدہ ہوتا، غریب لوگوں
 کے مکانات تعمیر ہوتے تو ان کے بچوں کو سڑی اور گرمی سے پناہ گاہ حاصل
 ہو جاتی جس سے ہزاروں خاندان مستفید ہو سکتے تھے مگر اس قسم کی مالیشان عمارت
 جن کا کوئی خاص مقصد نہیں عبت کی تعریف میں آتی ہیں۔ جلا ابراہیم مصر فرعونوں
 کو آخرت میں کیا فائدہ دیں گے، ان کی شہرت اسی دنیا تک محدود ہے۔ اسی طرف
 ستر لاکھ روپے سے تعمیر ہونے والا لاہور کا منار پاکستان کس قدر مفید ہو سکتا ہے۔
 یہی رقم اگر لوگوں کی تالیف قلوب پر ہی صرف ہوتی تو لوگ مرتد ہونے سے بچ
 جاتے، عیسائی مشنریاں اسی دولت کی بنا پر مسلمانوں کو عیسائی بناسی میں۔ نادار
 مسلمانوں کی دست گیری کی جائے تو لوگ اسلام جیسے اعلیٰ و رفیع دین کو فروخت
 کرنے پر توجہ نہ ہوں، لبنان کی جنگ کے نتیجے میں بارہ سو لاکھ پڑ پڑوں کو
 انگریزوں نے اپنی کفالت میں لے لیا، آخر وہ عیسائی ہی بنیں گے۔ دنیا سے اسلام
 کی نظریں ان ضروری کاموں کی طرف کیوں نہیں اٹھتیں، ذاتی نمائش کے لیے مالیشان
 محلات، سر فلک چارے، بڑے بڑے اجمالی ہال، پریذیڈنٹ ہاؤس اور وزیر اعظم
 ہاؤس جیسی عمارات محض شان و شوکت کا اظہار نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ ضرورتیں ہیں؟

نہ عمارت سے پورے نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب فضول خرچی ہے جو کہ عبث ہے۔
 طبرانی نے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے جسے صاحب
 تفسیر مظہری نے بھی نقل کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ
 کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی دولت کو مٹا دیتا ہے اور گناہوں
 میں لگا دیتا ہے۔ دیکھ لیں آج جلد تک بازی کا شوق کن لوگوں کے سروں پر سوار
 ہو چکا ہے۔ آخرت کی کچھ فکر نہیں۔ محض دنیا کی نمود و نمائش کے لیے عمارت تعمیر
 کی جا رہی ہیں، مگر نہ اگر محض رہائش مقصود ہو تو وہ کم خرچ سے حقارتی جگہ پر بھی بن
 سکتی ہے۔ اس کے آرائش و زیبائش کے اخراجات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ مگر لوگ
 ان کو اس طرح تعمیر کر رہے ہیں گویا کہ ہمیشہ ان میں رہائش پذیر ہوں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے کُلُّ بَنَاءٍ وَبَالٌ
 عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا بُرْعَةَ لَهُ يَبْنِي لِنَفْسِهِ كَيْفَ
 بَاعَثَ وَبَالَ بَوَاقِي سَوَانِ اس کے جو ضروری سے اور جس میں رہائش مقصود ہے
 دوسری روایت میں آتا ہے۔ ہر بنائی جانے والی عمارت وبال ہے الا ما كان
 مَسْجِدًا أَوْ دَارًا سَوَاءً مَسْجِدًا أَوْ دَارًا مَسْجِدًا أَوْ دَارًا مَسْجِدًا
 اس میں کوئی صرح نہیں۔ باقی عمارتیں انسان کے لیے وبال جان ہیں۔ لوگ انہیں
 یادگار کے طور پر بناتے ہیں مگر آخرت میں ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ایسے
 لوگ اسراف کے دہرہ میں قابلِ مواخذہ ہوں گے۔

شہادہ اسی قوم کا ایک فرد تھا جس نے اپنی تعمیر کو لیا تھا۔ اس نے دنیا میں جنت
 کا نمونہ تیار کر دیا۔ وہ بھی سمجھتا تھا کہ اس میں ہمیشہ سے ہوگا۔ مگر اس کو اس باغ میں رہنے بھی
 نصیب نہ ہوا۔ ابھی دروازے پہنچا تھا کہ موت کا وقت آگیا۔ ایک اور روایت میں
 بھی دنیا کی بے ثباتی اور انسانی زندگی کی قلت اور وقوعِ موت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سب
 کچھ دوزخہ مشاہدہ میں آ رہا ہے مگر ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ موت دوسروں کے لیے ہے
 اور وہ ہمیشہ سے ہے۔ اور اسی زعم میں بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔

دنیا کی
 بے ثباتی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستے میں حضور علیہ السلام کو مٹیاب کی حاجت ہوئی۔ آپؐ فارغ ہو کر فوراً مٹی سے تمیمہ کر لیا۔ میں نے عرض کیا: حضور! اپنی تو قریب ہی سے آپ ذرا توقف فرما کر وضو ہی کر لیتے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: وَمَا يُذَرِّبُنِي لَعَلِّي لَا أَبْلُغُ بِحَجَّتِي مَا يَنْبَغِي لِي بِهَا۔ لہذا میں نے فوری طور پر تمیمہ ہی کر لیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ و ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو ہمارے پاس گزر ہوا۔ میں اور میری والدہ اُس وقت اپنی جھونپڑی سرت کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: عِبْدَ اللّٰهِ! کیا کہہ سکتے ہو عرض کیا: حضور! جھونپڑی اصلات طلب تھی اُس کو ٹھیک کر رہے ہیں۔ فرمایا: اَلَا مَسْرُوعٌ جَعَلَ مِنْ ذٰلِكَ مَعَالِمًا لَّاسِ عِلْمٍ يَّهْدِي سَبِيلًا۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس جھونپڑی کی درستگی کے بعد تمہیں اس میں رہنا بھی نصیب ہو گا یا نہیں۔ کیا پتہ کہ موت کس وقت آجائے۔

حضرت ابوذرؓ
کہا و غلط

جس طرح حضرت ابوذر غفاریؓ کمال درجے کے مجذوب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افتخار الامت یعنی امت محمدیہ کے بڑے فقیہ تھے۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ و حضور علیہ السلام کی امت کے حکیم الامت تھے۔ مسلمانوں کے عدوؤں کے زمانے میں آپ دمشق گئے تو دیکھا کہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں۔ آپ مسجد میں آئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر اعلان کیا: اے اہل دمشق! میری بات سنو! کیا تمہیں جانا نہیں آتی کہ عالیشان عمارت بنانے کے جو۔

تَجْمَعُونَ مَالًا تَأْكُلُونَهُ تَمِيسِي فِيهِ جَنَائِدُ يَجْمَعُونَ مَالًا تَأْكُلُونَهُ تَمِيسِي فِيهِ جَنَائِدُ۔ تم سے پنے بہت سی قومیں کوزی میں جو جمع کرتی تھیں، مال و دولت سمیٹ سمیٹ کر رکھتی تھیں، مغسوطہ تعذبات کرتی تھیں، ایسی آرزوئیں بلند کرتی تھیں مگر یہ سب چیزیں باطل ثابت ہوئیں اور وہ

قومیں ہلک ہو گئیں۔ فرمایا اب اُن قوموں کے مساکن قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ دیکھو! قوم ماد مدین سے عمان تک بد سراقہ ارتقی۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ دوڑتے تھے، اُن کے پاس آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ مگر آج اُن کی پوری وادی ویران اور سنان پڑی ہوئی ہے جسے کوئی کئے پر بھی لینے کے لیے آمادہ نہیں۔ مہلک قوم لوگ کن کاموں میں مصروف ہو گئے ہو کہ بڑی بڑی عمارتیں بنانا شروع کر دی ہیں۔

بہر حال اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبت کیا بھی ہو اچھا نہیں ہے۔ ایسی عمارتیں بنانا جن کا کوئی خاص مصرف نہ ہو، محض نمود و نمائش کا اظہار ہو۔ ان کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایا کرنا بری بات سے اور حضرت ہو علیہ السلام کے بیان سے ان کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔

ظلم و ستم

حضرت ہو علیہ السلام نے اپنی قوم کی دوسری ضرابی یہ بیان فرمائی وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ لوگو! جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو ظلم و ستم ڈالتے ہو قوم عاد کے لوگ اپنے ارد گرد کے کمزور لوگوں پر بڑا ظلم کرتے تھے، اُن سے بچا رہتے، اُن کی مزدوری ادا نہ کرتے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اللہ کے نبی نے اُن کو ظلم و ستم سے منع کیا۔ غرضیہ اللہ تعالیٰ نے غرور، تجبر، شرک، کفر، فضول خرچی، نمود و نمائش، فضول عمارات، مینار اور گنبد تعمیر کرنے اور ناداریں کمزوروں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کے نبی ہو علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان باتوں سے آگاہ کیا اور یہ بھی فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ اور میری بات مانو۔ میں تمہیں اللہ کے احکام و نصیحتیں پہنچا رہا ہوں کہ میں اس کا امانتدار رسول ہوں۔ اگلی آیات میں مزید وعظ و نصیحت کا ذکر ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۖ (۱۳۲) أَمَدَّكُمْ
 بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۖ وَجَدْتُمْ وَعُيُونَكُمْ ۖ (۱۳۳) إِلَىٰ أَخَافُ
 عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ (۱۳۴) قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا
 أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۖ (۱۳۵) إِنْ هَذَا إِلَّا
 خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۖ (۱۳۶) وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۖ (۱۳۷) فَكَذَّبُوهُ
 فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۖ (۱۳۸)
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ (۱۳۹)

ع
۱۳۸

ترجمہ:- اور ڈرو اُس ذات سے جس نے تم کو مدد پہنچائی
 ہے اُن چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو (۱۳۲) اُس نے
 مدد پہنچائی ہے تم کو جانوروں کے ساتھ اور بیٹوں کے
 ساتھ (۱۳۳) اور باغات کے ساتھ اور چشموں کے ساتھ (۱۳۴)
 بیشک میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب
 سے (۱۳۵) کیا اُن لوگوں نے (جواب میں) برابر ہے کہ تو
 نصیحت کرے یا نہ ہو تو نصیحت کرنے والوں میں سے (۱۳۶)
 نہیں ہے یہ مگر عادت پہلے لوگوں کی (۱۳۷) اور نہیں
 ایسے ہم کہ ہمیں سزا دی جائے (۱۳۸) پس جھٹلایا انہوں نے
 اُس (پیغمبر) کو۔ پھر ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ بیشک اس
 میں ابتداء نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے (۱۳۹)

اور تحقیق تیرا پروردگار وہی ہے زبیر دست ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے (۱۴۰)

ربلا آیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کے ساتھ فرعون کا ذکر کیا۔ پھر نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال بیان کیا۔ اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ پھر ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا حال بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام میں پانی جانے والی بیماریوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے نبی اپنی اپنی اقوام کو ان خرابیوں سے منع کرتے رہے، کفر و شرک کی بیماری تو تمام اقوام میں قدر مشترک تھی۔ اس کے علاوہ کسی میں معاملات کی خرابی تھی کسی میں ظلم و زیادتی پانی باقی تھی اور کوئی قوم خلاف وضع فطری امر میں مبتلا تھی۔ بعض میں غرور و تکبر اس حد تک تھا کہ وہ اللہ کے نبی کو کہتے کہ تم تمھاری مجلس میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں جب کہ تمھارے پاس حقیر لوگوں کی نشست و برخاست ہے۔ گذشتہ درس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ ایک تو ان میں ہنس بکھڑت تھا، وہ بڑی بڑی عمارت، گنبد، مینار اور مقبرے بناتے تھے۔ جن کا کوئی فائدہ نہ تھا، محض نمود و نمائش تھی اور دوسرے یہ کہ وہ ظالم و جابر قسم کے لوگ تھے کم تر لوگوں پر زیادتی کرتے تھے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو نہایت سختی سے پیش آتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکہ آرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ جلد انبیاء علیہم السلام کے مشن میں جہل، غفانہ، اعمال اور اخلاق کی اصلاح شامل تھی وہاں رفع الظلم من بین الناس بھی شامل رہا ہے۔ یعنی برائی کو غیر برائی سمجھی رہا ہے کہ لوگوں کو ظلم و زیادتی سے منع فرمائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ظلم و ستم سے منع فرمایا، اور ساتھ ساتھ یہ انعامات بھی گنولے

لے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ (فیاض)

ہو اللہ نے ان پر کیے تھے اور ان کا شکر ادا کرنے کی تہنیتیں فرمائی۔ انعام ہمیشہ اپنے منعم کا شکر یہ چاہتا ہے جنہو علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے مَنْ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهُ جو شخص لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ہی شکر گزاری نہیں کرتا، فرمایا جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرے اُس کو احسان کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ نہیں دے سکتے تو کم از کم اُس کے لیے دعائے خیر ہی کر دو۔ اب آج کے درس میں ہو علیہ السلام کی طرف سے بیان کردہ اللہ کے بعض انعامات کا ذکر ہے اس کے ساتھ قوم کا جواب اور پھر ان کی ہلاکت کا تذکرہ ہے۔

انعام الہیہ
کا شکر یہ

ہو علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا وَالْقَوْمَ الَّذِي كَفَرُوا بِمَا تَعْلَمُونَ اللہ تعالیٰ کی اس ذات سے ڈرنا جس نے تمہیں، رہنمائی ہے ان چیزوں کے ساتھ جن کو تم جانتے ہو۔ سب سے بڑی نعمت تمہارا اپنا وجود ہے اور پھر اس جسم کو مٹنے والی بے شمار بیرونی نعمتیں ہیں جن میں تم ڈوبے ہوئے ہو۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (آیت ۱۹۰) اگر تم اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ ان کی تعداد اور مقدار اس قدر زیادہ ہے کہ تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (ابراہیم - ۱۲۴) انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکر گزار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان عمر بھر عبادت و ریاضت میں گزار کر اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ ترین نعمت کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تمام نعمتوں کا احاطہ کر کے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انسان کی طرف سے مقبوض سے شکر یہ کے ساتھ بھی راضی ہو جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیشمار نعمتیں پسلیا دی ہیں جو روزمرہ تمہارے مشاہدہ میں آتی ہیں اور تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔

موشی اور
بیٹے

آگے اللہ نے بعض نعمتوں کا نام لے کر بھی ذکر کیا ہے۔ فرمایا اَمَّا كُمْ بِاَنْفَعَامِ وَبَنِيْنِ اَسْنِے تمہاری مدد کی موشیوں اور بیٹوں سے۔ موشی انسانی

زندگی کے لوازمات میں داخل ہیں۔ سورۃ زمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْفَامِ ثَمَرًا (آیت ۶۰) اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کیلئے مویشیوں کے اٹھ جوڑے پیدا کیے۔ یہ وہی اٹھ جوڑے ہیں جو انسان کے ساتھ مانوس ہیں اور انسان کے پالتو جانور ہیں اور جن کے متعلق اللہ نے سورۃ المائدہ کی ابتدا میں فرمایا أَجَلْتُ لَكُمْ بِهَيْئَةِ الْأَنْفَامِ (آیت ۱۰) لوگ! تمہارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل سورۃ الانعام میں موجود ہے کہ ان سے مراد اونٹ، گھانے، بھینس اور بکری کے نر و مادہ ہیں۔ لوگ! ان کا دودھ، گھی، بال اور کھال استعمال کرتے ہیں۔ ان سے سواری اور بار برداری کا کام لیتے ہیں اور شریعت کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ یہ جانور انسان کے خادم ہیں۔ انسانی خدمت اللہ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور انہیں عیسایا قنور جانور جیسے بچھڑ جاتا ہے تو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑا مگر عام طور پر اس کی فطرت یہ ہے کہ ایک تین سال کا بچہ اونٹ کی نظار کی مہار پکڑے اور بدھڑپے لے جاسکتا ہے۔ اونٹ اس قدر فرمانبردار ہے۔ اسی لیے اس پر سواری کے وقت اللہ نے یوں کہنے کا حکم دیا ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ (الزخرف - ۱۳) پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو ہمارے بس میں کر دیا، وگرنہ ان کو قابو کرنا ہمارے لیے ممکن نہ تھا حقیقت یہ ہے کہ انسان ان جانوروں کے ایک بال کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ ایک بال بنانے کے لیے بھی اللہ کی قدرت کا پورا کارخانہ حرکت میں آتا ہے۔ ورنہ کون ہے جو ایک بال بھی بنا کر دکھائے یہ تو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے کہ اس کا معمولی سا شکر بھی ادا کر دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے جنسور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسان پانی کا گھونڈہ پی کر جب الحمد للہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی راضی ہو جاتا ہے کہ اُس کے بندے نے اس کا شکر یہ ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قدر قدردان ہے۔

قوم عاد کو بھی اللہ نے اونٹوں کی نعمت عطا فرمائی۔ مین کے صحراؤں میں ان کے

اونٹ دوڑتے تھے جہاں دوسری کوئی سواری میسر نہ تھی۔ اونٹ کو سفینۃ السحر یعنی صحراؤں کی کشتی بھی کہا گیا ہے۔ جب تک جدید ذرائع نقل و حمل نہیں تھے اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ہمارے اس بھی بلا کوٹ سے مگلت تک ایک اونٹ بارہ من بوجھ اٹھا کر بیس دن میں پہنچا دیتا تھا۔ اب تو جوانی جہاز میں لوگ راولپنڈی سے مگلت صرف سوا گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں بار برداری کے بڑے بڑے ٹرک ہیں مگر پہلے زمانے میں اونٹ ایک بہت بڑی نعمت شمار ہوتا تھا۔

اللہ نے یہاں پر انعام کے طور پر بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے بیٹے اور بیٹیاں بھی اللہ کی نعمت ہیں مگر بیٹوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ یہ انسان کے لیے زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ مشقت کے سائے کام میں انجام دیتے ہیں، مال و جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور انسان کی نسل بھی انہی سے چلتی ہے۔ بیٹیاں تو فطری طور پر پردہ نشین ہیں، ان سے بھاری کام نہیں لیے جاسکتے۔ نیسے بھی انسان فطرتاً بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں بچی کی پیدائش پر خوشی نہیں کی جاتی جب کہ بچے کے لیے بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ عداوت بٹا اور میٹی دونوں اللہ کی عطا ہے اور بقائے نسل کا کام دونوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں مشرکوں کی مذمت بیان کی ہے وہاں فرمایا اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِنَاثًا رَّاٰیۃً ۴۴ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تو بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ تم اپنے لیے بیٹے چاہتے ہو مگر اللہ کے لیے تم فرشتوں کو اس کی بیٹیاں تجویز کرتے ہو کہتنی نا انصافی کی بات ہے جس شخص کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے لیے روایہ کہتے ہو۔

بانغات اور
چشمے

اگلی آیت میں اللہ نے بانغات اور چشموں کا ذکر کیا ہے کہ اس نے تمہیں مرد پہنچائی وَجَدْتُمْ وَّعِیُّوۡنَیْۤیۡتِۤیۡمَ بانغات اور چشموں کے ساتھ۔ اللہ نے چشموں اور نہروں کے ذریعے آبپاشی کا نظام قائم کیا جس سے تمہارے بانغات اور کھیتیاں پیدا ہوئیں اور جن سے تمہاری خوراک کے لیے پھل اور آج پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نعمت

کے خصوصی انعامات میں جن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

فَرَّيَا لَئِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ، ہوو علیہ السلام
نے اپنی قوم کو متنبہ فرمایا کہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کھاتا ہوں۔ آپ
سے انہیں بتلادیا کہ تمہارے افعال و کردار اس نوعیت کے ہیں کہ تم پر اللہ کی گرفت
آسکتی ہے، لہذا اس کی سرکشی سے باز آ جاؤ۔ اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لو۔ غرور و
اور اسراف کو چھوڑ دو، اور کمزوروں پر ظلم کرنا ترک کر دو، ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں
تم پکڑے نہ جاؤ۔ بڑے دن کا عذاب اس دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت
میں بھی۔ حقیقت میں حساب کتاب کا دن ہی یوم عظیم ہے جس دن انسانوں کے
اعمال کا فیصلہ ہوگا لیکن جس دن کسی قوم پر اس دنیا میں بھی عذاب آیا، ان کے
لیے وہ بھی بڑا دن تھا۔ یہ دن قوم نوح، قوم فرعون اور قوم عاد و ثمود پر بھی آیا جب
انہیں صغیر ہستی سے ناپید کر دیا گیا۔ تو ہوو علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا کہ کہیں تم بڑے
دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ، وقت ہے کہ اب بھی سنبھل جاؤ۔ اللہ سے
ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قوم ہوو علیہ السلام
کا جواب

ہوو علیہ السلام کے اس وعظ و نصیحت کے جواب میں قوم نے یہ کہا۔ قَالُوا
مَسْأَلُهُمْ عَلَيْنَا أَوْ عَظَمْتَ أَمَلَهُ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ کہنے لگے
کہ ہمارے لیے برابر ہے تو ہمیں نصیحت کرے یا نہ ہو نصیحت کرنے والوں
میں سے مطلب یہ کہ اے ہوو! تو جو مرضی کہتا ہے، تمہارے وعظ و نصیحت کا ہم
پر کچھ اثر نہیں ہوتا، ہم تمہاری بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ سو قرآن
میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ قوم نے کہا قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ
(آیت ۵۳) تو ہمارے پاس کوئی واضح چیز لے کر نہیں آیا، لہذا ہمیں تمہاری باتوں
پر یقین نہیں آتا بلکہ ہم تو تمہارے متعلق یہ سمجھتے ہیں اِنْ لَقَوْلُكَ إِلَّا اَعْتَدَكَ
اَعْصَبَ الْهَيْتَنَا بِسُوءٍ (آیت ۵۴) کہ تم پر ہمارے معبودوں کی مار
پہنچی ہے۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے (نعوذ باللہ) تم ایسی بےکی باتیں کرتے

ہو۔ مگر افسوس کہ قوم کا یہ کردار محض غرور اور جہالت کی بنا پر تھا

وعظا بطور
مشن بنیاد

وعظ کا معنی نصیحت کرنا ہے اور یہ چیز انبیاء علیہم السلام کے مشن میں داخل ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الخیر الکثیر میں یہ کام کو قہر المدارک الظلمانیہ بالانوار المعارف القدسانیہ سے تعبیر فرماتے ہیں یعنی لطیفہ چیزوں کے ذریعے انسانی اذہان کو اس طور متاثر کرنا کہ وہ صحیح چیز کو تسلیم کر کے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام سے یہ حکم فرمایا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مِثْلٰی وَفَرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا وَقَدْ مٰ اِصٰحِبُكُمْ مِّنْ حِجَابٍ مَّثْنٰی (سبا۔ ۴۶) لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم مجمع میں ہو یا دو دو یا تین تین کی ٹولیوں میں یا ایکے ہو۔ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر سوچو تو تم اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ تمہارا ساتھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ نہیں ہے۔ تم حقوڑا سا غور و فکر بھی کرو گے تو تمہیں احساس ہو جائے گا کہ میں تمہاری میرزا ہی کی بات کرتا ہوں، لہذا میرا اتباع کرو اور ہمیشہ کی ذلت سے بچ جاؤ۔

قوم ہود کا
سرتک انکار

الغرض! حضرت ہود علیہ السلام کے تمام تر وعظ کے جواب میں قوم کہنے لگی۔ اِنَّا هٰذَا اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلٰیْنَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے جو تم پیش کر رہے ہو خلق یا اخلاق عادت کو کہتے ہیں خواہ اچھی عادت ہو یا بری ہو۔ کہنے لگے کہ بے جی لوگ اسی طرح ہی ڈرا کر رہے تھے جس طرح تم ہمیں کسی نابالغ مذاہب سے ڈرا رہے ہو، مگر ہم نے تو ایسی کسی سزا کو آنے نہیں دیکھا، لہذا ہمیں تمہاری ان باتوں پر یقین نہیں آتا۔

اِنَّا هٰذَا کَاِشَارَہٗ اِسْطَرَفِیْ ہُو سکتا ہے کہ جو کچھ آج ہم کہہ رہے ہیں۔ یہی کچھ ہمارے پرانے آباؤ اجداد بھی کیا کرتے تھے، مگر تم میں ان کے راستے سے ہٹنا چاہتے ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ تم ہمیں آباؤ اجداد، ان کے مہودان، ان کے طور طریقوں اور ان کے رسم و رواج سے ہٹنا چاہتے ہو لہذا ہم تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہیں مگر اپنے آباؤ اجداد کے پانے طریقے پر ہی چلنے چلے گئے جس پر اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا۔

مکہ کے درمیان بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ سجدۃ بقرہ میں موجود ہے کہ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ اس چیز کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس چیز کی اتباع کر چکے ہیں یہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا اور کون سا ان آباؤ اجداد کو یہ کہہ لایا کہ یہ شیئاً اولاً یُہْتَدُونَ (آیت ۱۷۰) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد انکو اور غیر یہ آیت یافتہ ہی کہوں نہ ہوں۔ وہ اپنی دگر پہ پلٹتے رہیں گے۔ بعد علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا کہ ہم تمہاری بات کو نہیں مانتے اور نہ تمہاری طرف سے کسی سزا کی پیش گوئی کو تسلیم کرتے ہیں مگر اَشَدُّ مَنَاقُوَةً (حکم السجدة - ۱۵) بھلا ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے جو ہمیں سزا دے گا۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ اور نہیں ہیں ہم کہ ہمیں سزا دی جائے مگر اللہ نے فرمایا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ وہ چاہے تو معمولی سی چیز کے ساتھ انہیں ہلاک کر دے۔ اِنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (حکم السجدة - ۱۵)

قوم ہود کی طاقت

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ارشاد ہوا ہے فَكَذَّبُوهُ قَوْمٌ عَادَنِي اپنے رسول بعد علیہ السلام کو صریحاً چیللا دیا جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا فَاهْلَكْنَاهُمْ کہ ہم نے اُس پوری قوم کو ہلاک کر دیا اور ہلاک بھی ہوا جیسی غیر محسوس چیز سے کیا۔ یہ بڑے طاقتور لوگ تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مولیٰ ہوا کام سے بلکہ نہ کہے جو سَحَرٌ عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَّةً اَيَّامٍ (الحاقة - ۷) اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل میتی رچی۔ اس ہوا نے بڑے بڑے کڑیل جانوروں کو اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹختا دیا۔ وہ رگیتان میں اس طرح ٹپکتے تھے جس طرح کھجور کے بڑے بڑے تنے اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہوں۔ اللہ نے فرمایا فَهَلْ تَرَوْنَ لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (الحاقة - ۸) اے مخاطب! تم ان میں سے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہیں دیکھتے۔ اللہ نے سب کو ہلاک کر دیا۔ زندہ بچ جانے والوں میں نَحْنُ نَحْيِيكَ هُوَذَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ (ہود - ۵۸)۔ صرف ہود علیہ السلام اور اُن کے ایمان دار ساتھی تھے۔ باقی سب ختم ہو گئے۔

فرمایا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اَسْ وَافَعِيْنَ عِبْرَتِ كِي ثَانِي ہے مَحْ کے مشرکین بھی اور دھجیر نافرمان بھی غور کریں اور دیکھیں کہ غرور و تکبر اور نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ اگر انہوں نے بھی کفر و شرک کا ارتکاب کیا، کمزور پر ظلم و ستم ڈھائے اور انبیاء کی بات کو عقیدہ یا تو خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے آجے انسانی تاریخ کے اعتبار سے یہ جملہ بار بار دہرایا گیا ہے وَمَا كَانَ اَلَّذٰهُمَّ مُؤْمِنِيْنَ اَكْثَرُ لَوْ اِيْمَانُ لَانْتِ نَالِيْ نِيْسَ تھے۔ سابقہ اقوام کے حالات دیکھ کر بھی لوگ عبرت نہیں پکڑتے تھے بلکہ اُن کی اکثریت ایمان سے محروم رہتی تھی اور بالآخر وہ بھی تباہ ہو جاتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں کثرت نافرمانوں کی ہی رہی ہے اور اہل ایمان ہمیشہ قلت میں رہے ہیں۔

فَمَا وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ النَّجِيْبُ بیشک تیرا پروردگار عزیز یعنی کمال قدرت کا مالک ہے۔ وہ جب چاہے کسی مجرم کو شدید ترین سزا دے دے، رحیم بھی ہے جن پر زیادتی ہوئی، اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی اور اُن کی مشکلات کو دور کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفات کام کر رہی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ
صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿١٣٧﴾ إِيَّاكُمْ رَسُولٌ آمِنٌ ﴿١٣٨﴾ فَاتَّقُوا
اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٣٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هُمْ
أَمِينٌ ﴿١٤١﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٢﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ
طَلَعَهَا هَظِيمٌ ﴿١٤٣﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا
فَرِهِينَ ﴿١٤٤﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٤٥﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ
الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤٦﴾ الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا
يُصْلِحُونَ ﴿١٤٧﴾

ترجمہ :- چٹایا قومِ ثمود نے اللہ کے رسولوں کو ﴿۱۳۶﴾

جب کہا اُن سے اُن کے بھائی صالح علیہ السلام نے، کیا تم
ڈرتے نہیں؟ ﴿۱۳۷﴾ بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں
امانت دار ﴿۱۳۸﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو ﴿۱۳۹﴾
اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔ میرا بدلہ نہیں
ہے مگر رب العالمین کے ذمے ﴿۱۴۰﴾ کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے
یہاں امن میں؟ ﴿۱۴۱﴾ باغوں میں اور چشموں میں ﴿۱۴۲﴾ اور
کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نہایت ہی ملائم
ہیں ﴿۱۴۳﴾ اور تراشتے ہو تم پہاڑوں میں گھروں کو بڑی آسودگی اور

تکلف سے (۴۹) پس ڈرد اللہ سے اور میری اطاعت کرو (۵۰)
اور نہ اطاعت کرو مسرفوں کی بات کی (۵۱) جو فساد کرتے ہیں
زمین میں اور اصلاح نہیں کرتے (۵۲)

قومِ ثمود

نسل کے مضمون میں قومِ عاد کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ اب
آج کے درس میں قومِ ثمود کا تذکرہ ہے جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ یہ لوگ
عاشانی بھی کہلاتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے شمال میں یہ لوگ دادی بنو کس سے لے کر مدائن
قرئی تک آباد تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے
کہ اس علاقے میں اس قوم کی سترہ سو بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ ترکوں کے زمانے
میں بنو کت تک ریل بھی جاتی تھی اور دہل پر ریلوے اسٹیشن بھی تھا جس کی غارت
آج بھی موجود ہے۔ اس جگہ کا نام اب بھی مدائن صالح ہے۔ قومِ عاد کی طرح قومِ ثمود
بھی بڑی مستعد قوم تھی۔ ان کی بستیوں کے کھنڈرات اب بھی نظر آتے ہیں۔ قومِ ثمود
کے لوگ زیادہ تر آجر پیشہ تھے، کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ اور بڑے آسودہ حال تھے
یہ لوگ کمال دہت کے سنگ تراش تھے۔ پہاڑوں کو کھود کر نہایت پر آشوس اور نقش و نگار
دارے مکانات بناتے تھے۔ ان کی صنایعی کے نمونے جنوبی ہندوستان میں ایجنٹا اور آئورہ
کی تزییوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ قومِ ثمود کی طرح یہ لوگ بھی اپنے مکان پتھروں کو
تراش تراش کر بناتے تھے۔ مجسمہ سازی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے بنائے ہوئے
محسے آج بھی عجائب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور مکانات کے کھنڈرات
بھی نظر آتے ہیں۔

قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود نے بڑی ترقی کی۔ یہ بھی سام ابن نوح کی اولاد میں سے
سامی نسل کے لوگ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بھی اسی نسل کے ساتھ تھا۔
بہر حال قومِ ثمود اپنے دور میں دنیاوی لحاظ سے نہایت ترقی یافتہ قوم تھی۔ ان کو
دنیا کی ہر قسم کی آسائش حاصل تھی۔ یہ لوگ عقلِ معاش کے باہم عروج پر تھے۔ مگر
عقلِ معاش سے یکسر خالی تھے۔ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے تھے اور آخرت پر میان

نہیں کہتے تھے۔ مشرک اور دہریے تو سکرے معاد کے منکرین میں اہم ہو رہے تھے۔
 کہ نظریہ بھی درست نہیں ہے۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے
 يَكْمُنُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ
 هُمْ غَافِلُونَ (الروم - ۷) یہ لوگ دنیا کے ظاہری حالات کو تو نہایت اچھی
 طرح جانتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقی کی ہے۔ صنعت و تجارت میں بہت
 آگے جا چکے ہیں۔ چاند پر کمندیں ڈال رہے ہیں مگر آخرت کے معاملات سے بالکل غافل
 ہیں۔ ان کو کچھ پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اور وہاں اس زندگی کا پورا پورا
 حساب دینا پڑے گا۔ اس کے بعد جنزائے عمل کا مرحلہ آئے گا ہر ایک کو اس کے کے
 دھرے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ بہر حال قوم خود اپنی پوری مادی ترقی کے باوجود معاد
 سے غافل تھی۔

صالح علیہ السلام
 کا خطاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ قوم ثمود نے اللہ کے
 رسولوں کو جھٹلایا۔ انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کی تکذیب کی مگر کسی ایک رسول
 کی تکذیب تمام رسولوں کے جھٹلانے کے مترادف ہے لہذا حسب سابق یہاں بھی
 جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ
 جب کہ ان کو ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے۔ جبائی اس لیے کہ آپ اپنی قوم کے
 فرد تھے۔ انہی کی برادری اور خاندان سے تعلق تھا۔ اللہ نے ان کے سر پر آیت و نبوت
 رکھا تو انہوں نے اللہ کا پیغام سنا، شروع کیا اور قوم سے فرمایا اَلَا تَتَّقُونَ
 تم نہرتے کیوں نہیں؟ تم کفر، شرک، معاسی اور ناپ تول کی اخلاقی بیماری میں مبتلا ہو۔
 مگر خدا تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو چکے ہو۔ فرمایا یاد رکھو! اِنَّكُمْ لَكُمْ
 رَسُولٌ اَمِيْنٌ میں تمہاری طرف اللہ کا پیغام لانے والا اور امانت درہوں۔ میں اللہ کا
 ہر پیغام بلا کم و کاست تم تک پہنچانے پر مامور ہوں۔ اس ضمن میں کوئی خیانت اور رعایت
 باطن فدا نہیں کرتا۔ لہذا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ سے ڈرو اور میری بات مانو۔
 اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نیز اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ

غَفُورٌ (الاعراف ۷۳) عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے
 آپ نے قوم سے یہ بھی فرمایا کہ میں تم تک اللہ کا پیغام ہے لوٹ پیغمبر ہوں وَمَا
 اسْتُلِکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اٰخِرٍ اور اس کو تم کے لیے تم سے کوئی معاوضہ طلب
 نہیں کرتا کیونکہ اَلَا اَخْبَرْتِیْ الْاَعْلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میرا معاوضہ تو تم
 بہانوں کے پروردگار کے ذمے ہے۔ تمام انبیاء اور رسل ہی بات کہتے ہیں کہ تبلیغ حق
 کے ضمن میں ان کو کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے عام طور پر فیس لینا
 پڑتی ہے۔ کامن اور سارس بھی اپنا معاوضہ طلب کرتا ہے۔ شاعر بھی اپنی فیس طلب
 کرتے ہیں۔ ان سب کا مقصود دنیا طلبی ہوتا ہے لیکن انبیاء کی جماعت ایک ایسی
 جماعت ہے جو صراطِ مستقیم پر رہنمائی کرنے کے لیے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتی۔
 اللہ کا نبی ہمیشہ ہی کہتا ہے وَ اَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اٰمِنٌ (الاحزاب ۷۱) میں تو نصیحت
 کرنے والا امانت دار ہوں۔ وَ اَنصَحُ لَکُمْ (الاعراف ۶۲) میں تمہیں نصیحت کی بات
 بتاتا ہوں جو تمہارے فائدے میں ہے۔ اس میں تمہاری خیر خواہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی
 لیے غرض آدمی کی بات کو سنا فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے مگر تاریخ رسالت شاہد ہے کہ
 اکثر اقوام نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب ہی کی۔

انہما
 یذکرہ

ہو علیہ السلام نے اپنی قوم کے ضمیر کو مزید جھنجھوڑا اور فرمایا اَسْتَرْکُوْنَ فِی
 مَا هُمْ بِاٰہِنِیْنَ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم یہاں اسی طرح امن میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟
 مطلب یہ کہ کیا تم ہمیشہ اسی طرح خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہو گے اور ہمیں کبھی زوال
 نہیں آئے گا۔ ذرا غور بھی تو ہی کہتا تھا میں سب پر غالب ہوں۔ میری سلطنت کو کبھی زوال
 نہیں آئے گا۔ عام طور پر ملوک اور مشرکین کا یہی ذہن ہوتا ہے۔ اسی لیے تو انہیں آخرت
 کی فکر نہیں ہوتی۔ اگر وہ لحظہ بھر کے لیے خیال کریں کہ اگر آج خوشحال ہیں تو کل کو
 بد حال بھی ہو سکتے ہیں تو وہ غرور و تجبر اور تسلیم و ستم سے باز آجائیں۔ مگر اس طرف تو ان کو
 دھیان جاتا ہی نہیں۔

بہر حال ہو علیہ السلام نے کہا کیا تم اسی طرح یہاں امن میں رہو گے؟ فِی جَنَّاتٍ
 وَ وُیُوتٍ تمہارے باغات اور ان کو سیراب کرنے والے چشمے اور نہریں اسی طرح بہاؤں گی۔

رہیں گی؟ اور کیا تم اس خام خیالی میں بھی مبتلا ہو کہ وَزُودٌ وَنَحْلٌ تَحَارَى كَهَيْتَيَا اور کھجوریں بھی
 طرح لہلہاتی اور بار آور ہوتی رہیں گی۔ کھجوروں کے وہ درخت طَائِفَهَا هَضِيحٌ کہ جن
 کے خوشے نہایت ہی نرم ہیں۔ هَضِيحٌ کا معنی نرم و نازک بھی ہوتا ہے اور ٹھنکا ہوا
 بھی بَشِخَ النَّهْدُ اس کا معنی ملائم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کھجور کے جب نئے شوخوں نے
 پھوٹتے ہیں تو وہ نہایت ہی نرم و نازک اور ملائم ہوتے ہیں۔ پھر جب پھل اچھی طرح
 آجاتا ہے تو وہ اپنے وزن کی وجہ سے معمولی سا جھک بھی جاتا ہے۔ تو اس طرح یہ دونوں
 معانی درست ہیں۔ کھجور کا خوشہ پھوٹنے سے لے کر پھل برداشت کرنے تک
 کے مختلف مراحل کے عربی زبان میں مختلف نام آتے ہیں۔ مثلاً جب کھجور کا پھل خوشہ
 پھوٹتا ہے تو اس کو كُفْرِيٌّ کہا جاتا ہے۔ اس کا اندرونی حصہ اس وقت سفید ہوتا ہے
 جو ابغریض کہلاتا ہے۔ پھر جب پھل کی نمود ہوتی ہے تو اس کو خَلَالٌ کہتے ہیں اور جب
 ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو لَحْجٌ کہلاتا ہے۔ پھر جب اس کے دانے بڑے ہو جاتے ہیں۔ تو
 اُسے بَسْرٌ کہتے ہیں۔ جب ان میں زردی آجاتی ہے تو وہ رَطَبٌ بن جاتا ہے۔ اور
 آخر میں اگر کھجور خشک ہو تو قَمَرٌ کہلاتی ہے۔ بہر حال ہونہ علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ کیا
 تم سمجھتے ہو کہ تمہاری کہیتیاں اور کھجوریں اسی طرح بار آور ہوتی رہیں گی؟

کھجور کے درخت میں اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس
 میں نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ مادہ درخت کا خوشہ نکلنے والا حصہ بندہ ہوتا ہے جیسے وہ
 جھتے آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ جب مذکر درخت کا بور مادہ درخت کے مذکور حصہ
 پر پڑتا ہے تو اس سے پویند کاری ہو کر پھل اچھا آتا ہے۔ اگر نہ درخت کا بور مطلوبہ
 جگہ تک نہ پہنچ سکے تو پھل ناقص رہ جاتا ہے۔ عرب اور دیگر مگر ممالک میں
 کھجور نہایت ہی مفید کار آمد اور دیر پا پھل ہے جو یک وقت بغور پھل اور خوراک سماں
 ہوتا ہے۔ قوم نمود کے پاس کھجوروں کے بکثرت باغات تھے جس کی وجہ سے وہ
 بڑے خوشحال لوگ تھے۔

بُورٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے قوم کو یہ بھی یاد دلایا وَتَنَحْنُوذٌ مِّنَ الْجِبَالِ بیوتاً

مختلف
 مکانات

فرہین تم تراشتے ہو پاٹوں میں تو کھلف مکانات جیسا کہ پہلے عرض کیا۔ قوم عادی کی طرح قوم ثمود بھی فن تعمیر کی ہر تہی۔ یہ لوگ پاٹوں کو تراش تراش کر ان کے اندر نہایت ہی دیدہ زیب نقش و نگار والے مکانات تعمیر کرتے تھے۔ فرمایا یہ تمام آرائشیں دائمی نہیں ہیں یہ کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہیں۔ لہذا احتیاط سے گورنمنٹ کو سمجھنے کی کوشش کرو **وَفَا تَقْوَالُ لِلّٰہِ وَاطِيعُوۡتِ اللّٰہِ** تعالیٰ کی گرفت سے ڈرنا اور میری بات مانو۔ میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں۔ دنیا کی خوشنمائی نے کل کر آخرت کی فکر کر دو کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ یہ دنیا اور اس کی تمام رونقیں جلد ہی ختم ہونے والی ہیں۔ تمہاری موت کے بعد ایک دائمی زندگی شروع ہونے والی ہے۔ جہاں تمہارے یہ باغات، محلات اور آرام و آسائش کی کوئی چیز کام نہیں آئے گی اور تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

اسراف کی
مانعت

صاح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا **وَلَا تُطِيعُوا۟ اٰمِلَ الْمُتَرَفِّعِیۡنَ** اور اسراف کرنے والوں کی بات نہ مانو۔ قوم عاد کے متعلق بھی بیان ہو چکا ہے کہ بڑے مسرف لوگ تھے۔ عالیشان مکانات، بڑے بڑے مینار اور کتبہ تعمیر کرتے تھے جن سے نہ رہائش مقصود ہوتی تھی۔ اور نہ کوئی دوسرا مفید کام بلکہ محض منور و عمارتیں مطلوب ہوتی تھی۔ یہ بیماری اس قوم ثمود میں بھی پائی جاتی تھی۔ **فَضُولُ رَسَمٍ** دروازے اور لمبو و لعسب میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے۔ شراب نوشی اور جھگڑے بازی عام تھی۔ استقبالیوں اور دعوتوں میں یہاں بھی فضول خرچی کی جاتی ہے۔ کسی وزیر امیر یا کسی آدمی کو بھی تو میٹھا چھینٹیاں اور آرائشی دروازے بنائے جاتے ہیں۔ استقبالیہ گھروں کے بورڈ آؤیزاں یکے جاتے ہیں۔ علاقے بھر کو دھن کی طرح سمبایا جاتا ہے۔ رنگ برنگے قمقموں سے سرکوں کو سمبایا جاتا ہے۔ یہ سب فضول اور حرام کام ہیں۔ یہی رقم غریبوں اور محتاجوں کی بجالی پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ ہو کوں کے لیے کھانے اور منگوں کے لیے تین پوستی کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ یا پھر بے گھر لوگوں کے لیے گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے سایہ دیا جا سکتا ہے مگر اس فضول خرچی کو کون روکے؟ امرا کی دیکھ دیکھی غریب لوگ بھی شادی

کی رسومات میں بڑو جڑو کر حصہ لیتے ہیں، نہ امیر غریبوں کا خیال کرتے ہیں اور نہ غریب اپنی حیثیت پر نظر رکھتے ہیں۔ نام و نمود کے لیے ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اور ہی اسراف سے جو پرانی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے اور آج بھی موجود ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسراف سے منع فرمایا اور کہا کہ مسرفوں کی بات کو نہ مانو

فساد فی الارض

اور مسرف لوگ وہ ہیں الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ جو کہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وَلَا يُصْلِحُونَ اور اصلاح نہیں کرتے ظاہر ہے کہ اصلاح معشر تو شی کے ذریعے ہوتی ہے۔ غریب پروری اور عدل و انصاف سے ہوتی ہے نہ کہ جلا بازی اور شراب نوشی کے ذریعے۔ تمام نبیے کام فساد کی بنیاد بنتے ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اخلال بالشرائع یعنی قوانین خداوندی کی خلاف ورزی ہی فساد فی الارض ہے شرک کافر اور منافق قسم کے لوگ فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ صالح علیہ السلام نے بھی یہی بات کی کہ مسرفوں کی بات نہ مانو۔ وہ خدا کا قانون توڑ کر زمین میں فساد کا موجب بنتے ہیں۔ اہود و لعب، رسومات بہ اور بدعات کو فروغ دیتے ہیں۔ لَوْ كَرِهَىٰ لَكَ لَوْ كَرِهَىٰ کا اور معنا بھیجنا بنا لیا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَعَنَ اللَّهُ الْمُصَوِّرِينَ مسوروں پر اللہ کی لعنت برکتی ہے۔ یہ اسراف ہی نہیں ہے اور ہی فساد فی الارض ہے سورۃ الاعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی ہیں وَمَا تَوْسَلُ إِلَىٰ قَوْمِكَ إِلَّا لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ اور میں تو تمہارے قومی کے لیے توڑتا ہوں تاکہ وہ زمین میں امن قائم ہو جائے کہ بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ بہر حال صالح علیہ السلام نے قوم کو اسراف اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا۔ آپ کی اس تقریر کے بعد اگلی آیات میں قوم کا جواب ہے۔

لہ قرطبی مج ۲۳۸ و احکام القرآن للجصاص ج ۳ (فیاض)

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمَسْحُورِينَ ﴿١٥٣﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا
 بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٥٣﴾
 قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ
 مَعْلُومٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ
 يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٥﴾ فَفَقَرُّوْهَا فَاصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٤﴾
 فَآخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ
 أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
 الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

ترجمہ :- (صالح کی بات کے جواب میں) کہا اُن لوگوں نے

بیشک تو سحرزدہ لوگوں میں سے ہے (۱۵۳) اور ہمیں سب تو

مگر انسان جیسے ہیں۔ پس لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے (۱۵۳)

کہا (صالح نے) یہ اونٹنی ہے۔ اس کے لیے پانی پینے کی

باری ہے۔ اور تمہارے لیے بھی پانی پینے کی باری ہے ایک

مقررہ دن پر (۱۵۵) اور نہ ملے گا اس کو برائی کے ساتھ پس

پکڑے گا تم کو بڑے دن کا عذاب (۱۵۶) پس انہوں نے

کاف ٹالا اُس اونٹنی کو۔ پس ہو گئے وہ پکھٹانے والے (۱۵۷)

پس پکڑا اُن کو عذاب نے بیشک اس میں البتہ نشانی ہے۔

اور نہیں ہیں اکثر لوگ اُن میں سے ایمان لانے والے (۱۵۸) اور بیشک

تیر پروردگار زبردست ہے اور نہایت رحم کرنے والا (۱۵۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا
آپ نے حق تبلیغ ادا کرتے ہوئے قوم کو خدا تعالیٰ کا پیغام سنایا۔ ان کی خامیاں بیاں کیں
اور ان سے بچنے کی تلقین کی۔ ان کو خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور اس فانی دنیا کی
بے ثباتی کا ذکر کیا۔ آپ نے قوم کو ان کی خوشحالی پر تنبیہ فرمائی اور اس طرف سے منع فرمایا۔ اللہ کا
خوف دلایا اور اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ آپ نے یہ بھی رخص کر دیا کہ میں تمہیں نصیحت
کی بات بتلاتا ہوں جس میں خود تمہارا ہی فائدہ ہے۔

قوم ثمود کا
جواب

آپ کی قوم نے پیغام حق سن کر اس کو تسلیم کرنے کی بجائے نہایت متکبرانہ طریقے
سے یوں جواب دیا **قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحِّجِينَ كُنْ لَنَا**
تو سحر زدہ لوگوں میں سے ہے۔ یہ الزام صرف قوم ثمود نے ہی نہیں لگایا بلکہ دوسرے
بعض انبیاء کو بھی یہی کہا گیا۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخلق کہا گیا کہ یہ جادوگر
ہیں۔ قریش مکہ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا **إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا**
مُسُحَّوْدًا (بنی اسرائیل - ۴۷) تم تو سحر زدہ آدمی کا اتباع کرتے ہو اس پر تو کسی نے
باد کو کر دیا ہے اور یہ شخص بکی بکی باتیں کرتا ہے۔ پھر حرب مشرکین نے معجزہ حق القمرد کیا
تو کہنے لگے **يَسْحَرُونَ مُسْتَمِرًّا** (القمر - ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے پہلے بھی لوگ کرتے تھے
اب یہ شخص بھی کرتا ہے۔ اسی طرح صالح علیہ السلام کو بھی کہا کہ تو تو سحر میں سے ہے
یعنی تجھ پر کسی نے باد کو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تمہاری عقل خراب ہو گئی ہے۔ فرعون
کی طرح وہ بھی اپنی کارگزاری کو ہی عقل مندی سمجھتے تھے۔ فرعون نے اپنی قوم کو اس
طرح درغلایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو تمہیں گمراہ کر رہا ہے۔ **وَمَا آهْدِيكُمْ إِلَّا**
سَبِيلَ الشَّيْطَانِ (المومن - ۲۹) مگر میں تمہیں ٹھیک راستہ بتلا رہا ہوں۔ ہمارے
آباؤ اجداد بالکل ٹھیک تھے۔ ان کا طور طریقہ بھی درست تھا اور ہم اسی کے پابند ہیں۔
موسیٰ علیہ السلام اور اس کے چواری بکے گئے ہیں جو عجیب و غریب باتیں کہتے ہیں جو
ہم نے اپنے بڑوں سے کبھی نہیں سنیں۔ بہر حال کبھی انہوں نے کامن کہا کبھی شاعر

کہا اور کبھی سحر زدہ کہہ دیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سحر پھپھڑے کو بھی کہا جاتا ہے۔ مراد ان کی یہ تھی کہ یہ شخص تو پھپھڑا کھنے والا انسان ہے۔ یہ تو کھانا کھانا ہے۔ انسانوں کی طرح سانس لیتا ہے۔ مجھلا تم ایسے شخص کو رسوں کیسے تسلیم کر لیں۔ اس کے علاوہ سحر کا معنی دھوکہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ کسی تنازعہ کے لیے ۷

أَرَمْنَا مُوَضِّعِينَ لَا مِنْ غَيْبٍ

وَنُتَحَدَّرُ بِالطَّعَنِ وَالشَّرَابِ

ہم غیب کی طرف اپنی سواریاں تیزی کے ساتھ دوڑا رہے ہیں۔ پتہ نہیں آگے کیا ہو گا مگر یہیں کھانے پینے سے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ یہیں کھانے پینے کا لالچ دے کر اس طرف لگا دیا گیا ہے جس کے انجام کا کچھ علم نہیں تاہم اس مقام پر پہلا معنی ہی زیادہ قیاساً درج ہے کہ تو سحر زدہ آدمی ہے۔

بشریت اور رسالت

قرم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی کیا۔ کُنْ لِحُكْمِكَ أَفْتًا إِذْ بَشَرْنَا مِثْلَنَا تو تو ہم سے جیسا ہی انسان ہے تمہیں ہم پر کون سی فوقیت حاصل ہے جو تم نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ مادہ پرست لوگ حقیقت کو اپنے بغیر محض ظاہری صورت دیکھ کر جی اُن سیدہ عافیہ کے لیے ہیں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب السنن البکیر میں فرماتے ہیں کہ اکثر کفار و مشرکین نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھ کر یہی رسالت و نبوت کا انکار کیا اور حقیقت کو نہ جانا۔ کہتے تھے کہ یہ رسالت کا دعویٰ بھی ہماری طرح کھانا پیتا ہے۔ ہماری طرح اس کے بھی بال بچے ہیں۔ بازاروں سے سودا سلف خریدتا ہے، بھلا اس کو ہم کیسے نبی مان لیں! مگر حقیقت یہ ہے کہ لوازمات بشریت نبوت و رسالت کے ہرگز نہ منافی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی رسول اور نبی منتخب کرتا ہے مگر ان کے قلب و دماغ کو کمال حاصل ہوتا ہے اور ان کی روحانیت ایسی بے مثال ہوتی ہے جو عام انسانوں کے لیے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے جی اُعدا۔

لَهُ الْفُوزُ الْكَبِيرُ صَلَّ

قَدْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰىَّ (المکھن ۱۱۰) آپ کہہ
 دیں کہ میں بھی تمھارے جیسا انسان ہوں، البتہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ مگر وحی کا نزول کوئی
 معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص انتخاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی
 استعداد اور صلاحیت کو خوب جانتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ منصب رسالت
 کے لائق کون انسان ہے۔ بہر حال قومِ ثمود نے سن کے خلیفہ اللہ کی ظاہری شکل و صورت
 دیکھ کر آپ کی رسالت کا انکار کر دیا اور حقیقت کو نہ پاسکے۔

مور، روشنے صورت پرستوں کا حال اسی طرح بیان کیا ہے :-

بند صورت بینی بے صورت پرست

جان بے معنی است از صورت پرست

در گزیر از صورت و معنی نگزیر

زانکہ مقصود از صدف باشد گبر

صورت پرست صرف ظاہری صورت کو ہی سمجھ رہا ہے اور وہ جان اور رویت
 کی حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ صورت سے گزیر کر حقیقت کو بھی دیکھ لو کیونکہ محض
 ہماری سیرپ معسود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے اندر موجود کوئی مطلوب ہوتا ہے۔ مطلب
 یہ کہ صرف ظاہری شکل و صورت دیکھ کر یہ کہہ دینا کہ یہ بھی انسان ہے اور ہم بھی انسان
 ہیں۔ درست نہیں ہے بلکہ نبی کے اندر پائی جانے والی حقیقت اور اُس کے کمال پر
 بھی نگاہ ہونی چاہیے۔ فرمایا: تم نے صرف ظاہری صورت پر انکار کرنے کا فیصلہ کر
 لیا ہے۔ یہ تو بے درجے کی گمراہی ہے۔

کہنے لگے، تو تو ہمارے جیسا آدمی ہے ہماری برادری اور قوم کا جانا پہچانا ہے۔
 ہم تجھے کیسے رسول مانیں؟ مشرکین مکہ بھی کہتے تھے کہ ابو طالب کے منیم بیٹے
 کو ہم کیسے رسول مانیں؟ لَوْ لَا كُنَّا لِهَذَا الْقُرْآنِ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْ
 لِّقُرْبَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزمر ۲۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی بستیوں
 میں سے کسی صاحبِ ایشیت آدمی کیوں نہ اترتا۔ یہاں بڑے بڑے سردار ابوالکم

عبداللہ: حوید حبیب جیسے بڑے بڑے عظیم عقلمند اور صاحبِ عقیدت لوگ ہیں، اللہ نے اگر کسی کو نبی بنا دیا تو ان میں سے کسی کو بتایا یہ تو ہماری عقلِ بشر کے لیے ہے۔
 ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ صورت پرست اور وہ پرستوں کی سوچ اسی تک ہوتی ہے۔

از منی کا
مغز

پہلے تو قوم محمود نے ملک علیہ السلام کا بشریت کی بنا پر انکار کیا۔ پھر کہنے لگے
 قَاتِلَ بَابِإِةِ اِنْتَ كُنْتَ مِثْلَ اَصْدِقَائِیْنَ۔ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشان
 پیش کر اور نشان بھی ایسی ہو جو ہم خود طلب کریں۔ یہ لوگ سنگ تراش تھے پتھر و
 کے ساتھ ان کو یہ خاص تعلق تھا۔ لہذا انہوں نے نشانی بھی ایسی طلب کی کہ کہنے لگے
 کہ اس سامنے والی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھائیں۔ اُس وقت بہت سے
 لوگ جمع ہوئے۔ صلی علیہ السلام نے نماز پڑھی۔ اور بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی۔ چنانچہ
 تمام لوگوں کے سامنے حنا میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ پھر اُس نے بچہ بھی بنا۔ یہ بہت
 لمبی چوڑی اونٹنی تھی۔ ابو موسیٰ اشعرنی کی روایت میں آتا ہے کہ میں نے وہ مقام دیکھا ہے
 جس جگہ صلی علیہ السلام کی اونٹنی بیٹھتی تھی، یہ جگہ نوے فٹ مربع ہے۔ اللہ نے اپنی
 قدرت کا ایسا سے یہ نشانی دکھائی۔ اونٹنی ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھی۔ دوسرے بار
 اُس کی شکل و صورت سے گھبراتے تھے۔

یانی پینے
کی ماری

بہر حال جب وہ اومنی چٹان سے برآمد ہوگئی تو اللہ کا حکم ہوا قَالَ هَذِهِ نَاقَةُ
مَدْيَنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے کہا کہ یہ اومنی ہے جو تم نے طلب کی ہے لکھا شَرِبَتْ مِنْكُمْ
شَرِبَتْ يَوْمَ مَعَكُمْ اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے اور تمھارے لیے بھی
پانی پینے کی باری ہے ایک مقررہ دن پر۔ ایک دن چٹے سے یہ اومنی پانی پیا کرے
گی اور دوسرے دن تم اپنے جانوروں کو سیراب کیا کر دو گے۔ چنانچہ دن مقرر کیے گئے
ایک دن اکیلی اومنی پانی پیتی تھی اور دوسرے دن باقی جانور۔ اس آیت سے خبر پڑتی
ہے کہ لکھا ہے کہ اگر کسی چیز میں بعض لوگوں کا استعمال ہو تو آپس میں باری مقرر کی جاتی
ہے مثلاً اگر کسی ہاتھ کی کھوپڑی کا استعمال کسی ایک شخص کی ہاتھ کی کھوپڑی سے ہو

سے تو اس کی سواری یاد دودھ وغیرہ کے لیے روزانہ جتنے دیر یا ماہانہ بیاد پر باری مٹھرائی جاسکتی ہے۔

اوٹنی کا
قتل

یہ مسئلہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا۔ دریں اثنا بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ اوٹنی ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے۔ اسے دیکھ کر ہمارے جانور ڈرتے جلتے ہیں اور پھر یہ ایک دن کیلی ماہ پانی پی جاتی ہے۔ اس کے کسی طرح چھٹکا حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت صالح علیہ السلام لوگوں کو خبردار کر دیا وَلَا تَمْسُوْهَا بِسُوْرٍ لَّوْگُوْا اس اوٹنی کو برائی کے ساتھ مت چھو۔ اس کو بُری نیت سے ہاتھ نہ لگنا۔ نہ اس کو زخمی کرنا۔ اگر ایسا کر سگے فَيَلْخَذُكُمْ عَذَابٌ يَّوْمٍ عَظِيْمٍ تو تم کو بُرے دن کا عذاب پکڑے گا۔ ترجمہ انعامی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ اگرچہ بُرے دن سے مراد قیامت کا دن ہے جب ثواب اور عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ مگر جس دن کسی قوم پر عذاب آیا، اس کے لیے وہ بھی بُرا دن ہوتا ہے۔ تو صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا کہ اس اوٹنی سے تعرض کر کے میں خدا کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

سورۃ نمل میں آتا ہے وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ آیت ۴۸۔ شہر میں ننانوے قسم کے نو آدمی تھے جن کا کام ہی فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنا تھا اور وہ معاشرے میں اصلاح نہیں پہنچتے تھے۔ ان میں سے سرکردہ آدمی قَدْرَ ابْنِ سَالِفٍ تھا۔ اس اوٹنی کو راستے سے ہٹانے کے لیے ان پر عاٹوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ شہر میں غنیمت، می عورت قتی جس کی کٹی جوان بیٹیاں بھی تھیں۔ اس کی بہت سی بیٹریجہ یاں قیدی جنہیں اس اوٹنی کی وجہ سے برائی چلنے میں وقت پیش آتی تھی۔ اس عورت نے قَدْرَ ابْنِ سَالِفٍ کے معاملہ طے کیا کہ اگر وہ اوٹنی کو قتل کر دے تو وہ اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیگی۔ قدار نے اپنے ننانوے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور پھر وہ اوٹنی کی گزرگاہ پر ایک درے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جوئی اوٹنی وہاں سے گزری فَعَقَّرُوْهَا قدار نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جب اوٹنی گریہ پڑی تو تمام ساتھیوں نے

ہل کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اومنی کا بچہ بھی ساتھ تھا۔ ماں کو قتل ہوتے دیکھ کر اس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور پھر وہ اسی چٹان میں غائب ہو گیا جہاں سے اومنی برآمد ہوئی تھی۔

قوم پر غلبہ

اومنی کے قتل پر صحاح علیہ السلام نے قوم کو سخت سزا بخش کی اور غلبہ کی آمد کی پیش گوئی کی۔ صحاح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت دی گئی ہے، اس کے بعد قوم پر سخت غلبہ آئے والا ہے۔ یہ جان کر کہ فَاَصْحٰبُ الدِّمِیْنِ قوم کے لوگ سخت پشیمان ہوئے کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں۔ یہ پشیمانی توبہ والی نہیں تھی۔ بلکہ غلط کام کرنے کی محض مذمت تھی اور ان کی اکثری عید پرستورقہ مذمتی جب تین دن گزر گئے فَاَحْذَهُمُ الْعَذَابُ تو ان کو عذاب ان پکڑا۔ نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے سخت قسم کی چیخ اُٹی جس سے اس قوم کے سترہ سو شہر اور قبائے میا میٹ ہو گئے۔ زلزلہ سے ان کی عمارت تباہ ہو گئیں، کچھ ان کے نیچے دب کر مر گئے اور باقیوں کے چنچ کی جڑ سے جگر پھٹ گئے۔ اور وہ سارے کے سارے جڑک ہو گئے۔ صرف کم و بیش چار سو افراد بچے جو صلح علیہ السلام پر ایمان نہ چکے تھے۔ بھرمین کو حکم ہوا کہ وہیں سے چلے جائیں۔ چنانچہ صحاح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر اس اُجڑی ہوئی بستی سے نکل گئے۔

نصیحت کی بات

اللہ نے صحاح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان کر کے بعد پھر نصیحت والی بات دہرائی ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ اس واقعہ میں تمام لوگوں کے لیے نشانی ہے نوادہ وہ مکے کے رہنے والے ہوں یا دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتے ہوں۔ سب کو جان لینا چاہیے کہ خدا کے نافرمانوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ان تباہ شدہ قوموں کی عمارت کے کھنڈرات بول بول کر درس عبرت دے رہے ہیں کہ دیکھو اللہ کے نبیوں کی نافرمانی نہ کرنا، ورنہ تمہارا حشر بھی سابقہ قوم سے مختلف نہ ہوگا۔ ان تمام تر تنبیہات کے باوجود اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اکثر لوگ ایمان مستبوں نہیں کرتے، توحید کو ماننے والے بہت قلیل لوگ ہوتے ہیں۔

آج بھی دنیا بھریں دیکھیں کھل آبادی کا تین چوتھائی کافر و شرک ہے جس کا ترمیم
کے پرستار صرف چوتھا یا پانچواں حصہ ہیں۔

فَمَا يَوْمَئِذٍ لَّكَ لَهْوُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ بِسُكِّ تِيرَافٍ رَجَبٍ كَمَالٍ
کوکھ ہے وہ جب باجے گروت کرے اور منرا دے دے، وہ انتہائی مہربان
بھی ہے کہ اپنے بندوں کی سبابت میں خطرناک حالات میں بھی حفاظت کرتا ہے اور
ان کو راہ دکھاتا ہے، چنانچہ اللہ نے صالح علیہ السلام کو اور آپ کے ساتھیوں کو اُس
عذاب زدہ بستی سے بچے جانے کا حکم دیا اور آپ وہاں سے حضرموت کی طرف
پہلے گئے۔

كَذَبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ
لُوطُ الَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُولٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا
لِلّٰهِ وَاَطِيعُوْنَ ۝ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ
جُرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ
مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ قَالُوا لَیْسَ لَمْ
تَنْتَهَ یَلُوطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۝ قَالَ اِنِّیْ
لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقٰلِیْنَ ۝ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاهْلٰی مَعَا
یَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّیْنَاهُ وَاَهْلَهُ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا
فِی الْفَبْرِیْنِ ۝ ثُمَّ دَمَرْنَا الْاٰخِرِیْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

ترجمہ:۔ مجھدیا قوم لوط نے اللہ کے رسول کو (۱۶۰)

جب کہا کہ میں اُن کے بھائی لوط علیہ السلام سے کہتا ہوں

ڈرتے نہیں (۱۶۱) بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں مانند (۱۶۲)

ڈر اللہ سے اور میری بات نہ (۱۶۳) اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں ہے میرا بدلہ مگر رب الطیفین کے ذمے (۱۶۴) کیا دوڑتے ہو تم مردوں پر جہاں والوں میں سے (شہوت رانی کے لیے) (۱۶۵) اور چھوڑتے ہو تم جو پیدا کیا ہے تمہارے لیے تمہارے پروردگار نے تمہاری بیویوں میں سے۔ بلکہ تم مد سے بڑھنے والے ہو (۱۶۶) کہا اُن لوگوں نے اگر نہیں باز آؤ گے تم اے لوط! اپنی باتوں کے کئے سے، تو البتہ ہو جاؤ گے تم نکمے ہوئے لوگوں میں سے (۱۶۷) (کہ لوطؑ نے) بیشک میں تمہارے عمل سے نفرت کر نبوا ہوں (۱۶۸) اے میرے پروردگار! بچا مجھے اہل کو ن چیزوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں (۱۶۹) پھر ہم نے نجات دی اُس کو اہ اس کے گھر والوں سب کو (۱۷۰) مگر ایک بڑھیا جو تیجھے پہنے والوں میں سے تھی (۱۷۱) پھر ہم نے طیامیٹ کر دیا دوسروں کو (۱۷۲) اور برساتی ہم نے اُن پر بارش۔ پس بُری تھی بارش ڈالے ہوئے لوگوں کی (۱۷۳) بیشک اس میں البتہ نشانی ہے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ان میں سے ایمان لانے والے (۱۷۴) اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ زبردست اور نہایت رحم کرنے والا ہے (۱۷۵)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہ آپ کے پیروکاروں کی تسلی کے لیے اس سے پہلے بعض انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اقوام کا حال بیان ہو چکا ہے۔ گذشتہ آیات میں حضرت صاع علیہ السلام کی قوم ثمود کا ذکر تھا کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور پھر اس جہرم کی بارش میں کس طرح عذاب الہی کے مورد بنے۔ اب آج کے درس

میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے کہ انہوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور
اُن پر کس طرح کا عذاب نازل ہوا۔

لوط علیہ السلام
کی بعثت

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ قَوْمٌ لُوطٌ بَنَی
یسولوں کو جھٹلایا۔ ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام نبیوں کو جھٹلایا کیونکہ سب کا مشن تو ایک
ہی رہا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اولین درس یہی دیا لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا لِلّٰهِ مَا لَكُمُ
مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (اعراف)۔ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا
تمہارا کوئی معبود نہیں ہے إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ جِبِ اُنْ
کے بھائی لوط علیہ السلام نے اُن سے فرمایا۔ سابقہ دروس میں مذکور انبیاء علیہم السلام
کی طرح لوط علیہ السلام کو بھی قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ،
حضرت صالحؑ تو اپنی اپنی اقوام کے افراد تھے لہذا انہیں اپنی اپنی قوم کا بھائی کہا گیا،
مگر لوط علیہ السلام کا تعلق تو اُس قوم سے نہیں تھا جس کی طرف اللہ نے آپ کو مبعوث
فرمایا تھا۔ البتہ آپ نے اُس قوم میں شادی کی۔ عربی محاورے میں کہا جاتا ہے بَنَی
اَخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ یعنی بھانجا اُسی قوم کا فرد سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کے باپ
کا تعلق دوسرے خاندان سے ہو۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے انصارِ مدینہ کو بلا کر
پوچھا کہ تم میں کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک بھانجا ہے،
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمہیں میں شمار ہوتا ہے۔ غالباً اسی لحاظ سے یہاں پر
لوط علیہ السلام کو قوم کا بھائی کہا گیا ہے کہ وہ آپ کی سسرالی قوم تھی۔ دوسری وجہ یہ
بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ اللہ نے آپ کو اُس قوم کی طرف مبعوث فرمایا، اس لیے
اُن کا بھائی کہا گیا ہے۔ گویا آپ اُن کے ہم وطن بھائی بن گئے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ نے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی بابل سے ہجرت کی۔ جب حضرت ابراہیم
علیہ السلام پر آپ کی قوم کے لوگوں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ
کو ہجرت کا حکم دیدیا۔ چنانچہ اپنی بیوی سارہ اور بیعتیجے لوط علیہ السلام کے ساتھ بابل

سے چل سکے۔ بابل سے آپ عازن، پھر مصر اور پھر شام و فلسطین آئے۔ اس ہجرت کا دفعہ
سورۃ عنکبوت میں مذکور ہے قَامَتِ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّ مُهَاجِرٌ
إِلَى دِيَارٍ (العنکبوت ۲) اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ہی ابوبہیم علیہ السلام پہ ایمان لائے
نئے اور دوسری آپ کی بیوی تھی۔ چنانچہ یہ تینوں ہجرت کے وقت جب مصر سے شام و
فلسطین کی طرف روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا
اور حکم دیا کہ شرق اردن کے علاقے میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچاؤ۔ اس وقت شرق
اردن میں حمہ بڑے بڑے شہر سدوم، عموره، دوارہ اور صعدا وغیرہ تھے جن کی آبادی
چار لاکھ سے کم نہ تھی۔ سدوم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز تھا، کھیتی بڑی
اور باغات عام تھے وسیع پیمانے پر تجارت بھی ہوتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے دیہات
اور قصبات بھی موجود تھے، تو ان لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔
بہر حال شرق اردن پہنچ کر لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ سب سے
پہلے توحید کی دعوت دی۔ کفر، شرک اور معاصی کی قباحت بیان کی اور منہ رمایا
أَلَا تَتَّقُونَ کیا تم ڈرتے نہیں کہ ان قباہتوں کی وجہ سے ایک دن پکڑے جاؤ گے؟
آپ نے اپنا تعارف کرتے ہوئے فرمایا إِنِّ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ
میں تمھارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ میں تمھیں اللہ کا پیغام جا کم و کست پہنچا رہا ہوں۔
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں تمھیں خدا کا پیغام
بے لوث طریق پر پہنچا رہا ہوں وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ اور
میں اس کام کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ کیونکہ إِنِّي أَنَا عَبْدُ اللَّهِ
میں میں میرا معاوضہ تو پروردگار عالم کے لئے ہے۔

مختلف اقوام
کی بیماریاں

سابقہ اقوام میں کفر اور شرک تو مشترک بیماریاں تھیں، البتہ ہر قوم میں بعض احسن و
بیماریاں بھی پائی جاتی تھیں۔ قوم عاد اور قوم ثمود غرور و تکبر اور ظلم و کسوت میں مبتلا تھیں۔ وہ
بے جا بڑی ٹہنی عمارتیں، گنبد اور مینار بناتے تھے، جن کا کوئی خاص مصرف نہ تھا بلکہ محض نمود و
نمائش مطلوب ہوتی تھی۔ حضرت ابوبہیم علیہ السلام کی قوم بھی بدترین قسم کے شرک

میں مبتلا تھی۔ یہ لوگ چاند، سورج اور ستاروں کے پرستار تھے۔ اس کے علاوہ پتھر کے بت تراش کمران کی پوجا کرنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے مغرور تھے اور اپنے عقائد و اعمال کے خلاف کوئی بات سننا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ فرعون اور اس کی قوم کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ وہ بھی اپنے آپ کو سب کے بڑا رب کہتا تھا۔ جہاں تک لوط علیہ السلام کی قوم کا تعلق ہے تو ان میں کفر و شرک کے علاوہ ہم جنسی کی بیماری پائی جاتی تھی۔ اللہ کا فرمان ہے کہ یہی لوگ اس بد خدائی کے موجب تھے۔ ان سے پہلے یہ بیماری کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہم جنسی کی
بیماری

اسی خلاف وضع فطری عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوط علیہ السلام نے قوم سے فرمایا اَنَا تَوْنُ الذِّكْرَانِ مِنَ الْعَلَمِیْنَ کیا جہان بھر میں شہوت رانی کے لیے تم مردوں کی طرف دوڑتے ہو یعنی تم ہم جنسی کے مرتکب ہوتے ہو۔ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ اور تمہاری بیویوں میں سے تمہارے پروردگار نے جو کچھ تمہارے لیے پیدا کیا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شہوت کے فرو کرنے کے لیے تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تم ان سے تو التفات نہیں کرتے بلکہ اپنے ہم جنس مردوں کے ساتھ ملوث ہوتے ہو۔ یہ کتنی خلاف فطرت بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ تم مد سے بڑھتے دے نہایت ہی ظالم لوگ ہو۔ تم یہ کام انسانیت کی مد سے گزر کر انجام دے رہے ہو۔ سورۃ المعارج میں ہے۔ وَفَمِنْ ابْتِغَیْ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔ (آیت - ۳۱) جو کوئی باز ذرائع کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرے گا تو وہ لعہی کرنے والا ہو گا۔ اللہ نے منکوحہ بیوی یا شرعی لونڈی کے ذریعے شہوت رانی کو جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ باقی تمام ذرائع غیر فطری اور حرام ہیں۔ چنانچہ مشیت رانی بھی مکروہ تحریمی میں آتی ہے کہ اس سے کئی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جانوروں کے ساتھ التفات بھی حرام ہے۔ اپنی بیوی کا مقام مکروہ استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ اللہ کے نبی

کافران ہے۔ مَنْ اتَّخَذَ امْرَاةً فِيْ ذُبُرِهَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا نَزَلَ عَلَیْهِ
 مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یعنی جس شخص نے عورت کے مقامِ مکروہ میں شہوت رانی
 کی، اُس نے گویا شریعتِ محمدیہ کا انکار کر دیا۔ یہ اتنا قبیح فعل ہے، اور پھر مردوں کے
 ساتھ شہوت رانی کرنا تو بالکل ہی خلافِ فطرت ہے۔ اللہ نے اس کو فحش کے لفظ
 سے تعبیر کیا ہے۔ زنا اور لواطت دونوں افعال کو فحش کہا گیا ہے۔ بہر حال قویم لوط
 اسی فعل کی بانی تھی

لواطت قابلِ تعزیرِ جرم ہے۔ ائمہ کرام میں تہ سے اختلاف ہے کہ اس جرم
 پر مدد جاری ہوگی یا تعزیر۔ بعض لواطت کو بھی زنا شمار کر کے حد زنا کے قابل ہیں۔
 جب کہ امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر تعزیر عاید ہوگی جو حاکم
 وقتِ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کرے۔ چونکہ یہ فعل خلافِ فطرت ہے
 اس لیے تمام ائمہ کرام سخت ترین سزا کے قابل ہیں جو کہ سنہائے موت تک ہو
 سکتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے
 جس میں اَخْرَجَهُمَا کا لفظ آتا ہے یعنی فاعل اور مفعول دونوں کو آگ میں جلا دیا
 جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں ھَدَوْہُ عَلَیْہِمَا حَادِطًا ایے مجرموں
 کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گرا دی جائے۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے
 میں ایسے معاملات پیش آئے تو انہوں نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر لگائی
 کیونکہ اس جرم کے لیے کوئی مد مقرر نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ قویم لوط سے پہلے یہ فعل شیخ کسی قوم میں نہیں پایا
 جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ عام ہو گیا حتیٰ کہ برطانوی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کر
 دیا ہے کہ اگر دو بالغ مرد باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کریں تو ان پر
 کوئی جرم عاید نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ فعل بالجبر کیا جائے تو قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔ خنزیرِ خوری
 کا یہی خاصہ ہے کہ لوگ بے حیا اور بے غیرت ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ
 جرم بہر حال جرم ہے خواہ وہ رضامندی سے انجام دیا جائے یا جبراً۔ خدا تعالیٰ

نے اسکو بے حیائی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آج دنیا کی کوئی قوم اس سے پاک نہیں۔ سرحدیں، ہندوستان
حتیٰ کہ اسلامی ممالک بھی اس افسوس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ایرانی، افغانی، ہندوستانی
ہر جگہ اس فعل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ امام علیؑ رقمطراز ہیں کہ پہلی صدی
کے آخر تک کسی مسلمان ملک میں کوئی قبضہ خانہ نہیں تھی، حالانکہ حضرت عمرؓ کی حکومت
چھتیس لاکھ مربع میل پر محیط تھی، پھر انگریزوں کے زمانے میں اس فعل کو اتنی ترقی ہوئی
کہ اب کوئی ملک بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ خود عرب ممالک بھی اس کی پیروی میں
آچکے ہیں۔

بہر حال جب لوط علیہ السلام نے قوم کو اس بُرے کام سے منع کیا تھا تو
لَیْسَ لَکُمْ تَنْتَهَیْ لَکُمْ کُنْے گئے۔ اے لوط علیہ السلام! اگر تم اپنے اس وعظ و
نصیحت باز نہ آئے تَکُونُنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ تو ہو جاؤ گے تہنکے سے
ہم سے لوگوں میں سے۔ مطلب یہ کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی سے باز آ جاؤ
ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ سورۃ الاعراف میں اس مضمون کو اس طرح
بیان کیا گیا ہے کہ جب لوط علیہ السلام نے انہیں منع کیا تو قوم کا جواب یہ تھا۔
اَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْیَۃِکُمْ ؕ اِنَّهُمْ اَنَاسٌ
یَّتَنَطَّھَرُوْنَ (آیت ۸۲) ان کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکیزہ لوگ
بنے پھرتے ہیں جو کتنے ہیں کہ ہم نجس کام کرتے ہیں، قَالَ اِنَّ لَکُمْ لَعَلًا
مِّنْ الْاَقْسَانِ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے اس عمل سے سخت نفرت
کرتا ہوں۔ دین اور اخلاق کے خلاف چیزیں کو تو بہ فطرت انسان ہی اچھا سمجھ سکتے
ہیں، سلیم الفطرت آدمی تو کبھی بھی ایسے کاموں سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ امام شافعیؒ ولی اللہ
محمد ث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خلاف وضع فطری عمل کے دو نقصانات ہیں۔ ایک تو
اندر بح فطرت ہو گا یعنی لوگ فطرت سے باہر نکل جائیں گے اور یہ خدا کے غضب سے
کو دعوت دینے والی بات ہے، اور دوسرا یہ کہ واجب ارتقا فاقات خراب ہو جائیں
گے۔ لیکن کا عمل انسانوں کے نام سے کہیے واجب ارتقا ہے اگر کوئی شخص عورت

سے نکاح کی بجائے مردوں یا بانوروں کے ساتھ شہوت رانی کرنے لگے تو نکاح کا سلسلہ درجہم
برہم ہو جائے گا۔ اور اس طرح بقائے نسل کا سلسلہ خراب ہو جائے گا اسی لیے لوط علیہ السلام
نے فرمایا کہ میں تمھارے اس عمل سے متنبہ ہوں۔

دعا کر

اس موقع پر لوط علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں دعا بھی کی۔ غرض کیا رَسَبَ
نَجْنِي وَاهْلِي مَتَا يَفْ مَلُوكًا پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان
کاموں سے نجات دے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں اس کام اور اس کے
نتیجے میں آنے والے عذاب سے بچائے۔ لوط علیہ السلام اللہ کے پاک نبی سے تو کسی
برے عمل کی توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کام
کی خواہش سے بچا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخش
اور فرمایا فَجَبَّيْنَاهُ وَاهْلَكَ أَجْمَعِينَ ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے
گھر والوں سب کو نجات دی یعنی اُس سزا سے بچا لیا جو اس قوم پر نازل ہوئی۔ فرمایا
لَا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ایک بڑھیا اس عذاب سے نجات کی جو بیچھے بنے
والوں میں تھی۔ یہ لوط علیہ السلام کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو لوط علیہ السلام کے ہمراہ
بستی سے نہیں گئی تھی بلکہ قوم کے ساتھ بیچھے ہی رہ گئی تھی۔ لہذا وہ بھی عذاب کا شکار
ہو گئی حالانکہ وہ لوط علیہ السلام کے اہل خانہ میں سے تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی
نقدوی دور تک آپ کے ہمراہ نکلی تھی مگر پھر ملیٹ آئی، اللہ تعالیٰ نے دو کافرہ عورتوں
کا ذکر قرآن پاک میں کیا جو اُس کے پاک انبیاء کے گھروں میں تھیں۔ یہ حضرت نوح اور
حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں تھیں كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ
عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتْهُمَا (التحریم۔ ۱۰) یہ دونوں عورتیں ہمارے
دو صالح بندوں کے گھروں میں تھیں مگر انہوں نے اُن کے ساتھ خیانت کی۔ یعنی ایمان
سے غالی تھیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ دینے کی بجائے کافروں کا ساتھ
دیا۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بیٹیاں ایماندار تھیں، انہوں نے آپ کے ساتھ بستی کو چھوڑ
دیا اور عذاب الہی سے بچ گئیں۔

قوم کی
تباہی

لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کے بستی سے نکل جانے کا حکم سورۃ ہود میں اللہ نے ذکر کیا ہے فَاسْتَرْبَاهُمْ لَكَ بِقَطْعِ مِّنَ النَّارِ آيَاتٍ - ۱۱۔ اپنے گھر والوں کو بستی کے پسماندے میں نکل جانے کا حکم جب آپ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بستی سے نکل گئے تو فرمایا لَقَدْ مَنَّا بِالْأَخْصَنِ ہم نے بانی قوم کو دیا میٹ کر دیا۔ اللہ نے اس قوم کو ایسی تاریکی ہولناک نازل فرمادی جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ بستیوں کو اس طرح الٹ دیا کہ نیچے والا حصہ اوپر اور اوپر والا نیچے آگیا۔ اور اسکے ساتھ ساتھ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ہم نے ان پر بارش بھی برسائی اور یہ بارش پانی کی نہیں بلکہ پتھروں کی بارش تھی۔ سورۃ الحج میں ہے وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِثْلَ بَجْتِيلٍ (آیت - ۷۴) ہم نے ان پر کھنکھارے کے پتھر برسائے جن پر مجربوں کے نام لکھے ہوئے تھے کہ یہ فداں چہ برہمن کے سر پر لگے گا۔ اور یہ فداں وڑھیرے کو ہلاک کر دیگا۔ فرمایا ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی فَسَاءَ مَصْرًا المذہبین ڈرائے ہوئے لوگوں کی یہ بہت ہی بڑی بارش تھی۔ خدا نے ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً اس واقعہ میں عبرت ہے۔ اہل مکہ اور بعد میں آنے والوں کو بھی جان لینا چاہیے کہ بدکاری کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ گمراہ مقام افسوس ہے کہ اتنی واضح نشانی کے باوجود ان میں اکثر لوگ ایمان سے خالی ہیں وَإِنَّكَ لَمِنَ الْغَافِلِينَ الرّحیمہ اور بیشک تیرا پروردگار زبردست ہے جو کسی نافرمان کو چھوڑتا نہیں اور نہایت مہربان ہے جو اپنے بندوں کو ہر صلیبت سے محفوظ رکھنے پر بھی قادر ہے

كَذَّبَ اصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
 شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨٨﴾
 فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ﴿١٨٩﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
 مِنْ جَزَآءٍ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا
 تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
 الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٩٢﴾ وَلَا تَبْخُسُوْا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا
 تَعْتَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٩٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ
 وَالْجِبِلَّهَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٤﴾ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ السَّعٰرِيْنَ ﴿١٩٥﴾
 وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ
 الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٩٦﴾ فَاسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ
 اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٩٧﴾ قَالَ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا
 تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ
 اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٩٩﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ
 وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
 الْعَزِیْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٠١﴾

ترجمہ :- مجھلایا آید والوں نے اللہ کے رسولوں کو ﴿۱۸۶﴾

جب کہا اُن کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے کیا تم
ڈرتے نہیں (۱۷۹) بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں
امانت دار (۱۸۰) ڈرو اللہ سے اور میری بات مانو (۱۸۱) اور
میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی بدلہ۔ میرا بدلہ نہیں
ہے مگر رب العالمین کے ذمے (۱۸۲) میں تم سے کہتا
ہوں، پورا کرو ماپ کو، اور نہ ہو تم گھٹانے والوں میں
سے (۱۸۳) اور تولو سیدھے ترازو کے ساتھ (۱۸۴) اور نہ
گھٹاؤ لوگوں سے اُن کی چیزوں کو، اور نہ چو زمین میں فساد
کرتے ہوئے (۱۸۵) اور ڈرو اس ذات سے جس نے
تم کو پیدا کیا ہے اور پہلی مخلوق کو (۱۸۶) انہوں نے کہ
بیشک تو اُن لوگوں میں ہے جن پر جادو کیا گیا ہے (۱۸۷)
اور نہیں ہے تو مگر انسان ہمارے جیسا، اور ہم خیال کہتے
ہیں سجدہ کو جھوٹوں میں سے (۱۸۸) پس گرا ہم پر آسمان کا کوئی
ٹکڑا، اگر تو سچا ہے (۱۸۹) کہا (شعیب نے) میرا پروردگار خوب
جانتا ہے جو کام تم کرتے ہو (۱۹۰) پس جھٹلایا اُن لوگوں
نے اُس کو بس پکڑا اُن کو سائبان کے دن کے عذاب
نے۔ بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا (۱۹۱) بیشک البتہ
اس بات میں نشانی ہے۔ اور نہیں اُن میں اکثر لوگ ایمان
لانے والے (۱۹۲) اور بیشک تیرا پروردگار وہی عزیز اور رحیم
ہے (۱۹۳)

حضرت شعیب علیہ السلام

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت اور عبرت کی غرض سے چند انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ گزشتہ آیات میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، اب شعیب علیہ السلام کے

حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ آپ کی بعثت کے سلسلہ میں دو مقامات کا نام آتا ہے۔
 یعنی مدین اور ایچہ۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایچہ کے لوگ دو مختلف اقوام تھیں اور المہر
 نے دونوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی قوم تھی، مدین
 اُن کے قبیلے کا نام تھا اور اسی نام کی بستی بھی تھی۔ یہ گھنے جنگلات کو کہتے ہیں اور یہ
 لوگ اپنے علاقے میں واقع جنگل سے بھی سستیہ ہوتے تھے، اس لیے ان کو اصحاب
 الایچہ بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال اللہ نے مدین اور ایچہ کی طرف اللہ کے رسول شعیب علیہ السلام
 کو رسول بنا کر بھیجا۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں یا چھٹی پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے
 جاتا ہے مشہور یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کے بعد آپ کی روز
 کی مسافت طے کرنے کے بعد مدین پہنچے تھے جہاں آپ کی ملاقات حضرت شعیب علیہ السلام
 سے ہوئی۔ اور انہوں نے ایک تدبیر کے ذریعے آپ کو آٹھ یا دس سال تک رکھ
 رکھا۔ اور پھر اپنا داماد بھی بنا لیا اسی لیے شاعر لوگ کہتے ہیں کھیمی سے شعیبی دو قدم سے
 بعض کہتے ہیں کہ جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام مدین میں مقیم ہوئے تھے وہ شعیب علیہ السلام
 نہیں بلکہ اُن کے بھتیجے تھے، وہ بھی ایماندار اور نیک آدمی تھے۔ بائبل میں ان کا نام
 خوب بیان کیا گیا ہے۔ ان کو تیسروں بھی کہا جاتا ہے، تاہم مشہور یہی ہے کہ وہ اللہ کے
 نبی شعیب علیہ السلام تھے۔ اللہ نے آپ کا ذکر سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور دیگر سورتوں
 میں بھی کیا ہے۔

تسلٰی کا فرق

جبکہ میں نے ارشاد کیا ابراہیم علیہ السلام کے یہ واقعات حضور علیہ السلام اور آپ کے
 صحابہ کرام کی تسلی کے لیے بیان کیے جا رہے ہیں۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ مختلف
 اقوام نے اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ کیسے سلوک کیا، اُبیاد نے کیا کیا تکالیف برداشت
 کیں مگر صبر و ہمت سے کام لیا۔ لہذا آپ کے ساتھ پیش آنے والے نامساعد حالات
 کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ راد حق کے مسافروں پر اس قسم کی ابتلائیں آیا ہی کہتی ہیں۔ لہذا
 آپ ہی ان مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔ اللہ تعالیٰ کو واضح فرمان ہے
 فَلْعَنِينَ كَمَا صَدَّرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ

(الاحقاف - ۲۵) آپ ﷺ رسولوں کی طرح صبر کریں اور نافرمانوں کو سزا دلوانے میں جلدی نہ کریں۔

شیعہ
کی تقریر

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِينَ جھٹلایا مکہ والوں نے اللہ کے رسولوں کو۔ یہاں بھی وہی ترکیب استعمال کی گئی ہے جو اس سے پہلے حضرت نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام کے لیے استعمال ہو چکی ہے۔ یہ سب کہ کسی ایک رسول کی تکذیب اللہ کے سارے رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لازماً ضروری ہے۔ کسی ایک کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ إِذْ قَالَ كَهْمُ شُعَيْبٌ أَكَلَتْكُمْ أَثْمَانُكُمْ جب کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ دیگر سابقہ اقوام کی طرح یہ لوگ بھی کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے تھے۔ سورۃ اعراف اور ہود میں موجود ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں اور ان کی مذہبی رسوم کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں، ہم تو ان کو ادا کرتے رہیں گے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار رسول ہوں۔ میں اپنے پیور دیکھا کہ پیغام پہنچانے میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ کہنے لگے میری یہ بات بالکل بے لوث ہے۔ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ میں اس کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ إِنِ اجْتَرَىٰ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ کیونکہ میرا بدلہ تو اللہ کی ذمہ داری میں ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔ میری تبلیغ کا اجر وہی مجھے عطا کرے گا، اس معاملہ میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے، میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ میری بات مانو۔

عقیدے کی
ہستکی

شیعہ علیہ السلام نے سب سے پہلے قوم کو عقیدے کی اصلاح کا درس دیا اور یہی درس اللہ کے سارے نبی دیتے آئے ہیں۔ غیبوں کے بعد اللہ کے نیک بندے

بھی ہمیشہ سب سے پہلے عقیدے کی طرف توجہ دلاتے ہیں کیونکہ نجات کا دار و مدار اسی چیز پر ہے۔ ہر دلی کتاب و سنت کے مطابق عقیدے کی اصلاح کا سبق دیجیگا۔ امر شاہ ولی محمد ثر دہوی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اسی بات کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابنِ سنت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت پر چلنے والا گروہ اور جماعت سے مراد صحابہؓ کی جماعت ہے۔ ان کے مطابق اپنا عقیدہ بنا لو گے تو نجات حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر ان کا عقیدہ ہی درست نہیں تو اس کے کسی عمل کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس بات کی تصریح قرآن میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَالَّذِي لَا يَجِدْ لِحَبْلِهِ كَافًا فَخَسَفَ لِحَبْلِهِ سِدْرًا مِّنْ عَذَابٍ مُّهِينٍ۔ اے نبی! جس نے نیک اعمال انجام دیے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو اس کی محنت کی نافرمانی نہیں کی جائے گی۔ گویا اعمال کے لیے ایمان کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح فرمایا اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (الانشقاق - ۲۵) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے، اُن کے لیے بے انتہا اجر ہوگا۔ حدیث میں آئے ہیں کہ قیامت کے دن ہاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ہبّا، مَشْمُور (الفرقان - ۲۳) اُترتی ہوئی ناک بن کر رہ جائیں گے، اُن کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُن کی تسبیح و تہلیل میں نہ نیک عقیدے کی درستگی کے متعلق سارے نبی ہی درس دیتے ہیں اِيقُوْهُ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ الدِّیْنِ (اعراف - ۳) لوگو! عبادتِ خالص اللہ کی کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ لانا، نہ ذاتیں، نہ صفات میں، نہ پکالنے میں، نہ حاضر ناظر سمجھنے میں، نہ حاجت روا اور مشکل کشا تبسم کرنے میں، غرضیکہ کسی چیز پر حسد کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ہر نبی نے درس توحید کے بعد اپنی اپنی قوم کی اخلاقی بیماریوں کی طرف توجہ دی۔

قومِ شعیب بھی بڑی تمدن قوم تھی۔ یہ زیادہ تر تاجر پیشہ لوگ تھے۔ ان کی بستیاں بڑی شاہراہ پر واقع تھیں۔ حران اور ہندوستان کے تجارتی قافلے اسی شاہراہ کے

قومِ شعیب
کا تعارف

ذریعہ مصر اور شام جاتے تھے اور افریقہ کے قافلے اسی راستہ سے ادمرات تھے۔ اس قوم کی اخلاقی بیماری یہ تھی کہ یہ لوگ ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے تھے۔ شعیب علیہ السلام کے قوم سے خطاب کے بعض حصے سورۃ ہود میں بھی موجود ہیں آپ نے قوم کی توجہ اس طرف دلائی کہ تجارت میں دھنڈی مار کر دھوکے سے حقوق ضائع نہ کرو، بلکہ تمام حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرو اور اس کے بعد بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرًا لَّكُمْ اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ راہیت۔ ۱۶ جو کچھ بچ رہے، وہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم میں ایمان کی کوئی رتی موجود ہے اور جو چیز تم سے ایمانی سے حاصل کر دو گے، وہ خیر و برکت سے غالی ہوگی۔ یہ بیماری اہل مدینہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہود زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے اور دھنڈے، وقت کم تو لیتے تھے جس کا ذکر سورۃ مطففین میں موجود ہے۔

ماپ تول میں
استقامت

بہر حال شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی اخلاقی بیماری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا اَوْفُوا الْكَيْلَ لِیَ رَکِّدُوا مَآپ کُرْ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ اور نہ جو تم گھٹانے والوں میں۔ اناج کو ماپ کر دینے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے نیز دلِ قرآن کے زمانے میں مد اور صدع وغیرہ کے پیمانے ہوتے تھے۔ یہاں پنجاب میں تروپہ اور دھڑوپہ کے پیمانے اب تک رائج ہے ہیں۔ انہی پیمانوں کے متعلق فرمایا کہ جب گندم جو، کھجوریں یا ریحہ المن ماپ کر دو تو پورا پورا پورا پورا اور اس میں کمی نہ کرو۔ کہ اس سے لینے والے کا حق ضائع ہو گا۔ سورۃ مطففین میں اس چیز کی نامست بیان کی گئی ہے کہ ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے کہ جب وہ ماپ کر یا تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب دینا ہوتا ہے تو اس میں کمی کر دیتے ہیں۔ کہا انہیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ ایک دن انہوں نے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینا ہے؟ تو یہی نصیحت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کی کہ ماپ میں کمی نہ کرو وَزِنُوا بِالْقِسْطِ اِلَی الْمُسْتَقِیْمِ اور جب کسی چیز کو تول کر دو تو سیدھی ترازو کے ساتھ تولو۔ اس میں کمی بیشی

نکرو، تجارت میں ڈنڈی مارنا، حقوق العباد میں خیانت کرنا ہے۔ جس کو مواخذہ ہو گا۔ فرما:
وَلَا تَخْسُوا النَّاسَ أَشْيَاءُهُمْ أَدْرَاكُمْ مِنْ أُنْ كِي حَيْزِرٍ كُورَمَتِ كُشَاوِيْنِ
وزن کرتے وقت تراز میں کمی نہ کرو۔

تاجروں کی
ذمہ داری

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازارِ شریف
لے گئے تو آپ نے تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لِمَعُشَرِ التُّجَّارِ قَدْ
وَلَيْسَتْ أَمْرِيْنَ قَدْ هَلَكْتُ أَمْرُ السَّالِفَةِ قَبْلَكُمْ لَمْ
تاجروں کے گروہ! آج تم دو چیزوں کے والی ہو: اپنی دو چیزوں کی وجہ سے پہلے کئی
اتنی تباہ ہوئیں۔ یہ دو چیزیں ماپ اور تول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعیب علیہ السلام
کے علاوہ بھی کئی قومیں اس بیماری میں مبتلا رہی ہیں۔ اسی سے حضور علیہ السلام نے خبردار
کیا کہ آج تم ان چیزوں کے والی ہو، دیکھنا کسی کا حق ضائع نہ کرنا اور نہ تم بھی سالبہ قوموں
کی طرح تباہ ہو جاؤ گے۔

اگر تاجروں میں یہ عیب نہ ہو تو وہ پیشے کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔
اور حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے حضور علیہ السلام ارشاد مبارک ہے: التَّاجِرُ
الصُّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقَيْنِ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن، انبیاء، صدقا اور شہداء کی قطار میں ہوگا
اس کے برخلاف جھوٹی قسم اٹھا کر گواہی کو طعن کر کے والے کے متعلق فرمایا:
مَنْفَقَةٌ مُّحِقَّةٌ أَيْ مَالٌ يَكُ تَوَجَّاتٍ مَكْرُخًا تَعَالَى اس کی برکت کو مٹا دینا ہے
ایسی گمانی عمارت کی گمانی ہوگی اور پھر بقول "مالِ حرامِ بود بجا نے تمام رفت" یہ کسی اچھے
تکسکار نے پر بھی نہیں گئے کی جگہ مقدمہ، بیماری، رسم و رواج یا لہو و لعب میں ہی صرف ہو
گی۔ جو مال حرام راستے سے آیا، وہ اسی راستے سے چلا گیا۔ برخلاف اس کے جو مال
جائز اور حلال راستے سے آتا ہے وہ تمام اہل خانہ کے لیے باعثِ برکت ہوتا ہے۔

تاجروں کا ایک اور عیب تہ لیس ہے۔ اگر مال میں کوئی نقص ہو تو وہ اسے
ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں اور اس طرح گواہی کو عیب مال چلا جاتا ہے

لے ترمذی ص ۱۹۱ لے سنن دارمی ص ۱۶۳ و ترمذی ص ۱۹۵ (فیاض)

یہ بھی بدیاق ہی کی ایک قسم ہے۔ اگر پٹرے کو کوئی عکان پھٹا ہو ہے یا اس کی پیمائش کم ہے تو گھاب کو بتادینا چاہیے کہ اس میں یہ غیب ہے اور اس کی قیمت میں اس قدر فرق ہے۔ اب یہ گھاب کی معنی ہے کہ وہ ایسے دل کو شہیدنا پسند کرے آجہا نہیں کہ از کم تاجہ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ اسی طرح دوسری دل کو رزاقی یا اور کئی کو دوسری کہہ کر فروخت کرنا بھی اسی وعدہ کی زد میں آتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چیز بیک بنی ہے مگر وہ غیر مہاک کی گھا دی جاتی ہے۔ یہ گھاب کو دھوکہ دینا ہے۔ اور یہی چیز حال ہے بعض اوقات اپنے میں کمی کی جاتی ہے اگر کمپریٹر کے حساب سے فروخت نہ کیا ہے تو ناپت وقت میٹر کی بجائے گز استعمال کیا ہے۔ یا کھوکھی بجائے میٹر دیا ہے۔ یہ سب باتیں دھوکہ دی میں آتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ لوگوں سے ان کی چیزیں مت گھٹاؤ۔

فادری لڑ

ارشادِ باری تعالیٰ: وَلَا تَعْشَوْا فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۖ وَالَّذِينَ يَنْتَظِرُونَ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ وَلَا تَعْدُوا لَهُمْ ۚ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (آیت ۸۶) ڈکے ڈالنے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے راستوں پر ست میٹھو۔ یہ لوگ اگر بندی کر کے نشتہ کر دی کرتے تھے۔ قاف لوٹتے تھے اور جو لوگ شعیب علیہ السلام کی ملاقات کے لیے آتے تھے، ان کو آپ ایک پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے، اہل مکہ بھی ایسا ہی کرتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ بہت آنے والے کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے نہ پائے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی آپ کی صحبت میں پہنچ جاتا تھا وہ ایمان سے آتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ وہاں عیش میں بیان کر رہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے ملنا چاہا تو کفار مکہ نے دو دفعہ آپ کی پٹائی کی۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عبسہؓ کا بیان ہے کہ وہ مکہ آنے تو دیکھی کہ قوم کے لوگ اس قدر مشتعل ہیں کہ آپ تک پہنچنا ہی مشکل ہے، کہتے

ہیں کہ میں نے بڑے لطیف بہانے کے ذریعے آپ علیہ السلام تک رسائی حاصل کی، اور
میان مستبول کیا۔ یہ سب چیزیں فساد فی الارض میں شامل ہیں۔

تبلیغی جماعت والے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچانے کی حتی المقدور کوشش کر رہے
ہیں مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ کچھ لوگ ان کے راستے میں بھی رکاوٹ بن رہے ہیں۔
طرح عرب کا طعن کرتے ہیں کہ یہ بے دین لوگ ہیں۔ بستر اٹھاتے پھرتے ہیں اور لوگوں
کو اہل دین سے برگشتہ کرتے ہیں۔ محض الزام تراشی کے ذریعے لوگوں کو روکتے ہیں
کہ کہیں ان کے دامن میں نہ پھنس جائے۔ اس طرح بعض آدمی علوم کو علمائے حق کے پاس
جانے سے روکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گستاخ اور بے ادب ہیں، ان کی بات سنو
گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، العیاذ باللہ۔ غرضیکہ اللہ کے راستے سے روکنے کی مختلف صورتیں
ہیں کبھی اخبارات میں غلط فہم مضامین دیکر اللہ کے بندوں سے بظن کرنے کی کوشش
کی جاتی ہے کبھی کتابوں کے ذریعے الزام تراشی کر کے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش
کی جاتی ہے، غرضیکہ اللہ کے راستے سے روکنے کی روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی
ہے اور مختلف زمانوں میں اس کے مختلف طریقے رہے ہیں۔ یہ فساد فی الارض کی ہی قسم ہے
اس ضمن میں انگریزوں نے بھی بڑا جال پھیلا دیا ہے، اگرچہ سیاسی طور پر وہ بات نہیں رہی،
مگر دینِ حق سے روکنے کا دواؤ بیچ اب بھی چل رہا ہے انگریز مشنریاں آج بھی دنیا بھر میں
سرگرم عمل ہیں کبھی تعلیم کے ذریعے عیسائیت پھیلائی جا رہی ہے۔ سکول اور کالج قائم کئے
انجیل کی تعلیم دی جاتی ہے اور کبھی ہسپتالوں میں عیسائیت کا پرچار کیا جاتا ہے کبھی تبلیغی
اخبارات اور رسائل مغت تقسیم کیے جاتے ہیں اور کبھی ایڈ کے نام پر لوگوں کو لپٹنے
جال میں پھنسا جاتا ہے۔ غرضیکہ جس طرح کڑی شہد میں پھنس کر نکل نہیں سکتی، اسی طرح جو
لوگ ان کے جال میں کسی نہ کسی طرح پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ وہاں سے نکل نہیں سکتے
فساد فی الارض کے یہ مختلف طریقے ہیں۔

اس ضمن میں تھکے دالوں کا واقعہ مشہور ہے، عرب کا ایک نامی گرامی شاعر حضور
علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر مشرکین نہیں چاہتے تھے کہ یہ وہاں تک

پہنچے کیونکہ وہ جیتے تھے کہ اگر یہ شخص ایمان لے آیا تو اس پر بہت زیادہ اثر پڑے گا۔ یہاں
 اہل مکہ نے اس شاعر کو امام ج سے لے ہوئے سوانح شریف لکروا دیں کہ وہ ان حضرات میں سے
 سے نہیں تھے۔ فرمایا زمین میں فساد کرتے ہوئے مت چروا تقوا الذی خلقکم
والجیلۃ الاولین اور ڈرو اس ذات سے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا۔ اور پسلی

مخاطب کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ ساری باتیں قرآن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی۔
 شعیب علیہ السلام کی اس نقد پر کے جواب میں قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُرَادِ

زاد

المُسْحَرِّينَ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ تم تو جادو کرنے والے ہو تو یوں کہتے ہو
 یہی باتیں کرتے ہو اور ہمیں ملے دینے روکنا چاہتے ہو۔ انہوں نے یہ اعتراض بھی
 کیا وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم تو ہم سے جیسے انسان ہو تم میں سے کون سی چیز
حاصل ہے وَإِنْ تَنْظُرْكَ لَمِنَ الْكَذِبِینَ اور ہم تو تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں
 تمہارے دعویٰ نبوت میں کوئی صداقت نہیں ہے گویا انہوں نے بشریت کو نبوت کے
 منافی خیال کیا حالانکہ قرآن میں یہ بات بار بار سمجھائی گئی ہے کہ انسانوں کی تربیت کے لیے
 انسان بنی ہونا ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ انسان کسی غیر جنس سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں
 کر سکتا۔ نہ کوئی فرشتہ انسان کی تربیت کر سکتا ہے اور نہ کوئی جن۔ بلکہ انسان کو انسان ہی
 اپنے قول و فعل سے نیک یا منحصر و تک پہنچا سکتا ہے۔

قورمہ کہنے لگی، اگر تو سچ ہے، فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ
 اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ تو میرے آسمان پر کوئی ٹھٹھا اسی گھر سے، ہم
 جان لیں گے کہ تیرے کہنے سے ہمیں نازل ہوتا ہے، اگر تو سچ ہے، سورۃ اعراف
 میں کفار و مشرکین پر یہ بیان بھی نقل کیا گیا ہے، فَاتِنَا بِمَا نَعُودُ اِلَيْكَ
 كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (آیت ۱۰۰) جس چیز سے لوہیں تورا تبت، اس پر
 اے آفرین ہی ہم پر غلبہ نازل کر دے، و شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا
 قَالَ رَبِّ اَعْلَمْ بِمَا نَعْمَلُ وَنَايِرُ رَدُّهُ رَخْوَبِ جَانَتَا بے جو بچہ تو رہے
 ہو، وہ بہتر جانتا ہے کہ کس کجی کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے، سزا دینا میرا کام نہیں

ہے جلد خدا تعالیٰ کی گرفتِ وقتِ مقدمہ پر آجاسی لہٰذا اُس کا انتظار کرو۔

غَضِبَکُمْ فَکَذَّبُوهُ قَوْمٌ نَّشِيعِبِ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو حبیذا دیا۔ آپ کی نبوت و رسالت کا مکمل طور پر انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَهُمْ عَذَابٌ یَّوْمِ الظُّلُمَةِ چڑیا اُن کو سانپان کے دن کے عذاب سے۔ اِنَّہٗ كَانَ عَذَابٌ یَّوْمٍ عَظِیْمٍ یہ شب یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ ظلم سانپان کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق بادل کے سلسلے پر بھی ہوتا ہے۔ قوم شعیب کو تین قسم کا عذاب دیا۔ نیچے سے زلزلہ آیا، اوپر سے چیخِ مسئلہ کی گئی اور پھر اوپر سانپان کا یہ بھی ہوا، مفسرین کرم بیان کرتے ہیں کہ جب اس قوم پر عذاب کا وقت آیا تو اللہ نے ان پر سخت گرمی پیدا کر دی۔ سات دن تک متواتر سخت ترین تپش نازل ہوئی۔ پھر ایک بادل اٹھا جس کے سات میں قدرے سکون محسوس ہوا۔ سب لوگ دھڑ دھڑ کر بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ پھر اللہ نے اُس بادل سے ایسی آگ برساتی کہ سلسلے نافرمان بمسوم ہو کر رہ گئے۔ اس قوم کا حال اَشْرَکَانَ بئیل اور تارکخ میں بھی مذکور ہے، اللہ نے اس قوم کا حال بیان کر کے مکے والوں اور بعد والوں کو عبرت دلائی ہے کہ دیکھنا اللہ کے نبی کی نافرمانی کر کے تم بھی نہیں عذاب الہی کا شکار نہ ہو جانا۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اِنَّکُمْ فِیْ ذٰلِکَ لَا یَسَّرَ لَہٗ اَقَامَہٗ اس واقعہ میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے، وہ سابقہ اقوام کا حال دیکھ کر سنبھل سکتے ہیں اور خدا نے وعدہ لا شرک پر ایمان لاسکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے وَمَا کَانَ اَنْ کَذَّبُوْهُمْ مُؤْمِنِیْنَ اَنْ مِیْنِ الشِّرْکِ اِیْمَانُ لَہٗ لے نہیں ہیں۔ وَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْوَ الْعَزِیْزُ الدَّجِیْمُ اور بیشک تیرا پروردگار البتہ زبردست اور نہایت مہربان ہے، وہ نافرمانوں کے حق میں جبار اور قہار ہے۔ جب کہ دونوں کے لیے بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ
الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾
أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي
إِسْرَءِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾
فَفَرَّاهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَلِكَ
سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ
حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾
أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ
ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٥﴾ مَا أَغْنَى عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يُسْتَعْوُونَ ﴿٢٠٦﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا
لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿٢٠٧﴾ ذِكْرَىٰ ﴿٢٠٨﴾ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾

ترجمہ ۱۔ اور بیشک یہ (قرآن) البتہ اتارا ہوا ہے رب العالمین

کی طرف سے ﴿۱۹۲﴾ لے کر اتارا ہے اس کو روح الامین ﴿۱۹۳﴾

آپ کے قلب مبارک پر تاکہ ہو جائیں آپ ڈرانے والوں

ہیں سے (۹۶) اور ہے یہ عربی زبان میں کہوں کر بیان کرنے والا (۹۷) اور بیشک یہ البتہ پہلی کتابوں میں بھی ہے (۹۸) کیا ان کے لیے یہ نشانی نہیں ہے کہ جانتے ہیں اس کو بنی سرائیل کے علماء (۹۹) اور اگر ہم اترتے اس کو کسی عجیبی پر (۱۰۰) پس وہ پڑھتا ہے پر تو پھر بھی نہیں تھے یہ ایمان لانے والے (۱۰۱) اسی طرح ہم نے چلایا ہے اس کو مجرموں کے دلوں میں (۱۰۲) نہیں ایمان لاتے اس کے ساتھ یاں تک کر دیکھ لیں وہ دردناک عذاب (۱۰۳) پس آئے گا وہ (عذاب) اچانک اور وہ بے خبر ہوں گے (۱۰۴) پس کہیں گے، کیا ہم کو حلت مل سکتی ہے؟ (۱۰۵) کیسے ہمارے عذاب کے ساتھ یہ جلدی کرتے ہیں (۱۰۶) آپ بتلائیں کہ اگر ہم ان کو فائدہ پہنچائیں کئی سال تک (۱۰۷) پھر آجائے ان کے پاس وہ چیز جس کا ان سے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے (۱۰۸) تو نہیں بچائے گا ان کو جس کے ساتھ یہ فائدہ اٹھاتے ہیں (۱۰۹) اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اُس کے لیے ڈرنے والے تھے (۱۱۰) نصیحت کے لیے، اور نہیں ہم ظلم کریں گے (۱۱۱)

گزشتہ پانچ رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی اقوام کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کر کے حضور علیہ السلام آپ صی پر کرم فرمائی کہ دلائل مقصود تھا کہ دیکھو سابقہ انبیاء کی اقوام نے بھی اُن کو جھٹلایا، اُن کو بھی نہیں پہچانیں اور بالکل بڑے انجام سے دوچار ہوئے، لہذا اگر تمکے والے بھی آپ

جہالت

عام طور پر وحی کے نزول کی سی صورت رہی ہے۔ تاہم بعض دوسرے طریقوں سے بھی وحی کا نزول ہوتا ہے۔ ایسا یہاں آئی ہے جو علیہ السلام سے عرض کیا حضور! کیف یاتینک انوحی آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً کبھی فرشتہ انسانی شکل میں متکلم ہو کر آتا ہے اور میں اس کی بات کو یاد کر لیتا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے یَاتِیْنِیْ مِثْلَ صَلَٰصَلَةِ الْجَرَسِ وحی اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی بجتی ہے مگر اس کی آواز کو کوئی دوسرا شخص نہیں سن سکتا۔ اس کی سماعت پیغمبر تک ہی محدود ہوتی ہے اور اس کا وحی قلب مبارک پر آتا ہے۔ اور میں اس کو یہاں لکھتا ہوں۔ اور میں نے کہا کہ آپ! سَمِعْتُ قَلْبُ وَکَیْفَ مَضْبُوطٌ دَاعٍ مَّالِیْسَ رَاسِیْ میں نے اپنے دل سے سنا ہے اور دیکھتا ہوں کہ اس کے لیے دوا نہیں ہے۔ بہر حال حضور نے فرمایا کہ اس کی فہمی دینی ہے۔ زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ فرشتہ خطیۃ القدس سے ہوا کرتا ہے۔ آپ کے قلب سے ساتھ تعلق ہے۔ وحی الہی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا اَیُّہَا اَسَدُ عَلَیْ صِوَرَتِ کَجَرٍ طَبْرِیْ شَاقِیْ ہوتی ہے۔ صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دل کی بھر جنوری جوی شدید سردی میں بھی نزول وحی کے وقت حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ آنحضرت علیہ السلام کو ایک ہمیشہ جو جاتا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ پر غنودگی کی کیفیت عام ہو رہی ہے۔ مسند شریف ابویات میں آتا ہے کہ ایک موقع پر جب ایسی ہی حالت طاری ہوئی اور جب آپ کی حالت معمول پر آئی تو آپ نے فرمایا: لَوْ کُوْنُ خُشْبِیْ نَاقِلٌ کَرُوْا کَرِیْمٌ لَّعَلَّیْ مَجْدٌ بِسُوْرَةِ الْکُوْثَرِ اَنْزَلَ فَرَمَانِیْ ہ پھر آپ نے اس مختصر ترین سورۃ کی تلاوت فرمائی۔

امام شاہ ولی اللہ نے فرماتے ہیں کہ وقوع تغیر و تبدل ہوتا ہے یعنی ایسی حالت میں اگر ماضی بشریت نے حل و ملکیت کی طرف آتا ہے اور آجہ فاضل سے نیچے آتا ہے، اس طرح کو یاد دہانیوں طرف سے السالغ ہوتا ہے تاکہ وحی الہی بجز کے قلب پر آئے۔ اس طرح وحی کے الفاظ اور ان سے مطالب پر ہی طرح دل پر منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قلب مبارک کو عظیم قلب سمجھا

انسانی جسم میں دل اور دماغ اور ریس اور اعضا، کیا بات ہے یہ دونوں اعلیٰ ترین عضویں
مگر انہیں اللہ تعالیٰ اور قدرت ربانی کے اعتبار سے انسان کا قلب نہیں بلکہ اعضا ہے۔ جب کہ
اور طبعیہ وحش و حیوان کے اعتبار سے دماغ اعلیٰ عضو ہے، اخلاق اچھا ہو یا برا اس
کا مرکز یہ دماغ ہی ہے۔ اسی لیے انسان کی ساری متعلق اس دماغ سے ہے کہ دماغ
کی آگ سے پتے انسان کے دل پر اثر انداز ہوگی۔ سورۃ المائدہ کے الفاظ ہیں: اَلْحَيُّ
ذَاطِلَعُ عَلٰی الْاَفْقَادَةِ (آیت ۷) یہ وہ آگ ہے جو دلوں پر چڑھے گی۔ جسم پر
اس کا اثر بعد میں ہوگا۔ بہر حال جس شخص نے قلب جیسے مرکز اخلاق و خصلت کو خراب کر
دیا تو سزا کا اثر بھی سب سے پہلے اسی پر ہوگا۔ ہر آدمی کے سینے میں قلب ایک بے مثال
نعمت ہے، اور جس دل پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے عظیم قلب ہے۔ اس دل میں جو نور
اور جمال و بناوٹ کسی مخلوق کے کسی دل میں نہیں ہے۔

فرمایا اس قرآن پاک کو روح الامین کے لئے بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ
جس کی زبان عربی ہے جو بکمال وضاحت اور فصیح زبان ہے۔ اس سے یہ بھی مراد یہاں
نہاں ہے کہ عربی زبان میں نازل ہونے والا یہ قرآن پاک اپنے مقصد میں، مطالب و معانی
والہذا، مسائل، احکام اور شواہد کو کھول کر بیان کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہو کہ قرآن پاک اللہ نے وہی نسخہ جو عربی زبان میں
نہاں کسی دوسری زبان میں ہونے والا ترجمہ قرآن تو لکھا سکتا ہے مگر قرآن نہیں ہو سکتا۔
اللہ تعالیٰ: ارشاد ہے: فَاقْرَءْهُ وَمَا يَكْتَسِبُ مِنَ الْفُسْهِشِ لِمَ أَذِنَ لَكَ
نماز میں جتنا میسر آئے قرآن پڑھا کریں۔ اور قرآن وہی ہے جو عربی میں ہے۔ اس سے مطلب
یہ ہوا کہ نماز عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نہیں پڑھی جاسکتی۔ بعض مفسرین کے ہاں
کہتے ہیں کہ ہم عربی کو سمجھتے نہیں لہذا اگر نماز اپنی زبان اور زبانیں وغیرہ میں پڑھ
لیا کریں تو مطلب بھی سمجھ میں آئے گا اور نماز اچھے طریقے سے ادا ہوگی۔ یہ سخت
بے دینی کی بات ہے۔ بجائے اس کے کہ نماز اور قرآن پاک کی جگہ سورتوں کا ترجمہ

دیکھ لیا جائے۔ انہوں نے نماز کو اُردو میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کر دی ہے مگر افسوس
 کی بات ہے کہ لوگ انگریزی، فارسی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں دیکھنے میں تو کوئی دقت محسوس
 نہیں کرتے مگر قرآن پاک کی زبان عربی کی باری آتی ہے تو اس کو دیکھنے کی بجائے قرآن
 اور نماز کے ترجمے پر گزرتے کہ نہ پڑھتے ہیں۔ آدمی تھوڑی سی کوشش کرے تو نماز کی
 تمام تر قرآن کے الفاظ اور ترجمہ دیکھ سکتا ہے، اور سپر پوری دلجمعی کے ساتھ نماز اور اثر متناہ
 فرمایا: **وَإِنَّ كَفَى ذُرِّي الْأَوَّلِينَ** اور بیک یہ قرآن البتہ پہلی کتابوں میں بھی
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کی پیشین گوئیاں سابقہ صحافت یعنی آئینہ کاویہ
 میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ تواریخ میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے
 فرمایا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بھائی بندوں میں سے تیرے جیسا عظیم رسول برپا کروں گا
 اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یہ وہی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی
 صورت میں نازل فرمایا۔ اور بھائی بندوں سے مراد دوسرے خاندان ہے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام
 اسرہیلی خاندان سے تھے جب کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسماعیلی خاندان
 سے ہے البتہ دونوں خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں، لہذا یہ آپس میں بھائی بنا
 گئے۔

سابقہ آئینہ کاویہ
 میں پیش گوئیاں

کلام منہ میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس کو اپنا کلام سکھاؤں گا۔ دوسری
 جگہ مذکور ہے کہ قرآن پاک کے بعض احکام پہلی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت
 اور معاد سہرنبی کی تعلیمات کا عبور ہے۔ بہت سے دیگر اصول بھی تمام نبیوں میں
 متفق علیہ ہے۔ قصاص کا مسئلہ جس طرح قرآن پاک میں ہے اسی طرح تواریخ
 میں بھی تھا کہ جان کے بدلے جان، آنسو کے بدلے آنسو اور کان کے بدلے کان منیہ
 قرآن پاک میں اس قدر علوم و معارف موجود ہیں کہ کوئی انسان ان سب پر حاوی نہیں ہو
 سکتا۔ قرآن خدا تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ آرا ہے
 چونکہ خدا کی صفت اور اُس کا علم لامحدود ہے لہذا کوئی انسان قرآن کا اعادہ نہیں کر سکتا
 البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی شخص جس قدر قرآن میں توفیق حاصل کرے۔

يَوْمَ الْعَذَابِ أَلِيمٌ کیا تک۔۔۔ تاک غذاب کو اپنی آنکھوں سے بھی نہیں
 یہ لوگ آخر غذاب تک کیوں انتظار کر رہے ہیں جب وہ آئے : فَيَأْتِيهِمْ لَعْنَةُ
 وَهُمْ لَا يُشْعُرُونَ تو وہ اچانک آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ فَيَقُولُوا
 هَذَا كَمْ مَنظُورٌ پھر اس وقت لوگ کہیں گے ہاں! یہ ہمیں کچھ نہ مل
 جائے۔ اگر یہ غذاب کسی طرح مل جائے تو اب ہم ایمان لے آئیں گے۔ اللہ نے
 فرمایا أَفَبَعْدَ آيَاتِنَا يَسْتَعْجِلُونَ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے
 ہیں؟ غلاب یہ کہ ان کا یہ اس قدر غافلانہ ہے کہ یہ غذاب کو خود دعوت لے رہے
 ہیں کچھ جب وہ وار دہو جائے تو یہ ہمت نہ کھین گئے۔

فَرَأَى أَفْرَاقِيَّتَ اِنْتَمَعْنَهُمْ بِسِنِينَ آپ وحید میں اگر ہم ان کو
 کئی سال تک فائدہ دیتے رہیں یہ جس طرح آج عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح
 ہم ان کو نہ سال، سال، سال تک اس دنیا میں فائدہ پہنچاتے رہیں تو تم جہاں ہمارے
 ماکاؤں کو وعدوں پہ آجائے ان کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی ان سے وعدہ کیا
 جاتا ہے یعنی سال، سال، سال کے عیش و آرام کے بعد اگر ان پر غذاب آجائے۔ مَا
 أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَمْتَنِعُونَ تو یہ مال و دولت اور جاہ و اقارب انکو کچھ
 فائدہ نہیں دے گا یعنی کوئی چیز ان کو ان کی گرفت سے بچا نہیں سکتی، دنیا کے یہ
 سائے ساز و سامان و فخر کے دھڑے رد جائیں گے۔ اور اس وقت یہ لوگ لخت انواروں
 میں گئے۔

آگے اترنے تسلی کے سلسلے میں فرمایا وَمَا أَهْلَكَكَ مِنْ قَرِيْبَةٍ لَا لَهَا
 مُنْذِرُونَ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا تاہم یہ کہ اُس کے لیے ڈرانے والے
 ہوتے تھے۔ پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام یا ان کے پیغمبرین کو بھیج دیتا
 تمام کرتا ہے اور پھر کسی قوم پر گرفت کرتا ہے۔ ذکر الہی یا نصیحت کی باتیں ہیں
 جو لوگوں کو سمجھانی جاتی ہیں تاکہ وہ ایمان قبول کر لیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر خبردار سے
 اور بغیر موقع دئے کسی قوم پر عذاب بھیج دیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہے وَمَا

لَمْ أَعْدِبْ مِنْ شَيْءٍ نَبَّهَتْ رَسُولَهُ آيَاتُ اللَّهِ فِي قَوْمِهِ كَوْنَهُمْ
 مِنْ أُمَّةٍ مَقْلُوبَةٍ جِبْتِ تَابُكَ رُكْنُ كُلِّ طَائِفَةٍ رُكْنُ مَعْبُوثٍ لَمْ يَكُنْ جَزَاءُ
 أَسْوَءِ تَعَالَى مِنْ خِيَاةٍ هُنَّ جِبْتِ تَابُكَ وَهُوَ أَسْوَءُ مِنْهُمْ كَرْتِمْ تَعَالَى لِيُطَوِّفَ
 لِرُكْنِ تَابُكَ وَهُوَ أَسْوَءُ مِنْهُمْ كَرْتِمْ تَعَالَى لِيُطَوِّفَ
 كَرْتِمْ تَعَالَى لِيُطَوِّفَ

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۚ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا
يَسْتَطِيعُونَ ۚ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۚ
فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ
الْمُعَذِّبِينَ ۚ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۚ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ
فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِلَىٰ بَرِيٍّ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۚ
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۚ الَّذِي يَرِيكَ
حِينَ تَقُومُ ۚ وَتَقْلُبُكَ فِي السَّجْدِينَ ۚ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن نَّزَّلُ
الشَّيَاطِينُ ۚ نَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۚ
يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَذِبُونَ ۚ

ترجمہ :- اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیاطین نے (۲۱۰)

اور نہیں راقی اُن کے لیے اور نہ وہ (ایسا کرنے کی)

طاقت رکھتے ہیں (۲۱۱) بلکہ وہ تو سننے سے بھی دور

رکھے گئے ہیں (۲۱۲) پس آپ نہ پکاریں اللہ کے ساتھ

کسی دوسرے کو معبود، پس جو جائیں گے آپ سے زیادہ

لوگوں میں سے (۲۱۳) اور آپ ڈرا دیں اپنے تہیہ

رشتہ داروں کو (۲۱۳) اور پست کر دیں اپنا بازو اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے ایمان والوں میں سے (۲۱۵) پس اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں بیشک میں بری ہوں اُن چیزوں سے جو تم کرتے ہو (۲۱۶) اور آپ بھروسہ رکھیں خدائے عزیز پر جو نہایت رحم کرنے والا ہے (۲۱۷) وہ جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں (۲۱۸) اور آپ کا پٹن سجدہ کرنے والوں میں (اس کو بھی دیکھتا ہے) (۲۱۹) بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے (۲۲۰) (آپ کہہ دیجئے) کیا میں بتلاؤں تم کو وہ شخص جس پر اترتے ہیں شیاطین (۲۲۱) اترتے ہیں ہر جھوٹ بولنے والے گنہگار پر (۲۲۲) وہ ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات کو۔ اور اکثر اُن میں سے جھوٹے ہوتے ہیں (۲۲۳)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا تھا اور اس کا اجمالی تعارف کرایا تھا۔ اس عظیم کتاب کو جبہ انیل میں نے پروردگار عالم کے حکم سے نازل کیا۔ یہ کلام الہی پیغمبر کے قلب مبارک پر نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں اُتار لیا۔ اس کے نزول کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی اس کے ذریعہ دلوں کو اُن کے آخرت کے بڑے انجام سے ڈرا دیں۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے مضامین اور ہدشیں گزشتہ کتب میں بھی موجود تھیں۔ ان حقائق کے باوجود جو شخص اس قرآن کا انکار کرتا ہے وہ کافر اور گمراہ تصور ہوگا۔ قرآن کے منکرین میں سے بعض اُسے سحر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے شاعرانہ کی ایک قسم پر محمول کرتے ہیں بعض یہ بھی کہتے تھے کہ جنات اور شیاطین اکر یہ قرآن پیغمبر کو سکھلاتے ہیں

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی زعم باطل کی تردید کی ہے اور واضح دیکھ لے کہ شیاطین یا جنات قرآن میں بنا سکتے اور نہ ہی انہوں نے یہ آثار ہے۔ مشرک لوگ محض اپنی فہمت اور غناؤں کی بنا پر ایسا کہتے ہیں۔

شیاطین کی
دخل اندازی

ارشاد ہوتا ہے وَمَا تَنَزَّلُ بِالشَّيْطَانِ اور اس قرآن پاک کو شیطان میں آتے۔ نزول قرآن کے سلسلے میں اس رکوع کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے وَإِنَّهُ لَنَزْلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (آیت ۱۹۲) یہ تو پروردگار عالم کا نازل کردہ ہے، لہذا اس میں شیاطین کی دخل اندازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فسْ رِہَا وَمَا يَنْفِي لَهُمُ شَيْطَانُوكَ تَوْبَةٍ رَّافِقٍ هِيَ نَسِيتُ کہ وہ قرآن اتار سکیں وَمَا يَسْتَطِيعُونَ اور نہ وہ ایسا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، ان کے توبہ کی بات ہی نہیں ہے۔ قرآن کا نزول تو درکنار اَنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ كَمَعْزُولُونَ شیاطین کو تو اس جگہ سے بھی دور رکھا جاتا ہے جہاں سے قرآن مساجد آتا ہے۔ ان کو تو قریب تک نہیں پھٹکے دیا جاتا، لہذا نزول قرآن ان کے ساتھ کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیاطین کا کلام تو شر و فساد پر مبنی ہوگا، جس سے لوگوں کے افسانہ خراب ہوں اور عقیدے جڑیں شیاطین کا تو کام ہی بد اخلاقی، باغمالی، فحش، بدکاری اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنا ہے، اس کے برخلاف شاہ پاک کلام پر مبنی ہے فخر و تعجب اور عقیدہ درست ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق و اعمال اچھے ہوتے ہیں اور وہ شر و فساد کے دور رہتے ہیں۔ گویا ملامت قرآن پاک بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس کے پڑھنے والوں میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ یہ قرآن پاک کی اثر آئینہ تھی کہ دنیا میں صحیح خلافت قائم ہوئی جس کے ذریعے بہترین نظام حکومت قائم ہوا۔ چنانچہ اسلامی معیشت و معاشرت، تجارت اور صنعت ایسے اصولوں پر قائم ہوئی جس کی مثال آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی۔

قرآن کی
حکایت کا
اعتراف

خلافت راشدہ خصوصاً پہلے دو خلفائے راشدین کے قائم کردہ نظام کی پوری دنیا

معترف ہے، دنیا کے تمام مسلم اور غیر مسلم سائنس دان، مورخ اور دانشور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس قسم کا بہترین نظام حکومت دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ دیکھنا کہ انہی کے بغیر کی جانی چھائی شخصیت کمزوری ہے، بڑی عبادت و ریاضت کرنے والے آدمی تھا اگرچہ وہ رطوبت مند تھا، مگر دوسرے مذہب کو بچا مانتا تھا۔ منصف مزاج تھا۔ انبیا و ستران اور ویدوں کو بھی سچا تسلیم کرتا تھا۔ انگریزوں کے زلزلے میں جب پہلی دفعہ ہندوستان میں وزارت بنی تو انہی نے ہندوستانی وزراء کو نصیحت کی تھی جس کے الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُس نے کہا تھا کہ اگر دنیا میں کامیابی چاہتے ہو تو حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ جیسا نظام قائم کرو۔ ظاہر ہے کہ ان خلفاء کا قائم کردہ نظام معیشت معاشرہ اور عدل قابلِ شکر تھا جسکی مثال دنیا پیش نہیں کر سکی، یہ نظام قرآن کا پیدا کردہ تھا۔ اُس کی تعلیمات کا اثر تھا۔ اس کے برخلاف مصلحہ شیاطین کا کلام تو کھڑے شرک، باغیاتی اور فحاشی ہی پیدا کر سکتا ہے، امر کجی، روسی، برطانوی چھینی، سب شیطانی نظام ہیں۔ حکومت ہیں جن سے ظلم و تعدی، بدکاری، لہو و لعب اور زنا انصافی ہی نشوونما پا سکتی ہے یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، آج مادی ترقی کا بڑا ڈسٹر ہو چکا ہے، مگر دوسری طرف انسانیت جہنم کے گڑھے میں جا رہی ہے۔ عقل حاش ترقی پر بہت حساس عقل معیار کا جنازہ جل چکا ہے، چننے پرستوں کے سوا باقی دنیا تکہستی میں مبتلا ہے کمزوروں پر ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے لہذا اس کو تعمقی ترقی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اصلی ترقی وہی ہوگی جو اللہ کا قرآن پیش کرے گا۔ تو فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جسے مقدس ترین فرشتے لے کر نازل ہوا ہے۔ اس قرآن کا نزول پوری کائنات میں پاکیزہ ترین قلب محمدیؐ پہ ہوا ہے۔ اس کو شیاطین نہیں اتار سکتے اور نہ ہی یہ اُن کے اذیت ہے۔ وہ تو اس کو سننے سے بھی عاجز ہیں۔ جب قرآن پاک کا نذر دل ہوتا ہے تو پہلے بھٹائیے جاتے ہیں تاکہ شیاطین اس میں دخل اندازی نہ کر سکیں، لہذا مشرکین کا یہ دعویٰ لغو ہے کہ یہ قرآن پاک جنات اور شیاطین اللہ کے نبی کو کھلتے ہیں۔ یمن نے گل کے درس میں عرض کیا تھا کہ قرآن پاک کے چار اہم مضامین توحید، نبوت،

معاد اور قرآن کی مقابلیت و ممانعت میں۔ ان میں سے توحید باری تعالیٰ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے توحید کی تعلیم کو قرآن پاک میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ توحید ہی دین کا مرکز و محور ہے جس کے گرد پورے دین کی عمارت گھومتی ہے۔ اگر یہ اصول بگڑ گیا تو اسلام کی عمارت کا کوئی حصہ درست نہیں رہے گا اور ساری عمارت ویران ہو جائے گی، چنانچہ یہاں پہ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ كَسَيِّدٍ لِّكَ وَاللَّهُ كَسَيِّدٍ لِّكَ مَعْبُودٌ لَا يَدْعُ مَعَ اللَّهِ فَتَكُونُ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ پس ہو جائیں گے آپ سزا یافتہ لوگوں میں۔ اللہ نے مختلف سورتوں میں شرک کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے کہیں فرمایا کہ اگر خدا کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ گے تو تمہوں اور ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے، کہیں فرمایا کہ جہنم کے مستحق ٹھہرو گے، اور کہیں خدا کی ناراضگی کا ذکر کیا ہے۔ غرض کہ توحید ایک ایسا معاملہ ہے جس میں کسی طرح بھی رخصت اندازی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو وحی و شریک سمجھنے کے معاملہ میں ذرا بھڑ بھی رعایت نہیں رکھی گئی، اخلاق و اعمال کے بارے میں تو کسی نہ ایک رعایت دی جا سکتی ہے مگر عقیدے کی خرابی کے معاملہ میں رعایت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَهْدُونَ (الانعام ۱۳) امن ان لوگوں کو ملے گا اور ہدایت یافتہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی دھوٹ نہیں کی۔ اگر ایمان میں کفر، شرک یا نفاق کی ملاوٹ ہے تو وہ ناقابلِ برداشت ہے۔ البتہ وہی ہے جو واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل، منتزع مطلق، نافع اور ضار ہے۔ جو ہر ایک کی مراد پوری کرنے والا اور ہر دیکھنے دیکھ نہ رکھنے والا ہے اُس کے علاوہ کسی کی عبادت روا نہیں۔ کوئی بھی حلیف اُنے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکار کر یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ اللہ کی ذات، اُس کی صفات یا اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ، ورنہ تم سزا یافتہ لوگوں میں ہو جاؤ گے۔ اللہ کا واضح اعلان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ تُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ

تَشَاءُ (النساء: ۴۸) اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے ہیں، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے اللہ تعالیٰ نے یہ اہم ترین مسئلہ بھی بیان فرمادیا ہے۔

تبلیغ کا آغاز
کب سے

اصلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کے سلسلے میں ایک اصول بیان فرمایا ہے
وَأَنْذِرْ عِتْيَانَكَ الْأَقْرَبِينَ أَوْ رَأَيْتَ قُرْبَىٰ رِشْتَةً دَارُونَ كَوُفْرًا دُونَ -
تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کرنا ایک بہت بڑا اصول ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ
جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اسے قریش کو اٹھایا۔ بخاری شریف میں
آتا ہے کہ آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی اور چچا کو بھی خطاب کیا۔ آپ نے غوی خطاب ہی
کیا اور فرمایا: اِنِّیْ اَنْذِرُکُمْ مِّنَ النَّارِ اِنَّکُمْ مِّنَ النَّارِ اِنْ لَّمْ تَرْکُوْا
کُفْرَکُمْ وَرِیْضَکُمْ اِنَّکُمْ لَمِنَ الْاَخْسَرِیْنَ لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَنِیْئًا
مِّنَ اللّٰهِ اِنَّکُمْ لَمِنَ الْاَخْسَرِیْنَ اِنَّکُمْ لَمِنَ الْاَخْسَرِیْنَ اِنَّکُمْ لَمِنَ الْاَخْسَرِیْنَ
مِنْ مَّا تَدْعُوْنَ تم مجھ سے مال تو طلب کر رہے ہو مگر میں تمہیں جہنم کی آگ میں ہی
سجوں گا۔ لہذا اپنی فحشہ آپ کو رو۔ آپ کو دیکھا ہے کہ بڑے بڑے اور مندرجہ
صباحا یہ نعرہ عرب نہایت خطرے کے موقع پر لگایا کرتے تھے جب یہ آواز سن
کر چالیس کے قریب آدمی جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا: لوگو! اگر میں تم کو خبر دوں
کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہارا دشمن ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات
پر یقین کر لو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں مَلَجَتْ بِنَا عَلَیْکَ کَذِبًا ہم ضرور یقین
کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا یعنی آپ ہمیشہ سچ بولتے
ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات سب تو پھر میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ
بڑے عذاب سے اپنے آپ کو بچاؤ اور قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَفْلَحُوْا کہ تم یقیناً
پڑھ لو، فلاں پاجاؤ گے۔ اس پر قریش سخت برہم ہوئے اور سب پہلے اللہ کے
کَا تَبَّتْ لَکَ الْاِھْدَا جَمَعْنَا تَمَارِی تَبَاہِی ہوا کہ اس مقصد کے لیے ہمیں
جمع کیا تھا، غرضیکہ کسی نے آپ کی بات نہ مانی اور منتشر ہو گئے۔

مرکزیت کی
ضرورت

اصول کا آغاز اپنے قریب ترین داروں سے کرنے کا اصول بالکل صحیح ہے اس

لے بخاری ص ۲۶۶ و مسند ص ۲۶۶ و مسند ص ۲۶۶ (فیاض)

اصول کے ذریعے جب اپنے گمراہ والوں کو پیچھے غریزہ واقعہ بالی اصلاح ہو جائی تو اصلاحی طور
 کے لیے ایک بنیاد فراہم ہو جاتی جسے سرگز باکر تیس دن اصلاح کا دائرہ وسیع کیا جائے گا
 حضور علیہ السلام نے بھی خطِ عرب کو ایک مرکز کی حیثیت سے کہہ دین حق کو اُگے پھیلانے کا
 پروگرام بنایا۔ چنانچہ آپ نے نصیحت فرمائی کہ اس سرزمین میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا
 دین باقی نہیں رہے گا۔ آپ کی آخری وصیت یہ تھی اَخِرُ جَوَا اِلَھُو دَوْلَتِھِمْ
 مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ یعنی یہود و نصاریٰ کو سرزمین عرب کے ہاں ہم کر دو، جب یہاں
 ماحول درست ہو جائے گا تو پھر باہر سے آنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔
 جب ایران کے ساتھ قادسیہ کے مقام پر شدید جناب ہو رہی تھی تو حضرت
 عمرؓ نے بنفس نفیس وہاں جا کر جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سے پہلے
 آپ دو دفعہ شام کا سفر کر چکے تھے، مگر حضرت علیؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خود
 ایران تشریف نہ لے جائیں بلکہ یہاں مرکز اسلام میں بیٹھ کر ایک قطبِ رحمتی کا مرکز
 کیل کی طرٹ ملک کی چٹی کو چلائیں اگر آپ نے یہ مرکز کو محصور کر دیا تو کوئی دشمن سازش
 کر کے فتنہ و فساد نہ برپا کرے لہذا بہتر ہے کہ آپ مرکز کی مضبوطی کا خیال رکھیں حضرت
 عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور مرکز میں بیٹھ کر ایران کی جناب لڑی۔ آپ وہیں سے ہاتھ
 بھینٹتے رہے۔ قادسیہ کی یہ شہر جنگ تین دن اور تین رات تک مسلسل جاری رہی۔
 بالآخر اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور ایرانی مجوسیت ہمیشہ کھلے ختم ہو گئی۔
 جب سی ملک کا ماحول اصلاح یافتہ بن جائے تو وہ ملک بیرون ملک دعوت
 کے لیے بھی مرکزِ اصلاح بن سکتا ہے۔ اور اگر اپنے ہی ملک میں گمراہی ہوگی تو دوروں
 کو اصلاح کی دعوت کیے دی جائیگی۔ یہاں کے ایک طالب علم نے سویدان کے حالات
 بیان کئے۔ وہ وہاں پر ڈیڑھ سال تک ٹریننگ حاصل کر چکا تھا، اس نے پوچھا کہ تم
 نے وہاں کے لوگوں کو بھی کبھی اسلام کی دعوت دی، تو وہ کہنے لگا، ہاں! اپنے دوستوں
 میں تبلیغ کا آغاز کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ تم تو غلامِ ملک کے باشندے ہو، کیا اسلام
 پیش کر کے یہیں بھی غلام بنانا چاہتے ہو؟ ایک اور روز دست جو منہ اور مشرقی دینی کا

اصلاح کیلئے

نمونے کی ضرورت

دودھ کر چہ تھ کنے لگا کہ اُن ممالک میں چور سبتے ہیں۔ اسلام قبول کر کے کیا ہم بھی چور بن جائیں؟ اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ خود ہمارے ملک میں کتنے چور ہیں۔ ان کو دُکھ کر کون مسلمان ہو گا؟ جہاں تک غلامی کا تعلق ہے کچھ مسلمان روس کے غلام ہیں اور کچھ امریکہ کے پہلے ہم برطانیہ کی غلامی میں تھے۔ اب امریکہ کی جھولی میں ہیں۔ نہ ہماری سیاست آزاد ہے۔ نہ معیشت اور نہ معاشرت، ہماری ٹیکنالوجی دہاں سے آتی ہے، اُن کے مشین ہیں مشورہ دیتے ہیں تو پلان بنتے تھے۔ بحیثیت غلام ہماری کوئی وقعت نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بڑا زور دیا کہ اپنے مقام پر پہنچو گے تو دنیا میں عزت پاؤ گے ورنہ ذلیل و خوار ہی ہوتے رہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اصلاحِ عالم کے لیے پہلے خود نمونہ بنو گے تو دعوت آگے بڑھے گی ورنہ کوئی شخص تمہاری بات سُنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلامؐ کی وجہ سے قریش کو سعادت بخشی۔ یہ لوگ ایمان لائے آپ کے دست و بازو بنے۔ پھر اُن کے ساتھ انصار کی جماعت مل گئی۔ اس کے بعد ہاجرین اور انصار مل کر ایک مرکزی جماعت بن گئے اور دعوت نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ یہی لوگ اہلِ مل و ملت تھے۔ ان کی اُن سے دنیا بھر کے معاملات طے ہونے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی نرم مزاجی

آگے ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ آپ اپنے بازو اپنے متبعین کے لیے پست کر دیں اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں۔ نبی کی حیثیت کے تو آپ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَرَحِيمٌ (التوبہ: ۱۲۸) فرمایا بحیثیت مامم اور امیرِ جماعت بھی آپ اہل ایمان کے ساتھ نرمی اختیار کریں۔ برستی اور سختی کی بجائے انعام و تعظیم کو اصول بنائیں۔ البتہ جب کوئی اللہ کی مدد کو توڑے تو پھر وہ سختی کا مستحق ہے مگر یہ حضور علیہ السلام سے زیادہ نرم مزاج دنیا میں کوئی نہ تھا، ہمیشہ میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص مددِ اللہ کو توڑتا تو آپ کو ایسا غصہ آتا کہ کوئی بھی آپ کے سامنے کھڑا نہیں سکتا تھا۔ آپ مظلوم کو اس کا حق دلانے بغیر دین سے نہیں بیٹھتے تھے، لیکن عام حالات میں

جو بھی آپ کے قریب آتا آپ نے نبوت کرنے نہایت توفیق دیا کہ آپ اہل بیت کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کے لئے جنہوں نے آپ کو اتباع کیا وہ جنہوں میں سے۔ فَإِنْ عَصَوْكَ فَهُمْ لَكَ وہ آپ کی افروہی کریں فَقُلْ الْحَقُّ بَرِّئٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ تو آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں میں ان کو ذمہ دار نہیں ہوں۔ وَسُيِّرَ وَلَوْ كَلَّ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ حالت میں نہانے عزیز و رحیم پر ہمہ دوسہ رکھیں۔ وہ نہانے ذوالجلال الَّذِي يَلِكُ حِينَ تَقُومُونَ جو کھیتا ہے آپ کو جب آپ عبادت کے لئے رات کو تیار ہوتے ہیں۔ اور وہ آپ کو اُس وقت بھی نکال دے گا میں رکھتا ہے وَلَقَبْلَكَ فِي السَّجْدَيْنِ جب آپ پڑتے ہیں سجدہ کرنے والوں میں یعنی جس وقت باجماعت عبادت الہی میں نہ وقت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکات سے واقف ہوتا ہے لَهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بے شک وہ خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔

نہدال شیاطین

اس آیت کی ابتداء میں بتایا جا چکا ہے کہ اس قرآن پاک کو نازل کرنے والے شیاطین ہرگز نہیں۔ نہ ہی وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اب اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ وہ کیا ہیں أَوْحُوا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ وہ تو بہت جھوٹے اور گندہ کا شخص پر اترتے ہیں۔ شیاطین کسی سنی سانی بات کے سانسے سو جھوٹ مل کر کامیاب اور بخوبی کے کام میں ڈال دیتے ہیں جو فیس کے کر آگے لوگوں کو خبریں دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی سچی ہوگی تو بس مشہور ہوگی اور حیل کا ٹوٹا جھپٹے چل پڑا۔ وَيَلْقَوْنَ السَّمْعَ وہ سنی سانی بات ڈالتے ہیں وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ شیاطین کی حیثیت تو یہ ہے۔ برخلاف اس کے اللہ کا نبی تو پاک ہوتا ہے۔ اس کا احسان حق بہترین ہوتا ہے۔ اس کا دل پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ بہترین صلاحت کا

۱۰ مل ہوتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے قریب ترین فرشتہ قرآن کے کما نازل ہوتا ہے۔ جلا
شیاطین کی کیا مجال کہ وہاں دم مار سکیں۔ ان کا دانا تو جھوٹے اور گنہگار شخص پر چلتا ہے

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ
وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٤﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَالًا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٥﴾
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۚ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ
ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٦﴾

درجہ

ترجمہ :- اور شاعر لوگ ، پیروی کرتے ہیں اُن کی گمراہی لوگ ﴿۲۲۳﴾
کیا نہیں دیکھا تم نے کہ وہ (شاعر) ہر وادی میں سرگرداں
پھرتے رہتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ اور بیٹے وہ کہتے ہیں جو کرتے
نہیں ﴿۲۲۵﴾ مگر وہ لوگ جو بیان کرتے اور جنہوں نے اپنے
اعمال کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا ، اور انہوں نے ہنر
لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ، اور وہ مغترب جان
لیں گے جنہوں نے ظلم کیا کہ کس کر دھڑ پر وہ پلٹے ہیں ﴿۲۲۶﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر تسلی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مختلف انبیاء
علیہم السلام اور اُن کی قوموں کا حال بیان کر کے قوموں کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ
حضور علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے دل برداشتہ نہ ہوں اور جان لیں کہ اہل حق
کو ہمیشہ ایسی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑی ہیں ، تاہم انجام ہمیشہ انہیں کا اچھا ہوتا
رہا ہے اور نافرمان ناکام و نامراد ہی رہے ہیں۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی
چار بنیادی مسائل بیان ہوئے ہیں یعنی توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت

عداقت گذشتہ درس میں عداقت قرآن کا بیان تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بے مثال کلام ہے اور اور ایسا کلام نازل کہ ناشیاطین کی قدرت میں نہیں ہے۔ اس کو اتارنے والا رب العالمین لائے والا روح الامین اور جس ہستی کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے وہ پوری مخلوق میں لطیف پاکیزہ اور اعلیٰ قدروں کی حامل ہے۔

شعر شاعری
کی نفی

مشرک لوگ حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے تھے کبھی کاہن کہتے۔ کبھی جادوگر اور کبھی شاعر۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے شاعری کی نفی کی ہے۔ شعر و شاعری کے رموز سے واقف لوگ خود بھی اقرار کرتے تھے کہ قرآن پاک کی شعور و شاعری پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی انیس جو خود بہت بڑے شاعر تھے، انہوں نے اپنے بھائی کے پاس یہ رپورٹ پیش کی جو کہ حدیث میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کا پیش کردہ کلام سنا ہے۔ یہ کہہ انہوں والا کلام نہیں، کیونکہ بحیثیت انسان میں خود بھی اُن کے کلام سے واقف ہوں، پھر کہتے ہیں ولقد وضعنا علم اقرأ الشعراء میں نے اُسے شاعروں کے اوزان پر بھی پرکھا ہے مگر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کسی شاعر کا کلام بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے جو اُس کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ پیش یا طین کا کلام بھی نہیں ہے کیونکہ اُن کا کلام تو شر و فساد پر مبنی ہوتا ہے جب کہ یہ کلام نہایت ہی اعلیٰ و ارفع کاہر ہے جو رشد و ہدایت سے کھبر لپرا اور اس میں سلامتی کا پیغام ہے۔

شعر شاعری
کی کیفیت

شاعری ایک فن ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ شاعری ہر زبان کا موضوع سخن رہا ہے خصوصاً عربی زبان میں توبہ بارہ عروج پر تھی جب قرآن کہہ نازل ہوا تھا عربی کے سینکڑوں اور ہزاروں بڑے بڑے شعرا و محضے میں جن کا ذکر تاریخ میں موجود ہے فارسی زبان میں شاعری کو عروج نزل قرآن کے کافی عرصہ بعد حاصل ہوا۔ فارسی زبان میں بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی زبان کے بھی بڑے پائے کے شعرا گذرے ہیں شعر و شاعری ہر زماں میں رہا ہے اور آج بھی ہے شاعر

شعور سے مستحق ہے جس کا معنی کچھ بوجھ ہوتا ہے کسی حقیقت کو عام آدمی سمجھ کر سکتا ہے
مگر اسے تو شرطوں پر بیان نہیں کر سکتا شاعر میں یہ عقد موجود ہوتا ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر
کو نہایت مؤثر انداز میں شاعر کی زبان میں پیش کر سکتا ہے شعر اس لیے ہی ایسا ہوتا ہے
کہ ایک شاعر اپنی زبان میں دوستوں کے لوگوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شعر و شاعری کی ادھار میں لکھتے ہیں اَصَوَاتٌ
مُقَطَّعَةٌ بِأَزَامٍ مَعَانٍ مُتَنَوِّعَةٍ یہ موزوں آوازیں ہوتی ہیں جو طرح طرح کے معانی
پیشکش کرتی ہیں شعر میں وزن، قافیہ اور ردیف جو اسے جس کی وجہ سے شعر کی نسبت شعر
میں زیادہ کشش پائی جاتی ہے۔ البتہ اس غمن میں انمولی بات یہ ہے الشَّعْرُ كَلَامٌ
حَسَنٌ حَسَنٌ وَقَبِيحٌ قَبِيحٌ شعر ایک کلام ہے جس کا اچھا حصہ اچھا ہے
اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ اشعار میں اچھے اور بُرے دونوں عناصر پائے جاتے ہیں اور
دونوں طرح کے خیالات کو منظور کیا جاسکتا ہے

غمزہ می تہ عرق
کی کہاں نہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شعور و شعاعی پر عمومی تجزیہ فرمایا ہے جسے شعور و شعاعی
 کا پختہ کیا جائیگا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْفَأْوَنُ
 اور شعاعوں کے پیچھے چلنے والے اکثر گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ نے یہاں پہ اس فن کے
 قیمن ناقص بیان فرمائے ہیں۔ پہلا نقص تو یہی ہے کہ اس کے متبعین اکثر گمراہ لوگ ہوتے
 ہیں۔ اور دوسرا نقص یہ ہے کہ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ
 کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ شعاع لوگ تخیلات کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ طرح
 طرح کے تخیلات باندھتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی کوئی بڑ بڑ نہیں
 ہوتی بلکہ محض خیالی گھڑے دوڑاتے ہیں۔ اللہ نے اس فن کا قیاس عیب یہ کھنڈا
 ہے وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ شعاع لوگ وہ کچھ کہتے ہیں جو خود
 نہیں کرتے۔ گویا ان کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ عام طور پر شعاع لوگ نشر باز
 ہوتے ہیں اور خلاق سے گریز کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں بالعموم
 عشق و محبت کی راستیاں ہوتی ہیں۔ وہ بھی دہنوی۔ اسی لئے فرمایا کہ ان سے بچو

میلنے والے بھی باہم گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو سب اور جھوٹ میں امتیاز کرنے سے عاری ہوتے ہیں۔ خطا بہرے کہ جس چیز کی بنیاد ہی جھوٹ اور دھوکہ ہے جو اس کا اتباع گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ مگر فی الواقعہ کوئی شاعر جس قدر جھوٹ اور بے سند خیال باندھتا ہے وہ اسی قدر زیادہ دراپنا ہے۔ بزرگوارین دین و قول بھی ہے چو اکذب و ست۔ احسن دست یعنی جس نہ کوئی جھوٹی بات ہوگی، اسی قدر وہ اچھی محسوس ہوئی جس شعر میں ہوئی۔ مگر زیادہ دہرائے گئے ہوں، وہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ یا جس قدر غلو و واقفہ اور اخلاق سے گمراہی ہوئی بات ہوگی، اسی قدر دورے دور گمراہ سے پرہیزے جائیں گے۔

جاہلیت کے زمانے کا ام القیس بڑا مشہور و معروف شاعر کہتا ہے اس کا باپ بنی اسد کا بادشاہ تھا۔ یہ شہزادگی کے زمانے میں شعور شاعری اور عیش بازی کی طرف رغبت ہو گیا۔ شراب نوشی بھی کرتا تھا، اس لیے اس کا لقب ہی ملک النملین مشہور ہو گیا۔ یعنی گمراہ بادشاہ۔ درجہ عامہ شاعری کی طرح اس کے ہاں میں بھی فحش اور اخلاقی سے گمراہی ہوئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے اس کا مذکور لقب مشہور ہو گیا۔

انتہا میں
یاد دہانی

شاعر متنبی جو غنی و امیر مسلمانوں کے دورہ مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس نے ابتدا میں نبوت پر دعویٰ بھی کیا۔ جب سخت پٹائی ہوئی تو تائب ہو گیا۔ شعراء کے اکثر دیوانوں کی ناسمجھی سے کلام میں بھی فحش اور اخلاقی لحاظ سے کمزور باتیں پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کو پسند کرنے والے لوگ بھی اخلاقی لحاظ سے ٹیپے ہی ہوں گے۔ اسی لیے قرآن پاک شاعر کی اکثریت گمراہ ہے اور ان کے تبعین بھی ٹیپے ہی ہیں۔ بھلا ایسے کلام قرآن پاک سے ساقیہ کیا قابل ہو سکتا ہے؟ قرآن پاک کے قاری تو مال جس کے باطل لوگ جوتے ہیں جب کہ شعراء کے قول و فعل میں غایت سب سے مانتھا، دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یسرہ ۷۹) ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کو فنِ شعر نہیں سکھایا۔

اور یہی یہ اس کے لائق ہے، گویا شعور شاعری منصب نبوت کے منافی چیز ہے۔ نبوت کی بنیاد حق و صداقت پر ہے جب کہ شاعری کی بنیاد تخیلات پر ہے۔ یہاں جتنا جھوٹا تخیل باندھا جائے، اتنی ہی شاعری مہیا ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ شعور شاعری کی ایک مثال بیان کرتے کرتے فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے اپنے محبوب کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

اے شراب میحائیری رفتاریہ قربان
سو ہر میری لاشیں ٹوکرے سے جدا دی

تخیل کے اعتبار سے یہ بڑا اور پختہ ہے ہاشو سمجھا جاتا ہے مگر بے سمجھوتہ پلندہ پہلے فرما دے کہ تصور کیا ہے؟ کہ اپنی لاشیں یہاں تک گھڑا کر دیں کہ مراد پڑتی ہو اور اپنے محبوب کے پیر کی تصویر سی تو لاش زندہ ہو گئی جیسی فتحوں اور خلایق انوار بات سے اسی طرح ایک عربی شاعر لکھتا ہے۔

لَوْ ضَعَّفَ الْمَوْتُ صَدْرِي
لَمْ يُجْمَلِ الْمَوْتُ فَتَارِي

اگر محبوب اے اپنی چھائی سے کہے تو کوئی شخص منے کو قبر کی طرف نہ لے جائے یعنی مجھ کو جس سے مردہ زندہ ہو جائے اور اسے دفن کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، عام طور پر ایسے ہی بے پرواہ خیالات بندھے جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سفر میں جا رہے تھے راستے میں کوئی شاعر بیوقوفہ شعر کہتا ہوا اچلا آپ علیہ السلام نے فرمایا خُذُوا الشَّيْطَانَ كَوَيْلٍ وَرِيهَ كَيْدًا جَارًا بِهٖ اَغْنَضَتْ مَعْلٰی اَشْہ عَالِیہ وَاَمَرُ لَیْہِ بِہِی اِشَادَہٗ لَآلَہٗ یَمُنَّ لَیْہِ وَجِلُّ جَوْفَہٗ قَتَمَ خَیْرٌ لَّہٗ مِثْلُ کَلِّ یُذِشِدَ شِغْرًا اِگر کوئی شخص ہے پیر کو پیسے سے بھر لے تو وہ اس شعر گوئی سے بڑے حقیقت یہ ہے کہ باغی کے لشکر ایسے ہی ہوتے ہیں شاعروں کے اچھے چلنے والے جیسی بے نماز، شراب کے ریا اور ہر روز لوگ ہوتے ہیں جو ہر روز وہ واہ کہہ رہے ہوتے ہیں نہ انہیں فرائض میں غیاں ہے نہ کوئی اخلاق ہے اور نہ اعمال ہی قابلِ ستیہ وال ہیں میں نے خود ایک جگہ میں دیکھا کہ ہر کھلی طرف ایک شخص پریشاں بھی کر رہا ہے اور شاعر کو وہی سے رہا ہے۔ ہر طرف

اس کے جن لوگوں نے قرآن پاک کو لائحہ عمل بنایا ہے ان کے اخلاق، اعمال اور کردار اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں عام شعراء کے تجزیہ میں تین نقائص کا ذکر کیا ہے۔ اول یہ کہ شاعروں کے پیچھے چلنے والے اکثر گمراہ لوگ ہوتے ہیں جبکہ قرآن پاک پر عمل کرنے والے اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ شاعر لوگ تخیلات کے عنصر میں ہوائی کھسارے دوڑاتے پھرتے ہیں جبکہ قرآن کے پیڑ کا حقیقت کے متبع ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ شاعروں کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے جبکہ عامل بالقرآن لوگ حقیقت کے متبع و انحراف نہیں کرتے۔ اس طرح گویا ان آیات کا تعلق سورۃ کی ابتدائی آیت قُلْ لَّكَ الْكِتَابُ الْغَيْبِ سے بھی ہوگی۔ دہاں فرمایا تھا کہ یہ کسول کہ بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں اور یہاں شعراء کے کلام کی نفی کر دی گئی ہے۔

شعراء

عمومی شعراء کے تذکرہ کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مستثنیات کا تذکرہ فرمایا ہے اور واضح کیا کہ مذکورہ قباحتوں کے مصداق سو فیصدی شعراء نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا مِمَّا رَدُّوهُ لِرُوحِهِمْ جنہوں نے ایمان قبول کر لیا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اور انہوں نے لہذا سے اللہ کا ذکر کیا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا اور بدلہ لیا مظلومین جانے کے بعد۔ ظاہر ہے کہ ایسے شعراء کا کلام ہمیں بہ حقیقت ہوگا۔ ایسے لوگ نہ تو بے حقیقت خیالی گھوڑے دوڑائیں گے نہ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوگا، لہذا ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ بھی نہیں ہوں گے۔ ان صفات کے حامل بعض شعراء حضور علیہ السلام کے صحابہ میں بھی موجود تھے۔ تین خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور علی رضی اللہ عنہم خود شعور کئے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ پوری امت میں سے اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اسی طرح حسان بن ثابت چوٹی کے شعراء میں سے تھے حضور علیہ السلام نے خود ان کو کفار کی مذمت میں شعر کہنے کی دعوت دی تھی۔ آپ نے فرمایا يَا أَيُّهَا أَهْلُ بَيْتِ بَدْرٍ

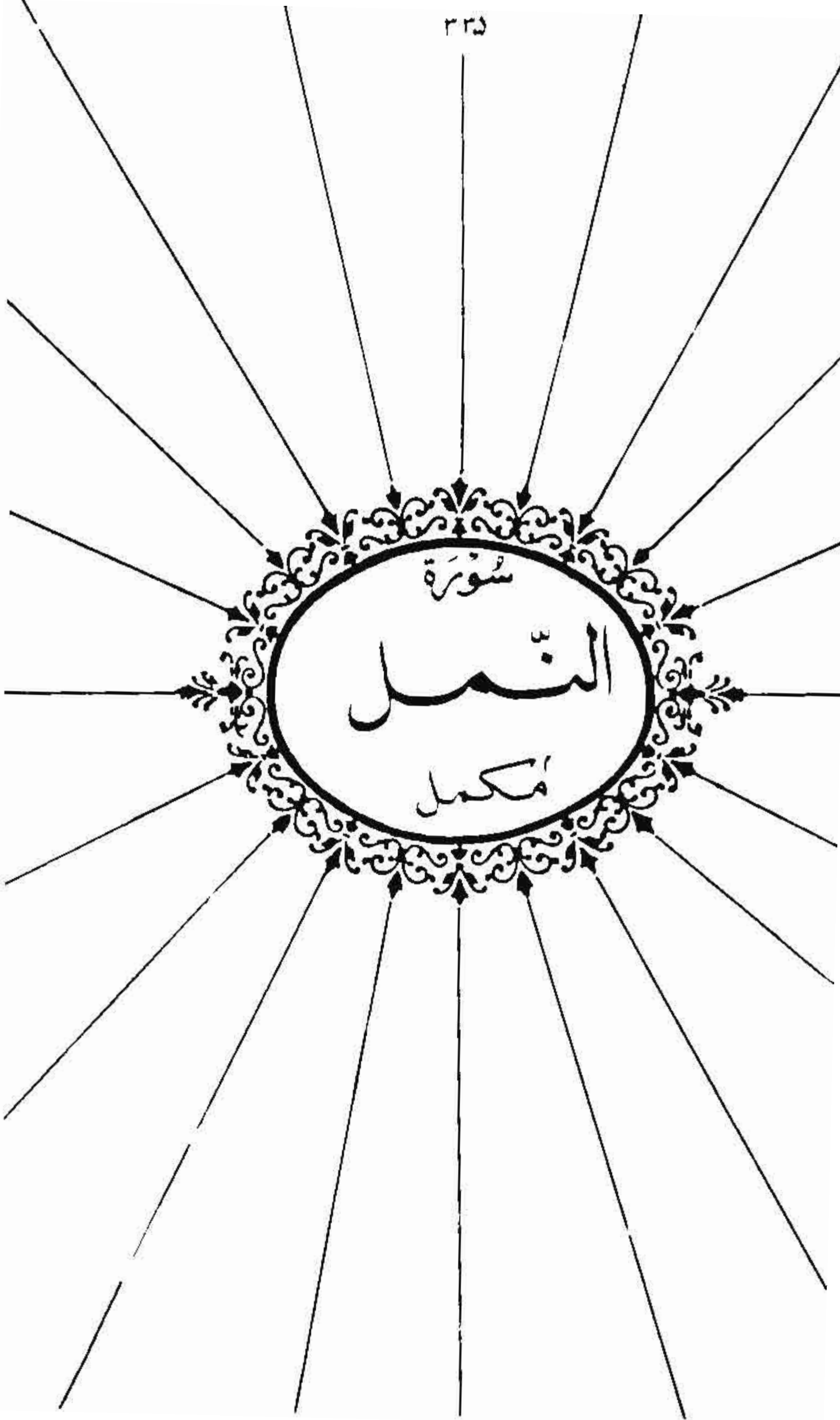
اَلْمَدِينِ مَعَدَّةً لِّحَسَانِ اِنَّ اِيَّاهُ يَجْمَعُ بَيَانَ كَرِيْمٍ جَبْرُاسِيْلٍ اِيْمَانِ تَحِيٍّ اِيَّاهُ يَدْعُوْنَ
چنانچہ آپ سب سے بڑی میں کھڑے ہو کر کفار کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔

کعب بن زہرہ بھی بڑے شاعر تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ شماس بن مہاجر
شاعر تھے۔ عبد اللہ بن رواحہ ہمارے بچے کے شعراء میں ہوتا تھا۔ لمبیہ بھی شاعر تھے
مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی جس میں
نوسے سالہ جاہلیت کا اور ساٹھ سالہ اسلام کا دور گزر ارا کہتے تھے، اب مجھے شعر و شاعری
سے کوئی رغبت نہیں، مجھے قرآن کو فی ہے، وہی پختہ رہتا ہوں، اسی طرح ابوسفیان
بھی شاعر تھے۔ ابتدائی زمانہ میں اسلام کی سخت ترین مخالفت کی، مگر جب ایمان لے
آئے تو آپ اور پسے خانہ ان نے اسلام کی خدمت کو اوڑھنا بھجونا بنالیا۔ آپ شعروں کے
کے ذریعے کفار کی مذمت بیان کیا کرتے تھے، بہر حال اس قسم کے شعراء بہت قلیل
تعداد میں تھے جنہوں نے خدمت اسلام کو اپنے شعروں کا موضوع سخن بنایا۔ اللہ نے
اُن کو عمومی شاعروں سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

خطہ عرب کا بہر بھی بڑے بڑے شعراء ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے اشعار کے
ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی کمزریاں قدر خطہ استہ انجام دی ہیں۔ صاحب مثنوی مولانا روم
کا شمار اسی زمے میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے شعروں کے ذریعے علم و عقائد بیان کیے
ہیں اور بہت سے عقائد نہایت عمدہ پیرائے میں واضح کیے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدی
اپنے اشعار کے ذریعے نصیحت کی باتیں بیان کرتے ہیں تو حال کرتے ہیں، اُن کی
کتاب میں دینی درسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، آپ غزلیات کے بہت بڑے استاد تھے، علم
بزرگ اور درویش آدمی تھے، طبیعت میں لطافت بھی تھی مگر کجائیت بھی آپ کا
کلام بہت عمدہ ہے یہاں پر جو غیر میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کو قوی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے
انہوں نے قدرتِ اسلامیہ کا بڑا دفاع کیا ہے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، انگریزوں سے سزا
کا خطاب بھی پایا مگر ذہنی طور پر اُن کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں انگریزوں
نزدیکِ قدان کی بڑی مذمت کی ہے اور مسلمانوں کو بیدار کرنے کی سعی کی ہے مولانا غلام علی

ہاشم بھی اعلیٰ پایہ کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ بھی اشکریوں و رقیہیوں کے سخت معنی
تھے۔ دین و ملت کے دفاع اور انگریزوں اور مرزائیوں کی مخالفت میں آپ کے اشعار کا ایک
بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

بہر حال فرمایا کہ عاقبہ کے شاعروں میں کچھ استثنائیں بھی ہیں۔ عالمیوں تو عشق و محبت
کے افسانے ہی کھڑے رہتے ہیں جن سے قوم و ملت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ ایسے اشعار
سے بے راہ روی ہی فروغ پاتی ہے۔ البتہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ اور کثرت
سے ذکر الہی کہہ نے والے شعراء جنہوں نے مظلوم ہونے کے بعد ظالموں سے بدلہ
لیا، وہ پسندیدہ شعراء ہیں اور انہوں نے قوم و ملت کی گراں قدر خدمت بھی کی ہے
اور مسلمانوں کو اپنا اصل مقام یاد کرانے کے اسے دوبارہ حاصل کرنے کی رغبت دلائی ہے
فرمایا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا ظَلَمُوا كَمَنْ لَمْ يُعَذِّبْ بِآيَاتِنَا
أَيُّ مَنقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ کہ وہ کس کسٹ پر پھٹتے ہیں اُن کی شعور و شعری اور
دیگر افعال و کردار کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کیا کیا کیا۔ انجام دیے۔
انجام آگے آ رہا ہے پھر تہہ چل جائے گا کہ ان کا اونٹ کس کسٹ پر بیٹھا ہے۔
سورۃ کا آغاز صداقتِ قرآن سے ہوا تھا۔ اب آخر میں معاد کا ذکر بھی ہو گیا۔



وقال الذین ۱۹

النمل ۲۷

درس اول ۱

آیت ۱ تا ۶

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ قَدْ هِيَ ثَلَاثٌ وَتِسْعُونَ آيَةً قَسَبُهَا رُكُوعَاتٍ
سورة نمل مکی ہے اس کی ترازو آیت اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طَسَفَتْ لَكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ①
هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ③
إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّاتٌ لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ
فَهُمْ يَكْسِبُوهَا ④ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ
وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخِسُونَ ⑤ وَإِنَّكَ
لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥

ترجمہ: طسفت یہ آیتیں ہیں قرآن پاک کی اور کھول کر بیان کرنے
والی کتاب کی ① جو ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان
والوں کے لیے ② اور جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور
دیتے ہیں زکوٰۃ، اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ③ بیشک
وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے انہیں
کرمیے ہیں اُن کی نظروں میں اُن کے اعمال، پس وہ سرگرداں
پہرتے ہیں ④ ایسی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے، اور

وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے ⑤ اور جسے
آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن مجید اور عظیم پروردگار کی جانب
سے ⑥

نام
کوشش

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النمل ہے عربی زبان میں نمل بیڑی کہتے
ہیں۔ اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام
کے دادی نمل سے گنہگاروں پر دلائلِ توحید کے طور پر ایک واقعہ پیش آنے کا
ذکر کیا ہے۔ اسی نسبت سے اس سورۃ کو سورۃ النمل کا نام دیا گیا ہے۔
یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ گذشتہ سورۃ الشعراء اور اس سورۃ کا زمانہ نزول
قريب قریب ہی ہے۔ دونوں سورتیں مکی دور کے وسط یا آخری حصہ میں نازل ہوئیں۔
سورۃ ہذا کی ترانہ آیتیں ہیں، اور یہ سات رکوع ۱۱۴۹ الفاظ اور ۶۷۷۷ حروف
پشتعل ہے۔

مضامین سورۃ

اس سورۃ میں بھی دیکھ مکی سورتوں کی طرز چارہم اور بنیادی مضامین بیان ہوئے
ہیں۔ پہلے نمبر پر قرآن کریم کی حقانیت و وحدانیت کا مضمون ہے، اللہ کی یہ کتاب ہم
کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس میں توحید کا مضمون بھی آئے گا۔ مگر گذشتہ سورۃ کی نسبت
کچھ زیادہ دلائلِ توحید کے ساتھ ساتھ شرک اور مشرکین کا رد بھی آئے گا۔ رسالت کے
مضمون میں منکرین کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگا، اور پھر چوتھا اہم مضمون وقوفِ قیامت
بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا۔

ان چار بنیادی مضامین کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے بعض انبیاء علیہم السلام
کا ذکر بھی کیا ہے۔ پچھلی سورۃ میں انبیاء کا تذکرہ تسلی کے مضمون کے طور پر ہوا تھا کہ
اللہ نے کس طرح سابقہ نافرمان اقوام کو ہدایت کیا اور اپنے انبیاء علیہم السلام کو کامیاب
بنایا۔ اب اس سورۃ میں بعض انبیاء کا تذکرہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کے نمونے کے طور پر
کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک بیڑی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ صلح
علیہ السلام کی اونی کی ذکر ہے، وہ بھی اللہ کی قدرت کا نمونہ تھی، مگر سب کا ذکر ہے

جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی، اس کے علاوہ بھی اللہ کی وحدانیت کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند آدمی تو یہ خداوندی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بعض ذیلی مضامین اور مسائل بھی اسی سورۃ مبارکہ میں آگئے ہیں یہ سورۃ مبارکہ بھی حروف مقطعات طس سے شروع ہوئی ہے۔ ان حروف کے بارے میں زیادہ بہتر بات وہی ہے جو تفسیر جلالین کے بیان کرتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذلک یعنی ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے، یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے تقریباً نمبر گئے لیے اور معتضدین کے اعتراضات کے ازالے کے لیے ان حروف کے کچھ معانی بھی ذکر کیے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابرین کے اقوال موجود ہیں۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں شیخ نے کشفی طور پر یہ بات سمجھائی ہے کہ حروف مقطعات حقیقت میں سورۃ کا اجمالی عنوان ہوتا ہے۔ جس طرح علمی ڈگریوں کیلئے ایم اے، پی ایچ ڈی وغیرہ حروف میں وسیع معانی پائے جاتے ہیں، اسی طرح قرآن پاک میں مذکور حروف مقطعات بھی اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ اپنی کتاب شرح حزب العجم میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح مفتی، قاضی، عالم، فقیہ وغیرہ محض انفرادی الفاظ نہیں بلکہ ان کے نیچے وسیع مضمون ہوتا ہے جس کو عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اسی طرح حروف مقطعات سورۃ کا اجمالی مضمون ہوتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ طس میں منازل الانبیاء یعنی انبیاء کے منازل و مراتب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ کا پیغامِ ہدایت کس طرح پہنچاتے رہے اور ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آتے رہے۔

بعض فرماتے ہیں طس میں ط سے مراد طہیات الانبیاء یعنی پاکیزہ خبریں جس سے مراد سنی یعنی خدا تعالیٰ کی عزت اور بلندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر پاکیزہ خبریں اور اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ مقام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سورۃ مبارکہ کو پڑھو بعض فرماتے ہیں کہ طس سے مراد طرق السعادت ہے

لے جلالین ص ۱۰ (فیاض)

قرآن پاک کی
تبیین

یعنی اگر سعادت اور نیک نیتی کے راستے معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس سورۃ کی تلاوت کرو۔
بہر حال یقینی طور پر لوگوں کی بھی معنی متعین نہیں کیا جاسکتا۔ بعض انسانی اذہان کو قرآن کریم سے
قریب تر کرنے کے لیے غور میں نے بعض معانی بیان کیے ہیں واللہ اعلم بالصواب
ارشاد ہوتا ہے قُلْ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتٰبُ مُبٰیِّنٍ یَّہْدِیْہِ الْقُرْاٰنُ اِلَی
اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قرآن کی تبیین کبھی خود قرآن کی زبان سے ہوتی
ہے اور کبھی اللہ کے نبی کی زبان سے۔ اگر کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے ایک مقام پر جمال
ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل ہوگی۔ اس طرح کو یا قرآن اپنی تفصیل آپ بیان کرتا ہے
اور اگر کسی معاملہ میں ایسا نہ ہو تو پھر نبی کے واسطے وضاحت کر دی جاتی ہے۔ سورۃ النحل
میں موجود ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مِمَّا نُجِزَلُ
لَکُمْہُمْ (آیت ۴۴) ہم نے یہ نصیحت نامہ قرآن آپ کی طرف اتار دیا
تاکہ اے پیغمبر! آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کر دیں جو کچھ ان کی طرف
اتار گیا ہے۔ گویا اللہ نے تبیین کا کام اپنے نبی کے ذمے نہایا ہے۔
اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس فرض نبوی کو بطریق احسن انجام
دیا۔ امام شافعی، شاہ ولی اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے یہی نتیجہ نکالا ہے
حضرت مولانا گنگوہی اس کا لب لباب تو یہ بیان کرتے ہیں "پس صحیح حدیث شریعہ
ہے قرآن کی۔ یہ صحیح حدیث کی بات ہے جو صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہو ورنہ یہاں
پر غلط، موضوع اور ضعیف حدیث سے جہت فاقم نہیں کی جاسکتی۔
اگر قرآن پاک کی تبیین ان دو طریقوں سے نہ ہو سکے تو پھر صورت یہ ہے کہ تعلق
مسئلہ اجتہاد کے ذریعے حل کیا جائے۔ اور یہ طریقہ بھی خود قرآن نے پیش کیا ہے۔ یعنی
اگر کسی مسئلہ میں قرآن و سنت خاموش ہوں اور صحابہ کرامؓ کے اجماع میں بھی حل نہ پایا جائے
ہو تو پھر معاملہ مجتہدین کے سامنے پیش کیا جائے گا جو اس کا حل غور و فکر کے بعد
پیش کر دیں گے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے سی اصول کر بیان کیا ہے لَعَلَّہُمُ
الَّذِیْنَ یَسْتَبِطُوْنَہُمْ مِنْہُمْ (آیت ۸۳) تو پھر اے اہل علم کے سامنے

پیش کرنا جو تحقیق کر کے مسائل کو حل کرنے کے اہل ہیں۔ اسی لیے اصول فقہ دارے
شرع کی چار دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ اول کتاب اللہ، ثانیاً سنت رسول اللہ، ثالثاً
اجماع صحابہؓ اور رابعاً قیاس مجتہدین۔ صرف داؤد و ظاہری چوتھی دین قیاس کے قائل
نہیں۔ باقی تمام مہمّین اور فقہاء ان چار دلائل شرع کو تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن بطور
ہدایت اور
بشارت

فرمایا یہ آیتیں ہیں قرآن اور کتاب مبین کی ہدایت اور کتاب مبین
جو ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے قرآن پاک مجسم ہدایت ہے زندگی کے
جس موڑ پر بھی ضرورت پڑے یہ ہدایت فراہم کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اس راستے
پر چلو گے تو فلاح نصیب ہوگی۔ یہاں پر ہدایت اور خوشخبری کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے جبکہ
دوسری جگہ مینات اور ہدایت کا اکٹھا ذکر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ
الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی (البقرہ ۱۵۹) ایک جہر لوگ چھپاتے ہیں مینات اور ہدایت کو بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ
لے ان لوگوں کیلئے واضح کر دیا ہے ان کیلئے لعنت کی وعید نالی گئی ہے مینات اور ہدایت میں فرق
یہ ہے کہ مینا بالکل واضح چیز کو کہتے ہیں جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اور ہدایت
وہ ہے جو استاد سے سیکھی پڑتی ہے۔ خور و مغسرا گمراہی سے اسی لیے یہاں ہدایت
ہیں کہ انہوں نے بغیر استاد سے سیکھے از خود سمجھنے کی کوشش کی۔ امام بخاری نے
کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم سیکھنے سے
آتا ہے، خود بخود نہیں آجاتا، اس کے لیے وقت، محنت اور مال کی ضرورت ہوتی
ہے۔ سائنس نے تو تحصیل علم کے لیے بڑی بڑی محنتیں کی ہیں اور اپنی عمر کا حصہ صرف
کیا ہے تب جا کر علم کی دولت حاصل ہوئی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مقولہ ہے الْعِلْمُ لَا
یُعْطٰیكَ بَعْضُهُ حَتّٰی تَعْطِیْهِ كُلُّهُ جَبْتٌ تَمَّ بِمَا سَأَلَ کاسار اعلم کے لیے
وقف نہ کر دو، علم تمہیں اپنا کچھ حصہ بھی نہیں دے گا۔

علم و عمل

علم کا مقصود عمل ہے محض اسلامیات کو یاد کر لیا مگر دائرہ صاف، اور ویسا ہی کہنا
تو اس بھگڑی لکھا کیا فائدہ۔ اگر علم کے مطابق اعمال کا جائزہ نہیں لیا تو یہ علم محض پر و فیسری
کے لیے ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ کہنے کو تو سب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی سیرت پر عمل کرو، غریب پڑی کرو۔ دوسروں کو مشورہ دیتے ہو مگر دولت مند ہونے
سے بھاری مہربانی (فیاض)

کے باوجود خود ایسا کیوں نہیں کرتے؟ حضور علیہ السلام سادہ لباس پہنتے تھے رقم کیوں تلف کرتے ہو؟ آنحضرت علیہ السلام معمولی مکان میں رہتے تھے۔ سادہ غذا استعمال کرتے تھے، مگر تم نے پہ آسائش مکان اور پتہ حکمت خوراک کا کیوں انتظام کر رکھا؟ شادی اور غمی کی رسومات میں حضور علیہ السلام کی سیرت پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ دوسروں کو روزہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں مگر خود چھوڑ دیتے ہو؟ آخذ یہ قول و فعل ہا تضاد یہاں ہے؟ جیت تک علم کے ساتھ عمل نہیں ہوگا، تمہارا علم انھیں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ ہمیشہ اپنا محاسب کیا کرو کہ کیا تم میں ایمان والوں کی فکر اور عمل کو جاننا باوجود ہے؟ اگر نہیں ہے تو اپنا انجام خود مسوق لو۔

نماز اور
زکوٰۃ

فرمایا قرآن پاک ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے اور ایمان والے وہ ہیں الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ جو کہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اجتماعی عبادت ہے، نماز کی ادائیگی سے تعلق با اللہ درست ہوتا ہے جو شخص پانچ وقت خدا تعالیٰ کی برکات میں حاضری ہوتا ہے، سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے، آئندہ کے لیے نیکی کا عزم کرتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے گا، اگر ایمان نہیں ہے تو نہ صرف تعلق با اللہ خراب ہوگا بلکہ دنیا میں مخلوق کے ساتھ بھی تعلقات بگڑ جائیں گے۔ لہذا ایمان والے لوگ وہ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں، نماز کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ طہارت فطرتی بھی ہوگی جسم، لباس اور مکان کی طہارت بھی ہوگی، نمازی کو یہ چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ پابندی وقت کا زریں اصول بھی نماز کا ثمرہ ہے، قرآن کریم انبی کی ذات، نماز کعبہ اور نماز بڑے بڑے شعائرہ اللہ میں جن کی تعظیم ضروری ہے، لہذا نماز کا احترام اور اہتمام ہونا چاہیے فرمایا ایمان والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَلْيُؤْتُوا الزَّكَاةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے میں سچی زندگی میں زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی مگر اس کا نصاب مقرر نہیں ہوا تھا جو کہ اللہ میں مافی زندگی میں ہوا، بایں ہمہ زکوٰۃ کا حمد قرآن کی ابتدائی سورتوں میں بھی ملتا ہے جیسے سورۃ المزمل میں ہے وَيُؤْتُوا الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ رِيت۔

نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ گویا سنی زندگی میں بھی کچھ نہ کچھ زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی۔

آخرت پر
ایمان

فرمایا، اہل ایمان کی تیسری صفت یہ ہے فَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ توحید اور آخرت کا عقیدہ ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جہاں يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ آتا ہے وہاں وَالْيَوْمِ الْآخِرِ بھی آتا ہے۔ اگر کوئی

شخص آخرت پر یقین نہیں رکھتا، بعثت بعد الموت کو بہ حق نہیں جانتا، محاسبہ اعمال

پر ایمان نہیں ہے تو اس کے سارے اعمال بیکار محض ہیں۔ ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جَوَٰلِقُمْ آخِرَتِ پر ایمان نہیں رکھتے

زَيْنًا لَهُمْ اَعْمَالُهُمْ ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے ہیں۔

ان کے بُرے اعمال بھی ان کو اچھے کر کے دکھانے جاتے ہیں۔ اس مقام پر اللہ نے

ترجمین اعمال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، اس لحاظ سے کہ تمام قوی اور خواہشات اللہ تعالیٰ

ہی انسان میں پیدا کرتا ہے اور دوسری طرف یہی کام شیطان کے ساتھ منسوب کیے

وَذَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام - ۴۳) اور

شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر کے دکھایا۔ ان کے دلوں میں سواۓ

اس کی کہ تم جو کچھ دھوکہ، فریب، شرک، بدعت، کفر، رسوم باطل ادا کرتے ہو۔ بالکل

ٹھیک کر رہے ہو۔ اسی میں تمہاری عزت و ناموس کا راز پنہاں ہے۔ تو سنو، یاد

کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا ہے

جس کا نتیجہ یہ ہے فَهُمْ يَظُنُّوْنَ کہ وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ انہیں

راستہ دکھائی نہیں دیتا اور وہ عمیق گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں۔

منکرین معاد
کے لیے عذاب

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ کہ

ان کے لیے بہت بُرا عذاب ہوگا۔ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ الْخَسِرُونَ

اور وہ آخرت میں انتہائی نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا

آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے وہ آخرت کی تیاری کیا کریں گے اور پھر وہاں کامیاب

کیسے ہوں گے؟ ان کے لیے تو وہاں سراسر نقصان ہی نقصان ہوگا۔

آگے پھر نزولِ قرآن کے متعلق فرمایا: **وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ**
 اور ایک آپ کو خدا نے حکیم اور علیم کی طرف سے قرآنِ کریم کا تحفہ دیا ہے۔ یہ
 قرآن ایسے پر حکمت خداوندہ وس کی جانب سے ہے جس کا ہر کار حکمت پر مبنی ہے
 اور وہ ہر چیز کو جانتا ہی ہے۔ قرآن پاک کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ یہ قرآن
 کوئی معمولی چیز نہیں ہے یا کسی معمولی ذات کی طرف سے نازل نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس
 کو نازل کرنے والے حکیم اور علیم باری تعالیٰ ہے اور یہ ایسی کتاب ہے جس میں ہدایت اور
 خوشخبری ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لائے ہیں، دوسرے لوگ اس سے
 فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

لَإِذَا قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ يَمْوَسَّىٰ أَنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٧﴾ وَأَلْقَىٰ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَّى كَلِمَ يَعْقَبُ يَمْوَسَّى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَى الْمُرْسَلُونَ ﴿٨﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩﴾ وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٠﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١١﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٢﴾

ترجمہ :- جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے

تحقیق میں نے محسوس کی ہے آگ غنقیب میں لاتا ہوں تمہارے پاس آگ سے خبر یا لاتا ہوں میں تمہارے پاس شعلہ سلگا کر تاکہ تم سینک سکو ⑧ پس جب آئے اُس (آگ) کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) تو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اُس پر جو آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہے اور پال ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جانوں کا پروردگار ہے ⑨ اے موسیٰ علیہ السلام! بیشک میں وہ اللہ ہوں عزیز اور حکم ⑩ اور ڈال دو اپنی لاشیں کو۔ جب دیکھا اُس کو کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پشت پھیری (موسیٰ علیہ السلام نے) اور مڑ کر نہ دیکھا۔ (اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کھاؤ بیشک میں خوف کھاتے میرے پاس رسول ⑪ لیکن جس نے زیادتی کی پھر تبدیل کیا اس کو نیکی سے بعد برائی کے۔ پس بیشک میں بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں ⑫ اور داخل کرو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں، نکلے گا وہ سفید بغیر کسی برائی کے۔ یہ نو نشانوں میں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ نافرمانوں کی قوم ہے ⑬ پس جب آئیں اُن کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت پیدا کرنے والی، تو کہا انہوں نے کہ سچ ہے کھلا ⑭ اور انکار کیا انہوں نے اس کا، حالانکہ یقین کیا اس کے بارے میں اُن کی جانوں نے (مگر انکار کیا) ظلم اور تکبر کی بنا پر۔ پس دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا ⑮

سورۃ ذاکر کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا کہ

یہ خدا نے حکیم و عظیم کی طرف سے پیغمبر پر نازل کیا گیا ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ پھر ایمان والوں کی بعض صفات بھی بیان کیں کہ وہ مازقائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر پورا پورے یقین رکھتے ہیں۔ پھر منکرین آخرت کی سزا کا ذکر بھی ہوا کہ اس دنیا میں ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا جاتا ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اس کے بعد آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک گوشے کو بے نقاب کیا ہے۔ اس واقعہ میں پیغمبر آخر الزمان کے لیے تسلی بھی ہے اور اللہ کی قدرت کا نمونہ بھی، دوسری طرف اللہ نے نافرمانوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے جنہوں نے ظلم اور شہر کی بنا پر اللہ کی طرف سے آمدہ ہدایت کو ٹھکرا کر گمراہی کو قبول کیا، اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔

مذہب
کافر

ارشاد ہوتا ہے: اُس وقت کو دھیان میں لاؤ اِذْ قَالَ مُوسٰی لٰہٗ فَبِیْہِ
جب کہ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے: یہ واقعہ دین سے منصر واپس آتے
ہوئے دوران سفر پیش آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونوں کے حالات قرآن پاک
میں مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ کبھی آپ کا واقعہ ابتدائی زندگی سے شروع ہوتا
ہے اور کبھی درمیان سے۔ گزشتہ سورۃ الشعراء میں بھی آپ کا ذکر اُس وقت سے شروع
ہوا تھا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس تبلیغ حق کے لیے بھیجے، فانیسل
کیا اب اس مقام پر واقعہ قصور ایچھے سے شروع کیا گیا ہے ایک قبیلے کے قتل کے
بعد موسیٰ علیہ السلام بن چلے گئے۔ وہاں دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی
خدمت میں عارضہ ہے پھر اپنے اپنی والدہ اور بھائی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو
شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی اور آپ کی بیوی، کچھ تجریاں اور خادمہ بھی
بمراہ کھدیے، سردی کا موسم تھا۔ رات کے وقت آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ منگر
پتھاق نے اپنا کام نہ کیا۔ آپ نے دور سے آگ سلگتی ہوئی دیکھی تو وہاں جانے کا ارادہ
کیا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے گھر والوں سے یا شاید کوئی کچھ بھی ہوا، آپ نے ان

سے فرمایا اِنَّتِ نَارٌ مِّنْ دُوْرِ اَکْکِ مَحْسُوسٌ کِی ہے لہذا تم لوگ بیس نہ ہو۔
 سَابِتِکُمْ مِّنْهَا خَبْرٌ میں وہاں سے تمہارے لیے کوئی خبر لاتا ہوں۔ ظاہر ہے
 کہ راستہ صحیح طور پر معابر نہیں تھا۔ آپؐ سوچا کہ جہاں آگ جل رہی ہے وہاں کچھ لوگ ہوں
 گے جن سے راستہ بھی معلوم کیا جاسکے گا اس لیے آپؐ فرمایا کہ میں کوئی خبر لاتا ہوں اَوْ
 اَتِیْکُمْ بِشَہَابٍ قَبَسٍ یَّا اَکْکَ کوئی شعلہ لگا کر تمہارے پاس لاتا ہوں لَعَلَّکُمْ
 تَضْطَلُّوْنَ تاکہ تم اسے سینک سکو۔ ظاہر ہے کہ شاید سردرات میں گرمی کی ضرورت
 بھی محسوس ہو رہی تھی چونکہ چٹاق نے آگ نہیں پکڑی تھی اس لیے آپؐ نے وہاں سے
 کوئی شعلہ لاکر آگ جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ آگ سینکنے کی ضرورت ہر سرد علاقے میں پڑتی
 ہے۔ طور کا علاقہ بھی سرد علاقہ ہے جہاں آگ کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ایسے بھی عربی
 کا مقولہ ہے اَلنَّارُ فَاکْهَمَةُ الشَّتَاءِ وَتَمْنُ رَدَّ اَصْلِ الْفَوَاحِیْ
 شَاتِیًا فَلِیَصْطَلِیْ اَکْکَ موسم سرما کا پھل ہے جو کوئی یہ پھل کھانا چاہے اسے چاہیے
 کہ آگ سینک لے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھمے والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔
 میں کوئی راستے کی خبر لاتا ہوں یا آگ جلانے کے لیے کوئی شعلہ ہی لگا لاتا ہوں۔

بارکات
 اس

فَلَمَّا جَاءَ هَا بِسَ حَبِّ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اُس آگ کے پاس آئے نُوْدِی
 اَنْتَ الْبُورِکَ مَنَّ فِی النَّارِ تو آپؐ کو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی ہے اُس
 کو جو اُس آگ کے نزدیک ہے۔ وَمَنْ حَوْلَهَا اور جو اس کے ارد گرد ہے۔ مَنْ
 موصولہ جوتاہے اور مَنْ یہ بتا ہے کہ آگ کے ارد گرد کون ہے؟ تاہم مفسرین کرام نے اس
 جملے کی تشریح مختلف طریقوں سے بیان کی ہے۔ بعض مفسرین اس مَنْ کو زائے تصور
 کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جملے کا معنی یہ ہے کہ آگ اور اس کے ارد گرد میں برکت
 دی گئی ہے یعنی آگ اور اس کا حوالہ برکت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آگ کے ارد
 فستے تھے جن سے آگ ظاہر ہو رہی تھی اور جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بارکات تھے۔
 اور بعض اس کا معنی ایوں کرتے ہیں کہ برکت دی گئی ہے اس شخص کو جو آگ کی تلاش میں

ایا ہے اس سے خود موسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد ہے اور وہ خط بھی بابرکت ہے۔
 جہاں یہ نگ نظر آ رہی تھی سورۃ طہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب
 کر کے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دو اِنَّكَ بِالْوَدِّ
 لَمُقَدَّسٍ طُوًی (آیت ۱۲) کیونکہ آپ طوی کی مقدس وادی میں پہنچ چکے ہیں۔
 ہر جوتے اتارنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے کسی عیسوی پاکیزہ جگہ پر جوتے اتارنے کا حکم
 ہے بعض اس کو حجاب ناری یا نوری کہتے ہیں مسلم شریفین کی روایت میں آتا ہے
 حِجَابُهُ السَّارُّ أَوْ التَّوَدُّدُ خد تعالیٰ کا حجاب ناری ہے یا نور ہے اگر اللہ تعالیٰ
 اس حجاب کو مٹا دے تو کائنات کی ساری چیزیں جل جائیں۔ اللہ کی نگاہ تو ہر چیز پر
 پڑ رہی ہے۔ اگر یہ حجاب نور جو بنے تو کوئی چیز بھی سلامت نہ رہے۔

عقیدہ مبدل
کی تھی

بہر حال مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مکتب فی التاریخ سے مراد خود موسیٰ علیہ
 یا فرشتے یا وہ خط ہے جس کو اللہ نے بابرکت کہا ہے۔ اسی لیے آگے یہ بھی فرمایا
 ہے وَسُبِّحْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو
 تمام کائنات کا رقی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہیہ ہی بیان کی گئی کہ نہیں کوئی شخص یہ نہ
 سمجھ بیٹھے کہ خدا تعالیٰ خود اس آگ میں حلول کر گیا تھا۔ خدا تعالیٰ تو زمان و مکان اور
 جہت منزه ہے۔ لہذا اس کے حلول کر جانے کا معنی قطعاً باطل ہے۔ یہ عقیدہ بنو
 یس بھی پایا جاتا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ بعض چیزوں میں خدا حلول کر جاتا ہے۔ عیسائیوں
 نے بھی یہ باطل عقیدہ بنا رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کا نظم و مسیح علیہ السلام کے روپ میں
 ہوا یعنی ماسوت کے اندر لاہوت داخل ہو گیا۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے اور اسی سے بچنے
 کے لیے مفسرین کرام نے مکتب سے فرشتے یا موسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد لیا ہے۔
 خواجہ علی ہجویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ذکر کیا ہے کہ صوفیہ کے بارہ
 فرقے ہیں۔ ان میں سے دس فرقے اہل حق میں سے اور دو گمراہ ہیں۔ یہ وہی گمراہ فرقے
 ہیں جو علمی عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی پیغمبر ولی یا بزرگ کی شکل میں حلول کر سکتا ہے
 لہ کشف المحجوب فارسی ص ۱۸۲ (نیاض)

جس وقت اوچو والوں کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے۔ یہیں بھی کئی جہتیں ہیں۔ بعض اہل حق ہیں اور بعض گمراہ اور زندیق ہیں۔ بہر حال حصولِ حقیقہ باطل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو نظر آنے والی آگ تو آواز نہ تھی بلکہ ایک ذریعہ تھی۔ نہ کہ خود خدا تعالیٰ اُس میں حلول کر گئی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام
سے خطاب

اس ابتدائی آواز کے بعد دوسری آواز سنانی دی۔ اللہ نے فرمایا لَيُمُوسِي رَبُّهُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں عزیز اور حکیم۔ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز بے کیف تھی۔ اس کی کوئی جہت نہیں تھی بلکہ ہر ذریعہ سے آواز سنانی ہے۔ جی تھی۔ چہ لہٰذا نے حکم دیا وَالْقِ عَصَاكَ اور اپنی لاٹھی کو نیچے پھینک دیں۔ تعمیلِ حکم میں موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینک دی فَلَمَّا رَاَهَا نَهَضَ كَأَنَّهُا حَيٌّ پھر جب اُس کی طرف دیکھا تو گویا کہ وہ سانپ تھا۔ جو دوڑ رہا تھا۔ جان پٹنے اور لہجے سانپ کو کہتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ کا روپ دھار چکی تھی یہ دیکھ کر وَلَّى مُدْبِرًا موسیٰ علیہ السلام پشت پھیر کر بھاگے وَلَمْ يُعَقِّبْ اور آپ نے پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اتنے خوفزدہ ہوئے۔ اللہ نے آپ کی تشویش کو دیکھتے ہوئے فرمایا لَيُمُوسِي لَا تَخَفْ اے موسیٰ علیہ السلام! خوف نہ کھائیں۔ کیونکہ اَلْحَقُّ لَا يَخَافُ نَدَى الْمَرِّ سَكُونٌ میرے پاس بول خوف نہیں کہتے۔ اللہ کے رسول تمام قرب میں ہوتے ہیں اور ان پر ایسے ہوتا ہے وَشَيْءٌ لَا يَخَافُ ڈرتے نہیں اَلْاَمَنُ ظَلَمَ مگر جس سے کوئی لغزش ہوئی هُوَ ثَمَرٌ بَدَلٌ حَسَنًا بعد سنو پھر اُس نے اُس کو اچھپائی میں بدل لیا ہو برائی کے بعد فَاِنِّي عَفُوٌّ رَحِيمٌ تو میں اس کو معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک لغزش ہو گئی کہ انہوں نے ایک قبیلہ کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے اللہ سے معافی کی درخواست کی تو اللہ نے معاف بھی کر دیا۔ اس طرح گریا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔

انبیاء
خوف کا درد

انبیاء علیہم السلام پر درد و خوف کے متعلق مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کہنا نہیں، ہنسنا دنیا از زندگی موت، خوف اور راحت وغیرہ ان کے امور طبعیہ

میں داخل میں اور ان کا ورود انبیاء پر بھی ہوتا ہے بعض اوقات کسی دشمن کا خوف ہوتا ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو ایسے موقع پر خوفزدہ ہونا حال کے منافی نہیں ہے بلکہ عین فطرت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ خوف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خالق کی جانب سے اور دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ اگر خوف اللہ کی جانب سے ہو تو نبی کو بھی ڈرنا چاہیئے۔ لاشعری کا سانپ بن جانا منجانب اللہ تھا لہذا موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی باطل درست تھی، انہیں ڈرنا ہی چاہیئے تھا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے کہ جب بادل چھا جاتے تو آپ خوفزدہ ہو جاتے۔ اس خوفزدگی میں کبھی اندر آتے اور کبھی باہر جاتے۔ جب تک بارش نہیں ہو جاتی تھی۔ آپ چین سے نہیں بیٹھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیمؑ کی آمد خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں یہ ویسے ہی بادل نہ ہوں جیسے قوم عاد پہ آنے والے تھے اور ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکے جانے کا وقت آیا تو آپ باطل خوفزدہ نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ خوف مخلوق کی طرف سے تھا۔ بہر حال اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ خوف نہ کھاؤ کیونکہ میرے ہاں اللہ کے رسول خوف نہیں کھاتے۔

موسیٰ علیہ السلام
کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر پہلا معجزہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اپنی لاشی بھیجی تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ پھر اللہ نے دوسرا معجزہ اس طرح ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دباؤ تَخْرُجَ بَيْضًا یہ سفید ہو کر نکلے گا۔ لہذا ایسا سفید بھی نہیں ہوگا جو کسی بیماری پھیلنے سے سفید ہو گیا ہو بلکہ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ اس میں کسی قسم کی بُرائی یا خرابی نہیں ہوگی، بلکہ وہ تو معجزانہ طور پر سورج کی طرح چمکتا ہوگا۔

۱۰۔ فرمایا فِي تَسْعِ اَيَّاتِ الْهَبِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ یہ اُن نوزائشوں میں سے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف دی گئیں۔ اس کے علاوہ سات مزید نشانیاں بھی اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف

میں موجود ہے۔ فرمایا یہ نشانیاں کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ کہ اِنَّهُمْ
كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِيْنَ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، مدد سے گزرنے والے، یعنی
 فرمانبرداری سے باہر نکلنے والے ہیں۔

اس مقام پر اپنے ساتھ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی معیت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مفصل
 واقعات سورۃ الشعراء، طہ اور اعراف وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ یہاں پر اختصار کے ساتھ
 یہی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ عصا اور یہ بیضا کے معجزات
 لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں حق کی دعوت دو۔

فرعون کا
 اشارہ

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ اَيُّهَا مُبْصِرَةٌ حَبِيبَةٌ اور
 اس کی قوم کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آئیں۔ بصارت آنکھ کی مدد سے
 کہتے ہیں جب کہ بصیرت دل کی مدد سے عبارت ہے۔ اسی سے قرآنی آیات
 کو بصارت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ دلوں میں روشنی پیدا کرتی ہیں۔ جب یہ نشانیاں فرعون اور
 اس کی قوم کے پاس آئیں قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو
 ہے۔ پچھلی سورۃ میں بھی گزر چکا ہے کہ فرعون یوں نے معجزات کو جادو کہا اور بچہ جادو کہتا ہے
 جادو سے کرنی کو شش کی محکمت کے مقابلے میں اکابر ہوتے تھے اپنی منہ اندازت و عمری
 کو نہ چھوڑا۔

ان نشانوں کو جادو کہہ کر وَجَحَدُوا بِهَا ان کا انکار کر دیا۔ اور ان کا یہ اندازہ
 زیادتی اور تمسخر کی وجہ سے تھا کہ ان کے یہ شخص ہماری سلطنت
 چھیننا چاہتا ہے مگر ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اس کو قید کر دیں گے یا جان سے
 مار ڈالیں گے۔ یہ ان کا ظلم اور تجبر بول رہا ہے، درمیان میں اللہ نے فرمایا کہ ان کی اندرونی
 حالت یہ تھی وَأَسْبَقَتْهُمَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُظُّوا انہی جانوں نے معجزات کی حقیقت
 کا یقین کر لیا تھا۔ وہ دل و جان سے تسلیم کر رہے تھے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ کوئی غیر معمولی
 چیز ہے مگر ظلم و زیادتی اور غرور و تجبر کی بنا پر معجزات کا انکار کر رہے تھے۔ اللہ نے
 فرمایا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ جلد دیکھو تو !

فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سال بھر تک فرعون اور اس
 کی قوم کو معطل کیا، ان کو ان کے بڑے انجام سے ڈرایا مگر وہ لوگ کفر، شرک اور ظلم و جبر میں مبتلا
 رہے۔ اللہ کے نبیوں کی بات نہ مانی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب اللہ نے ساری قوم کو اپنے
 غضب کا نشانہ بنایا اور ان کو پانی میں غرق کیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دراز چھو تو سہی کہ فساد یوں
 کیا انجام دیتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ⑮
وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا
مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا
لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ⑯ وَحِشْرَ لُّسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ
مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ⑰

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق دیا ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام
کو علم ، اور کہا اُن دونوں نے سب تعریف اللہ کے
لیے ہے جس نے ہمیں فضیلت بخشی ہے اپنے بہت
سے ایماندار بندوں پر ⑮ اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام
داؤد علیہ السلام کے اور انہوں نے کہا ، اے لوگو! سیکھ لائی
گئی ہے ہمیں پرندوں کی گفتگو اور دی گئی ہے ہم کو
(ضرورت کی) ہر چیز۔ بیشک البتہ یہ فضیلت ہے بہت
کھلی ⑯ اور اکٹھے کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لیے
اُن کے لشکر جنوں ، انسانوں اور پرندوں میں سے ۔ پس
اُن کو تقسیم کیا جاتا تھا ⑰

سورۃ کی ابتدا قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام
کی نبوت و رسالت اور اُن کو فرعون کی قوم کی طرف بھیجنے کا ذکر ہوا۔ جب

ہر سی علیہ السلام بعض نشانیاں لے کر پہنچے تو قوم فرعون نے اُسے جادوگر قرار دیا حالانکہ
 اُن کے دلوں میں یقین تھا کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ ایسی خارق عادت
 ذاتی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے نبی کے ہاتھ پر ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ بہر حال انہوں نے
 ظلم و تعدی اور غرور و تکبر کی بنا پر معجزات کا انکار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ تم نے ایسے فادلوں
 کا انجام بھی تو دیکھ لیا کہ وہ کس طرح غرقاب ہوئے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ
 فرمایا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے حبیل القدر پر مغیر تھے جن کا ذکر اللہ نے مختلف
 سرزلوں میں کیا ہے۔ تاہم اس مقام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ حضرت داؤد
 علیہ السلام کی نسبت زیادہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتب رسول تھے اور
 سلیمان علیہ السلام بھی صاحب صحیفہ رسول اور نبی تھے۔ اللہ نے باپ بیٹا دونوں کو خلافت
 کے ساتھ ساتھ نبوت بھی عطا فرمائی تھی۔ گزشتہ آیات میں فرعون کی حکومت کا ذکر بھی ہو
 چکا ہے مگر وہ اس قدر نافرمان لوگ تھے کہ اللہ نے اُس قوم کو خالق قرار دیا ہے۔
 اُن کے برخلاف داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی دنیا میں خلیفہ تھے، اللہ نے
 انہیں حکومت عطا کی تھی مگر وہ اللہ کے نہایت مطیع اور شکر گزار بندے تھے۔ یہ سابقہ
 آیات کے ساتھ ربط مبنی ہو گیا۔

نبیہ کا قطعی علم

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا اکٹھا ذکر کر کے
 فرمایا: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا اور البتہ تحقیق ہم نے
 داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا۔ اس علم سے مراد دنیا کا کسی علم نہیں ہے
 دیکھو لوں، کاجوں یا یونیورسٹیوں کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے یا جو علم انسان
 کہ سمع بصر جیسے حواس سے حاصل ہو سکتا ہے یا انسان اپنی عقل سے غور و فکر کر کے
 کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ بلکہ اس علم سے مراد وہ قطعی اور یقینی علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے
 نبیوں کو وحی کے ذریعے سکھاتا ہے۔ اس علم میں نہ تو کوئی اشتباہ ہوتا ہے اور نہ ہی
 اس میں کسی غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اس کو سمجھ ہی نہ

سکے یا اس کا اپنا رخ ٹیڑھا ہو اور اُسے کوئی چیز ٹیڑھی نظر آنے لگے۔ مگر نہ یہ ایسا علم ہے جس کے متعلق سورۃ بقرہ کی ابتدا میں اللہ نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ^(آیت ۲) اس میں تو کسی شب و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ بہر حال وحی الہی کا علم قطعی اور یقینی ہو تب جب کہ اول الذکر کسی علم ظنی ہو آہے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو احکام شریعت، اصول سیاست اور حکمرانی کا وہ قطعی علم عطا فرمایا جو ان کے لیے اپنے فرائض سے عہدہ بردار ہونے کے لیے ضروری تھا۔ سورۃ ص میں اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے يٰۤاِدٰوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (آیت ۲۶) اے داؤد علیہ السلام، ہم نے تمہیں زمین میں خلافت عطا کی ہے۔ لہذا تم عدل و انصاف کے مطابق مخلوق کی خدمت کرنا۔ آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام آپ کے بعد آپ کے جانشین ہونے اور دونوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں وہ علم عطا فرمایا جس کی انہیں ضرورت تھی۔

علم کی ضرورت

اور اہمیت

علم ایک ایسی ضروری چیز ہے جسے بغیر انہی سے ترقی نہیں سکتی علم کی روشنی ہی ان کو منزل مقصود پہنچاتی ہے۔ علم کی کمی انسان کی ترقی کا سبب بنتی ہے۔ انگریزوں نے برصغیر میں اپنے اقتدار کے دوران اسلامی علوم کو ختم کرنے یا انہیں اپنے دھمب پر ڈھال لینے کی بڑی کوشش کی مگر اللہ کے نیک و ناس نے اسلامی علوم کے جھنڈے کو ہمیشہ سرفہر رکھا اور اس پر حرف نہیں آنے دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس یقینی علم کی جڑ اکھاڑ دی گئی اور اسکی جگہ ظنی علم کو رائج کر دیا گیا تو پھر یقینی علم کا ہمیشہ کے لیے جنازہ چل جائے گا۔ چنانچہ بنیاد دارالعلوم دیوبند نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے دارالعلوم کی بنیاد رکھی جہاں سے اب تک چالیس ہزار سے زیادہ علماء پیدا ہو چکے ہیں اور دنیا بھر میں اسلام کے پورے کی آبادی کو رہے ہیں۔ یہ دارالعلوم تو ایک بنیاد معنی پھر اس سے آگے ہزاروں چشمے جاری ہوئے، ہزاروں دیگر مدارس قائم ہوئے اور علم کی روشنی مسلم امہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہی۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ حکومتوں نے اپنے وسائل، ادبی تعلیم پر صرف کر رہی ہے مگر اللہ کے نیک بندے حقیقی علم کی نشر و اشاعت کے لیے محنت و وسائل

کے ساتھ ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بہر حال علم ترقی کا زینہ ہے۔ خاص طور پر دین کا اتنا علم نہایت ضروری ہے۔ جس کے ذریعے انسان اپنے فرائض سے باخبر ہو سکے اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کر سکے۔ یہی علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اُس کی عبارت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں امتیاز پیدا ہوتا ہے تو حید اور شرک کی سمجھ آتی ہے۔ انسان ایمان، اخلاص اور نفاق کو پہچانتا ہے، جہاں تک ٹیکنیکل علوم و فنون کا تعلق ہے۔ وہ تو کافر، مشرک اور ملحد بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ آج امریکہ، جاپان، جرمنی، روس اور چین سب جانتے ہیں کہ ٹیکنیکل علم کوئی علم نہیں بلکہ یہ تو صنعت و حرفت ہے، جب کہ حقیقی علم وہی ہے جو وحی الہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعے مخلوق تک پہنچاتا ہے، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو حسب ضرورت حقیقی علم عطا فرمایا۔

بایں بیٹے کی
طرف سے شکر

اس یقینی علم کے حصول پر وَقَالُوا لَا بَیِّنَاتٍ دُونُ مَا لَنَا بِاللَّهِ
الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ سب تعریفیں
اُس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں یا اُس ذات باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں
بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہاں پر تمام ایمانداروں پر فضیلت پانے کا ذکر
نہیں بلکہ بہت اہل ایمان پر برتری حاصل کر لیا ذکر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ
اہل ایمان پر برتری حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ
نے اپنے ان دو انبیاء سے بھی زیادہ بعض دوسرے انبیاء اور رسل کو برتری عطا فرمائی ہے
جیسے موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام وغیرہم، اللہ نے
ان حضرات کو اپنے حساب سے بڑا شرف عطا کیا ہے۔ لہذا ایمان پر بہت سے مومنوں پر
فضیلت کا ذکر ہے اور اس تناظر میں غیر مومنوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

انبیاء کی
دریافت کا
مسئلہ

ارشاد ہوتا ہے وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام
کے وارث ہوئے۔ مولانا شیخ النذہ اس جملے کا ترجمہ کرتے ہیں "قام مقام بوسلیمان"

داؤد علیہ السلام کا جو اس تمام یہ وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں بلکہ نیابت ہے شیخ
 حضرات ایک تو اس آیت سے نبی کی وراثت کی دلیل چڑھتے ہیں ۔
 حالانکہ یہاں پر وراثت سے مراد محض خلافت ہے دوسری آیت جس
 سے وراثت انبیاء کی دلیل پڑتی جاتی ہے وہ سورۃ مريم میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے
 الشرب الغرت کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کی فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ
 وَلِيًّا هَ يَرْشِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (آیت ۵-۶) نے پروردگار
 مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ یہاں بھی کوئی بیٹا اپنے باپ
 کے مال کا وارث تو ہو سکتا ہے مگر ساری آل یعقوب کا وارث ایک شخص کیسے ہو گا؟
 قرینہ یہی ہے کہ یہاں پر علمی وراثت مراد ہے نہ کہ مالی۔ زکریا علیہ السلام نے یہ دعا کی
 تھی کہ اے اللہ! مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا اور پوری آل یعقوب کا علمی وارث ہو
 اور جو ہمارے دشمن کو آگے بڑھا سکے۔

حضور علیہ السلام کے دس صحابہ جن میں خلفائے راشدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے چچا عباس اور اہل بیت شامل ہیں، روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام
 نے فرمایا نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ
 ہم نبیوں کا گروہ کسی کو وارث نہیں بنایا کرتے بلکہ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ محتاجوں
 کے لیے صدقہ ہوتا ہے، خود حضور علیہ السلام کے قبضہ میں زبیر بن عوف کی کچھ ارضی تھی
 جس سے آپ اپنی ضروریات پوری فرماتے تھے۔ اس زمین کی قرابت حضرت عباس
 اور حضرت علیؓ کے پاس تھی۔ ان دونوں حضرات میں کچھ اختلاف اُسے پیدا ہوا، تو وہ
 حضرت عمرؓ کے پاس آئے، وہاں پر دوسرا کا برصغیر بھی موجود تھے۔

حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات سے قسم دلا کر پوچھا کہ بتلاؤ حضور علیہ السلام
 کا یہ فرمان موجود ہے کہ ہم انبیاء کا گروہ کسی کو وارث نہیں بناتے بلکہ جو کچھ چھوڑ جاتے
 ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، تو دونوں بزرگوں نے اس حدیث کی تصدیق کی۔ چنانچہ شیخ

حضرات کی طرف سے حضرت فاطمہؑ کے حق میں نبی علیہ السلام کی وراثت کا دعویٰ مبنی بر تحقیق نہیں۔ یہ درست ہے کہ جب تک حضرت فاطمہؑ کو اس حدیث کا علم نہیں تھا، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنے باپ کی وراثت کا مطالبہ کیا مگر جب آپ نے حضرت فاطمہؑ کو مذکورہ حدیث سنائی تو کہنے لگیں **فَأَنْتَ أَعْلَمُ بِمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** ترجمہ آپ اس چیز کو زیادہ جانتے ہیں جو آپ نے رسول خدا سے سنی ہوئی ہے اس کے بعد آپ خاموش ہو گئیں اور پھر کبھی وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی صحیح حدیث میں موجود ہے **إِنَّمَا الْأَنْبِيَاءُ وَلَهُمْ يُورَثُونَ دَرَاهِمًا وَلَا دِينَارًا** یعنی اللہ کے نبی درہم یا دینار وراثت میں نہیں چھوڑا کرتے بلکہ **وَرَثُوا عِلْمًا** وہ تو اپنی وراثت میں صرف علم چھوڑ کر جاتے ہیں نبیوں کی وراثت علم دین ہوتا ہے جس نے دین کا علم حاصل کر لیا۔ اُس نے نبی کی وراثت کو پایا۔

انبیاء کی وراثت کے ضمن میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ پیغمبر خود تو اپنے غیر نبی کی وراثت حاصل کر رہا ہے مگر اپنے بیٹے کو مالی وراثت نہیں دیتا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے والد حضرت عبدالمطلب کی وراثت ملی۔ طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ آپ کو پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک، ریوڑ اور ام امین لونڈی وراثت میں ملی۔ ام امین حبشیہ تھیں مگر بڑی صاحبِ فضیلت خاتون تھیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو گورد میں اٹھایا تھا۔ لہذا آپ ان کی بڑی قدر کرتے تھے، حضور علیہ السلام نے بڑے ہو کر ان کو آزاد کر دیا تھا اور پھر ان کا نکاح حضور علیہ السلام کے متبعی زید کے ساتھ ہوا جن سے اسامہؓ پیدا ہوئے حضور علیہ السلام کو باپ بیٹے دونوں سے بڑی محبت تھی۔

چونکہ داؤد علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اس لیے آپ کی مالی وراثت تو سلیمان علیہ السلام کو نہیں پہنچی بلکہ آپ کی علمی اور نیابتی وراثت آپ کو پہنچی، قرینہ بھی موجود ہے کہ اگر اس وراثت سے بائیداد کی وراثت مراد ہوتی تو پھر یہ صرف سلیمان علیہ السلام کو ہی کیوں پہنچتی، جب کہ داؤد علیہ السلام کے بیٹے بیٹے تھے جن میں سے سلیمان علیہ السلام سب

داؤد علیہ السلام
کی جائیداد

سے چھوٹے تھے۔ سارے بیٹے حکومت کے خواہشمند تھے مگر اللہ نے یہ نیابت سیماں علیہ السلام کو عطا فرمائی، اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو سب بیٹوں کو محروم کر کے صرف ایک کو سب کچھ دے دینا کہاں کا انصاف تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ سیماں علیہ السلام کے عہدہ کوئی دوسرا بیٹا آپ کی خلافت کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔ اس وقت سیماں علیہ السلام کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ داؤد علیہ السلام نے نیابت کے سلسلہ کو اس طرح حل فرمایا کہ اللہ کے ایک فرشتے نے ایک بندہ لطفہ لاکر حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا اور کہا کہ آپ مجلس عام میں یہ اعلان کریں کہ آپ کے بیٹوں میں سے جو بیٹا اس لطفہ میں بند سوالوں کے صحیح صحیح جواب دیکھا، وہی میری جانشینی کا حقدار ہو گا، چنانچہ عمائدین سلطنت کی موجودگی میں سارے بیٹوں سے فرمایا کہ یہ امتحان کا لطفہ ہے جو شخص ان سوالات کے جوابات دے دیکھا، وہی میرا جانشین ہو گا، لطفہ میں موجود سوالات اور ان کے صحیح جوابات یہ تھے۔

سوالات	صحیح جوابات
۱۔ سب سے قریب چیز کون سی ہے؟	موت
۲۔ سب سے بعید چیز کون سی ہے؟	انسان کے دہتھ سے نکل جانے والی چیز
۳۔ سب سے مانوس چیز کون سی ہے؟	جسم بمع روح
۴۔ سب سے دشمنانہ چیز کون سی ہے؟	جسم بغیر روح
۵۔ دو قائم چیزیں کون سی ہیں؟	ارض و سما جو قیامت تک قائم رہیں گی
۶۔ دو مختلف چیزیں کون سی ہیں؟	یل و نار۔ ایک جاتی اور دوسری آتی ہے
۷۔ آپس میں دو دشمن چیزیں کون سی ہیں؟	موت اور حیات
۸۔ بہترین انجام والی چیز کون سی ہے؟	بردباری بوقت غصہ
۹۔ بدترین انجام والی چیز کون سی ہے؟	غصے کی حالت میں تیزی کا استعمال

داؤد علیہ السلام نے جب بیٹوں کے سامنے یہ سوالات پیش کئے تو ان میں سے کوئی بھی ان کے جوابات نہ دے سکا۔ سب عاجز آ گئے۔ سیماں علیہ السلام ابھی کہہ رہے تھے

اور انہیں خلافت کی خواہش بھی نہیں تھی مگر اللہ نے انہیں بچپن ہی میں فہم و فراست سے نوازا تھا۔ انہوں نے باپ سے عرض کیا اگر اجازت ہو تو ان سوالات کے جوابات میں عرض کروں۔ اجازت ملنے پر سلیمان علیہ السلام نے سوالات کے صحیح صحیح جوابات دے دیے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان کر دیا جسے تمام عمائدین سلطنت نے سراہا۔

داؤد علیہ السلام
کی وفات

جس دن داؤد علیہ السلام کی جانشینی کا فیصلہ ہوا۔ اُس سے اگلے روز آپ کی وفات ہوئی۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ بڑے باغیرت آدمی تھے، جب بھی گھر سے باہر جاتے باہر سے تالا لگا کر جاتے، تاکہ کوئی اجنبی آدمی گھر میں داخل نہ ہو سکے۔ اُس روز بھی آپ حسب معمول دروازے کو تالا لگا کر باہر چلے گئے۔ اس دوران آپ کی اہلیہ نے کسی اطیبی آدمی کو صحن میں کھڑے دیکھا۔ بڑی حیران اور خوفزدہ ہوئیں کہ یہ شخص اندر کیسے آگیا حالانکہ باہر تو تالا پڑا ہے۔ اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آگئے۔ تالا کھول کر داخل ہوئے تو اجنبی شخص کو صحن میں پایا۔ پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو تو اُس نے کہا کہ میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور جس کے لیے کوئی جاب نہیں ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا پھر خدا تم ملک الموت ہو، مگر جا بام اللہ میں تمہیں اللہ کے حکم سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ پھر آپ کبل اور پھ کر لیٹ گئے آپ کی رات نفسِ عنسری سے پرواز کر گئی۔

سلیمان علیہ السلام
پر فضلِ مبین

فرمایا سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِلْمُنَا مَنْطِقُ الطُّيْرِ اور فرمایا اے لوگو! ہمیں پرندوں کو بولی سکھانی گئی ہے وَآتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ زَكَاةً اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے جو ہمارے حسبِ حال ہے۔ اس سے اُس زمانے اور موجودہ زمانے کے تمام آلات اور سامان مراد نہیں ہیں بلکہ نظامِ حکومت کو چلانے کے لیے جس جس چیز کو ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ پرندوں کی بولی بھی سکھادی۔ فرمایا إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ یہ کھلی فضیلت

والی بات ہے جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ اور
 اکٹھے کیے گئے۔ سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر
 فَمَنْ يُؤْذِعُونَ پس ان کو تنبیہ کیا جاتا تھا یا روہ جاتا تھا۔ یعنی ہر جنس کی مخلوق
 الگ الگ ٹروپوں میں بکھری ہو جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی جس کی درخواست
 انہوں نے خود کی تھی وَهَبْ لِي مَلِكًا لَا يَكُفِّرَنِي لِأَحَدٍ مِّنْ
 بَعْدِي (ص ۲۵۰) اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جس میں مثال نہ مجھ
 سے پہلے ہو اور نہ بعد میں پیدا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جنات، انسانوں،
 اور پرندوں کے علاوہ ہوا کو بھی سخر کر دیا۔ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غَدُوُّهَا
 شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ (ص ۱۲۰) ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے
 تابع کر دیا جس کی صبح کی سوزل ایک ماہ کی ہوتی تھی اور شام کی سوزل بھی ایک ماہ کی
 آپ کا تخت اور ساز و سامان ہوا اڑانے پھرتی تھی۔ موجود زمانے کی محفوظ ترین سواریاں
 بھی کسی حادثے کے امکان سے خالی نہیں مگر سلیمان علیہ السلام کے ہاں کسی خطائی کا کوئی
 امکان نہیں ہوتا تھا۔ وہ جہاں چاہتے ہوا کے دوش پر سیدے جلتے، پرندوں کی اپنی اپنی
 بولی بولتی ہے جیسے انسان نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان
 کرتی ہے مگر تم اُسے سمجھ نہیں سکتے۔ حَسْرَتِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ یہ بھی اللہ کا خاص فضل
 تھا کہ آپ پرندوں کی بولیں بھی سمجھتے تھے، اور پھر حق بھی آپ کے تابع نہیں، اور
 آپ کے حکم کی بجا آندی کہتے تھے۔

حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطَبُنْكُمْ سُلَيْمٰنُ
وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ۱۸ ۚ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ
قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي
أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ ۱۹

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی وادی
میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو! داخل ہو جاؤ
اپنے گھروں میں کہ کہیں پامال نہ کر دے تمہیں سلیمان علیہ السلام
اور اس کا لشکر، اور اُن کو خبر بھی نہ ہو ۝ ۱۸ پس مسکاکر
نمل پڑے سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی بات سے اور کہا
میرے پروردگار! مجھے توفیق بخش کہ میں شکر ادا کروں
تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر انعام کی ہے اور میرے
والدین پر بھی۔ اور یہ کہ میں ایسا نیک کام کروں جس کو تو
پسند کرتا ہے اور داخل کر مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے
نیک بندوں میں ۝ ۱۹

گزشتہ آیات میں حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے
اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کیا کہ اُس نے انہیں بہت سے نیک اور ایماندار بندوں

ربط آیات

پرفضیت بخشی ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کی بنائیدہ کافر ہوا۔ پھر انہوں نے لوگوں کے سامنے اللہ کی عطا کردہ نعمت کا اس طرح تذکرہ کیا کہ لوگو! ہمیں پرندوں کی گفتگو سکھانی گئی ہے اور ہمیں ضرورت کی ہر چیز عطا کی گئی ہے جو کہ بڑی کھلی فضیلت ہے سلیمان علیہ السلام کے لیے اُن کے شکر اُکھٹے کیے جاتے تھے جن سے وہ مختص مواقع پر کومہ لینے لگے۔ یہ شکرانہ نون، جنوں اور پرندوں پر مشتمل تھے جنہیں حسب ضرورت تقسیم بھی کیا جاتا تھا۔

منطق الطیر

گزشتہ آیات میں ایک لفظ منطق الطیر آیا تھا جو خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ پرندوں یا دیگر جانوروں کی گفتگو نہ آدمی میں سمجھ سکتا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھ جاتے تھے۔ پرندوں کے علاوہ حشرات الارض یعنی کیڑوں مکوڑوں کی بولی بھی اللہ نے سکھا دی تھی۔ جانوروں کی بولیوں پر قدیم زمانے سے تحقیق و تالیف کا کام ہو رہا ہے۔ چنانچہ بعض حکماء نے جانوروں کی بولیوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ادب کی سب سے پرانی کتاب کلیلہ و دمنہ آج بھی موجود ہے دراصل یہ کتاب تہمتی زبان کی تصنیف ہے۔ وہاں سے یہ کتاب سنسکرت زبان میں منتقل ہوئی۔ پھر ایران کے کسری نے ہرزویہ نامی ایک عالم فاضل کو ہذا مال و دولت دے کر ہندوستان بھیجا کہ وہ کسی طرح یہ کتاب چھل کر سکے۔ کہتے ہیں کہ کسری نے سوسنے کے بیس خچر لے کر دیے تھے اور کچھ آدمی بھی ساتھ بیٹھے تھے۔ بہر حال وہ شخص کئی سال تک ہندوستان میں مقیم رہا اور بالآخر کلیلہ و دمنہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے کتاب کو نقل کیا اور پھر واپس جا کر اسے فارسی زبان میں منتقل کیا کہتے ہیں کہ جب وہ شخص واپس ایران پہنچا تو کسری نے اُس کا پیڑ پک خیر مقدم کیا۔ اُس کے اس علمی کارنامے کے صلہ میں اُسے تخت پر بٹھایا اور اُس کے سر پر تاج رکھا۔

پھر منشی عبدالمعز ابن مقفع نے بنی امیہ یا بنی عباس کے دور میں اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا۔ آج کل یہ کتاب عربی ادب کے کتب خانوں میں شامل ہے اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے تراجم انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی اور دیگر زبانوں

میں ہوئے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں جانوروں کی زبان سے عمل و حکمت
اور نصیحت کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باتیں بندروں، گیدڑوں، بچھڑوں، شیروں اور
ہاتھیوں وغیرہ سے منسوب کی گئی ہیں۔ بکھیلے اور دمنے بعض گیدڑوں کے نام ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں امام جاحظ نے علم حیوان کے نام سے کتاب لکھی۔ سات
صدیوں پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں حیوانات سے متعلق بہت سی مفید معلومات ملتی ہیں۔ مصنف
ابو حنیفہ کا ہم عصر تھا۔ اور معتزلہ فکر رکھتا تھا۔ اسی طرح چھٹی یا ساتویں صدی ہجری میں امام دیرق
نے حیات الحیوان کے نام پر کتاب لکھی جس میں جانوروں کے متعلق بہت سی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔
اس میں جانوروں سے متعلق علت و حرکت کے حکم اور کسی جانور کے خواب میں
نظر آنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ امام قزوی نے عجائب المخلوقات کے نام سے کتاب
لکھی ہے۔ اس میں بھی جانوروں سے متعلق مفید معلومات ہیں۔ حضرت شیخ غطار چھٹی
ساتویں صدی ہجری کے بزرگ گزرے ہیں جو تاریخوں کے ہفتوں شمید ہوئے۔ ان کی مشہور
کتاب منطق الطیر فارسی زبان میں ہے انہوں نے پندوں کی زبانی تصوف کی بڑی گہری
باتیں ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد بھی حیوانات کے علم نے بڑی ترقی کی ہے۔ خاص طور پر
موجودہ زمانے میں علم حیوانات (Zoology) میں بڑے تجربات

ہوئے ہیں اور دیگر علوم کی طرح یہ علم بھی انتہائی بلند یوں تک پہنچا ہے۔

انٹرنے اس مقام پر چیونٹوں کا ذکر کیا ہے۔ چیونٹیاں چھوٹی بھی ہوتی ہیں اور
بڑی بھی۔ چھوٹی چیونٹی (ذرہ) تو بعض خصوصیات کی بناء پر ضرب المثل بن چکی ہے۔
ان چیونٹیوں کے بارے میں جدید دور کے سائنس دانوں نے بڑی تحقیق **RESEARCH**

کی ہے۔ چنانچہ جدید دور کے سہمی معینہ علامہ طنطاوی نے جوابہ النظر آن میں ان کا کافی
ذکر کیا ہے۔ آپ جدید دور کے عالم تھے، سائنس کے قریب وفات پائی ہے
انہوں نے نظام العالم والا مہم کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں عالم اور امتوں کے
نظام میں چیونٹیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کافی معلومات افروز کتاب ہے۔

سیمان علیہ السلام
کا وہی نمل
سے گزرا

سیمان علیہ السلام مع شکر جابے تھے حتیٰ اِذَا اتَّوَا عَلٰی وَدِ النَّمْلِ
یہاں تک کہ جب وہ واوی نمل میں پہنچے قَالَتْ لَمَلَّةٌ تَرَاکِبُ چوئی نے کہا
يَا يُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسِکِکُمْ کو اے چوئی! اپنے گھروں (نملوں)
میں داخل ہو جاؤ۔ لَمْ يَخْطِمْکُمْ سُلَيْمٰنٌ وَجُنُودُهُ کیں سیمان علیہ السلام
اور اُس کا لشکر تمہیں روند نہ دے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اِیسی حالت میں کہ
انہیں خبر بھی نہ ہو کہ انہوں نے کتنی چوئیوں کو پا مال کر دیا ہے۔

بعض مدید دور گئے، نہ نہ مفکرین نمل کو چوئی نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ نمل
ایک قبیہ تھا جہاں سے سیمان علیہ السلام کا گزرا ہوا تھا۔ دراصل یہ لوگ معجزات کے
منکر ہیں۔ چونکہ اللہ نے چوئی کی آواز معجزانہ طور پر سیمان علیہ السلام کو سنوائی تھی،
اس لیے ایسے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے چوئیوں کا کوئی قبیہ تو مدار
ہو سکتا ہے مگر انہوں کا قبیہ ہو گزرا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سیمان علیہ
السلام کو بت مثال حکومت عہد فرما دی تھی، جنات اور پرندے، تخت کر لیے تھے، ہواؤں
کو تسخیر کر دیا تھا، اسی طرح یہ چوئی کا معجزہ بھی تھا کہ کیا کہ اُس نے اپنی ہم قوم چوئیوں
کو ان کی تباہی سے خبردار کیا تو سیمان علیہ السلام فوراً اُس کی بات کو سمجھ گئے۔ پہلے صحت
بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے آپ کو منطقِ اعلیٰ یعنی پرندوں کی بویاں بھی سکھادی تھیں۔ تو
ایسی حالت میں آپ کا چوئی کی بات کو سن لینا اور سمجھ لینا کون سی عجیب بات مانتی ہے
مفسرین بیان کرتے ہیں کہ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کے جملے سے یہ
بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ جو اور جاؤ حضرت سیمان علیہ السلام
کے تابع تھے مگر آپ غیب کو علم نہیں جانتے تھے۔ غیب خاصہ خداوندی ہے۔
اور وہ اس میں حقیقت چاہتا ہے کسی کو عطا کر دیتا ہے۔ کلی غیب اور علمِ محیط کا مائیک
صوف اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن پاک میں غیر اللہ کے غیب دان ہونے کی واضح طور پر
نفی کی گئی ہے۔ یہ تو ناجائز چوئی بھی جانتی تھی کہ صاحبِ صحیفہ اور صاحبِ شریعت
نبول ہونے کے باوجود سیمان علیہ السلام غیب دان نہیں ہیں۔ اسی لیے تو اُنہوں نے

دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا کہ اپنی بھری گھس جاؤ، کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر
بے خبری میں تمہیں کھل نہ ڈالے مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر
بڑا مذہب تھا، لہذا ان کی طرف سے قصہ اکمنہ در مخلوق کو روزِ ڈالنے کی توقع نہیں کی
جاسکتی تھی۔ آپ کا لشکر کوئی ایسا لشکر نہیں تھا جو وحشیانہ طور پر ہر سمنے آنے والی
چیز کو نباہ کر دیتا، لہذا ثابت ہوتا ہے کہ اگر چیونٹیوں کو کوئی نقصان پہنچا تو ایسا
سلیمان علیہ السلام کی بے خبری کی وجہ سے ہوتا، یعنی انہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ وہ جس وادی
سے گزر رہے ہیں۔ وہاں ہزاروں لاکھوں چیونٹیوں کو لقمہ اجل بند ہے ہیں۔

عربی زبان میں نملہ کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں جنسوں پر بولا جاتا ہے یہاں
سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا تھا وہ مذکر تھی یا
مؤنث؟ مشہور محدث اور فقیہ حضرت قتادہ (۶۳ھ تا ۱۱۸ھ) جو تابعین میں سے ہیں،
ایک مجلس میں فرمانے لگے جو جی چاہے پوچھ لو۔ اس مجلس میں امام ابو حنیفہؒ بھی
موجود تھے۔ جو اُس وقت ابھی بچے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت قتادہ
سے یہ سوال کر دو کہ جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے
خبردار کیا تھا وہ مذکر تھی یا مادہ۔ جب یہ سوال پوچھا گیا تو حضرت قتادہؒ نے جواب ہو گئے۔
اس پر خود امام ابو حنیفہؒ نے بتایا کہ وہ چیونٹی مادہ تھی۔ اگرچہ بقدرہ کی طرف لفظ نملہ بھی مذکر
اور مؤنث دونوں اجناس کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں نملہ سے قبل قَالَتْ کی
ضمیر مؤنث ہے، لہذا وہ چیونٹی مؤنث تھی۔ یہ واقعہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں امام صاحب
کی کسنی میں سوچہ بوجھ کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

جب سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات سنی فَتَبَسَّہَ ضَاحِکًا
فَقَوْلُهَا تَوَّابٌ اُس چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے۔ دل میں خیال
کیا کہ یہ چیونٹی کتنی بھولی، بھالی ہے۔ جو سمجھ رہی ہے کہ میں اس کی بات کو نہ سن رہا
ہوں اور نہ سمجھ رہا ہوں حالانکہ اللہ نے مجھے اپنے بہت سے نیک اور ایماندار بندوں
پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور مجھے جانوروں کی بولیاں بھی سکھادی ہیں۔ جس کا معنی
مسکراہٹ ہے جو ضحک یعنی ہنسنے کا ادنیٰ درجہ ہوتا ہے مسکراہٹ صرف بھول

پہنچتی ہے جب کہ جنے میں دانت بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ البتہ قبۃ زور سے جننے کو کہتے ہیں جو کہ پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کبھی قبۃ مار کر نہیں جنے، آپ کو معمول قسم یا زیادہ سے زیادہ نعلک ہوتا تھا۔ قبۃ غفلت کی علامت ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص نماز کے دوران قبۃ لگا کر جنے تو اس کا جنو بھی ٹوٹ جائے گا اور نماز بھی فاسد ہو جائیگی۔

چیونٹیوں کا
ظاہر معائنہ

چیونٹی بڑی ذہین مخلوق ہے۔ اللہ نے ایکسٹیمک اس کو بڑا شعور عطا کیا ہے۔ علم ایوانات کے، ہرین نے بڑے بڑے تجربات کر کے اس مخلوق کے بستے میں بہت سی معومات حاصل کی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی طرح چیونٹیوں کے بھی خاندان، قبیلے اور گروہیں ہوتی ہیں۔ ان کا اپنا نظام حکومت ہوتا ہے، باقاعدہ فوج اور پولیس ہوتی ہے جو نظام سلطنت کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ چیونٹیاں فطری طور پر خوراک کا ذخیرہ جمع رکھتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔ فریڈرک ویلہ "دائرة المعارف" میں لکھتے ہیں کہ چیونٹیوں کی مختلف سلطنتوں کے درمیان جنگ و جدل کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو ابتداً ان چیونٹیوں کی قبیلہ تعداد اگر دشمن کی قوت کو اندازہ لگاتی ہے اور پھر حسب ضرورت پورے لشکر بیک وقت حملہ آور ہو جاتا ہے۔ چیونٹی اپنے دشمن کو چمپٹ کر لیا ہوتی ہے کہ چاہے جان چلی جائے۔ دشمن کو چپوٹاتی نہیں، اس کے جسم کے پچھلے حصے میں تیزاب کی ٹینکی ہوتی ہے جو بارش کے موسم میں خوب بھرجاتی ہے۔ جنگ کے وقت چیونٹی ہی تیزاب دشمن پر پھینک کر اسے نقصان پہنچاتی ہے۔ نظام وفاق نے "نظام العالم" میں لکھا ہے کہ چیونٹیوں کے باقاعدہ قبرستان ہوتے ہیں، بال یہ اپنے مدد سے دفن کرتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر ہمیں کوئی چیونٹی مری پڑی ہو تو زندہ چیونٹی اس کو اٹھا کر لے جاتی ہے اور قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیتی ہے۔ جس طرح بعض حکمرانوں کے موصوفہ اور گروہ کے لیے مختلف ہیڈ کوارٹر ہوتے ہیں۔ اسی طرح چیونٹیوں کے بھی مختلف گروہوں کے لیے مختلف علاقے متعین ہوتے ہیں اور سرور یا گروہ میں خسرہ علاقوں میں اقامت پذیر ہوتی

ہیں جس طرح انسانوں کے لیے دودھ دینے والے جانور ہوتے ہیں اسی طرح چیونٹیوں کے بھی خاص قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ ان کے لیے خوراک میا کی جاتی ہے اور پھر ان کے جسم سے نکلنے والی رطوبت کو بطور دودھ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی تجربات میں آیا ہے کہ اگر کوئی چیونٹی غلطی سے اپنے دشمن کے علاقہ میں چلی جائے اور اس کو جونہی اس بات کا علم ہوتا ہے وہ اپنی ٹانگیں اوپر کر کے بیچٹھ کے بل لیٹ جاتی ہے۔ پھر جب اس علاقے والی چیونٹیوں کو اجنبی چیونٹی کے در آنے کی اطلاع ملتی ہے تو انہی پولیس وغیرہ اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنے علاقے سے باہر پھینک آتی ہے۔ اللہ نے ان کو حیرت انگیز ذہانت عطا فرمائی ہے۔

سیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سکھائی تھیں، جو آواز آپ ایک پہنچ جاتی تھی آپ اس کو سمجھ لیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور یا پندے کی نزدیک دور ساری آوازیں سنانے کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ یہ جو اپنے چیونٹی کی آواز کو سن لیا، یہ اللہ کی خاص حکمت تھی کہ اُس نے اُس چیونٹی کی آواز آپ کو سنوادی اور یہ معجزہ تھا۔ اسی لیے تو کسی نے کہلے ۔

لَوْ كُنْتُ أُتِمْتُ كَلَامَ الْمُحْكَلِ
عَلِمْتُ عِلْمَ سُلَيْمَانَ كَلَامَ النَّمْلِ

اگر مجھے بھی حکل یعنی بے زبان جانداروں کی آواز سننے کا علم ملے دیا جائے تو میں بھی سیمان علیہ السلام کی طرح چیونٹی کی بات کو سن لوں بیشن سعدیؒ نے مکتان میں ذکر کیا ہے کہ ایک ہمتی بان دیا اے نیل کے کنارے اس طرح گنگنا رہا تھا ۔

زیر پائت گر بانی حالِ مور

ہم چوں حالِ تست زیر پائے پسیل

اے انسان! اگر تو جان لے کہ تیرے پاؤں کے نیچے چیونٹی کہا کیا حال ہوتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے تو خود ہمتی کے پاؤں کے نیچے آجائے ۔

امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ سیمان علیہ السلام

چیونٹی کی دعا
کی قبولیت

کے زمانے میں قحط پڑی۔ بارش رک گئی، لوگ جباراٹھے، چنانچہ سلیمان علیہ السلام عام لوگوں کے بعد شہر سے بارش کی دعا کے لیے آئے۔ راستے میں انوں نے دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پورے آسمان کی طرف کر کے دعا کر رہی ہے اللھُمَّ اِنَّا خَلَقْنَا مِنْ خَلْقِكَ فَذَعُوْا لَنَا عَنِّ سَقِيْكَ وَاِلَّا تَسْقِنَا نَهْلِكُنَا اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں۔ ہم تیری سیرابی سے مستغنی نہیں ہیں۔ اگر اس کے محتاج ہیں۔ اگر تو ہمیں پانی نہیں پلانے گا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی زبان سے یہ دعا سنی تو تمام لوگوں کو واپس ہونے کے لیے کہا۔ فرمایا اللہ نے اس چیونٹی کی دعا قبول کر لی ہے۔ اب ضرور بارش ہوگی۔ لہذا واپس چلو۔ اللہ تعالیٰ اس چیونٹی کی بدولت تمہیں بھی سیراب کر دے گا۔ وادیِ غل کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ یہ شامک علاقے میں واقع ہے۔ جب کہ دوسرے اسے طائف شہر سے دس بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر بتاتے ہیں۔ وہاں ایک گھلا میدان ہے جس میں ایک معمولی سا مکان بھی ہے۔ طائف کے تاریخی مقامات میں وادیِ غل کا یہ میدان بھی ہے، لوگ سیر کے لیے جاتے ہیں راحق صاحب درس عبدعزیز بنی نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔

سلیمان
علیہ السلام
کی دعا

سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی بات سن کر منس پڑے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اس طرح شکر ادا کیا کہ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ عَرْضَ كَيْ اَتِمِّرَ بِهِنَّ اَمْرًا اِنِّىْ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر ہے۔ اے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی حتیٰ کہ جانوروں اور پرندوں اور نباتات کو آپ کے تابع کر دیا، آپ کے لیے ہوا مسخر کر دی اور جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ دیاں۔

باپ پر بھی بڑے انعامات کیے کہ انہیں اپنا، حب کتاب رسول بنایا۔ آپ کی ولادت بھی نہایت ہی پاکیزہ سیرت، عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ ان کی فضیلت کے لیے تو یہی چیز کافی ہے کہ اللہ نے ان کو دوزخ علیہ السلام کے نجات دی۔ آپ دعوٰی اور بان کا حال بھی پڑھ چکے ہیں کہ وہ کس قدر مغرور و زناشیر لڑا کرتے۔ جب کہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں کس طرح رب العزت کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی کہ پروردگار ! مجھے توفیق عطا فرما وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ کہ میں ایسا نیک عمل انجام دوں جسے تو پسند کر اور تیری بارگاہ میں مقبول ہو۔

اور جو آخری بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی اُس میں ہمارے لیے درسِ عبرت ہے عرض کیا، پروردگار ! وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ اور داخل کر مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ انسان کو اچھی سوسائٹی نصیب ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تَحَابَّتْ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ (اشعراء: ۸۳) پروردگار مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں میں ملا۔ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بھی یہی دعا منقول ہے تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ (آیت - ۱۰۱) یا اللہ! مجھے اسلام کی حالت میں وفات دینا، اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دینا، یہاں پر بِرَحْمَتِكَ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ کے جلیل القدر نبی ہونے کے باوجود کس قدر متواضع اور منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں اپنے کسی عمل پر اعماد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ جب اللہ کا پاک نبی اللہ کی رحمت کا طلبگار ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں۔ ہمیں تو رحمت خداوندی کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ہمیں اس میں درسِ عبرت ہے۔ ہمیں بھی یہی دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اپنی مہربانی سے ہمارے عقیدوں کو پاک کر دے، ہمارے اعمال درست ہوں اور ہمیں اچھی سوسائٹی نصیب ہو۔

وَتَقَفَّذَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِي لَا أَرَى الْهُدَاهِدَ بِ
 أَمْرٍ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ② لَا عَذْبَنَهُ عَذَابًا شَدِيدًا
 أَوْ لَا أَذْبَحَنَّهُ أَوْلِيَاءَتِي بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ③
 فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تَحُطْ
 بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ④ إِنِّي وَجَدْتُ
 أَمْرًا تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا
 عَرْشٌ عَظِيمٌ ⑤ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ
 لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالُكُمْ
 فَصَدَّاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ⑥ أَلَا
 يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ⑦ اللَّهُ لَا
 إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ⑧ قَالَ سَنَنْظُرُ
 أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ⑨ إِذْ هَبْ بِكِيتِي
 هَذَا فَالْقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا
 يَرْجِعُونَ ⑩ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِلَى الْفَى إِلَيَّ
 كِتَابٌ كَرِيمٌ ⑪ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝۳۰ أَلَّا تَعْلَمُوا عَلَىٰ وَاتُؤْنِفُ

مُسْلِمَيْنَ ۝۳۱

ترجمہ:- اور خبر لی (سیدان علیہ السلام نے) پرندوں کی ۔ پس کہا کیا ہے کہ میں نہیں دیکھتا جہم کو ۔ کیا وہ غائب ہے ؟ ۝۲۰ میں اس کو سخت سزا دوں گا یا میں اُس کو ذبح کر دوں گا یا وہ لائے میرے پاس کوئی کھلی سند ۝۲۱ پس ٹھہرا تھوڑی دیر اور کہا (جہم نے) میں نے معلوم کی ہے وہ بات جو آپ کو معلوم نہیں ۔ اور لایا ہوں میں آپ کے پاس ملکِ سبا سے ایک یقینی خبر ۝۲۲ میں نے پایا ہے ایک عورت کو اُن کی ملک ۔ اور دی گئی ہے وہ ہر چیز سے ۔ اور اس کا بہت بڑا تخت ہے ۝۲۳ پایا میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کے سامنے اللہ کے سوا ، اور مزین کر دیا ہے اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو پس روکا ہے اُن کو سیدھے راستے سے ۔ پس وہ نہیں راہ پاتے ۝۲۴ کیوں نہیں سجدہ کرتے وہ اللہ کے سامنے جو نکات ہے پوشیدہ چیز کو آسمان اور زمین میں ۔ اور جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو ۝۲۵ وہ اشر ہے ۔ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا ۔ وہ عرشِ عظیم کا ملک ہے ۝۲۶ کہا (سیدان علیہ السلام نے) ہم دیکھیں گے کہ ترساج کہتا ہے یا مجھوٹ بولتا ہے ۝۲۷ لے جاؤ میرا یہ خط اور ڈال دو اس کو اُن کی طرف ۔ پھر پلٹ کر بہٹ جاؤ اُن

سے اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (۲۸) کہ (مکہ نے) لے کر بارہو! بیشک ڈالا گیا ہے میرے پاس ایک خط عربت والا (۲۹) یہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم (۳۰) کہ نہ آؤ میرے مقابلے میں۔ اور آؤ میرے پاس فرمانبرداری کرتے ہوئے (۳۱)

بط آیات

گزشتہ درس میں ایک چینیٹی کا حال بیان ہوا۔ سلیمان علیہ السلام چینیٹی کی بات سن کر مسکرائے اور پھر ان انعامات کا شکریہ ادا کیا جو اللہ نے آپ پر اور آپ کے والدین پر کر رکھے تھے۔ آپ نے اللہ سے اس کے پسندیدہ نیک اعمال کرنے کی توفیق بھی طلب کی اور ایک خصوصی دُعا یہ کی کہ پروردگار! مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کھو۔ جانوروں اور پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ لوگ زحمتِ الانعام یعنی اونٹ، گھاتے، بھیلے اور بکری سے، دودھ، بال اور کھالیں حاصل کرتے ہیں۔ بعض جانوروں سے باربرداری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ بعض وحشی جانوروں کو باقاعدہ سہا کر ان سے بھی خدمت لی جاتی ہے۔ ریتھچہ کو تربیت دے کر اُس سے کام لیا جاتا ہے۔ پرندوں میں باز اور شکرے وغیرہ سے شکار کیا جاتا ہے۔ گدھے اور خچر وغیرہ خاص باربرداری کے کام آتے ہیں۔ قدیم زمانے میں کبوتر سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔ کتوں کو سہا کر ان سے شکار کیا جاتا ہے اور وہ چوکیداری کا کام بھی کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان جانوروں اور پرندوں سے قدیم زمانے سے خدمت لیتے آئے ہیں۔

ہڈ کی
غیر ماضی

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے یہ خاص انعام عطا فرمایا تھا کہ ہوا، پرندے، اور جنات آپ کے تابع کر دیے تھے جن سے وہ حسب ضرورت کام لیتے تھے۔ تراسی سلسلے میں آج کے درس میں ایک پرندے ہڈ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ سلیمان علیہ السلام ضرورت کے مطابق پرندوں اور جنات کی ماضی بھی لیتے تھے اور پھر

بعض ہمارے بھی ان کے سپرد کرتے تھے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَتَفَقَّدَ الطَّيْرُ
اور سیاحان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی۔ تَفَقَّدَ کا معنی دیکھ بھال کرنا، غامضی لینا یا
باز نہیں کرنا ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں کی تَفَقَّدَ
دیکھ بھال کیا کرتے تھے، پوچھ گچھ ہوتی تھی کہ کہیں لوگ غافل نہ ہو جائیں بلکہ ہر وقت
مستعد رہیں۔ اسی طریقے سے سیاحان علیہ السلام نے ایک موقع پر تمام پرندوں کو جمع کیا۔
اور ان کی حاضری لی۔ غالباً اس وقت آپؐ ہڈی پرندے سے کوئی کام لینا چاہتے
تھے مگر وہ نظر نہ آیا۔ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدًى هُدًى لَّوْأُتِیَ لَمْ یَأْتِ
ہے، کہ مجھے ہڈی نظر نہیں آ رہی ہے اس پرندے کے متعلق مشہور ہے کہ اللہ نے اس کو
ایسی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ اسے زیر زمین پانی نظر آجاتا ہے اور یہ اس کی نشاندہی کر
دیتا ہے، اس موقع پر بھی سلیمان علیہ السلام مع لشکر کہیں جا رہے تھے، پانی کا ذخیرہ ختم ہو
چکا تھا اور پانی کی تلاش کے لیے ہڈی کی خدمات کی ضرورت تھی کہ وہ کسی جگہ زیر زمین
پانی کی نشاندہی کرے تو جنات کے ذریعے فوراً نکلوا لیا جائے، مگر ہڈی نظر نہیں آ رہی تھی۔
کامل، مبروطے نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ہڈی کو
زمین کے مومن نیچے تو پانی نظر آجاتا ہے مگر زمین کے اوپر اس کے لیے لکھا گیا حال اُسے
کیوں نہیں نظر آتا؟ انہوں نے جواب دیا: إِذَا جَاءَ الْقَدْرُ عَشِيَ الْبَصَرُ جب
اس کی تقدیر آجاتی ہے تو پھر اس کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے، اُسے قریب پڑا حال بھی
نظر نہیں آتا۔

بہر حال سیاحان علیہ السلام نے ہڈی کو نہ پا کر کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھے ہڈی نظر
نہیں آ رہی ہے أَفَرَأَى مَنْ الْغَائِبِينَ کیا وہ غائب یعنی غیر حاضر ہے؟
کہنے لگے، اگر ایسی بات ہے لَا عَذَابَ لَهُ عَذَابًا شَدِيدًا تو میں اُسے سخت
سزا دوں گا، أَوَلَا ذُبْحَنَ یا میں اُسے ذبح ہی کر ڈالوں گا۔ أَوَلَيْسَ لِي بِسُلْطٰنٍ
میں نے یا اللہ نہ اسے کچن چاہتا ہے تو کوئی کھلی دلیل پیش کرے یعنی اپنی غیرت
کا کوئی معقول عندر پیش کرے۔

ہر ایک مشہور جانور ہے جسے عربی، اردو اور پنجابی وغیرہ میں ہڈی کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبی چونچ ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ زمین کو گریہ کرتا ہے اور وہاں سے کیڑے مکوڑے نکال کر کھاتا ہے۔ مٹائے رنگ کے اس پرندے کو اندر کے پرواز کی بڑی قوت عطا کی ہے یہ بڑی لمبی حتیٰ کہ سینکڑوں میل تک کی اڑان کر سکتا ہے مصر اور فلسطین وغیرہ کے علاقے میں سردی کے موسم میں عموماً پایا جاتا ہے، بعض پرندے دور دورے اڑ کر یہاں بھی آ جاتے ہیں۔ روس اور چین کے علاقے سے بعض چڑیاں سخت سردی سے بچنے کے لیے ادھر آ جاتی ہیں اور لوگ ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ اندر نے انہیں ایسی قوت پر واز بخشی ہے کہ اس میں رکاوٹ پڑنے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ تھک گئے تو ذرا سستایا اور پھر چل پڑے برخلاف اس کے موجودہ دور کے نیز فائر ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ کی اڑان بھی خطے سے خالی نہیں ہوتی اور آئے دن ان کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی ابھی امریکہ کی چینجز نامی خلائی شہل پرواز کے فوراً بعد حادثہ کا شکار ہو گئی جس میں دو عورتوں سمیت سات جانیں ضائع ہو گئیں اور اس خلائی شہل پر خرچ آنے والی کم از کم ڈالر کی رقم ضائع ہو گئی۔

امام دسوی نے حیات النحیون میں سمجھا ہے کہ ہر جانور میں ہے۔ "بود و شرف" میں اس کا گوشت کھانے کی مانعت آتی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ پرندہ دائرہ نکالنا پسند وغیرہ ترکھانا نہیں، محض کیڑے مکوڑے کھاتا ہے، لہذا اس کے گوشت سے بدبو آتی ہے اور ناپسندیدہ کہ بدبو اور چیز کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر روٹی، سالن یا چاول وغیرہ بدبو دینے لگیں تو ان کا استعمال جائز نہیں رہتا۔

مکہ مدینہ
تعلق خبر

بہر حال سلیمان علیہ السلام نے ہر ایک کی غیر حاضی کا نوٹس یا فمکت غین بعید پس زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہڈی اچھا فقا اور کہا اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ میں نے ایک ایسی بات کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ نے نہیں کیا، یعنی اے سلیمان علیہ السلام میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس سے آپ بے خبر ہیں وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بَنِيَّ تَقِيْنَ اور میں آپ کے پاس مکہ سے ایک یقینی خبر لایا ہوں، چوٹی کی حریت ہڈی کا عقیدہ

اس مائدہ اور اس کی قوم کو سورج کے سامنے سجدہ کرتے پایا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر گویا کہ قوم سب سورج پرست مشرک تھی حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں تجر، تجر، چرند، پرند سب اللہ ہی کی تسبیح بیان کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَأَتْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ رَبِّیْ اِسْرَیْل ۴۴ کائنات کی ہر چیز اُسی کی تعریف بیان کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانا جائے سورج پرست مصر میں بھی تھے اور ایران میں بھی سورج کی پوجا کرنے والے برصغیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کراچی کے مجوسی اب بھی طلوع شمس کے وقت ہمنہ رکے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور طلوع کے وقت سورج کو سجدہ اور سلام کرتے ہیں۔ اسی لیے ہماری شریعت میں سورج کے طلوع و غروب اور عین استوا کے وقت سجدہ کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ بہر حال بہہ نے بتایا کہ جس قوم کا وہ ذکر کر رہا ہے، وہ سورج پرست ہے۔ مکہ کے متعلق مفسرین اور مؤرخین نے طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس کا اصل نام بقیس تھا جو سب پر حکومت کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کا باپ کسی سردار کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بالآخر اُس نے ایک جتہ (جن عورت) سے شادی کی جس سے بقیس پیدا ہوئی، اللہ نے جنات کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ انسانی شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بقیس کے باپ نے کسی ایسی ہی جن عورت سے شادی کر لی ہو۔ پھر بقیس کی نسبت ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ لہذا اُس نے اس شخص کو راستے سے ہٹا دیا اور خود حکمران بن گئی۔ یہ سب تفسیری اور تاریخی روایات ہیں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا واللہ اعلم۔ ایسے ہی دیگر حالات و واقعات سے قطع نظر بقیس ایک زہین و فطین عورت تھی۔ اس کے پاس بڑی فوج تھی۔ پارلیمنٹ اور مصاحب تھے جن سے وہ امورِ سلطنت میں مشورے کرتی رہتی تھی۔

بہہ نے ایک تو قوم سبائی سورج پرستی کی خبر دی اور دوسری بات یہ بیان کی وَزَّيْنَتَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ اُس مشرک قوم کے اعمال کو شیطان

نے اُن کے لیے مزین کرد رکھا ہے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے شیطان اس کی تصدیق کرتا ہے کہ تم بہت اچھا کام کر رہے ہو لہذا وہ سورج پرستی سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچاننے کی بجائے سورج پرستی کو ہی حقیقت سمجھ رہے ہیں فَصَدَّ هُمْ عَنْ السَّبِيلِ اور اس طرح شیطان نے اُن کو سیدھے راستے سے روک رکھا ہے۔ مہرے کا فہم لَا يَهْتَدُونَ وہ ہدایت نہیں پاتے۔ غلط راستے پر چل کر صحیح راستے سے محروم ہو چکے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام اس مشرک قوم کے خلاف کارروائی کریں۔

بعض پرہیزگاروں کے دہریے اس سلسلے میں کچھ پرندے کا بیان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر ہڈی کوئی آدمی تھا جس نے یہ ساری خبر اکبر سلیمان علیہ السلام کو دے رکھی، حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر جنات پر پڑھنے اور جو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے تھے اور آپ اُن سے کام بھی لیتے تھے لہذا پرندے کی زبانی اس قسم کی گفتگو بالکل قرین قیاس ہے اور انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہر ہڈی
توحید پرستی

ہمیں پیش کیے۔ کہنے لگا اَلَا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْثَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قوم سب کے لوگ کیوں نہیں سجدہ کرتے صرف اللہ تعالیٰ کی جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمانوں میں پوشیدہ پانی نازل کر کے اُس سے طرح طرح کی سبزیاں اُگاتا ہے۔ زمین کے نیچے سے پانی تیل، لوہا، سیسہ، سونا، چاندی اور دیگر معدنیات نکالتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ اور ہر اُس چیز کو جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ قادر مطلق اور عظیم کل ہے۔ ایسے نندازہ قدوس کو چھوڑ کر قوم سب سورج کی پوجا یوں کرتی ہے؟ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کیوں سجدہ ریز نہیں ہو جاتی؟ بدہمن نے مزید کہا اللہ کی ذات وہ ہے اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر قسم کی عبادت

کے لائق صرف اور صرف وہی ذات ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اور عرشِ عظیم
کا مالک بھی وہی ہے، پھر ہندسروں کے سامنے کیوں سجدہ کرتے ہیں فَقَالَ احْطُثْ
سے لے کر یہاں تک سارا بیان بہہ کا ہے۔ اُس نے ایک طرف تو یہ سب کے شرک
کی نشاندہی کی تو دوسری طرف دلائل توحید بھی بیان کر دیے۔ جب اللہ کی ادنیٰ مخلوق پر یہ
بھی توحید خداوندی کو تسلیم کرتے ہیں تو انسان جو اثراتِ المخلوقات ہے اس کا تو بطریق
اولیٰ فرض ہے کہ وہ توحید خداوندی کو تسلیم کرے اور ہر قسم کے کفر اور شرک سے باز رہے۔

خطبہ
مکہ مبارکہ

بہہ کا یہ سارا بیان سننے کے بعد قَالَ سَلَامٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے کہا سَنَنْظُرُ
أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِینِ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو اپنی بات
میں سچا ہے یا تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اس سے پیشتر سلیمان علیہ السلام بہہ کو سخت
سزا دینے یا فرج کر ڈالنے کا اعلان کر چکے تھے تاوقتیکہ وہ کوئی معقول عذر پیش نہ
کرے۔ اب جبکہ اس نے عذر پیش کر دیا تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ابھی تمہاری
اس خبر کی تصدیق کیے لیتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ بہہ سے کہنے لگے۔
إِذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا مِیْرَی یہ چمپی لے جاؤ فَالْقَهْرُ إِلَیْہُمْ وراے
تو سب کے لوگوں کے سامنے ڈال دو، میرا یہ خط ان تک پہنچاؤ ثُمَّ لَوْ لَکُمْ عَنْہُمْ
پھر ان سے پیچھے ہٹ آؤ فَانْظُرْ مَاذَا یَجْعُوْنَ اور دیکھو کہ وہ اس خط کا
کیا جواب دیتے ہیں۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ بہہ فوراً خط لے کر مکہ مبارکہ کے محل پر
پہنچا اُس وقت گھر کے دروازے تو بند تھے البتہ ایک رشتہ دار کھلا تھا، جس کے
راستے وہ مکہ کی خواجگاہ میں داخل ہو گیا۔ خط اُس کے سینے کے قریب رکھ دیا اور پیچ
انسی روشتہ ان کے راستے باہر نکل آیا۔

جب مکہ منید سے بیمار ہوئی تو اُس نے اپنے قریب خط پڑا پایا۔ اس نے اپنے
تمام درباریوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے اس طرح گویا ہوئی۔ قَالَتْ
يَا أَيُّهَا الْمَلَأَیْنِ الْفِی الْحِیْ کِتَابُ کَرِیْمٍ کہنے لگی، اے میرے
دربارو! میرے پاس ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خوبصورت سر مہر
لے اس آیت پر قرآن کریم کا افعال سجدہ تلاوت ہے (فیاض)۔

لفافے میں عمدہ طریقے سے لکھا ہوا شاہی خط تھا جس سے ملکہ نے انازہ لگایا کہ یہ کسی معزز شخصیت کی طرف سے آیا ہے، چنانچہ اس نے اسے باعزت خدمت قرار دیا اور بتایا اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف سے وصول ہوا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اصل مضمون کے علاوہ اس خط میں سلیمان علیہ السلام نے اپنا تعارف بھی کر دیا تھا، اور اس کے بعد اس طرح لکھا: اِنَّهُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰ بِحَبْلِ الْإِسْلَامِ یہ خط اللہ کے نبی سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کی طرف سے ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ اس قسم کے تبلیغی خطوط حضری علیہ السلام کی سیرت میں بھی ملتے ہیں جو آپ نے اطراف کے بادشاہوں اور دیگر اعلیٰ شخصیتوں کو تحریر فرمائے۔ آپ کے بنی ہر خط کا آغاز مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ سے کیا اور آگے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ الرَّزَّاقِ غَیْرہ لکھا یعنی اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روم کے عظیم ہستیوں کی طرف، اور پھر اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے اَللّٰهُمَّ عَلٰی مَنْ اَتٰ بِحَبْلِ الْإِسْلَامِ کے الفاظ بھی تحریر کروائے۔ بہر حال سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی خط بلقیس کے سامہ بھیجا۔

خط کا مضمون

ملکہ سبائے خط بھیجنے والے کا تعارف کرنے کے بعد اس کا مضمون پڑھنا شروع کیا اِنَّكَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کہ اس خط میں لکھا ہے شروع ہر نام سے جو نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے یہ گویا مضمون کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ کی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قرآن پاک کی ایک آیت کے طور پر آتی ہے۔ البتہ قرآن پاک کے ہر نسخہ میں ہر سورۃ کی ابتدا میں بھی پوری بسم اللہ تحریر ہے۔ فقہانے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہر سورۃ کی ابتدا والی بسم اللہ قرآن پاک کا حصہ ہے یا نہیں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر آنے والی بسم اللہ کے علاوہ صرف ایک دفعہ قرآن کی آیت ہے اور ہر سورۃ کی ابتدا میں لکھی جانے والی قرآن کا حصہ نہیں ہے البتہ دیگر حضرات اس مقام پر بھی اور ہر سورۃ کی ابتدا والی بسم اللہ کو بھی قرآن کا

حصہ تصور کرتے ہیں۔ بہر حال خطہ کا مضمون یہ تھا اَلَّا تَقْلُدَ عَلٰی قَوْمٍ بِ
کے لوگو! میرے سامنے مکرتی اختیار نہ کرو، میرے مقابلے میں نہ آؤ والتوکل
مُسْلِمِیْنَ بلکہ اطاعت گزار بن کر میرے پاس چلے آؤ، عجب یہ تھا کہ کفر
وشرک کو چھوڑ کر صحیح دین اختیار کر لو۔ اب اگلی آیت میں اس خطہ پر رد عمل کیا
 کا ذکر آ رہا ہے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِ فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوْنَ ۖ ۳۲ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوْا قُوَّةً وَأَوْلُوْا بِأَسِ شَدِيْدَةٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ۖ ۳۳ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوْا أَعِزَّةً أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۖ ۳۴ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرَۥ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۖ ۳۵

ترجمہ:- (کہ سب نے) کہا، اے درباریو! مجھے رائے دو میرے معاملے میں۔ میں نہیں ہوں قطعی فیصلہ کرنے والی کسی معاملے کا یاں تک کہ تم حاضر ہو ۳۲ انہوں نے کہا، ہم لوگ طاقت والے ہیں، اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں۔ پس تم دیکھو کہ تم کیا حکم دیتی ہو ۳۳ اُس نے کہا جب بادشاہ کسی ہستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہیں کے باعزت لوگوں کو ذلیل اور وہ اسی طرح کرتے رہتے ہیں ۳۴ اور بیشک میں بھیجنے والی ہوں اُن کی طرف کچھ دینے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ فرستادہ لوگ کیا جواب لے کر آتے ہیں ۳۵

رہنمائیات ہد ہ نے سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ ملک سب کے لوگ اور خود حکم سورج پرست

ہیں۔ کفر و شرک میں مبتلا ہیں اور ان کے بُرے اعمال کو شیطان ان کو مزین کہہ کے دکھاتا ہے
 لہذا وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے سے قاصر ہیں۔ نیز یہ کہ وہ لوگ خدا نے دمدۃ لا شریک
 کے سامنے سجدہ و تہنیت نہیں ہوتے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے اور مخفی چیزوں کو آسمان
 زمین سے نکالتا ہے، وہی معبود برحق ہے، وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ یہ خبر سن کر سیماں
 علیہ السلام نے اس کی تصدیق کرنے کا فیصلہ کیا اور اسی بہرے سے فرمایا کہ میرا یہ خط لے
 جا کر ملک کے سامنے ڈال دو، پھر دیکھیں گے کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم
 نے وہ خط ملک سب کو اُس کے خاص کمرے میں پہنچایا خط کا مضمون گذشتہ درس میں گزر
 چکا ہے کہ اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا گیا تھا اور قومِ سب سے کہ گیا تھا کہ
 تم میرے مقابلے میں نہ آنا بلکہ اطاعت کرنا رہن کر میرے پاس چلے آؤ۔

ملکہ سبکی
 مشورہ طلبی

جب ملک نے یہ خط پڑھا تو اس سے اس معاملہ میں اپنے درباریوں سے مشورہ
 لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ تمام عمائدین کو دربار میں جمع کر کے کہنے لگی قَالَتْ يَا أَيُّهَا
 الْمَلِكُ أَفْتُونِي فِي أَمْرٍ لِي سَمِعْتُ بِأُورْدَةِ لُوكَا مِيرَاثِ اس معاملہ میں مجھے مشورہ
 دو۔ اس مضمون کا خط آیا ہے اب تم بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے کیونکہ مَا كُنْتُ
 قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِي میں اس معاملہ میں ذاتی طور پر کوئی فیصلہ کرنے
 کے حق میں نہیں ہوں جب تک کہ تم حاضر ہو کر مجھے مشورہ نہ دو۔ ملکہ صاحب اختیار
 اور عیا کہ آگے آرہے عمائدین حکومت اس کے ہر حکم کی تعمیل پر کمر بستہ تھے۔ مگر
 ملکہ درباریوں کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا
 کہ ملکہ کا نظامِ حکومت استبدادی نہیں بلکہ شوریٰ تھا جو کہ ایک نیک فاس ہے۔
 پرانے زمانے میں ملکیت یا ڈکٹیٹر شپ عام تھی۔ بادشاہ مسلمان ہو یا غیر مسلم
 اُس کی زمانہ سے حکام و اہل نظر قانون کی حیثیت رکھتا تھا جس کے خلاف نہ کوئی
 داد ہوتی نہ فریاد۔ بادشاہ کوئی بھی ملکی فیصلہ کرنے کے لیے کسی وزیر، مشیر، دانشور،
 عالم، فقیہ یا مفسرِ دان کے مشورہ کا پابند نہیں ہوتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر امر و
 بشر غریب و عیا پر ظلم و ستم کا بازار گرم رکھتا اور انہیں اپنی آزادی کیلئے سوچنے کا

ڈکٹیٹر شپ
 اور مغربی
 جمہوریت

موقع بھی نہ دیتا۔ آج بھی دنیا میں اس قسم کے نظام موجود ہیں جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ایک لفظ تک سنا برداشت نہیں کرتے۔ ایسے لوگ ہوس ملک گیری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے مقابل آنے کا شبہ بھی پڑ جائے تو اس کو تیس دنوں کے رکھ دیتے ہیں۔ روس، چین اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں اسی قسم کی ڈکٹیٹر شپ رائج ہے کہیں روس اور چین مسلمانوں کے گڑھ ہوا کرتے تھے، مگر بے دین حاکموں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی، وہاں کی مسجدیں گرا دی گئیں، کتابیں ضائع کر دیں اور دینی مدرسے ویران کر دیے۔ اب ان ممالک میں آزادی کی لہر پھیل اٹھی ہے تو حکمران طبقہ کے بھی ہوشیار بننے کا وقت آئے ہیں۔ ان کو بھی آزادی کی صبح طلوع ہوتی نظر آرہی ہے ورنہ انہوں نے چینی ثقافتی انقلاب کے دس سال بڑی کمپری میں گزائے، ملکیت کے زمانے میں امریکہ میں بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ سیاہ فام مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پھاڑ توڑے جاتے رہے ہیں، ملکیت کی تاریخ ہی یہ رہی ہے کہ اپنے مقابلے میں زباں پیسے کو برداشت کرتا ہے اور نہ بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور ہوس اقتدار کے سوا ان کے نزدیک ہر چیز بیچ ہوتی ہے۔

آج کل دنیا میں جمہوریت (DEMOCRACY) کا بڑا چرچا ہے مگر یہ بھی اسلامی نظام حکومت سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لیدر کی ایجاد کردہ اس لعنت میں آدمیوں کو گناہ تو جاتا ہے مگر تو لائیں جانا۔ یعنی ہر عالم، جاہل، منہمند اور مذہور ایک ہی پٹری میں ڈال دیے جاتے ہیں اور پھر فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ اس نظام میں اہل اور نااہل میں کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا، اور یہی اس نظام کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ یہ کثرت رائے کا نتیجہ تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ نے دو بالغ مردوں کے آپس میں لواطت کے فعل کو جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا۔ کسی زمانے میں امریکہ والوں نے کثرت رائے سے یہ قانون منظور کیا تھا کہ شراب کی کثیف فروخت اور خرید کوئی جرم نہیں۔ مغربی جمہوریت کی اسی خرابی کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا

بترس از طرز جمہوری غلام بختہ کارے شو

کہ از مغیر دوصد خرفہ انسان نمی آید

ایسی جمہوریت سے دور بھاگو اور کسی اچھے اور بچہ کار آدمی کے مابعد بن جاؤ کیونکہ
دوسو گدھے مل کر بھی ایک انسانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اسلامی شوریٰ
نظام

ان دو مذکورہ نظاموں کے برخلاف اسلامی نظام حکومت شوریٰ بھی ہے
اور اس میں جمہوری قدریں بھی پائی جاتی ہیں، مسلمانوں کا خلیفہ یا حاکم مستبد نہیں ہوتا، نہ
وہ اپنی من مانی کرتا ہے بلکہ ہر انتظامی معاملہ میں اپنی شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے
اسلام میں ارباب حل و عقد سے مشاورت اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے اپنے نبی
کو بھی اس کو پابند بنادیا ہے **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ**
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران - ۱۵۹) ایہ معاملہ جس کے متعلق دمی نہ آئی ہو،
اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا کریں، پھر حیب باہمی مشاورت سے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں
تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ کام کر گزریں، فقہائے کرام اس مسئلہ میں بحث کرتے
ہیں کہ اسلامی نظام حکومت میں مشورہ لینا واجب ہے یا محض مستحب جس سے علماء دین
کی دھجوائی مطلوب ہو۔ مفسر قرآن ام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت حاکم کے
لیے مشورہ لینا واجب ہے، ظاہر ہے کہ خود پیغمبر اسلام کے لیے ضروری ہے، تو
دوسرے لوگ کس شمار میں ہیں البتہ کسی ایسے معاملہ میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہے جس
کو اللہ نے اپنی کتاب میں یا پیغمبر نے اپنی زبان سے حل فرمایا ہو مثلاً شراب اور جوئے
چوری اور دہشتی، جھوٹ اور غیبت، زنا اور لواطت وغیرہ معاملات کے جو زیادہ حرج
کے لیے کسی مشورے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کا فیصلہ تو خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا
ہے، لہذا ایسے معاملات میں اگر ساری دنیا بھی مل کر کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہے،
چاہے تو نہیں کر سکتی، یہاں مشاورت نہیں چل سکتی، اسی طرح کوئی پاسبان کہ اس بات
پر شے شمار کی گئی ہے کہ نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں، روزہ ضروری ہے یا نہیں، حج
ماقظ ہو سکتا ہے یا نہیں یا زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہوئی چاہیے یا نہیں۔ یہ بات شدہ

معاہدہ میں اور ان پر کوئی سولے بازی نہیں کر سکتی مشاورت ایسے معاہدہ میں ہوگی جہاں کسی ایسی
خوش ہوگی یا غیر کا فرمان و جوہر نہیں ہوگا۔ یہی اسلامی نظام حکومت کی اصل روح ہے۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ آپس میں مشورہ کر لیا کر دو کہ اس میں نقصان
نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہی ہوتا ہے جب بہت سے لوگ مل کر اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے
ہیں تو صحیح بات کھل کر سامنے آجاتی ہے حضرت علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس نے
مشورہ کیا۔ وہ بھی پشیمان نہیں ہوگا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خلفائے راشدین
اور اصحابِ حل و عقد سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے۔ اور فیصلہ شدہ معاملات
پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ وہاں مشورے کی ضرورت نہیں مشورہ کرنے سے تو موقع کھل جاتا
تو امت نے مطابق صلح و جناس سے معاملات میں مشورہ کر دیا۔ دوسری اقوام سے تعلقات
کے قیام سے بے آپس میں مشورہ کر دیا۔ اللہ نے قرآن میں اہل ایمان کی یہ تعریف فرمائی
ہے **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** (الشوریٰ ۳۸) ان کے معاملات
آپس میں مشاورت طے پاتے ہیں۔

دربارِ رسول
کا مشورہ

بہر حال ملہ جانے جب اپنے علمائین سے مشورہ طلب کیا **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ**
اگرچہ قویٰ تودہ تے لگے کہ محمد بنی سے طاقتور ہیں۔ ہمارے پاس فوج اور پولیس
ہے جو ہر قسم کے تنبیہاؤں سے لیس ہے۔ رسد و کمک کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ہمارے
پاؤں بہرین ضرب و حرب موجود ہیں۔ **إِنذُوا أُولَٰئِكَ بِأَنَّهُمْ يُخَافُونَ**
جن جن لوگوں میں۔ لڑائی میں پشت پیچہ کر جاتے تو انہیں میں۔ ہم آپ کے ایک شریک
ہر جنگ میں کہہ سکتے ہیں اسکے ہر دروازے **وَالْأَمْرُ لِلَّهِ فَخُطْبِيَ مَاذَا أَنَا مَوْئِي** معاملہ تمھارے : تودہ
میں ہے یعنی جنگ کا فیصلہ کرنا تمھارے اختیار میں ہے ہم تو تعیناً تمھارے لیے ہمارے
تیار ہیں اور اگر آپ جنگ کی بجائے صلح و سخاوت کا فیصلہ کریں تو ہم بھی حاضر
ہیں۔ بہر حال ان لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق رائے دی مگر فیصلہ مکہ پر
ہی چھوڑ دیا۔

مکہ کے خیالات اس کی دانستہ ہی کو ظاہر کرتے تھے۔ کہنے لگی **قَالَتِ ابْنَتُ**

الْمَلِكُ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا جَبَ فَاتِحُ بَادِشَاهُ كِسِي مَلِكِي
 داخل ہونے میں ترائیں کو غریب کر دیتے ہیں۔ وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا إِذْلَةً
 اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ
 اور یہ طریقہ پر وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی جس کی ساری
 دنیا شہد ہے۔ ہزاروں سال سے جنگ و جدل ہاتھی سی نکلتا آ رہا ہے کہ مفتوح قوم
 کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی ہے ملک اپنے مد مقابل کو کبھی برداشت نہیں کرتے
 کسی پر ذرا بھی شہرہ پڑ جانے تو اسے تھس تھس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ فرعون کے اوقات
 سے کبھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا
 تھا۔ فروردہ بھی یہی شیوہ تھا۔ مابعد زمانے میں چنگیز اور ہنگو کے منظم کسے یاد
 نہیں۔ پھر انگریز کی باری آئی تو اس نے بھی ظلم و ستم زمانے میں کمی نہیں کی۔ چونکہ گریزوں
 نے برصغیر میں مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو وہ ہمیشہ دبا کر رکھتے
 تھے، چنانچہ انگریز کے ابتدائی دور میں بے شمار مسلمان مارے گئے، اور بہت سوں نے
 قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دہلی میں کنگ ایڈورڈ روڈ پر اکبری مسجد تھی جس
 کا بعد القادر نے بارہ سال تک اس عتبات میں مسجد کو پیدا یا محاورہ ترجمہ قرآن لکھا تھا۔
 انگریزوں نے یہ مسجد ہی گمادی تھی، جس کا آٹھ نام و نشان تک باقی نہیں بچا۔ غازیہ ممد
 نے اپنے تجربے کی بنا پر ان خیالات کا اظہار کیا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ہمارے پاس
 آج بھی آئے، تو ہم لوگ اس کے آگے بڑھیں گے۔ لہذا اس خط کو جواب کسی بہتر
 طریق سے دینا چاہیے نہ کہ نور اعلان جنگ کر دیا جائے۔

مکمل و ف
 سے جماعت

چنانچہ مکہ سب نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آواز دے دی یہ فیصلہ نسب
 وَآتَى مُرْسَلَهُ إِلَيْهِمْ بِهِدِيَّةٍ مِّنْ أُنْ كِطْرَةٍ كَچھو تحائف بھیجے والی ہوا۔
 قَنْظَرَةٌ كَيْمَ يَرْجِعَ الْمُرْسَلُونَ بِسِ دِجھتی۔ ان کو میرے بھیجے ہوئے
 لوگ کیا جواب لائے ہیں۔ مکہ سب یہ مقصد یہ تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ہو کہ فرمے۔
 منصب آدمی سے توروہ تحفے تمہارے کو بخش دو جائے گا اور تمہارا اس کو ہوا ہو۔

اگر وہ کوئی اچھا آدمی ہے تو پھر اس کے ساتھ اچھے طریقے سے پیشا جائے گا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مکہ نے تحفے میں پانچ سو لونڈیاں، پانچ سو غلام اور سونے کی پانچ سو اینٹیں سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کیں۔ یہودی روایات میں چھ ہزار لونڈیوں اور خوبصورت غلاموں کا ذکر آتا ہے۔ یہ سارا مال بحری راستے سے کشتیوں میں لاؤ کر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا۔

درس انا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دی کہ مکہ سباؤں کے لیے اس قسم کے تحائف بھیج رہی ہے۔ آپ نے اپنے دربار کے جنات کو نیکم دیا کہ زمیں کی مسافت تک ایسی سڑک بنادی جائے جس کا فرش سونے کی اینٹوں کا ہو۔ پھر سڑک کے کنارے ایسے جانور گھڑے کر دیے گئے جن کا بول و براز سونے کی اینٹوں پر پڑتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کی بھی از سر نو تزئین کی۔ وہاں پر مختلف عمائدین حکومت کے لیے سونے کی بنی ہوئی کرسیاں اور صوفیہ سیٹ لگنے غرضیکہ انہوں نے حیرت انگیز طریقے سے شاہی دربار کو سمجایا۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ سبا کا قافلہ مکہ کو رہا تو تحائف کے قریب پہنچا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم تو سونے کی صرف پانچ سو اینٹیں لانے میں جبکہ یہاں تو زمیں بسی سڑک ہی سونے کی اینٹوں سے بنائی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے تحائف کو سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں بالکل حقیر سمجھا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سونے کی پانچ سو اینٹیں وہیں پھینک دیں کہ انا معمولی سا تحفہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں کیسے پیش کریں گے! پھر جب وہ شاہی دربار میں پہنچے تو وہاں کی تزئین و آرائش اور دربار کے انتظامات دیکھ کر کہہ سکتے ہیں آگے کہ ہم تو تحائف کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کو مغموب کرنا چاہتے تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ بہر حال جب شاہی قافلہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچا تو آپ نے ان کا باوقار طریقے سے باعزت استقبال کیا، ان کو بہترین جگہوں پر بٹھایا اور ان کی خاطر مدارت کی۔ اب اگلی آیات میں واقعہ کا اگلا حصہ آ رہا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنَ قَالَ ائِمَّدُونِي بِمَا لِي مِنْ مَّا
 آتَيْنِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا اتَّكُمُ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدْيَتِكُمْ
 تَفْرَحُونَ ۚ (۳۶) اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ
 لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ۚ (۳۷)
 قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ
 يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۚ (۳۸) قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا
 آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ
 لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۚ (۳۹) قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ
 أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا
 رَآهُ مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي
 ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ
 لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۚ (۴۰)

ترجمہ :- پھر جب آیا (ملکہ سبا کا قاصد) سلیمان علیہ السلام کے

پاس تو آپ نے کہا، کیا تم میری مدد کرتے ہو مال کے ساتھ

پس جو اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے اُس سے جو تمہیں

دیا ہے۔ بلکہ تم لوگ اپنے تحائف کے ساتھ خوش ہو (۳۶) واپس جاؤ اُن کی طرف

پھر ہم لائیں گے ان کے مقابلے میں ایسا لشکر کہ اُن
 میں اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہو گی۔ اور ہم نکالیں
 گے اُن کو اُس سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں
 گے (۳۷) کہا (سلیمان علیہ السلام نے) اے دربار والو! تم میں
 سے کون ہے جو لائے میرے پاس اُس کا تخت قبل
 اس کے کہ وہ آئیں میرے پاس اطاعت گزار بن کر (۳۸)
 کہا ایک سرکش جن نے کہ میں لاتا ہوں اُس کو آپ کے
 پاس قبل اس کے کہ آپ کھڑے ہوں۔ اپنے مقام سے اور
 میں اس پر قوی اور امانتدار ہوں (۳۹) کہا اُس شخص نے جس
 کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں لا دیتا ہوں آپ کو یہ
 تخت قبل اس کے کہ پہلے آپ کی نگاہ آپ کی طرف
 رہے ایسا ہی ہوا، جب دیکھا (سلیمان علیہ السلام نے) رکھا ہوا وہ
 تخت اپنے پاس تو لے لیا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل سے
 ہے۔ وہ مجھ کو جانچنا چاہتا ہے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا
 ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے، وہ اپنی ذات کے
 لیے کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے، پس بیشک میرا
 پروردگار غنی اور عزت والا ہے (۴۰)

مکہ سببانے اپنے درباریوں سے سلیمان علیہ السلام کی طرف سچو خط کا ذکر کیا اور ان سے
 مشورہ طلب کیا کہ ہمیں اس خط کا کس طریقے سے جواب دینا چاہیے۔ درباریوں نے
 کہا کہ ہمارے پاس جدید اسلحہ سے لیس بہترین فوج ہے۔ رسد و ملک کی بھی کمی نہیں
 یعنی ہم خط بھیجنے والوں سے ٹکر لینے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔ مگر فیصلہ تیرے
 ہاتھ میں ہے۔ جو تو چاہے گی ہم تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد مکہ نے یہ رائے ظاہر

رہنمائی

ان کے اس حالہ آجانی سے کہ جب بھی کوئی بادشاہ کسی دور کے ملک پر حملہ آور ہو جائے تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے دیتا ہے اور اجنبات کوئی اچھی چیز نہیں، اس سے حتیٰ اگر مہن بچنا چاہیے، مگر نہ یہ خود ہی یہ راہ نکالی کہ میں ان کی طرف سے تحائف بھیج کر معلوم کرتی ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں، اور کیا چاہتے ہیں۔

قائد بانی
آدم اور
وابی

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا علامہ نے بہت سے گزراں قیمت تحائف دے کر ایک قافلہ سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ کیا تھا لطف میں زر و جواہرات کے علاوہ بہت سے لوٹری غلام بھی تھے جنہیں بھری رات سے روانہ کیا گیا۔ فَلَمَّا جَاءَ سَلِيمُنَ جب یہ قافلہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اس سے پہلے آپ نے پر عجب و رہ بہ تمام کرنے کے لئے بہت سے اشیاء کرکے تھے جنہیں دیکھ کر اہل قافلہ اور اپنے تحائف پر سخت مزاحمت ہوئی۔ تاہم وہ سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گئے۔ ان کے تحائف دیکھ کر آپ فرمایا قَالَ اَلَيْسَ وَنَن بَمَالٍ کیا تم لوگ اس مال و دولت کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے ان چیزوں کی قصداً حاجت نہیں کیونکہ فَنَمَّا اَتَانَن اَللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا اَتَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے مجھے تم سے بہتر عطا کر رکھا ہے، تم نے راستے میں دیکھا کہ جس شکر پیسے تم گزر کر گئے ہو وہ سونے کی اینٹوں کی بنی ہوئی ہے جس پر میرے مویشی بول و ہرزہ کرتے ہیں۔ بعد مجھے تمہاری ان پانچ سو سٹری اینٹوں کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ تمہیں تو اللہ نے صرف دنیا کا مال دیا ہے، لیکن مجھے اس مال کے علاوہ علم، دین، شریعت اور نبوت بھی عطا فرمائی ہے، لہذا مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ تم سے بہتر ہے جہاں تک فوج، ظلمت اور سلطان ضرب و حرب کا تعلق ہے تو میرے پاس نہ صرف انسانوں کی شہرت و نام میں فوج ہے بلکہ جنات اور پرندوں کے لشکر بھی ہیں۔ اللہ نے تمام جہاز بھی میرے تابع کر دیے ہیں۔ لہذا نہ تو تم مال میں مجھ سے زیادہ ہو اور نہ زمین جنگ میں یہ مقابلہ کر سکتے ہو۔ بَلْ اَنْتُمْ بِهٰدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ کہہ کر لوگ اپنے تحائف کے ساتھ خوش ہو۔

اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے لانا ضروری تھا کیونکہ اس کے ایمان سے آنے کے بعد اس کے کسی مال پر تصرف کرنا روا نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَصَمَ مَنِّ مَالَهُ وَنَفْسَهُ جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا، اور مسلمان ہو گیا تو اس کا مال و جان میری طرف سے محفوظ ہو گیا۔ یہ تعابیل کی حیثیت حربی کافر کی ہوتی تو اس کے مال و جان میں تصرف روا ہے اسی لیے دورانِ جنگ حاصل ہونے والی کسی ایسی چیز کو مالِ غنیمت کہتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے لیے جائز ہوتی ہے۔ ایسا مال یا تو سب یا بدین میں تقسیم ہو جاتا ہے یا پھر بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے۔ البتہ جب کوئی شخص، قوم یا قبیلہ اطاعت گزار بن جاتا ہے تو پھر اس کی مرضی کے بغیر اس کے مال و جان میں تصرف روا نہیں ہوتا۔

سرکش جن
کی پیشکش

بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اہل سب کے فرمانبردار بننے سے پہلے پہلے بقیس کا تخت کون لئے گا؟ آپ کے دربار میں انسان اور جنات سب موجود تھے۔ چنانچہ قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ ایک سرکش جن کہنے لگا اَنَا اَتِيَاكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ میں وہ تخت لے آؤں گا قبل اس کے آپ اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوں یہ مطلب یہ تھا کہ میں دربار پر خواستہ منے پہلے پہلے تخت بقیس کو حاضر کر دوں گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا وَ اَتِيَاكَ عَلَيْهِ لَقَوِيَّ اٰمِنِيْن میں اس کام کے لیے طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ یعنی وہ تخت بعینہ اصلی حالت میں پیش کر دوں گا، راستے میں اس کی چیز میں تصرف نہیں کروں گا۔ یہاں پر جن کے لیے سرکش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن انسانوں کی نسبت زیادہ لطیف اور زیادہ طاقتور ہے۔ اس لحاظ سے اُسے سرکش کہا گیا ہے مگر اس وقت سائے جن سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے اور آپ کے سامنے سرکشی کرنے یا حکم عدولی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو اختیار دے رکھا تھا کہ اگر جنوں میں سے کوئی بھی آپ سے سربازی کرے تو آپ جو چاہیں اُسے سزا دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جن آپ کے مکمل مطیع تھے آپ کے حکم سے بڑی بڑی مامرات

تعمیر کرتے تھے، سمندر سے بڑی بڑی چیزیں لاتے تھے اور حسب ضرورت دھاتوں کو ڈھالنے کا کام بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر امور بھی انجام دیتے تھے۔ جو عام طور پر انسانوں کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ترکیب کاری کاموں کے لیے بڑی بڑی مشینری ایجاد ہو چکی ہے مگر سلیمان علیہ السلام یہ سارا کام جنوں سے لیتے تھے۔ اُن کی اس طاقت اور زور آوری کی وجہ سے ہی اُس جن کو سرکش جن کہا گیا ہے، اُس نے دربار برخواست ہونے سے قبل تخت بلقیس لے آنے کی پیش کش کی۔

عالم کتاب
انسان کی
پیش کش

جن کی اس پیش کش کے بعد قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ کہَا اُس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اَنَا اَتِيكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ يُّرْفَقَ اِلَيْكَ طُوفًا میں وہ تخت لے آتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پٹنے یعنی میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دیتا ہوں۔

یہ شخص کون تھا؟ اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم صحیح بات یہ ہے کہ وہ انسان ہی تھا۔ اُس کا نام اصف ابن برخیا تھا، اور وہ سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا۔ یہ شخص آسمانی کتابوں کا عالم تھا۔ نہایت نیک اور صاحب کرامت آدمی تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ شخص صدیقین میں سے تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے میں تخت کا حاضر کر دینا صوفیائے کرام کی اصطلاح کے مطابق تصرف تھا جس کا تعلق عملیات سے ہوتا ہے بعض لوگ ایسے ایسے عمل کرتے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات ممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ عملیات کے ذریعے بیماری کو بھی سلب کیا جاسکتا ہے بعض تعویذ کرتے ہیں اور بعض کلام پڑھ کر بچونک مانتے ہیں جس کا فوراً اثر ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ سانپ کے کھٹے کا دم کہتے ہیں جس سے زہر کا اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے یہ سم بزم کی طرز کی چیز ہے جس میں عامل اپنی نگاہ کو کسی خاص چیز پر مرکوز کر کے اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے جس سے اُس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ معمولی بے ہوش ہو جاتا ہے، پھر وہ باتیں کرنے لگتا ہے اور بعض چیزوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے تو بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی اس قسم کی بات تھی تاہم زیادہ تر مفسرین اسے اصف بن برخیا کی طرف منسوب

کرتے ہیں جو نیک آدمی تھا، کتب سماویہ کا علم رکھتا تھا اور اس کے پاس اسم اعظم کا علم تھا۔ نمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کے بار

اسم عظم
فی برہت

میں ایسے نام بھی ہیں کہ اِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ وَ اِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطِيَ جب کوئی شخص کسی ایسے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور جب وہ کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ تو بعض کہتے ہیں کہ اُس عالم کتاب شخص نے اسم عظم کے ذریعے دعا کی تو اللہ نے بقیس کا تخت فوراً حاضہ کر دیا۔ اسم عظم کو کسی خاص اسم کے ساتھ متعین نہیں کیا یہ اہل ایمانی تو یہی سمجھ گیا ہے کہ یہ فارسی کلمات میں پایا جاتا ہے۔ یہ الیا ہی مہم رکھا گیا ہے جیسے لِیْلَةِ الْقَدَرِ جمعہ کے دن قبولیت و عاکا کا وقت مہم رکھا گیا ہے تاکہ متلاشیانِ خرد اس کی تلاش کریں۔ چنانچہ بعض اے یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ میں بتاتے ہیں اور بعض یا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ میں بعض اسے سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیت اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پر محمول کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس شخص نے بارگاہِ نبوت میں اسطر اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِاَسْمَائِكَ وَ اَسْمَاءِ اَنْبِیَآئِكَ وَ اَسْمَاءِ اَوْلِیَآئِكَ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی۔

اسم عظم کے پڑھنے کے لیے بعض شرطیں بھی ہیں مثلاً یہ کہ عقیدہ صحیح اور رزق مدد ہو اور ان پوری دھیمی کے ساتھ اللہ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے پڑھے تو اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوں گے۔ تو بعض نے تخت بقیس کی آمد کو اسم اعظم کی برکت قرار دیا ہے۔ ہم صحیح ترین بات یہی ہے کہ یہ شخص ہوسن اور صاحبِ امت آدمی تھا جس کی دعا سے تخت فوراً حاضہ کر دیا گیا۔

معجزہ ہاں
کھڑکت

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر نبی کے ہاتھ پر کوئی خرقِ عادت بات نہ ہو تو وہ معجزہ کہلاتی ہے اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر یہ ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے نیز جو ایسی چیز نبی کی وجودگی میں اسنی کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ نبی کے اتباع اور اس کی

برکت سے ہوگی۔ معجزہ اور کرامت ان کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جسے وہ انسان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ عام طور پر معجزہ یا کرامت غیر اختیاری چیز ہوتی ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کو کوئی معجزہ یا کرامت عطا کر کے حسب ضرورت ظاہر کرنے کا اختیار دے دے تو ایسا بھی ممکن ہے۔ اسکی مثال موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں جنہیں اللہ نے عطا فرمایا اور حسب ضرورت فرعون کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ بہر حال معجزہ یا کرامت اللہ کا فعل ہوتا ہے نہ کہ کسی بندے کا۔ قرآن میں تصریح موجود ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (الرعدہ - ۲۸) کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی نئی چیز پیش کر سکے مگر اللہ کے حکم سے تمام معجزات اور کرامت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ظاہر ہوتے ہیں کوئی نبی یا ولی جب چاہے اپنے اختیار سے ایسا نہیں کر سکتا۔

بہر حال یہ شخص صاحب کرامت تھا اور سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں اس کی حیثیت معجزے کی تھی۔ آپ خود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی دعا کر سکتے تھے مگر اہل سبا کو یہ یاد رکھنا مقصود تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام کا ایک متبع ایسا کر سکتا ہے تو آپ کی حیثیت تو بہر حال اس سے اعلیٰ دارف ہے۔

صاحب تفسیر منطہری اور بعض دوسرے اصحاب فرماتے ہیں کہ عَلَّمَ صُنْعَ الْكِتَابِ سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ مگر صحیح بات وہی ہے جو میں نے عرض کر دی کہ یہ کام آصف ابن برخیا کے ذریعے ہوا جو سلیمان علیہ السلام کا وزیر، کامل الایمان، متقی، پرہیزگار اور صاحب کرامت شخص تھا۔

صاحب تفسیر کبیر امام رازیؒ نے عقلی بات کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سورج زمین سے تیرہ لاکھ گز بڑا سیارہ ہے جو کہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل کی فاصلہ طے کرتا ہے۔ جب اللہ نے آنا بڑا اور آنا تیز رفتار نظام قائم کر رکھا ہے تو اس کے مقابلے میں زمین اور شام کا فاصلہ ہی کتنا ہے کہ اس پر حیرانگی کا اظہار کیا جائے کہ

تخت بقیس آنکھ چمکنے میں کیسے پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ ایک نہایت ہی معمولی سا کام ہے جو ہو گیا۔ وہاں پر ظاہری اسباب تو نہیں تھے۔ زمین کو شق کیا گیا یا وہ تخت ہوا کے دوش پر لایا گیا، جیسے بھی ہوا یہ کرامت تھی اور فی الواقعہ ایسا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ
کی شکر گزاری

فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ جَبَّ سَيْمَانٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَّحَتْ بَقِيسٌ كَوَافِلُهَا
سنانے موجود پایا۔ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي كُنْ لَكَ يَمِينٌ پروردگار کے فضل سے ہے کہ اللہ نے میرے ایک ساتھی کے ہاتھ پر یہ کام ظاہر کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ سیمان علیہ السلام نے اس مافوق العادت کرنے اپنا کمال ظاہر کیا ہے، نہ آصف کا اور نہ کسی فرج کا، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس کی مہربانی سے ہوا پھر خود ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مہربانی ایسے کی ہے لِيَسْبُحُونَنِي وَأَشْكُرُوا أَمْرًا أَكْفَرُ تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں یا ناشکر گزارا ہوں حقیقت یہ ہے کہ سیمان علیہ السلام قدم قدم پر اللہ کا شکر یہ ادا کرتے تھے۔ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی فرمایا تَعْبَادِي اَعْمَلُوا اِلٰى دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّمَّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ (سبا - ۱۲) اے داؤد علیہ السلام کے گھر والو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو مگر میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ بہر حال انبیاء کا یہ خاندان اللہ کا ہمیشہ شکر ادا کرتا تھا۔

سیمان علیہ السلام نے یہ بھی کہا وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ جو کوئی شکر ادا کرے اسے تو اس کا فائدہ خود اُس کی ذات کو تو ہے اللہ تعالیٰ کو تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شکر یہ ادا کیا جائے تو اللہ راضی ہوتا ہے۔ اُس کا اعلان ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم - ۱۱) اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں مزید انعامات سے نواز دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ ناشکری کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا ہر ہر نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

فرمایا جو شکر یہ ادا کرتے ہیں اس کا فائدہ اُسی کو ہوتا ہے وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَجَبٍ
عَنِّي كَبِيرٌ اور جس نے ناشکری کی تو یہ اچھوڑ دے۔ تو اس شکر یہ اور تعریف سے
مستغنی ہے۔ اے کسی کی تعریف کی حاجت نہیں۔ وہ ہر حالت میں تعریفیوں والا ہے
اور بڑا ہی عزت والا ہے۔ اس طرح گویا سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ کی نعمت
کا شکر یہ ادا کیا، اس کی تعریف کی اور پھر شکر یہ کا فلسفہ بھی بیان کر دیا۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِيْ أَمْ تَكُوْنُ
 مِنَ الدِّیْنِ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝۴۱ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهْكَذَا
 عَرْشُكَ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ
 قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ۝۴۲ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تُعْبُدُ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِیْنَ ۝۴۳
 قِيلَ لَهَا ادْخُلِ الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ
 لُجَّةً ۖ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِیْهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ
 مِنْ قَوَارِرَۃٍ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَأَسْلَمْتُ
 مَعَ سُلَیْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝۴۴

ترجمہ :- کہا (سلیمان علیہ السلام نے) تبدیل کردو اس (بلقیس) کے لیے اُس کا تخت، تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ سمجھتی ہے یا اُن لوگوں میں سے ہے جو نہیں سمجھتے ۝۴۱ پس جب وہ پہنچی (سلیمان علیہ السلام کے پاس) تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی، گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہمیں علم دیا گیا تھا اس سے پہلے اور تمہے ہم فرمانبردار کرنے والے ۝۴۲ اور روکا تھا اُس کو اُس چیز نے کہ وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ یہ اس لیے کہ وہ کفر کرنے

وُلے لوگوں میں سے تھی (۴۳) کہا گیا اُس (عورت) سے کہ داخل ہو جاذ محل میں۔ جب اُس نے دیکھا اُس کو تو گمان کیا اس کو پانی کی موت، اور اُس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھا لیا۔ تو کہا (سیمان علیہ السلام نے) کہ یہ ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگی۔ اے میرے پروردگار! بیشک میں نے ظلم کیا ہے اپنی جان پر، اور میں اسلام لانی ہوں سیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۴۴)

ابط آیات

گزشتہ آیات میں سیمان علیہ السلام کے شرف اور آپ کی غیر معمولی قوت کا ذکر تھا جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت سیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے پاس ملک سبا کا تخت کون لائے گا۔ ایک ریکش جن نے کہا کہ میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے قبل تخت کو لا سکتا ہوں۔ مگر سیمان علیہ السلام اس سے بھی بدی کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ ایک عالم کتاب شخص نے کہا کہ میں وہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ملک کا تخت ملک سبا سے فوراً یہ شہم پہنچ گیا۔ سیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے وہ ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ ہم اُس کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکر گزاری کے مرتکب ہوتے ہیں شواہد کرنے سے انہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ اسیں خود کو گنہگار کاغذ بن گئے۔ اُس کے نفس کی بستر اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اُس کو درجہ ملتا ہے اور وہ مزید نعمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ گویا سیمان علیہ السلام اللہ کے نہایت ہی شکر گزار بندے تھے۔ صاحب صحیفہ نبی اور رسول تھے اور اللہ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی۔

بسیا کہ گزشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ملک سبا سیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لیے بغض بغض ملک سبا سے روانہ ہو گئی۔ اس کے ساتھ اُس کے عمادین سلطنت

ملک سبا کا
پیارا امتحان

لشکر اور بہت سا ساز و سامان بھی تھا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھی کہ اُس کا تخت پہلے ہی سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اب سلیمان علیہ السلام مکہ مقبس کی آمد پر اُس کو بعض امور میں آزاد بنا چاہتے تھے تاکہ پتہ چل سکے کہ وہ کس حد حیرت کی مالک ہے آپ کا خیال تھا کہ اگر وہ صاحب عقل و دانش ہوگی تو ایمان قبول کرے گی ورنہ ہدایت سے محروم رہے گی چنانچہ مکہ کی آمد سے قبل ہی سلیمان علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو حکم دیا۔ قَالَ نَبِيكَوَالِهَآ عَنْ شَهَادَتِنَا لَكَ مَكَدُ نَخْتِ مِي كَحْجَرٍ تَغْيِرُ وَتَبْدِلُ كَرُوْنَا كَهْمَا سِ كِي غَضَلُ هَا مَتَحَانُ نَا سَكِيں بِمَقْصِدِ هِي هَا نَنْظُرُ اَن تَهْتَدِيْ اَمْرَتَكُوْنُ مِنْ اَلَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ كِهْمَا دِيْجِيں كِه وَه كَحْجَرٍ كَهْتِي هِي يَاب كَحْجَرِ لُوْكَوْں مِيں سِي هِي اَكْرِي عَقْلَنَه سَوَكِي تُو فَوْرَا كَحْجَرِ مَلْءِي كِي كِه يُوَا سِي كَا تَحْت هِي جِي وَه اِيْنِي مَحَل مِيں بِنْد كِر كِه اَنِي هِي۔

فَلَمَّا لَجَأَتْ بِهَرَجِب كِه سِلْمَان عَلِيْهِ السَّلَام كِه پَاسِ سِيْجِ كُنِي تُو اِيْن كِه دَر بَا زِلُوْں نِي اُس كَا بَرْت اِجْجِي طَرِيْقِي سِي اسْتِقْبَال كِي اُوْر اُس كُو بَرَا عَزَا زِيَا مَكْدِي سِلْمَان عَلِيْهِ السَّلَام كَا دَر بَار اِيْن كِه كَارْنِدِي اُوْر دِيَاں پِي مَوْجُوْد هِي رِيْزِي كُو بَعُوْر دِيْجَا تُو حِيْرَان رُو كُنِي۔ وَه خُوْد اِيْك مَتَدِن حُكُوْمَت كِي مَكْرَهِي۔ اُس كِه پَاسِ هِي ضَرْوَر كِي هِي رِيْزِي مَوْجُوْد مَحْتِي مَكْرَهِي حَضْرَت سِلْمَان عَلِيْهِ السَّلَام كِه اَنْطِمَات دِيْجِي كُر اِيْنِي كَم مَانِي كِي كَا اِحْسَا سِي بُوْنِي لُكَا۔ ظَاهِر هِي كِه تَحْت سِلْمَان عَلِيْهِ السَّلَام كِي سُلْطَنَت تُو بِي مِثَال تَحِي جِي اِنْسُوْں نِي خُوْد اللّٰه تَعَالٰی سِي يَكُوْر كَر طَلَب كِيَا تَحَا وَهَبُ لِيْ مُنْكَآ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ اَبْعَدِيْ (ص ۳۵) مَرَاكِيْم

مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔

مکہ سا کی آمد کے بعض حالات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ اصل مقصد کی بات کی گئی ہے۔ چونکہ مکہ سب کا امتحان مطلوب تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا۔ قِيلَ اَهْكَذَا عَرْشُكَ دِيْجِيُو اِيْمَا رِيْ پَاسِ يَحْت هِي كِيَا تَحَا تَحْت مَحِي اِيَا هِي هِي جس پر بیٹھ کر تو اس سلطنت انجام دیتی ہو قَالَتْ كَاَنَّهُ هُو كِهْنِي لُكِي كُو يَا كِه يُو سَوُوْں سِي هِي هِي۔ وَه كَحْجَرِ كُنِي كِه يُو رُوْجِي مِيْر تَحْت هِي جِي مِيں سِلْمَان عَلِيْهِ السَّلَام نِي كَحْجَرِ بِنْدِي كِر كِه مِيْر مَانِي مِش كِيَا هِي۔

اس کے علاوہ مکہ نے یہ اعتراف بھی کیا وَأُوْتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِمَا اس بات کا علم تو ہمیں پہلے ہی ہو چکا ہے۔ ہم نے آپ کے کمال کے متعلق اپنے وفد کے ذریعے سے پہلے ہی سن رکھا ہے کہ اللہ نے آپ کو بے مثال بڑی عطا فرمائی ہے۔ یہ اُسی بات کا کرشمہ ہے کہ ہمارا تخت ہمارے سینے سے نیچے سے پیسے یاں موجود ہے حالانکہ ہم اُسے محل میں مقفل کر کے روکے ہوئے تھے مطلب یہ کہ ہمیں آپ کے کمالات کا علم دیا گیا تھا۔ وگنا مُسْلِمِينَ اور ہم تو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے۔ ہم آپ کی صداقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ آپ عام دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ آپ کے فضائل و کمالات منجانب الہی ہیں۔ اسی لیے ہم نے جنگ و جدل کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے تسلیم و رضا کا سپرد کیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مکہ بقیس اتنی ہی مجبور و عورت تھی اور وہ حقیقت کو پہلے ہی پا چکی تھی تو پھر اس نے وہیں پر اس کا اظہار کیوں نہ کیا اور اس نے سلیمان علیہ السلام کے پاس آکر اسلام کیوں قبول کیا؟ اللہ نے آگے اس کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے وَصَلَّحَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ اس کو روک دیا تھا ایمان لانے سے اُن چیزوں نے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھیں إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ بیشک وہ کافر قوم کی ایک فرد تھی مطلب یہ ہے کہ اس کافر قوم کے اغزیہ اور شرابیہ رسم و رواج اور طرزِ لائقوں نے مکہ کو ایمان لانے سے روک رکھا تھا۔ اکثر لوگ اپنی جاہلانہ رسم و رواج میں پھنس کر ہی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ اس زمانے کا حال بھی مختلف نہیں۔ پوری کی پوری قومیں محض رسم و رواج کی پابند ہو کر رہ گئی ہیں۔ کوئی اکابر یا مجتہد آدمی جو بھی تو وہ بھی انہی کے طرزِ لائقوں پر چلنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آج بھی لوگ کسی حقیقت کو سوچنے سمجھنے کی بجائے نیکر کے فقیرانہ کہدایت سے محروم ہیں۔ عالم قوموں، فرقوں اور جماعتوں کا بھی یہی حال ہے۔

بعض آدمیوں کے بائے میں حیرت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے دانشور، ہیرنٹر، اور بابر ایک مین ہونے کے باوجود کفر و شرک میں مبتلا رہتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ علی اور خاندانی رسم و رواج اُن کے مزاج میں رچا بس چکا ہوتا ہے۔ جس سے چھٹکارا ممکن نہیں

ہوتا۔ ہندوؤں میں گاندھی کوئی بیوقوف آدمی نہیں تھا، نہرو بین الاقوامی حیثیت کو حاصل تھا ہمارے ہاں نظرِ اشرافیہ کا دیا نی بُرا قابل آدمی تھا۔ مگر یہ سب لوگ باپ دادا کے رسم و رواج پر ہی ٹٹے رہے۔ ہدایت کی بات پر غور ہی نہیں کیا۔

حضرت مولانا شیخ الحداد وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں: سلیمان علیہ السلام نے روک دیا اُس عورت کو اس چیز سے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا گویا آپ بقیس پر واضح کر دیا کہ اب کفر و شرک کی بات نہیں چلے گی اور نہ سورج کی پرستش ہوگی، جو ایسا کہ کلمہ سزا پائے گا۔ اب ہم پیسے معنی زیادہ متبادریں کہ مکہ کو غیر اللہ کی پوجا کرنے والی چیزوں نے ایمان لانے سے روک رکھا تھا۔ مکہ پہلے آسمان میں توپاس ہو گئی کہ اس نے اپنے تخت کو بھی پہن لیا۔ اور پھر اعتراف حقیقت کر کے ایمان لے آئی۔ اب سلیمان علیہ السلام نے اسے دوستِ امتحان میں ڈالا۔

مکہ کا دورہ
امتحان

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ فَلَمَّا رَأَتْهُ جب اُس نے اندر داخل ہو کر دیکھا حَسِبَتْهُ لُجَّةً تو اُس کو پانی کی موج گمان کیا محل کا فرش اس طرح لگایا گیا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک پانی کا تاراج جس میں مچھیرا اچھل کر درجی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پانی میں سے گزرتے وقت انسان اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہے تاکہ بھیگنے نہ پائیں۔ چنانچہ مکہ نے بھی ایسا ہی کیا وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھالیا۔ اس امتحان میں وہ ناکام ہو چکی تھی۔ دراصل اُسے پانی میں سے نہیں گزرنے تھا بلکہ شیشے کے بنے ہوئے فرش پر سے گزرنے تھا جس کے نیچے بہا ہوا پانی صاف نظر آرہا تھا۔ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ سلیمان علیہ السلام نے حکم سے کہا کہ تمہیں فطی لگی ہے کہ یہ ایسا محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ یعنی محل کا فرش ہی شیشے کا بنا ہوا ہے جس کے اوپر سے گزرنے کا ہے۔ لہذا یہاں پر پنڈلیاں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کو پانی پر سے گزارنے کا مقصد یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام مکہ کی پنڈلیاں دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے سُن رکھا تھا کہ افسر کی پنڈلیوں پر بال بہت زیادہ ہیں۔ مکہ کو جہنم کی بیٹی بھی کہا گیا ہے۔ بہر حال یہ سب تفسیری

روایات میں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ملکہ کا اسلام
سے آنا

جب ملکہ اس دور کے امتحان میں کامیاب ہو گئی تو اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا تو قائل
کئے مَکِّي رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ پُروردگار! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے
کہ میں اب تک کفر و شرک میں مبتلا رہی ہوں۔ اور کفر و شرک کی حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک
دھوکہ ہے۔ جس طرح ملکہ کو پانی کا دھوکہ ہوا اسی طرح کافروں اور مشرکوں کو دھوکہ ہوتا ہے
وہ ایسی چیزوں کو معبود بنا لیتے ہیں، اُن کی غایت درجہ کی تعظیم کرتے ہیں، اُن کے سامنے
نذر و نیاز پیش کرتے ہیں جن میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ
سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک بنانا یا اس کے اختیار میں شریک
بنانا سب دھوکہ ہے۔ بعض نادان سمجھتے ہیں کہ یہ معبود سہار کی گتھی کو بار لگا دیں گے، کوئی
مریض کی شفا یابی کے لیے غیر اللہ کی پوجا کرے گا۔ کوئی جنوں اور ان لوگوں سے مدد مانگتا ہے
کوئی قبروں پر ہاتھ رکھتا ہے کوئی ادویہ اللہ کے نام کی دوائی دیتا ہے، کوئی صنم و شجر
کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے، کوئی پانی، ہوا اور سورج کی پوجا کرتا ہے، کوئی ستاروں
کو با اختیار سمجھتا ہے۔ غرضیکہ شرک کے ہزاروں راستے ہیں جو کہ سراسر دھوکہ ہے۔ ملکہ
سب انہی ایسا ہی دھوکہ کھایا مگر فوراً سمجھ گئی اور اپنے آپ پر ظلم کرنے کا اعتراف کر لیا۔
اور کھیر واضح طور پر اقرار کیا۔ وَاسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اب
میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پُروردگار عالم پر ایمان لا چکی ہوں۔ اپنی سابقہ غلطی کا اقرار
کرتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی قادر مطلق ہے اور نہ نافع اور
ضار۔ اُس کے سوا کوئی خالق نہیں کسی مریض کو کوئی شفا نہیں دے سکتا اور نہ کسی کی کوئی بگڑی
بنا سکتا ہے۔ تمام اختیارات اللہ رب العزت کے پاس ہیں اور میں نے اُنہی کے سامنے
سرنیاز خم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان تک ہی بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی
باقی تفسیری اور تاریخی روایات میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ملکہ کا نکاح سلیمان علیہ السلام سے ہو گیا
تھا۔ بعض اس کا انکار کرتے ہیں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو اپنے وطن واپس

لوٹا دیا تھا اور ساتھ ہی کہا تھا کہ وہاں جا کر نکاح کر لینا مگر اس نے غدر پیش کیا کہ میری بڑی
 کا تو کوئی شخص نہیں ہے میں نکاح کس سے کروں۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے سمجھایا کہ اسلام میں
 ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ تم جہاں چاہو نکاح کر سکتی ہو۔ چنانچہ ملکہ کانکاح بین کے شہزادے
 جمع سے ہوا جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے، پھر سلیمان علیہ السلام نے اپنی طرف سے
 جنات کو مامور کر دیا کہ ان کی خدمت کریں اور ضروریات کی اشیاء ہم پہنچائیں۔ یہ سب
 تفسیری اور غیر یقینی آیات ہیں۔ سچی بات وہی ہے جو اللہ نے قرآن میں بیان کر دی ہے
 کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی اور یہ کہ ملکہ سبائے اپنی غلطی
 کا اعتراف کیا اور آخر میں کفر شرک سے بیزار ہو کر ایمان لے آئی۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنْ اعْبُدُوا
 اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ
 تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ
 اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٦﴾ قَالُوا أَطِیرْنَا بِكَ وَبِمَنْ
 مَعَكَ قَالَ طَیْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْسِدُونَ ﴿٢٧﴾
 وَكَانَ فِي الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي
 الْأَرْضِ وَلَا یُصْلِحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ
 لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَنقُولَنَّ لِوَلَدِهِ مَا شِئْنَا مَهِلْكَ
 أَهْلَهُ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٢٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا
 وَهُمْ لَا یَشْعُرُونَ ﴿٣٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 مَكْرِهِمْ ۚ أَنَا ذَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣١﴾ فَبَلَكَ
 بُیُوتَهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
 لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾ وَانْجَيْنَا الذِّیْنَ آمَنُوا وَكَانُوا
 یَتَّقُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا قوم ثمود کی

طرف اُن کے بھائی صالح علیہ السلام کو کہ ان لوگوں سے

کو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ پھر وہ ہو گئے آپس میں دو

فرقے اور جھگڑنے لگے (۴۵) کہا (صالح علیہ السلام نے) اے میری قوم کے لوگو! کیوں جلدی کرتے ہو تم برائی کے ساتھ بھڑائی سے پہلے۔ کیوں نہیں تم ہنمشٹ طلب کرتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۴۶) وہ کہنے لگے کہ ہم منحوس سمجھتے ہیں تمہارے ساتھ ہیں۔ کہا (صالح علیہ السلام نے) تمہارا شگون اللہ کے پاس ہے۔ بلکہ تم فتنے میں ڈالے جاتے ہو (۴۷) اور تمہارے شہر میں نہ شخص جو فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے تھے (۴۸) کہا انہوں نے قوم کھاؤ اللہ کے نام کی کہ ہم رات کے وقت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو حملہ کر کے ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہیں گے ہم اُن کے دعویدار سے کہ ہم نہیں حاضری ہو اُن کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت، اور ہم یہ ہیں (۴۹) اور تدبیر کی انہوں نے تدبیر کرنا۔ اور ہم نے بھی تدبیر کی ایک تدبیر۔ اور وہ نہیں سمجھتے (۵۰) پس دیکھو کیا ہوا انجام اُن کی تدبیر کا۔ بیشک ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا اور اُن کی قوم سب کو (۵۱) پس یہ اُن کے گھر ہوئے گھر ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے ظلم کیا۔ تحقیق اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۵۲) اور بجایا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور وہ بچتے تھے (۵۳)

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام اور اُن پر ایک جگہ سے انعامات کا ذکر کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم، طاقت اور بے مثال عظمت عطا فرمائی۔

سیمان علیہ السلام ان انعامات پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرتے تھے۔ اب ان کے درس میں اللہ نے قومِ ثمود کا حال بیان کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل عرب اور دوسری مافوق اقوام ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

سیمان علیہ السلام اور قومِ ثمود کے واقعات میں کسی قدر مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں اقوام کے حالات میں باہم ربط ہے مثلاً سیمان علیہ السلام کے زمانے کی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اللہ نے اُن کے لیے جنات پرندوں اور ہوا کو مسخر کر دیا تھا اور آپ جیسے چاہتے ان سے کام لیتے تھے۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کے واقعات میں حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ قوم کی فرمائش پر اللہ نے چٹان میں سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکالی۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر بھی ہوا تھا وہاں بھی حیرت انگیز نشانیاں ظاہر ہوئیں۔

صلی علیہ السلام
کی بعثت

انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کے سلسلے میں پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو عظم عطا کیا جس سے مراد نبوت، رسالت اور وحی الہی ہے کہ صرف یہی یقینی علم ہے یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے نبی، خلیفہ اور حاکم وقت تھے۔ اب حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آدُسْنَا آلَافَ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا البتہ تحقیق ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ آپ بھی عظیم المرتبت صاحب شریعت رسول اور نبی تھے، آپ کا ذکر اس سے پہلے بھی کسی سورتوں میں آچکا ہے اور آئندہ بھی آخری پائے تک آپ کا ذکر خیر آئے گا۔ قوم ثمود دلدی حجر میں حجر اور توبک کے درمیان آباد تھی۔ مہر سے کردادی قریٰ تک اس قوم کے سترہ سو قببات اور بستیاں آباد تھیں جن میں حجر بڑا مستحکم اور مرکزی شہر تھا۔ یہ عام طور پر تاجر پیشہ لوگ تھے، صنعت و حرفت بھی کرتے تھے، اور ان کے باغات بھی تھے جہاں یہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ صالح بن علیہ السلام بھی اسی قوم کے فرد تھے اس لیے آپ کو قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔

بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے سب سے

تفسیر غزالی ص ۲۴۴ پ ۲ (فیاض)

پیلے قوم کو یہی پیغام پہنچایا اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ لَوْ كَرِهَ الْغَافِلُونَ اعبادت صرف اللہ کی کرنی اسی کو مددہ لا شریک، مالک اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اُن لوگوں نے اپنی مختلف باتوں کے لیے مختلف معبود بنا رکھے تھے۔ پھر جب صالح علیہ السلام نے اُن کو پیغام حق سنایا فَادَّاهُمُ فَرِيقٌ يَخْتَصِمُونَ تودہ دو گروہ بن کر آپس میں جھگڑنے لگے ظاہر ہے کہ ایک گروہ ایمانداروں کا بن گیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے، اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا، اور دوسرا گروہ کافروں اور منافقوں کا تھا جنہوں نے صالح علیہ السلام کی بات کو قبول نہ کیا۔ یہ لوگ بڑے سرکش، مجرم اور گنہگار تھے، لہذا اِن دونوں کا آپس میں اکھاڑا ایک قدرتی امر تھا۔ البتہ اہل ایمان کمزور اور تعداد میں بھی کم تھے جب کہ منافقان لوگ بڑے طاقتور، مغرور اور نفری میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس چیز کا اشارہ سورہ غفران میں بھی ہے قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِمَنْ اَمِنْ مِنْهُمْ (آیت ۵۰) مغرور اور سرکش لوگوں نے اہل ایمان مگر کمزور لوگوں سے کہا کہ کیا تم صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرتے ہو؟ انہوں نے مثبت میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو نہیں مانتے بلکہ ہم تو انکار کرتے ہیں جب صالح علیہ السلام اُن کو اپنے فائدے کے لیے عذاب سے ڈالتے تو وہ آگے سے دھمکیاں دینے لگتے اور کہتے يٰصٰلِحُ اَنْتَ اِمَّا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الاعراف ۶۸) اے صالح علیہ السلام اگر تو سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب ہے آج سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ اس کے جواب میں قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو! بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش طلب کرنے کے بجائے اپنے لیے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو۔ یہ کس قدر حماقت کی بات ہے لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ لِلّٰهِ تَمْ لُتُ اللّٰهَ تَعَالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی کیوں نہیں مانگتے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اگر اللہ کی طرف رجوع کر دو گے، برائیوں سے باز آ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما کر تمہاری سابقہ گناہوں کو معاف کر دے گا مگر تم اللہ تعالیٰ کا مطالبہ کر رہے

صالح علیہ السلام
کی نصیحت

ہو۔ کتنی عجیب اور نقصان دہ بات ہے۔ اس قسم کی الٹ دہنی صرف قوم ثمود کا ہی حصہ نہیں تھا بلکہ دیگر فرماؤں نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کے یہی مطالبہ کیا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (الشعراء - ۱۸۷) اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے، اور یہی بات حضور علیہ السلام کے زمانے کے مشرکوں نے بھی کی تھی۔ اَوْ تَسْقِطُ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا رَبِّیْ اِسْرٰئِیْلَ (۹۲) کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے اس قسم کی باتیں وہ اپنے غرور تکبر کی بنا پر کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور ہم اسی طرح عیش و عشرت کرتے رہیں گے۔ مگر جب کسی قوم پر عذاب آیا تو پھر ان کی جڑ بنیاد ہی الٹ کر رکھ دی گئی۔

شکون بہ

اللہ کے برہنہ نے اپنی اپنی قوم کو محبت اور پیار کے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ اللہ نے یہاں پر صلح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیسے کہ جب آپ نے نصیحت آموز باتیں کیں قَالُوا طَیْرُنَا بِكَ وَیَمَنْ مَعَكَ تو وہ کہنے لگے اے صلح (علیہ السلام) ہم تجھے اور تیرے ایماندار ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ تمھارے منحوس قدم پڑے ہیں۔ تو ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے۔ بارش رُک گئی ہے اور ہم پر طرح طرح کی مصیبتیں وارد ہو رہی ہیں۔ گھر گھر میں لڑائی شروع ہو گئی ہے، باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے الجھ رہا ہے۔ اسی طرح خاندان اور بیوی کے درمیان مخالفت پیدا ہو چکی ہے، یہ سارے نفع تمھاری نحوست کی وجہ سے برپا ہو رہے ہیں۔ جب سے تم نے ہمیں غلط کرنا شروع کیا ہے ہمارا خاندان خراب ہو گیا۔ اس کے جواب میں قَالَ صَلَاحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے کہا طَیْرُكُمْ عِنْدَ اللّٰہِ تمہارا شکون یا بری قسمت تو اللہ کے پاس ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ تکلیفیں میرے اور میرے ساتھیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ تمھاری بد اعمالیوں، کفر، شرک اور مخاصی کی وجہ سے آرہی ہیں۔

طیْرۃ شکون کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ طیر کے مادہ سے ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ پرندوں کو اڑا کر شکون لیا کرتے تھے مثلاً پرندے کو اڑایا اگر وہ اڑا کر دائیں طرف

گیا تو نیک شگون لیتے کہ مطلوبہ کام بن جائیگا۔ اور اگر پزندہ بائیں طرف چلا جائے تو شگون بد سمجھتے کہ ہمارا یہ کام بائیں ٹیکیل کو نہیں پہنچے گا، لہذا اس کو ترک کر دیتے۔ حدیث میں آتا ہے۔
الطَّيْعَةُ مِنَ الشِّرْكِ یعنی شگون لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ یہ بیماری آج بھی پائی جاتی ہے۔ کہیں تو بیٹھا دیکھ لیا تو اُسے ویرانی پر محمول کر دیا۔ گھر سے نکلتے وقت اگر کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو برا شگون سمجھ لیا کہ اب کام نہیں ہوگا۔ واپس چلو۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو انہوں نے عرض کیا مِنَّا يَتَطَلَّعُونَ یعنی جاہلیت کے زمانے میں ہم پر ہندوں کو اڑا کر شگون لیا کرتے تھے۔ یہ کیسا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ محض وہم ہے اور اُسے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بنا چاہیے بلکہ اپنا کام جاری رکھو اور شگون کی بنا پر کسی کام کو ترک نہ کرو۔ جو شخص شگون کو موثر سمجھتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

تو صالح علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم ہماری موجودگی کو بد شگون قرار دیتے ہو۔ حالانکہ تمہارا شگون تو اللہ کے پاس ہے۔ وہ تمہاری شرارتوں کی وجہ سے قطعاً سالی اور دوسری مصیبتیں لاتا ہے۔ یہ سب تمہارے شرک کی خواست ہے جسے تم ہماری طرف منسوب کر رہے ہو۔ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَفْتَنُونَ کہ تم لوگ فتنے میں ڈلے گئے ہو۔ اللہ نے تمہیں آزمائش میں ڈال رکھا ہے مگر تم نہ کام ہو رہے ہو۔

شک کے
غندہ کے

اِثَّاد ہوتا ہے وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ شَرَحْمَر میں غندہ قسم کے نو آدمی تھے۔ دراصل رَہط تین سے بڑے گروہ کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بد قماش قسم کے نواسخاں تھے يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ جو زمین میں فساد کرتے تھے، ان کا کام بھی مار دھاڑ، لوٹ مار، قتل و غارت اور غندہ گردی تھی، دراصل یہ نواسخاں ان تھے جن میں سے ہر قبیلہ کا ایک ایک نمائندہ مل کر یہ گروہ بن گیا تھا اور انہوں نے غندہ گردی کا بازار گرم رکھا تھا۔ آج کی اصطلاح میں انہیں بسترہ (ب) کے بہ معاش کہنا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ صرف معاشرتی طور پر بد قماش

تھے بلکہ کفر و شرک میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کے بدترین دشمن بھی یہی تھے۔ صالح علیہ السلام کا سارا دھنڈا ان غمخواروں کے خلاف جاتا تھا اور وہ دیکھتے تھے کہ اگر لوگ ان پر ایمان لے آئے تو ان کی چودھراہٹ اور غمزدہ گردی ختم ہو کر رہ جائیگی۔ پوری تاریخ عالم میں اسی طرح کے لوگ ہی نبیوں کے مخالف رہے ہیں اور آج بھی حق کے مقابلے کے لیے ایسے لوگ پیش پیش ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو لفظ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اسلامی قانون نافذ ہونے سے سب سے پہلی زدانی یہ پڑتی ہے اور ان کو اپنی بد معاشیاں ترک کرنا پڑتی ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ یہ نوبہ کاش آدمی تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے وَلَا يُصْلِحُونَ اور اصلاح نہیں کرتے تھے یعنی فتنہ فساد کی بیج کنی کر کے زمین کو اس کا گورہ نہیں بننے دیتے تھے۔

صالح علیہ السلام
کی ہلاکت کا
منصوبہ

یہ بدتماش آدمی صالح علیہ السلام کو اپنے رُستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے آپ کے خلاف منصوبہ بندی کی۔ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ کہنے لگے کہ اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ کہ نبیتؑ و اہلکۃ کہ ہم صالح علیہ السلام اور آپ کے گھریلوں کا رات کے وقت کام تمام کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ قتل ہو گئے تو پھر آپ کے خاندان لے آپ کے خون کا دعویٰ بھی کر سینگے۔ ایسی صورت یہاں ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ ہم آپ کے دعویدار سے کہہ دیں گے مَا شَهِدْتَ مَهْلِكَ اَهْلَكَ کہ ہم تو آپ کے گھریلوں کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہیں تھے ہیں کیا معلوم کہ کس نے شب خون مار کر ان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یقین دہانی کے لیے یہ بھی کہیں گے وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ہم اپنی بات میں بالکل سچے ہیں۔

اللہ نے فرمایا وَمَكَرُوا مَكْرًا ان لوگوں نے بھی ایک تدبیر کی۔

مگر مخفی تدبیر کو کہتے ہیں یعنی ایسی چال چلنا جس کو لوگ آسانی سے سمجھ نہ پائیں۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح صالح علیہ السلام کو ہلاک کر دیا جائے۔ آپ رات اکثر مسجد میں گزارتے تھے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ان بد معاشوں کا خیال تھا کہ رات کو مسجد پر حملہ کر کے صالح علیہ السلام کا کام تمام کر دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے

گھر پر شجر بنانے کا پروگرام بنایا کہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بیک وقت ختم کر دیا جائے۔

تذہیرِ خداوندی

اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی ایک تدبیر کی وَمَكَرُوا مَكْرًا اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ہماری تدبیر ایسی تھی وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ جس کا وہ شعور نہیں رکھتے تھے یعنی ہماری منصوبہ بندی کی وہ گردن تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے چنانچہ جب یہ لوگ اللہ کے وقت حملہ کرنے کے لیے نکلے تو اللہ نے انہیں اتنے میں ہی ہلاک کر دیا اور یہ صالح علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ پائے۔ ان لوگوں کی ہلاکت کے متعلق تین قسم کی تفسیری روایات ملتی ہیں ایک یہ کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، دوسری یہ کہ ان پر اُپر سے ایسی چٹانیں گئی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے۔ اور ہلاک ہو گئے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ان کو زمین میں دھنسا کر ہلاک کیا گیا۔ یہ نو آدمی تو اس طرح مارے گئے اور باقی نافرمانوں کے متعلق سورۃ ہود میں ہے کہ اللہ نے اُن سے فرمایا تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (آیت - ۶۵) اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھا لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ تین دن کے بعد ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ ایک سخت کڑا لکھنا اہل زلزلے نے انہیں آنکھوں دیکھتے اس طرح الٹا کر رکھ دیا گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

فرمایا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ پھر دیکھو، ان کی تدبیر کا کیا انجام ہوا۔ اَنَا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم کو مسمیت کر کے رکھ دیا۔ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اُن کی بتیاں نثر بن گئیں فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا پس یہ ہیں اُن کے گھرے پڑے گھر اُن کے ظلم کی وجہ سے۔ یہ لوگ بڑے صنّاع اور صنعتکار تھے۔ ہاٹروں کو کھود کھود کر عالیشان نقش و نگار والے مکان بناتے تھے، اللہ نے فرمایا کہ آج اُن کے محلات کے کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں جو لوگ داری تبرک سے

سے گزرتے ہیں، یہ کھنڈرات آج بھی اُن کو دعوتِ فکری دیتے ہیں کہ دیکھ لو ظلم و ستم کس نے
والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔

نشانِ عبرت

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ بیشک اس میں نشانی
ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم اور سمجھ رکھتے ہیں۔ بصیحت کی سی بات اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ
اور دیگر نافرمان اور مغرور لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ الشّر کے نبی کی مخالفت اور اس کو
ہلاک کرنے کی کوشش کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کا منصوبہ بنانے والوں
کو پہلے ہی ہلاک کر دیا اور اس قوم کے کھنڈرات پوری۔ انسانیت کیلئے درسِ عبرت بنے
ہوئے ہیں۔

فرمایا وَانْجِیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور ہم نے اہل ایمان کو اس عذاب
سے بچالیا۔ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے بھی ہزاروں آدمی تھے جو اللہ
کی گرفت سے محفوظ رہے۔ ایک تو وہ ایمان لانے کی وجہ سے بچ گئے اور ان کی دوسری
صفت یہ تھی وَكَانُوا یَتَّقُوْنَ کہ وہ کفر، شرک اور معاصی سے بچتے تھے۔ حدود
شرع کی حفاظت کا نام ہی تقویٰ ہے۔ انہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو اختیار
کیا اور اس طرح عذابِ الہی سے بچ گئے۔ جب کرباقی ساری قوم ہلاک کر دی گئی۔

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ
تُبْصِرُونَ ﴿۵۴﴾ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ
إِنَّهُمْ أَنْاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
قَدَرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۷﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا
فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾

(۵۴)

ترجمہ:- اور لوط علیہ السلام (کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔
جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم بے حیائی کا کام
کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو ﴿۵۴﴾ کیا تم دوڑتے ہو مردوں
پر شہوت رانی کے لیے عورتوں کو پھوڑ کر، بلکہ تم جاہل لوگ
ہو ﴿۵۵﴾ پس نہیں تھا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ وہ
کہتے تھے کہ نکال دو لوط علیہ السلام کے گھرانے کو اپنی بستی
سے، بیشک یہ لوگ ستمے بنتے ہیں ﴿۵۶﴾ پس ہم نے
نجات دی اُس دلوطؑ کو اور اس کے گھر والوں کو مگر
اُس کی بیوی۔ ہم نے سزا کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے
والوں میں ہوگی ﴿۵۷﴾ اور برائی ہم نے اُن پر بارش۔ پس
بُری ہوئی بارش اُن لوگوں کی جو ڈرائے ہوئے ہیں ﴿۵۸﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قوم شجرہ کا ذکر کیا کہ ان کی طرف اہی کے بھائی علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ اللہ نے ان کے ہاتھ پر اومٹی کی حسرت انگیز نشانی ظاہر فرمائی مگر قوم نے اس کا انکار کیا اور صلی علیہ السلام کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ نے ان کی تدبیر کو ناکام بنایا۔ وہ صلی علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے البتہ خود ہی اللہ کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ اللہ نے یہ واقعہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرکین کی نصیحت اور عبرت کے لیے بیان کیا۔ اب اسی طرح لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے وہ لوگ بھی اہی کے وعظ و نصیحت کو برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے راستے میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ انہوں نے بھی لوط علیہ السلام کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین عذاب کا شکار ہوئے۔

قوم لوط کی خرابیاں

یہ لوگ بحریت کے اطراف میں شرق اردن کے علاقے میں آباد تھے۔ ان کی درمی زمینیں اور باغات تھے جو کہ بڑا زرخیز علاقہ تھا۔ تجارت بھی خوب کرتے تھے اور بڑے خوشحال لوگ تھے۔ اس قوم کے چھ بڑے بڑے شہر اور بہت سے قصبات اور دیہات تھے۔ مفسرین کرام ان کی کل آبادی چار سے گیارہ لاکھ تک بتاتے ہیں۔ بڑی بڑی بستیاں سدوم، عامریہ، صعدہ اور دمام وغیرہ تھیں جن میں سدوم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم کے فزونیوں تھے بلکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سام ابن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ بابل میں آباد تھے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کی تو آپ کی بیوی سارہ اور لوط علیہ السلام نے بھی آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے دوران سفر ہی لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا پیغام سنانے کے لیے اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام تو مصر سے ہوتے ہوئے شام و فلسطین کے علاقے میں چلے گئے اور لوط علیہ السلام نے شرق اردن پہنچ کر تبلیغ حق کا آغاز کر دیا۔

اس قوم میں بھی دیگر قوموں کی طرح کفر اور شرک پایا جاتا تھا۔ مگر ان میں ایک بیع ترین بیماری ہم جنسی کی بھی پائی جاتی تھی۔ یہی قوم اس فعل کی موجد ہے۔ سرے

پتہ سیٹھانے اسی قوم کو اس فعل پر آمادہ کیا۔

سورۃ العنکبوت میں ہے اِنَّكُمْ لَتَاَتُوْنَ الْعَاقِبَةَ مَا سَبَقَكُمْ
 بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ (آیت - ۲۸) تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے
 ہو جو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کی۔ یہ لوگ اس فعل شنیع میں اس حد تک بڑھ
 چکے تھے کہ اللہ نے لوط علیہ السلام کی زبان سے کھلوا یا اِپْتٰكُمْ لَتَاَتُوْنَ الْوَحْشَالِ
 وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرُ الْعَنُكَبُوْتَ ۝۱۹
 کیا تم شہوت رانی کے لیے مردوں سے التفات کرتے ہو، مسافروں کا راستہ کاٹتے ہو،
 اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ ہم جنسی کے علاوہ اس قوم میں دیگر اخلاقی
 برائیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ مسافروں کو لوث پستے تھے۔ راستے میں میٹھ جاتے، جہاں داؤ
 چلا کسی کو لوث لیا۔ مقامی طور پر تجارت میں بڑی ہمت تھے اور اگر کوئی ماہر مال بیکر باہر سے
 آجاتا تو اس کا مال ہتھیلے کی کوشش کرتے۔ ان کا عام طور پر طریقہ کار یہ تھا کہ کوئی
 چیز گھر میں رکھنے کے بدلے سے لے گئے اور پھر ہضم کر گئے۔ اگر کسی نے مزاحمت
 کی تو اس کا باقی سامان بھی لوث لیا۔ مجلس میں میٹھ کر بیوردہ باتیں کرنا اور بے حجابانہ
 گویا مارنا ان کا عام معمول تھا۔

لوط علیہ السلام
 کا وعظ

لوط علیہ السلام نے درس توحید کے بعد قوم کو لواطت کی ضرابی سے آہ و کیا اور اس
 فعل شنیع سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ
 اور لوط علیہ السلام کو بھی سمجھنے اُن کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا
 ہے آپ اس قوم کے فرد نہیں تھے، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی بابل سے
 ہجرت کر کے آئے تھے چونکہ آپ اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لہذا اس قوم کو آپ
 ہی کی قوم کہا گیا ہے۔ تو لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا اِنَّكُمْ
 الْعَاقِبَةُ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ اغلام بازی جیسے قبیح فعل کے مرتکب
 ہوتے ہو وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ اور تم دیکھتے بھی ہو تُبْصِرُوْنَ کے دو مطلب
 ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس کام کو بڑا سمجھتے ہوئے بھی اس کا ارتکاب کر رہے ہو

اور دوسری یہ ہے کہ تم بے حجابانہ طور پر ایک دوسرے کے آنے سامنے دیکھتے ہوئے بھی اس
 برائی کو کیے جا رہے ہو اور ذرا شرم نہیں کھاتے۔ فرمایا اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
 شَهْوَةً مِّنْ دُوْلِ النِّسَاءِ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کیے مزدور
 کی طرف دوڑتے ہو یا یہ تو بڑا ہی گنہگار ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ
 تم تو بڑے ہی نادان اور بے سمجھ لوگ ہو۔ سترنے شہوت رانی کے لیے دوسری جنس
 بنائی ہے مگر تم یہ کام اپنے ہم جنس مردوں سے کرتے ہو سورۃ الشعراء میں گزر چکا ہے
 کہ آپ نے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا اِنْ لِّیْ لَعَلِّکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ
 (آیت ۱۶۸) میں تمھارے اس فعل سے نفرت کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں زنا اور لواطت
 دونوں جرائم کو فحش کہا گیا ہے جبکہ لواطت زنا سے بھی زیادہ قبیح فعل ہے۔ یہ خلاف وضع فطری
 ہے مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اتنا بڑا فعل ہے کہ اس کو تو سوائے بندوں کے کوئی دوسرا
 جانور بھی پسند نہیں کرتا۔ بندہ کو اسی فعل کی وجہ سے ذلیل جانور کہا گیا ہے۔

لواطت کی
 قبا حین

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ لواطت کرنے لگیں یا جانوروں کیساتھ
 یہ فعل شروع کر دیں تو ارتقاات نہ ہو سکیں بلکہ تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ مثلاً نیکو کو زانیہ
 ہے کہ اس کے ذریعے اللہ نے بقائے نسل کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ اگر غلام بازی شروع
 کر دی جائے تو بقائے نسل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور نیکو کی وجہ سے لوگوں پر جو ذمہ داری
 عاید ہوتی ہیں وہ بھی برباد ہو جائیں گی۔ لہذا یہ فعل فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اس
 فعل سے اخلاق بگڑ جاتا ہے اور دین بھی خراب ہوتا ہے نسل میں خرابی آتی ہے۔ ارتقاات
 ختم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور پھر اس کی گرفت
 آتی ہے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو تیس سال تک وعظ کیا۔ آپ نے اس قوم میں شب دروز
 ایک کر دیا مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ آپ کی بیٹیوں کے
 سوا کوئی بھی آپ پر ایمان نہ لایا حتیٰ کہ یحییٰ عیسیٰ کا فرہ بھی رہی۔

قوم کا جواب

لوط علیہ السلام کی قوم آپ کا وعظ سن کر تنگ آئی۔ فَمَا كَانَ
 جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا اَخْرِجُوْا اِلٰ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

ثُمَّ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ اٰخِرًاۤنَ کَی جَاب ۙ یَہ تھاکہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ بڑے پاکیزہ لوگ بن پھرتے ہیں جو ہمیں گندہ کہتے ہیں۔ کہنے لگے ان کو ان گندی بستیوں میں کیا کام۔ ان کو نکال باہر کر دو کہ یہ کسی اچھی جگہ پر چلے جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قومیں اپنے اپنے نبیوں کو غمخیز کرنا یا نیکان چاہتی تھیں۔ مگر اللہ نے ان کو ذلیل و خوار کر کے اس دنیا سے ہی نکال دیا۔ سورۃ قمر اور دوسری سورتوں میں یہ بھی موجود ہے کہ اگر بستی میں کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کر ڈالنے، یہ ایسی خبیث قوم تھی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا تو اللہ نے فرشتوں کو انسانی شکل میں بھیج کر قوم پر عذاب نازل کیا جس کی تفصیلات دوسری سورتوں میں موجود ہیں۔

لوط علیہ السلام
کے اہل خانہ
کی نجات

فرمایا کہ جب اس قوم پر عذاب آیا فَاَنْجِیْنٰہُ وَاَهْلَہٗۤ اِلَّا سَرَّوۡنَہُ تو ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو بچایا۔ ماسوائے آپ کی بیوی کی۔ قَدَرُ نَہَا مِنَ الْعَذَابِۤ اِنَّہٗۤ اَمْسَرَۤنِیۡنِ ہم نے اس کے متعلق ٹھہرا رکھا تھا کہ وہ پیچھے بنے و لوں سے ہوگی جب قوم پر عذاب کا وقت قریب آیا تو لوط علیہ السلام کو حکم ہوا فَاسْرِ بِاٰہِلِکَ بِقَطْعَ مِّنْ لَّیْلِ وَا لَا یُلَاقِیَنَّکُمْ عَنْکُمْۤ اَحَدًاۤ اِلَّا اَمْرًاۤتَکَ (مود - ۶۱) کہ اپنے اہل کو لے کر رات کے کچھ حصہ میں بستی سے چل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے دیکھئے مگر تمہاری بیوی کہ اس پر مصیبت آنے والی ہے وہ آکر سب کی مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آپ کے گھر والے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے چلے گئے تھے۔ ایماندار اہل خانہ میں آپ کی بچیاں ہی تھیں کیونکہ بیوی تو ایمان نہیں لائی تھی اور وہ ساتھ نہیں تھی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ گھر سے نکلتے وقت بیوی بھی ساتھ تھی مگر تھوڑی دُور آکر پھر واپس چلی گئی اور باقی قوم کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئی۔

لوط علیہ السلام اور آپ کی بیوی کا رشتہ قیامت والے دن بھی کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ بیوی ایمان ہی نہیں لائی۔ وہ فریاد کرے گی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ نوح علیہ السلام کی بیوی کی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی بھی نافرمان تھی۔ اللہ نے دونوں کے متعلق فرمایا

كَانَتْ تَحْتَ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتْهُمَا فَلَمَّ لُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ سَخِيطًا وَقِيلَ ذُخِّرَا لِنَارِ الرَّسْعِ الذَّخِيلِينَ .
(التخريم - ۱۰) یہ ہمارے نیک بندوں کے حرم میں تھیں مگر دونوں نافرمان تھیں اور ہمارے دونوں بندے اللہ کے ہاں کسی کا نہ آئے اور وہ دونوں عورتیں باقی جہاننیوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو گئی۔ اللہ نے یہ واقعہ عبرت کے لیے بیان فرمایا ہے۔ دوسری نیش فرعون جیسے متکبر اور مستبد شخص کی بیوی مومنہ تھی، اُس نے بڑی تکلیفوں کے ساتھ شہادت پائی تو اللہ نے اُس کے لیے جنت میں اعلیٰ ترین مقام بنایا ہے، اسی طرح اللہ نے حضرت سریمہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اُن کو اللہ نے کیسی پاکیزگی عطا فرمائی۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے اُن کی بیوی کے جو تھپتھپہنے والوں میں تھی۔

قوم لوط پر عذاب

فرمایا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا اور ہم نے اُن پر بارش برساتی قوم کی تباہی کا وقت آچکا تھا۔ اللہ نے ان پر بارش کے ذریعے پانی نازل نہیں کیا بلکہ اُن پر پتھر برساتے گئے۔ اور پتھر بھی ایسے مُسْقُوتَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ (الذہیت - ۳۴) جن پر مجرموں کے نام کندہ تھے کہ یہ پتھر فلاں سرور کے سر پر پڑے گا۔ اور یہ فلاں کا کام تمام کر گیا۔ اللہ نے پتھروں پر نام لکھ کر متعلقہ مافرانوں کو ملے۔ ایک تو بد سزا تھی اور دوسری یہ کہ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافَهَا (مہود - ۸۲) ہم نے اُس خط ارغی کا کچلا حصہ اوپر اور اوپر والا حصہ نیچے کر دیا یعنی زمین کو بالکل الٹ دیا کیونکہ وہ لوگ کام ہی اُلٹے کرتے تھے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے تھے۔ سورۃ الحج میں ایک تیسری سزا کا بھی ذکر ہے۔ فَاْخَذَ تَهُمُ الصَّيْحَةُ مُسْرِفِينَ (آیت - ۷۲) دن چڑھے اُن کو ایک زبردست چیخ نے پکڑ لیا اور اس طرح وہ پوری قوم تباہ ہو گئی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فعل لوط کے لیے اللہ نے کوئی حد مقرر نہیں کی، بلکہ اس کے مرتکب کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ سخت ترین سزا کے قائل ہیں مثلاً کسی دیوار کے نیچے کھڑا کہہ کے اوپر دیوار گرا دی جائے۔ یا کسی بندی سے نیچے گرا دیا جائے۔ بغرضیکہ عبرت ناک سزا ملنی چاہیے۔ تاہم حرم کی نوعیت کے اعتبار سے قید بندی کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے ان پر بارش برساتی۔ بائبل کی روایت

کے مطابق اس بارش میں آگ، گندھک اور پتھر تھے۔ یہ قمر خاندانی کی بارش تھی فسّاء
معدّہ کے لئے۔ یہ سب دوسرے پتھر تھے۔ یہ بہت بُری بارش تھی کہ
اس میں رحمت کی بجائے عذاب الہی تھا جس سے ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰ
 اللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ اَمِّنْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا بِهِ حَدَآئِقَ ذَاتَ
 بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ اِلٰهُ مَعَ
 اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ ۝۶۰ اَمِّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ
 قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافَهَا اَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيًّ وَجَعَلَ
 بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اِلٰهُ مَعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
 لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱

ترجمہ :- آپ کہ دیجئے (اے پیغمبر!) سب تعریفیں
 اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلام ہے اللہ کے ان بندوں
 پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ کیا اللہ بتر ہے یا وہ
 جن کو وہ شریک بناتے ہیں ۝۵۹ کون ہے جس نے پیدا
 کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، اور اتارا ہے تمھارے لیے آسمان
 کی طرف سے پانی۔ پس اگائے ہیں ہم نے اس کے
 ساتھ باغات با رونق۔ یہ تمھارا کام نہیں تھا کہ تم ان (باغات)
 کے درختوں کو اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ ہے ؟
 بلکہ یہ لوگ انحراف کرتے ہیں ۝۶۰ بھلا کون ہے جس نے
 بنایا ہے زمین کو قرارگاہ، اور بنائی ہیں اس (زمین) کے درمیان

نہیں۔ اور رکعتیں اُس میں جو حبلِ پہاڑ اور بنایا ہے اس
نے دو دریاؤں کے درمیان پردہ رکھ دیا، کیا کوئی اللہ سے
سُتر کے ساقفہ؟ مگر اکثر لوگ ان میں سے سمجھ نہیں رکھتے (۶۱)

ایضاً آیات

کا ذکر کیا۔ پھر زیان میں حضرت سلیمان اور بادلوں کا حال بیان کیا۔ اس کے
بعد قومِ ثمود کی تباہی کا تذکرہ ہوا اور پھر قومِ لوط کی ہلاکت کا بیان ہوا۔ یہ تمام قومیں کفر،
شُرک اور نافرمانی کی بدولت تباہ و برباد ہوئیں۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی
حدانیت کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور ساتھ ساتھ شرک کا رد کیا ہے۔

اللہ کی
حمود و ثناء

یہ ایک مسئلہ اصول ہے کہ جب بن کوئی اہم بات کرنا مطلوب ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ
کی حمد و ثناء بیان کی جاتی ہے اور پھر اس کے نیکو بندوں پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور ان
کے بعد اصل بات شروع کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالغفار دہلوی فرماتے ہیں کہ
”ان آیات میں یہی چیز سکھائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر توحید جیسا اہم مضمون
بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے **تَعْلٰی**
الْحَمْدُ لِلّٰہِ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں
۔ پچھلی آیات میں نافرمانوں کی تباہی کا حال بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرنے کی نصیحت
کی گئی ہے کہ اچھا ہو یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ ورنہ دنیا میں مزید فتنہ و فساد کا موجب
بنیں۔ اس قسم کی مثال بعض دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے مثلاً سورۃ الانعام میں
ہے **فَقُطِعَ دَرَبُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ**
الْعٰلَمِیْنَ (آیت - ۴۵) ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور سب تعریفیں اللہ
کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ گویا ظالموں اور نافرمانوں کی بیخ کنی
پر اللہ کی تعریف کرنی چاہیے۔

انبیاء پر
دور و سلام

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی تعریف بیان کریں اور دوسری یہ کہ ہر اہم کام کی
ابتداء سے پہلے **وَسَلِّمْ عَلٰی ؕ بَارِہِ الَّذِیْنَ** اُصْطَفٰی اور سلام ہے

اللہ کے منتخب بندوں پر۔ اصطفا کا معنی پسند کرنا بھی ہوتا ہے۔ گویا اللہ کے پسندیدہ بندوں پر سلامتی ہو۔ اللہ کے پسندیدہ یا منتخب شدہ بندے اس کے انبیائے کرام ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے صحابہ کرام، اولیاء اللہ اور نیک اور صالح بندے ہیں۔ ان پر بھی سلام ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی سلامتی میں رکھے، انسان کے لیے خدا تعالیٰ کے احسانات میں سے سب سے بڑا احسان دولت ایمان ہے جو کہ انبیاء کے توسل سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دولت اللہ کے نیک بندے اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔ ایمان کے بعد احکام شریعیہ کا علم بھی خدا کے انبیاء کی معرفت حاصل ہوتا ہے جن پر عمل کر کے انسان کامیابی سے بھرا ہو سکتا ہے۔ لہذا ان پر سلام کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان کے ساتھ انسان کا تعلق قائم رہے۔ نبی پر درود پڑھنے سے نبی کو کس قدر فائدہ ہوتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم درود بھیجنے والے کو ضرور فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ انبیائے کرام ہمارے درود و سلام کی وجہ سے درجات عالیہ تک نہیں پہنچتے بلکہ اللہ تعالیٰ خود انہیں ان کی صلاحیت اور استعداد اور اپنی مہربانی سے درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان پر درود و سلام بھیجیں اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں۔ بہر حال اللہ نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر اچھے کام کے آغاز سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنی چاہیے اور اس کے بعد اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں پر درود و سلام پیش کرنا چاہیے اور اس کے بعد اصل بات کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ
اور شرکاء

حمد و سلام کے بعد اب تمہید کے طور پر فرمایا اللہ خیر أمّا یشرکون
بجلالہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں
آگے بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقلی دلائل آ رہے ہیں اور یہاں بھی انسان کے ضمیر
کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ اپنی عقل کو بوسے کار لا کر بتاؤ کہ ایک طرف اللہ وحدہ لا شریک
ہے جو منبع ہدایت ہے، تمام ظاہری اور باطنی انعامات عطا کرتا ہے تمام تغیرات و

تقلبات اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ ہر لحاظ سے با اختیار ہے۔ اُس کے
 برخلات انسانوں، جنوں یا فرشتوں میں سے اُس کے شرکیہ ہیں جو مخلوق ہیں، شجر اور
 حجر ہیں جو بے جان چیزیں ہیں اور جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں در نہ وہ نفع و نقصان کے
 مالک ہیں۔ جب ان دونوں کا تقابل کیا جائے گا تو ہر صاحب عقل اور سربز مہب ملت
 کا پیروکار یہی جواب دے گا کہ اللہ ہی بہتر ہے، وہ خالق ہے، ہر لحاظ سے مختار ہے
 وہ کمالات کا منبع ہے، وہ مانگنے والا نہیں بلکہ دینے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہی بہتر
 ہے۔ بعد وہ کیسے بہتر ہو سکتے ہیں جو مخلوق ہیں اور لوگ ان کو خدا کا شرکیہ ٹھہراتے ہیں؟
 آگے اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل توحید بیان کیے ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان
 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَمْ لَمْ يَخْلُقِ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت خلق
 کا طوطا ہے کہ آسمان و زمین اور ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی
 کتاب حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں کہ توحید خداوندی کے دو درجے ایسے ہیں جن میں سارے
 کافر اور مشرک بھی متفق ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کی
 ہستی خود بخود ہے، کسی کی عطا کردہ نہیں۔ اس بات کے شرک بھی قائل ہیں کہ صرف
 خدا کا وجود ذاتی ہے۔ باقی ساری مخلوق کا وجود خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ خالقیت کا ہے۔ کسی نے یا پرانے مشرک ہندو، مجوسی،
 شنتو، دیت نامی، جینی، رومی سے پوچھ لیں، سب کہیں گے کہ پیدا کرنے والی ذات
 فقط خدا ہے۔ باقی سب مخلوق ہے۔ آگے چل کر توحید کا تیسرا درجہ تدبیر کا آئے۔
 یہاں آکر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک صحیح مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کی تدبیر
 بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ مگر بخوبی اس کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور
 مشرک کبھی شجر و حجر کی طرف، کبھی جنات اور فرشتوں کی طرف اور کبھی ادیان اللہ کی طرف
 یہیں سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر تو یہاں درجہ عبادت کا ہے۔ ایک سچا مومن
 عبادت بھی صرف اللہ کی کرتا ہے، اُسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، اُسی سے جنت و جہنم

دلائل توحید
 و تخلیق
 ارض و سما

اور مشکل کٹائی جاتا ہے مگر مشرک غیر اللہ کے سلتے مسجد پر نہ جاتے ہیں۔ اس کے نام کی منتیں مانتے ہیں اور اس سے اپنی حاجت براری کرتے ہیں۔

الغرض صفتِ تخلیق کے ضمن میں دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ ہر مذہب اور ہر مکتبہ فکر کے لوگ صرف اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہیں قرآن پاک نے تو صاف کہہ دیا ہے **اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** (زمر - ۶۲) ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ باقی سب مخلوق ہے عرش سے لے کر فرش تک، ملاقہ سے لے کر جنت تک ہر چیز مخلوق ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ بناؤ ارض و سما کو خالق کون ہے؟ پھر اللہ نے دوسری دلیل بیان کی کہ تم نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ **وَأَنْزَلَ**

(۲) بارش کا نزول

لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی کس نے ازل کیا یعنی بارش کون برساتا ہے۔ سارا کے لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ نزول بارش کا سبب محض بادل نہیں، بلکہ اُس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بارش کے لیے خطے اور مقدار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں کسی مخلوق کی خواہش داخل نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا رفرما ہوتی ہے مطلب یہ کہ بارش برسانا بھی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ بارش کے نتیجے میں۔ **وَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ** اور ہم نے اس پانی کے ذریعے باغات اگائے ہیں۔ حقیقتہً اس باغ کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد دیوار یا مچھاڑیوں کی بار ہو، وگرنہ عام باغ کو بستان کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہر چیز کی تخلیق، بارش کا نزول اور باغات کی پیداوار ہمارا ہی کام ہے۔ ساتھ ہی وضاحت فرمادی کہ **لَكُمْ أَنْ تَنْبِتُوا شَجَرًا** ہا یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ باغات کے درختوں کو اگ سکو یا پھل پھول لا سکو۔ یہ سب ہماری ہی قدرت کے کمرے میں ہے۔

فرمایا جب ان میں سے کوئی بھی چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر یہ بتاؤ **عَالِمُ الْغَيْبِ** اللہ کیا خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے جس نے ان میں سے کوئی کام بھی کیا ہو۔ زمین و آسمان یا ان کی کسی چیز کو پیدا کیا ہو آسمانی کردوں کو بنایا ہو

بارش برسانی ہو یا درخت اگائے ہوں۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر خدا کے ساتھ
 شریک کیوں بناتے ہو؟ کبھی خدا تعالیٰ کی صفت میں دوسروں کو شریک کرتے ہو
 کہ جس عبادت میں، آخر یہ کیوں؟ فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ
يَعْدِلُونَ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے واضح دلائل کے باوجود حقیقت کے اعتراف سے
 انحراف کرتے ہیں یعنی حق بات کو دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں يَعْدِلُونَ
 کا معنی انحراف بھی ہے اور دوسروں کو برابر کرنا بھی۔ گویا یہ لوگ بڑے ظالم اور بے انصاف
 ہیں۔ جو اتنی واضح دلیلوں کے باوجود خدا کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں۔ ان تمام
 دلائل پر اگر انسان اپنی عقل کے ساتھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب ان
 میں سے کوئی چیز بھی غیر اللہ کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر ان کو خدا تعالیٰ کا شریک
 کیوں بنایا جائے۔

۱۳ زمین بطور
 قرار ہے

فرمایا زمین کی تخلیق کے بعد أَمَّا جَعَلْنَا الْأَرْضَ قَرَارًا اس کو قرار گاہ
 یعنی ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنایا؟ آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا وَكَمْ فِي رِزْقِ رَبِّكَ فَتَنَّاكَ وَمَتَّعْنَاكَ فِي
أَلْبَتَقَرِّهِ (۲۶) تمھارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت یعنی قیامت تک
 فائدہ اٹھانے کا مسرمان ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ پورا نظام تبدیل کر دیا جائے
 گا۔ اس کے بعد دوسرا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے زمین کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ
 انسان اس پر سہولت کے ساتھ سائے کام انجام دے سکتا ہے۔ زمین نہ تو اتنی سخت
 ہے کہ اکھاڑی نہ جاسکے اور نہ ہی اتنی نرم ہے کہ انسان اس میں رخصت جائے۔ اس زمین
 میں لوگ کاشتکاری کرتے ہیں، کنویں کھودتے ہیں، اس پر مکانات تعمیر کرتے ہیں اور
 دیگر کاموں کا دوبارہ انجام دیتے ہیں۔

سورۃ المہملت میں اللہ نے فرمایا ہے لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ
الْحَيَاةَ وَالْمَوْتَ آیت ۴۵، کیا ہم نے زمین کو مٹی سے والی نہیں بنایا جو ہر زندہ اور مردہ کو اپنی
 تحویل میں لیے رکھتی ہے، جب تک انسان زندہ رہتا ہے زمین کے اوپر وہ کمرہ

کام کرتا ہے اور جب مرنے کا ہے تو یہی زمین اس کو اپنی آغوش میں لے جیتی ہے۔ سورۃ صہ
میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا
نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (آیت ۵۵) ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں (مرنے کے بعد)
تمہیں واپس لوٹائیں گے اور (قیامت کو) اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔ غرضیکہ انسان
کا ماضی، حال اور مستقبل اسی زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔

لفظ قرار میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا مستقبل صرف یہی زمین
ہے نہ کہ دوسرے سیارے چاند، مریخ، مشتری وغیرہ موجودہ زمانے میں سائنس نے اس
قدر ترقی کی ہے کہ لوگ چاند تک پہنچ گئے ہیں، وہ بھی انسان کے لیے مستقبل کی حیثیت
نہیں رکھتا۔ وہاں پر نہ پانی ہے، نہ خوراک اور نہ ہوا۔ ایسی حالت میں انسان وہاں پر
زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ عارضی طور پر وہاں پہنچتے ہیں وہ ضرورت کی ہر چیز یہاں سے
لے کر گئے ہیں۔ ایک تخمینے کے مطابق چاند پر ایک پونڈ خوراک پر کم از کم تیس ہزار پونڈ
خرچ آتے ہیں اور وہاں پر پہنچنے کا لباس چار لاکھ میں تیار ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان
حالات میں چاند پر رہائش رکھنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہو گا۔ اسی لیے اللہ نے
فرمایا کہ تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا ہے، نہ کہ کسی دوسرے سیارے کو۔

۵ تو کارِ زمین را نگو سخاوتی

کہ با آسمان نیز پر دستی

آسمان پر کمندیں ڈالنے کی بجائے اگر زمین کے حالات کو ہی درست کر دیا جائے تو یہ
انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اس وقت زمین فتنہ و فساد کا گڑھ بنی ہوئی ہے
اس میں بدمعاشی، غریبت اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ دیگر سیاروں کو مسخر کرنے کی
بجائے اگر یہی وسائل اس زمین کی بہتری پر صرف کیے جائیں تو اس سے انسانوں کی
حالت سنبھل سکتی ہے، یہاں پر علم کی روشنی پھیلانی جا سکتی ہے، جہالت اور غریبت کو
ختم کیا جاسکتا ہے اور اس طرح انسانیت کی بہتر طور پر خدمت کی جا سکتی ہے۔

اللہ نے توحید کی چوتھی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بتاؤ تو وہ کون ہے وَجَعَلَ

خَدَّهَا أَتُفَرِّجُهَا جِسْمَ زَمِينٍ فِي نَحْرِ بَحْرٍ جَدِيدٍ هِيَ - اللہ نے ایسا انتظام فرمادیا ہے کہ پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو وہ دریاؤں و درندہ نالوں کی صورت میں میدانی علاقوں کو سیراب کرتی ہے۔ پہاڑوں پر جتنے والی بہت نکلتی ہے تو دریاؤں میں سالہا سال پانی آتا رہتا ہے جس سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے -

وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ اور زمین پر بوجھل پہاڑ رکھ دیے ہیں تاکہ زمین ڈولنے نہ پائے۔ پھر ان پہاڑوں سے پانی کے علاوہ درخت، جڑی بوٹیاں، پھتر اور معدنیات حاصل ہوتی ہیں جو لوگوں کے لیے نہایت کارآمد چیزیں ہیں۔ زمین پر پہاڑ بھی اُسی نے ٹکائے ہیں۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا اور دو دریاؤں یا سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے میٹھا اور کھڑوا پانی آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے، یہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں اور اُس کی قدرت کا ملکہ کا شاہکار ہیں۔ تو بعد ابتداء أَنَّهُ مَعَ اللَّهِ كَيْفَ التَّوَكُّلِ ساتھ کوئی دوسرا الہ بھی ہے جو ان میں سے کوئی کام کر سکے۔ فرمایا اللہ کے علاوہ معبود تو کوئی نہیں بَلْ كَثُرْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ بلکہ اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں جو ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود شرک کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ان دلائل پر ہی غور کر لیتے تو بات ان کی سمجھ آ جاتی اور یہ اللہ کی تدبیر اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ کرتے، مگر ان لوگوں میں غور و فکر کی صلاحیت ہی نہیں، یہ بے سمجھ لوگ ہیں

اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَ
 يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ اِلَهِ الْاَرْضِ مَعَ اِلَهِ مَعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا
 تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَمَّنْ يَهْدِيْكُمْ فِى ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
 وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
 مَعَ اِلَهِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۳ اَمَّنْ
 يَّبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ
 السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مَعَ اِلَهِ مَعَ اللّٰهِ قُلْ هَآتُوْا
 بِرُهَانِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶۴

ترجمہ :- بھلا کون ہے جو مجبور و بیکس کی دُعا کو قبول کرتا ہے
 جب وہ اس کو پکارتا ہے ، اور دور کرتا ہے تکلیف کو ،
 اور بناتا ہے تم کو نائب زمین میں ۔ کیا کوئی اللہ ہے اللہ کے
 ساتھ ۔ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ۝۶۲ بھلا کون
 ہے جو راہنمائی کرتا ہے تمہاری خشکی اور تری کی تاریکیوں
 میں ، اور کون ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو جو خوشخبری لانے
 والی ہوتی ہیں اُس کے بارِ ان رحمت سے پہلے ۔ کیا کوئی اللہ
 ہے اللہ کے ساتھ ؟ بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اُن
 چیزوں سے جن کو یہ اُس کا شریک بناتے ہیں ۝۶۳ بھلا کون

ہے جو ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر وہ اس کا اعادہ کریگا
اور کون ہے جو تم کو روزی پہنچاتا ہے آسمان اور زمین
سے کیا کوئی اللہ کے ساتھ؟ آپ کہہ دیجئے
کہ دُورِ دلیل اپنی اگر تم پتے ہو (۶۴)

اللہ تعالیٰ کے نشاناتِ قدرت کے طور پر پتے دُور اور سلیمان علیہما السلام
کے وقتِ حیات بیان ہوئے، پھر قومِ صالح اور قومِ لوط کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ
نے اپنی توحید اور قدرتِ تامہ کا ذکر کیا اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ پچھلے واقعات
سے لوگوں کی عبرت اور نصیحت مطلوب ہے تاکہ لوگ کفر، شرک اور معاصی سے
باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں پہنچ جائیں۔
اب اس رکوع میں اللہ کی توحید کے عقلی دلائل بیان کیے جا رہے ہیں جن میں غور کرنے
سے وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے اور انسان کفر و شرک سے بچ سکتا ہے۔
گزشتہ درس میں ارض و سما کی تخلیق، بارش کا نزول، نباتات اور درختوں کی پیدائش
کو دلائلِ توحیدِ قدرت کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ پھر زمین کو قرار دیا کہ بنائے، ان میں
نہ میں جلد سے اور تو بھل پہاڑ کھد کر کے اور دو پانیوں کے درمیان آٹ بنائیت کا تذکرہ
تھا۔ پھر اللہ نے استغناء میرا زمین فرمایا کیا کوئی خدا کے ساتھ درجہ دہی ہے جو یہ
سائے ہو کر آئے ہو؟ نجا ہے کہ یقیناً خدا کے غلڑہ کوئی معبود نہیں اس کے باوجود لوگ
بے سمجھ ہیں اور شیخِ رسول سے انحراف کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کی
بجائے کفر و شرک کا رستہ اختیار کرتے ہیں۔

مجموعہ
کی دعا

سب ان کی آیات میں اللہ نے مزید دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے
اَمْتَنَ جُبُّ الْمُضْطَرِّ اِنَّ دَعَا كُوفٍ هُوَ مُجْمُورٌ وِہیں کی دعا کو
قبول کرتا ہے جب کہ وہ اس کو پہچانتا ہے۔ وَیَكْشِفُ السُّوءَ وِہیں کی تکلیف
کو دور کرتا ہے۔ لوگوں پر صاحبِ تکلیف آتی رہتی ہیں جن کی وجہ وہ بے بس ہو

جاتے ہیں اور جب تاثر ہی اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ کے سنت ہی فرما دے کہ تیرے
 میں کہ تو لا کر یہ ہم نے تمام ظاہری اسباب استعمال کر دیے۔ چنانچہ زور و تھکاوٹ بے معادہ
 تیرے ہی سپرد ہے، تو ہی ہماری تکلیف کو رفع کر سکتا ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ ایسے
 مشکل وقت میں تمام خود ساختہ مجبوروں کو بھول کر صرف خدا نے وعدہ لے لیا کہ شراب کی طرف
 رجوع کرتے ہو مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے آڑے وقت میں مجبور و بیکس کی آواز
 کون سنتا ہے اُس وقت صرف خدا نے وعدہ لے لیا کہ شراب کا دروازہ ہی رد جاتا ہے جس پر
 دھچک دی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مصلحت ہوتی ہے تو وہ تکلیف
 کو رفع کر دیتا ہے وگرنہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

جب تک انسان کا بس چلتا ہے وہ اسباب ظاہرہ کو آزماتا رہتا ہے مریض
 کے سر پر نے قابل ترین ڈاکٹر کھڑے رہتے ہیں۔ پھر جب شفا کی کوئی صورت نظر نہیں
 آتی تو کہتے ہیں کہ ڈاکٹروں کی چھوڑ دو کسی دم حجاز کرنے والے کو بلاؤ۔ پھر بھی ناکامی ہوئی
 ہے تو فالس الشرحل شانہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُس وقت اقرار کرتے ہیں کہ
 کہ تو لا کر یہ تیرے بغیر سن تکلیف کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ مفسرین عامہ تکلیف
 آدمی کے علاوہ گنہگار بھی شامل ہے۔ جب وہ گنہگاروں میں ڈوب جاتا ہے اور رٹائی کا کوئی
 راستہ نظر نہیں آتا۔ تو پھر اقرار کرتے ہیں کہ مَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران ۳۵)
 اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ پھر اگر انسان اُس مالک الملک کے سامنے
 عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ گڑ گڑا کر معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف
 بھی کر دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی دیگر حادثہ پیش آ جاتا ہے طوفان آ جاتا ہے۔ قحط برپا ہو
 جاتا ہے یا کوئی دوسری تکلیف آ جاتی ہے۔ اور تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے
 ہیں تو پھر ایسی شکل سے اللہ کے سوا نکلنے والا کوئی نہیں ہوتا، یہاں یہی بات سمجھائی
 گئی ہے۔ مفسرین اکرام ایک بزرگ داؤدیمانی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بیمار کی
 بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو مریض نے شفا یابی کی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے
 فرمایا: بھائی! تم خود دعا کرو کیونکہ مضطر کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح اہم طاؤس

جو تابعین میں سے ہیں، ایک بزرگ ابوصالح کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ انہوں نے بھی فرمایا کہ مجھ پر ویکس آدمی کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے لہذا تم خود بھی اپنے لیے صحت کی دعا کرو۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے یہ بزرگ معیٹی اور ساتویں صدی ہجری کے محدث اور عظیم مؤرخ ہیں جن کی تاریخ کی کتاب انہی ملبہوں پر محیط ہے جن میں سے کچھ جلدیں طبع بھی ہوئی ہیں۔ تو انہوں نے کسی شخص کا واقعہ لکھا ہے متعلقہ شخص کا اپنا بیان ہے کہ میں خجیر بار برداری کا کام کرتا تھا اور مسافروں کا سامان وغیرہ دمشق سے زبانی تک کرانے پر لے جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی مسافر نے مجھ سے بار برداری کا معاملہ طے کیا۔ میں نے سامان خجیر پر لدا اور معدودت راستے پر چل دیا مسافر کہنے لگا کہ یہ راستہ دُور ہے تم اس راستے سے چلو جو نزدیک ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس راستے سے واقف نہیں ہوں مگر مسافر نے اصرار کیا کہ وہ خود اس راستے سے واقف ہے لہذا انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ وہ نئے راستے سے چل دیے حتیٰ کہ ایسی خوفناک دلدلی میں پہنچ گئے جہاں ہر طرف لٹانی جسم کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ مسافر نے اس مقام پر رکنے کے لیے کہا۔ جب خجیر روک دیا تو مسافر کی شکل میں آنے والا ڈاکو کھل کر سامنے آگیا۔ اُس نے ننگر ٹاکنس لیا۔ اور چھڑا لے کر مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شخص جان بوجھ کر مجھے اس راستے پر لایا ہے تاکہ مجھے قتل کر کے میرے خچر اور سامان پر قبضہ کرے۔ میں نے بھاگنا یا مگر اس نے تعاقب کیا۔ وہ تھا بھی مجھ سے طاقتور۔ لہذا میں اُس کے سامنے بے بس تھا۔ میں نے اُس کی منت کی کہ میرا مال لے لو مگر مجھے قتل نہ کرو مگر وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں تھا۔ بالآخر میں نے کہا کہ موت سے پہلے مجھے دو رکعت نماز ہی پڑھ لینے دو۔ وہ مان گیا اور میں نے نماز شروع کر دی۔ اُس وقت پریشانی کا یہ عالم تھا کہ قرآن پاک کا کوئی حصہ زبان پر نہیں آ رہا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد صرف یہی ایک آیت میری زبان سے ادا ہوئی اَمَّا نَبْ یَّحْیٰیْبُ الْمَیْیُتْ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْمَ۔ اچانک میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک تیز گھڑی

اور غیبی کا عجیب واقعہ

ہماری طرف آ رہا ہے جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ وہ قریب پہنچا اور اپنا نیزہ اُس ڈاکو کے سینے میں پیوست کر کے اُس کو ہلاک کر دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد گھنٹہ سوار فوراً واپس ہوا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو جس نے مجھے اس مشکل وقت میں بچایا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اسی سبکی کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبور و بکس آدمی کی فریاد سن رہا ہے اور جسے تو نے پکارا تھا۔

حضور علیہ السلام
کے ناصحانہ
فرمودات

سنا احمد کی روایت میں آتا ہے کہ بنی حنیم کا ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا لِمَا تَدْعُ یعنی آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَدْعُوْا لِحَدِّهِ وَحْدَهُ کہ میں تو اللہ وحدہ لا شریک کی توحید کو ماننے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور وہ دہی ذات ہے اَلَّذِيْ اِنْ مَّسَّكَ ضَرْبٌ فَكُشِفَ عَنْكَ کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دے وَ اِنْ اَضَلَّتْ بِاَرْضٍ قَفِرٍ فَدَعُوْهُ اَلَّذِيْ تَدْعُوْنَ اِيَّاهُ کہ اگر تم کسی بیابان میں اپنی سواری کھو بیٹھو، پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سواری واپس کر دے۔ وَ اِنْ اَصَابَكُمْ سَنَةٌ فَدَعُوْهُ اور اگر تم قحط میں مبتلا ہو کر اُسے پکارو تو زمین سے نباتات پورے اور فصلیں پیدا کر دے۔ لہذا میری دعوت یہ ہے کہ قادر مطلق اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُس پر ایمان لاؤ۔

بنی حنیم کا شخص کہنے لگا حضور! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تَسَبَّنْ أَحَدًا كَيْ لَا يَكُوْلَ لِيْ دِيْنًا اور دوسری بات یہ کہ لَا تَرْهَدَنَّ فِي الْمَعْرُوفِ نیکی کے کام میں پس و پیش نہ کرنا، اگر اور کچھ نہ ہو تو اپنے مسلمان بھائی سے ملنے وقت منہس مکھ چہرے سے مل لیا کرو۔ ڈول کے ساتھ پانی نکال رہے تو اس میں سے تھوڑا سا پانی اپنے بھائی کو بھی دے دو۔ مطلب یہ کہ نیکی خواہ معمولی سی ہو اس کے کرنے میں ہچکچی بہت محسوس نہ کرو۔ آنحضرت علیہ السلام نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ تہ بند باندھو تو نصف پنڈلی تک باندھو۔ اگر نیچے کرنا مطلوب ہو تو ٹخنے سے بہر حال اوپر رکھو کیونکہ تہ بند یا پجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے

اور یاد رکھو ان شاء اللہ کہ یَحِبُّ الْعَزِيزَةَ اللہ تعالیٰ تجھ کو برگزیدہ نہیں کرتا۔
 یہ بیان جو چاہے کہ مجبور و بکس کی دعا کو اللہ ہی سُنتا اور اُس کی مشکل حل کرتا ہے
 اس ضمن میں حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ رَجَوُ
 فَلَا تَكْنِیْ اِلَّا نَفْسِیْ صَرْفَةً عَنِ وَاَصْلِحْ لِيْ شَیْءِیْ
 کُلَّہٗ اے پروردگار! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے میرے نفس کی طرف
 آنکھ چپکنے کے برابر بھی نہ سونپ اور میرے تمام حالات کو درست فرمادے۔ تو ہی
 تکلیف کو دور کرنے والا اور مریض کو شفا بخشنے والا ہے۔ ایک ایمان دار آدمی کا
 حیلہ بھی اللہ کی رحمت ہے اور اس کا وسیلہ بھی اللہ کی رحمت ہے۔ وسیلہ کے متعلق
 امام سیوطی کے دو اشعار بھی ملاحظہ کریں۔

مَا لِيْ سِوَى فَقْرِیْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ
 فَبِالْفِتَقَارِ يَدِيْ اِلَيْكَ اَرْفَعُ
 مَا لِيْ سِوَى قَرْعِيْ بِبَابِ حِيْلَةٍ
 فَلَيْسَ رُدُّدَتْ فَاعَتْ بِابِ قَرْعٍ

میرے لیے میری محتاجی کے سوا اور کوئی وسیلہ نہیں ہے، لہذا میں اس افتقار
 (محتاجی) کے ساتھ ہی تیرے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہوں میرے لیے تیرا
 دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تو نے اس کو رد کر دیا تو پھر میں کس کا دروازہ
 کھٹکھٹاؤں گا؟

بہر حال فرمایا کہ مجھ کو مجبور و بکس آدمی کی دعا کو کون سُنتا اور
 قبول کرتا ہے جب وہ پکارتا ہے اور اُس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے۔ ظاہر
 ہے کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے جبے کس کی دست گیری کرتا ہے۔ پھر
 فرمایا، وہ کون ہے وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ اَلْاَرْضِ جو تمہیں زمین میں ہلوں
 کا جانشین بناتا ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اُس کی جگہ لے لیتی ہے اور یہ سلسلہ
 قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر پہلے لوگ دنیا کے منظر سے غائب نہ ہوں تو آخر انہوں

کو اُن کی نیابت کیسے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب نظام قائم کر کے ایک کو دوسرے کا نائب بنایا ہے۔ جب یہ تمام انعامات کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عَدَّ إِلَهُ مَعَ الَّذِي کیا اُس کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ مگر افسوس قَدِیْلًا مَا تَذَكَّرُوْنَ تم بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ بات بار بار مشاہد بھی کر چکے ہو کہ مجبور دے کس کی فریاد سی صرف اللہ ہی کرتا ہے، اُس کی پریشانی کو وہی دور کرتا ہے اُسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے۔ سورۃ یونس میں نیابت کا قصہ بھی بیان کیا ہے لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (آیت ۱۳۰) تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس نیابت کا حق کس طرح ادا کرتے ہو اور دنیا میں رہ کر کیسے اعمال انجام دیتے ہو؟

بعض انعامات
النبیہ

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انعامات یاد دل کر اپنی رحمت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان انعامات کا عطا کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ جب کوئی نہیں تو پھر معبود بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے أَقْمَرُ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّيْلٍ وَالْبَحْرِ كُونَ ہے جو خشکی اور تارکیوں میں تمہیں رہنمائی کرتا ہے۔ بعض اوقات سمندروں میں جہاز بھٹک جاتے ہیں۔ راستہ معلوم نہیں ہوتا یا جب کوئی قائد گھٹنے جنکلات یا لٹ و دق صحرا میں سفر کر رہا ہوتا ہے تو راستہ محسوس جاتا ہے۔ بھلا ایسی مشکلات میں رہنمائی کرنے والی کون سی ذات ہے جو راستہ دکھلا کر منزل مقصود تک پہنچا دے۔ ہر مشکل وقت میں اللہ ہی رہنمائی کرتا ہے اور وہی مشکلات کو دور کرتا ہے۔

فَرِیَا وَمَنْ يُسَلِّ الرِّیْحَ بَشْرًا بِیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهِ

کہن سب جہازانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلتا ہے؟ جب ایک خاص سمت سے ٹھنڈی ہوا چلے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اب بارانِ رحمت ہوگی اور انسان، حیوان، پھرند، پرند، کیڑے مکوڑے حتیٰ کہ نباتات بھی اس سے مستفید ہوں گے۔ جانداروں کو پینے کے لیے پانی میسر آئے گا اور باغات اور کھیتیاں سیراب ہو کر پھل پھول لائیں

گئی، فحشیں پیدا ہوں گی، اور قحط سالی دور ہو جائے گی۔ بمقصد یہ کہ خوشخبری لانے والی ہوئیں
بھی اللہ ہی چلاتا ہے۔ پھر یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر بارش رحمت ہی کا سبب ہو
بعض اوقات یہی بارش غیر مفید بھی ہو سکتی ہے، اسی بارش سے سید ب آتے ہیں، مندرجہ
میں طوفان اٹھتے ہیں اور اچھے بھلے لوگوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

فَرِیَآءَ ٱللّٰہِ مَعَ ٱللّٰہِ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟ ہرگز
نہیں تَعٰلٰی ٱللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بلند و برتر ہے
اُن چیزوں سے جن کو یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ کمال قدرت کا مالک
صرف خدا ہے جب کہ باقی سب عاجز مخلوق ہیں۔ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں۔ مگر

تخلیق انسانی
اور اس کا
اعادہ

پھر فرمایا اَمَّا یَوْمَ تَخْلُقُ نَسَمًا یُعِیدُہٗ کون ہے جو تخلیق
میں پہل کرے تب اور پھر اُس کا اعادہ کرے۔ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت
آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اُن کی نسل در نسل ہر روز لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں، اور
قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی، تو ہر چیز فنا ہو جائیگی۔
پھر اللہ تعالیٰ اُن کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور وہ محاسبہ اعمال کے لیے اللہ کے حضور
پیش ہوں گے۔ سورۃ الطارق میں ہے اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَفَٰدِرٌ
(آیت - ۸) جس نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے وہ اُس کے لوٹانے پر بھی قدرت
رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا ایسا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں
ہوتا۔ انسان سے انسان ہی پیدا ہوتا اور ہر قسم کے حیوان، چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں
سے ویسی ہی مخلوق پیدا ہوتی ہے کبھی ایک جنس سے دوسری جنس پیدا نہیں ہوتی۔
دہریوں کا نظریہ بھی باطل ہے جو کہتے ہیں کہ تمام مخلوق اندھے مانے کی تخلیق ہے، اور
تمام اشیاء اتفاق سے ہی خورد بخورد پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہر
جنس یعنی انسان، حیوان اور نباتات کو الگ الگ مادے سے پیدا فرمایا ہے، اس میں
اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کی قدرت کا فرما ہے۔ نہ اس میں اندھے مادے

کا کوئی تعلق ہے اور نہ یہ اتفاق کی بات ہے۔ تخلیق اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں، لہذا اُسی کی توحید کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

روزِ
رسالی

آگے اللہ نے ایک اور دلیل بیان فرمائی ہے وَمَنْ يَرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَلاَرْضِ تَمَیْزِ آسمان و زمین سے روزی کون ہم پہنچاتا ہے؟ یعنی روزی کے اسباب کون میا کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے تو فضا میں بادل گھبراتے ہیں۔ پھر اللہ کی مشیت میں جہاں اور جتنی بارش مقصود ہوتی ہے وہاں برسادی جاتی ہے اس سے سبزہ گنت پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے جو انسان اور حیوانوں کی روزی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے علاوہ روزی کے جتنے بھی ذرائع ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی میا فرماتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کون ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے روزی پہنچاتا ہے؟ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ اللہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی روزی رسال ہے۔ فَلْيَنْصَبُوا پیغمبر! آپ کہہ دیں هَؤُلَاءِ بَرِّهَانُ کُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا الہ بھی ہے تو پھر کوئی دلیل پیش کرو۔ مگر دلیل کہاں سے آئے گی مخلوق تو ساری کی ساری عاجز ہے، وہ تو کسی کام کی قدرت نہیں رکھتے۔ لاکھ ٹکریں مارو دلائل صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ہی ملیں گے۔ اللہ کی قدرتِ کاملہ ہی سمجھ میں آئے گی۔ لہذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اس کے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھنا چاہیے۔

قَدْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ
إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادْرِكْ
عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ۚ بَلْ
هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) میں جانتا جو بھی سب
آسمانوں میں اور زمین میں غیب سوائے اللہ کے۔ اور ان کو
خبر نہیں کہ کب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۶۵﴾ بلکہ اگر
گیا سب ان کا علم آخرت کے بارے میں۔ بلکہ وہ شک میں
ہیں اس (آخرت) کی طرف سے۔ بلکہ یہ لوگ اس (آخرت)
سے اندھے ہیں ﴿۶۶﴾

گزشتہ آیات میں اللہ نے مسئلہ توحید سمجھانے اور شرک کی تردید میں کئی عقلی
دلائل بیان فرمائے ہیں۔ ان دلائل میں ارض و سما کی تخلیق، بارش کا نزول، باغات اور
شجرہ کی پیداوار، زمین کا قرار گاہ مٹھانا اور اس میں نہریں جاری کرنا، زمین میں بوجھل سپاڑ
گاڑ دینا، دو پانیوں کے درمیان آڑ قائم کر دینا تاکہ آپس میں غلط ملط نہ ہونے پائیں۔
وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دلائل توحید ہی کے ضمن میں فرمایا کہ مجبور و بکس
کی فریاد رسی کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ اُسی نے تم کو پہلے لوگوں کا نائب بنایا
نخلی اور تری میں وہی رہ دکھاتا ہے، باران رحمت سے پہلے وہی خوشخبری لانے والی
ہواؤں کو چلاتا ہے، بھلا اُس کے سوا کوئی اور الہ ہے؟ وہی مخلوق کو ابتداء میں پیدا

کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے۔ اُسی نے زمین و آسمان سے روزی کے اسباب
 بنایا فرمائے۔ غرضیکہ ان تمام امور کو انجام دینے والا صرف اللہ ہے تو پھر معبودِ برحق بھی
 وہی ہے اگر اُس کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے تو اس کے لیے دلیل پیش کرو۔ دلائل
 تو سائے کے سائے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں۔ لہذا اُس کے شریک ٹھہرنے
 کو کوئی وجہ نہیں ہے اسی لیے تو اللہ نے ان دلائل سے قبل فرمادیا اللہُ خَیْرُ
 اَمَّا یُشْرِکُوْنَ (آیت - ۵۹) کیا خدا تعالیٰ کی ذات بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک
 بناتے ہیں؟

علم محیط خاصہ
 خداوندی ہے

مبغذ ان خصوصیات کے جو معبودِ برحق میں پائی جاتی ہیں ایک یہ بھی ہے جو اللہ نے
 اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ تمام چیزوں کا کلی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ الوہیت
 کی ایک خصوصیت خالق ہونا ہے۔ اللہ بھی وہی ہو گا جو ہر چیز کا خالق ہے۔ سورۃ بقرہ
 میں فرمایا قُلْ هَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اَوْ قُلِ اللّٰهُ یَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (آیت - ۱۹۲)
 ہر چیز! آپ ان سے پوچھیں کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جس نے سب
 سے پہلے پیدا کیا اور پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا۔ فرمایا آپ یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ ہی
 اولاً پیدا کرنے والا ہے اور وہی اس کو لوٹے گا۔ اس طرح سورۃ فاطر میں سورۃ
 اللہ کے انعامات کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہَلْ مِنْ خَلْقِ
 غَیْرِ اللّٰهِ (آیت - ۳) کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین
 سے روزی پہنچاتا ہے؟ صفتِ خلق کے علاوہ قادرِ مطلق ہونا بھی الوہیت کی صفت
 ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
 قَدِیْرٌ (البقرہ - ۲۰) ہر چیز پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے۔ پھر علیمِ کل
 ہونا یعنی ذرے ذرے کا علم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ واللہ بِکُلِّ
 شَیْءٍ عَلِیْمٌ (البقرہ - ۲۸۲) ہر چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
 وَكَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (النساء - ۱۲۶) اللہ تعالیٰ ہی ہر

چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قدرت کے لحاظ سے احاطہ ہو یا علم کے احاطے سے یہ بہر حال اللہ تعالیٰ لیتہ مخصوص ہے۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ غیر مرنی ہے یعنی وہ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی صفات میں سے ہے۔ نافع اور ضار ہونا مختارِ کل ہونا، علیمِ کل ہونا، خالق ہونا، یہ سب الوہیت کی صفات مختصہ ہیں۔ اسی طرح علمِ محیط بھی الوہیت کی صفات میں سے ہے۔ جس ذات میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ کیسے اللہ ہو سکتا ہے؟

عافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے شرح بخاری میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے یہ نیک بندے جس کشتی پر سوار تھے اُس کے کنارے پر ایک چڑیا آکر بیٹھ گئی۔ اُس نے مندر میں چوبچ مار کر ایک آدھ قطرہ پانی کا لیا تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَلْمَوْسٰی مَا عَلِمْتُ وَاَعْلَمْتُ فِيْ جَنْبِ عَلَمِ اللّٰهِ اِلَّا كَمَثَلِ هٰذَا الْعُسْفُوْرُ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! میرے اور تیرے علم کی مثال اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے اس چڑیہ نے مندر سے پانی حاصل کر لیا ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کیا تُو نے زمین پر آپ سے زیادہ علم والا بھی کوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں۔ بس اسی میں آپ کی آزمائش آگئی، کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اللہ کی طرف کیوں نہیں لوٹایا اور خود ہی سب سے بڑے عالم بن بیٹھے۔ انہیں چاہیے تھا کہ کہتے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ فی الواقع اس وقت اللہ کے دین اور شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والے موسیٰ علیہ السلام ہی تھے لیکن پھر بھی اُن کی گرفت ہو گئی اِذْ لَمْ يَرْيَدْ الْعِلْمَ الْحَكِّ الَّذِيْ كَرِهْتُمْ نے علم کی بات کو اللہ کی طرف کیوں نہ لوٹایا۔ بہر حال اسی سلسلے میں آپ کو لمبا چوڑا سفر اختیار کرنا پڑا اور پھر خضر علیہ السلام نے اپنے اور اُن کے علم کی مثال بھی بیان کی کہ کل مخلوق کے مقابلے میں اللہ کے علم کی نسبت قطرے اور لاکھوں مربع میل پر محیط سمندر جتنی بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم ازل سے لے کر اب تک ذرے ذرے پر محیط ہے اور یہ الوہیت کی صفتِ خاصہ جو کسی دوسری شئی میں نہیں پائی جاتی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پوری بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اُن کو وحی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے۔ انبیاء کے عقل و حواس اور اعضاء و جوارح بھی بڑے کامل درجے کے ہوتے ہیں۔ اللہ ان کو معصوم بناتا ہے۔ وہ ابتداء سے ہی اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور اُن سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو جائے تو فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے، کسی نبی کو کسی غلطی پر مٹنے نہیں دیا جاتا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ان تمام تر کمالات کے باوجود لَا یَعْلَمُونَ الْغِیْبَ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے مولائے اس کے چاہتا ہے ان کو کما ویتکسب غیب جاننا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے: فَضَوْنَا مَا الْبَیِّنِ صَلٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ سَلَام کا ارشاد ہے: اَوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مجھے اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے۔ جس شبہ آپ تمام انبیاء اور ساری مخلوق سے زیادہ علم رکھتے ہیں اس کے باوجود آپ کو عالم الغیب کہنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو دین اور شریعت کا علم مکمل طور پر دیتا ہے۔ کائنات کی بعض چیزوں کے متعلق بھی سب کچھ علم دیتا ہے مگر ذرے ذرے کا علم نہیں کہ اللہ نے اُس کی نفی فرمائی ہے اللہ کو فرماں ہے وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغِیْبِ لَا یَعْلَمُہَا اِلَّا ہُوَ (الانعام: ۵۹) غیب کی چابیاں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اس کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ مرقہ لقمان میں پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے: اور وہ یہ ہیں کہ (۱) قیمت کب بربا ہوگی (۲) بارش کب اور کتنی ہوگی (۳) مال کے پیٹ میں کیا ہے۔ (۴) ان کا کل کیا کرے گا (۵) کس کی موت کہاں واقع ہوگی۔

بے اللہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو غیب کی بعض باتوں پر اطلاع کر دیتا ہے، مگر کسی ایسے شخص پر عالم الغیب ہونے کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں اشتباہ واقع ہوتا ہے اور اشتباہ میں کسی کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

دیکھ لیجئے اللہ نے اپنے پیغمبر سے شعرو شاعری کی صریح الفاظ میں نفی کی ہے وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ (یس: ۶۹) ہم نے اپنے نبی

کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ وہ اس کی نمایاں شان ہے شعرو شاعری کا شعبہ بڑا وسیع ہے مگر نبوت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح کمالات اور سحر کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں دیا۔ ہاں حلال و حرام، جائز و ناجائز اور اسلحہ سے متعلق تمام باتیں آپ کو بتلا دی گئی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَا مِنْ شَيْءٍ يَكْتَرِبُ كُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ كَوْنِي أَيْسَرُ مِنْ جِبْرِائِيلَ جِئْتُكُمْ مِنْ قَرِيبٍ كَرْدِي وَأُورْدُ زَنْجٍ سِي دُورٍ كَرْدِي مگر میں نے تمہیں بتلا دی ہے۔ لیکن جہاں تک دنیا کے علوم کا تعلق ہے تو یہ سب نبی کے لیے ضروری نہیں ہیں۔ مثلاً دنیاوی فنون از قسم ریاضی، جغرافیہ، سائنس، جہاز رانی وغیرہ مگر آپ نہیں جانتے تو یہ کوئی نبوت کے منافی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ کے نبی نے ہر مضر علم سے پناہ مانگی ہے۔

علم غیب خالص
خداوندی ہے

آج کی پہلی آیت میں اللہ نے علم محیط کی صفت کو ہی بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے، لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مخلوق سے علم غیب کی نفی سے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ اللہ نے حضور کی زبان سے کھلایا وَلَا أَقُولُ نَكْمٌ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (ہور - ۳۱) میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ كُنْتُ عَالِمَ الْغَيْبِ لَا سَنَكُنْزُكَ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ الشُّوْءُ (الاعراف - ۱۹۸) اگر میں غیب جانتا ہوتا تو فائدے کی بہت سی چیزیں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ اگر اللہ کے نبی کو غیب کا علم ہوتا تو آپ اپنے نثر بہترین حفاظ اور قاریوں کو منافقین کے ساتھ نہ بھیج دیتے جنہیں ہنرموند کے مقام پر دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حج کا احرام باندھا یعنی اس وقت آپ نے عمرہ کی نیت نہیں کی اور ساتھ قربانی کے جانور بھی لیے۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے

اتباع میں حج کا احترام باندھا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر خیال آیا کہ مشرکین حج کے میدان میں
 عمرہ ادا کرنے کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے تو آپ نے مشرکین کے
 خلاف کرنے کے لیے صحابہ کو حکم دیا کہ جو لوگ قرآن کے جانور ساتھ نہیں لائے وہ حج کے
 اہرام کو عمرہ میں بدل دیں اور عمرہ کر کے حلال ہو جائیں۔ آپؐ فرمایا: اگر میرے دل میں پتہ
 وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی ہے۔ تو میں شرابی کے جانور، سینہ سے نہ لٹاتا۔
 اور جو طواف سعی کی ہے اس کو عمرہ میں تبدیل کر دیتا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں
 لَوْ اِنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِى مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسْقِ
 الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً۔ یہ واقعہ بھی حضور علیہ السلام سے علم غیب کی نفی
 کرتا ہے۔ بغرضیکہ تین سو سے زیادہ نسووس متی ہیں جن میں علم غیب مطلق کی نفی کی گئی ہے
 علم غیب کا اطلاق صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے۔ قیامت میں دن اللہ تعالیٰ
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال و جواب کریں گے۔ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے
 لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟ تو عیسیٰ علیہ السلام عرض
 کریں گے کہ پروردگار تو پاک ہے، بھلا میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسی
 بات کروں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے ایسی کوئی بات کی ہے تو تو اسے
 جانتا ہے، تو میرے دل کی بات کو جانتا ہے مگر میں تیرے جی کی بات کو نہیں جانتا
 اِنَّكَ اَنْتَ عَدَمُ الْغُيُوبِ (المائدة - ۱۱۶) تمام غیبیوں کا جاننے والا صرف
 تو ہی ہے۔

غیب کیا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کے لیے علم غیب کا ثبوت قرآن میں موجود ہے
 وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ
 مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران - ۱۴۶) اللہ تعالیٰ تمہیں غیب سے
 مطلع نہیں کرتا مگر اپنے منتخب نبیوں میں جس کو چاہے مطلع کر دیتا ہے
 اس سے مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نبی کو چاہے غیب کی بات
 پر مطلع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اطلاع علی الغیب کے بعد وہ غیب تو نہ رہا۔ غیب
 کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ اس کا علم بغیر کسی واسطے یا اطلاع کے ہو۔ نبی کو اللہ

نے وحی کے ذریعے کوئی باخبر بھلا دی تو وہ غیب نہ رہا۔ اسی طرح کشف کے ذریعے اولیاء
 کو کوئی بات سمجھا دی یا عقلی طور پر کوئی چیز فہم میں ڈال دی تو اس کو غیب نہیں کہہ سکتے ہاں
 اس کو اضافی طور پر غیب کہہ سکتے ہیں جیسے خدا تعالیٰ عَلِمَ الْغُیْبِ وَلَشَہَادَةِ
 (المحشر - ۲۲) ہے معنی وہ غیب اور حاضر چیز کو جاننے والا ہے مگر یہ غیب مخلوق
 کی نسبت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کا اپنا فرمان ہے
 وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی
 السَّمَاوَاتِ رَیْس - ۶۱ تیسرے پندرہ کلمہ سے تو زمین و آسمان کی ذرہ برابر چیز بھی
 پوشیدہ نہیں ہے۔ بہر حال علم غیب وہ ہوگا جو بغیر کسی کے بتلانے یا حواس ظاہرہ و
 باطنہ کو استعمال کرنے کے حاصل ہوگا۔ اور اس کا اطلاق صرف اللہ کی ذات
 پر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کوئی بات بتلا دیتا ہے تو پھر غیب نہیں
 رہتا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ ایک وقوعہ مشاہدہ کر کے آتا ہے
 تو وہ اگر دوسرے شخص کو بتلا دیتا ہے اب دوسرے شخص نے وہ خود تو نہیں دیکھا۔
 اور نہ ہی بغیر بتلانے کے علم ہوا ہے۔ لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دوسرے شخص کو علم
 غیب ہے بلکہ وہ تو اطلاع کرنے سے ہوا ہے اور اطلاع علی الغیب غیب نہیں ہوتا
 بہر حال ذرے ذرے کا علم تو فقط خدا تعالیٰ کو ہے۔ مخلوق کو تو اتنا بھی علم
 نہیں وَمَا یَسْخَرُونَ بِاَن یُنْزِلَ عَلَیْہِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَائًا یَبْرِیْءٌ لِّہُمْ
 ہمسرا اللہ نے اپنے ساتھ مختصر رکھا ہے۔ قرآن میں تصریح موجود ہے۔ لَہُ
 یَحْیِیْہَا لَوْ کُنَّ اَلاَہُوَ (الاعراف - ۱۸۰) اُس نے اپنے سوا اس کا وقت
 کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ بَلْ اَدْرِکْ عَلَیْہُمْ فِی الْاٰخِرَةِ بَکْرَۃً اٰخِرَتِہِ
 عالم میں اُن کا علم گر گیا ہے۔ اَدْرِکْ کا معنی سمجھنا، پانا یا اکٹھا کرنا ہوتا
 ہے۔ جیسے فرمایا: حَتّٰی اِذَا دَارَکُوْا فِیْہَا جَمِیْعًا (اعراف - ۲۸) جب
 سارے بحرہ جنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ تاہم اس مقام پر جملے کا معنی بعض مفسرین
 فرماتے ہیں اُن کا علم گر گیا ہے یا ساقط ہو گیا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کے خیانت

وقوع قیامت
 کا وقت

مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ قیامت آئیگی اور کوئی کہتا ہے کہ ہاں نہیں آئے گی
گویا اس معاملہ میں اُن کا علم ناقط ہو گیا ہے اور وہ یقینی طور پر کچھ میں جانتے۔

امام زمرؑ دُرُک کا معنی کامل ہونا کہتے ہیں۔ سہر۔ جلے کا معنی یہ بنا
ہے کہ آخرت کے بائے میں اُن کا علم کامل ہو چکا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ تمام
اسباب اُن کے پاس آچکے ہیں جن کے ساتھ قیامت کا علم ہو سکتا ہے مگر پھر
بھی یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنے سامنے پیدا
ہوتے دیکھتے ہیں۔ انسان اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ ہر موسم میں نباتات اُگتے ہوئے
دیکھتے ہیں۔ پھر ہر فصل کے موقع پر ان کا اعادہ ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔ یہ اس بات
کے ثبوت ہیں کہ وقوع قیامت بعید نہیں ہے اگر کسی چیز کی تخلیق پہلی دفعہ ممکن ہے تو
پھر دوبارہ بھی ممکن ہے۔ اس میں تردد کی کوئی بات ہے۔ سورۃ یونس میں ہے
إِنَّهُ يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (آیت ۴۰) وہی پیدائش کی ابتدا کرتا ہے
اور وہی دوبارہ لٹائے گا۔ فرمایا اس کے باوجود جاہل لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ بَلْ
هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَكَرُوا تَوَكُّبًا فِي بَطْلٍ (سورۃ النبا)
میں و مناعت موجود ہے عَمَّا يَتَسَاءَلُونَ هَ عَنِ النَّبَا الْعَظِيمِ
(آیت ۲۰۱) یہ کس چیز کے بائے میں پوچھتے ہیں۔ بہت بڑی خبر یعنی قیامت
کے بائے میں الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (آیت ۳) جس کے
متعلق وہ اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آئے گی اور کوئی انکار کرتا ہے۔ یہ لوگ
قیامت کے وقوع کے بائے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

فرمایا۔ بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ (بکہ یہ لوگ آخرت کے بارے

میں اندھے ہیں۔ عمون کا معنی ظاہری آنکھوں کا اندھا پن نہیں بلکہ ان لوگوں کے دل
اندھے ہیں جن میں صحیح بات نہیں سمجھ سکتی۔ سورۃ الحج میں ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى
الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ
(آیت ۴۶) ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہیں

دل کے
اندھے

قومِ نیت کے متعلق بھی فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنًا اعراف - ۱۶۴
 وہ ساری کی ساری قوم ہی اذھی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے۔
 شَرُّ لُّعْلَعٍ عَمٰی الْقُلُوْبِ بدترین اندھا پن دِل کا اندھا پن ہے۔ ظاہری آنکھوں
 سے محروم بعض لوگ تو بڑے اچھے اچھے کام بھی کر جاتے ہیں بعض لوگوں کے علمی
 کاموں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ان لوگوں نے علم کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ تو
 ظاہری نقص ہے کہ ان آنکھوں سے محروم ہے مگر اصل اندھا تو وہ ہے جس کا
 دِل اندھا ہے یعنی اس میں کفر، شرک اور بدعتیہ کی بھری ہوئی ہے۔ ایمان کا تصور
 موجود نہیں ہے اور وہ ہدایت کی بات کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ بہر حال منکرین
 قیامت کے متعلق فرمایا کہ اُن کے پاس علم کے تمام اسباب پہنچ چکے ہیں۔ مگر اس
 کے باوجود یہ لوگ شک و تردید میں پڑے ہوئے ہیں۔ گویا ان کے دِل اندھے ہیں جسکی
 وجہ سے قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَهْلًا
لْمُخْرَجُونَ ⑥۷ لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ
إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ⑥۸ قُلْ سِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ⑥۹
وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا
يَمْكُرُونَ ⑦۰ وَلَيَقُولُنَّ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ⑦۱ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ
بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ⑦۲ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ⑦۳ وَإِنَّ
رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ⑦۴
وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ
مُبِينٍ ⑦۵

ترجمہ ۱۔ اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار
کیا کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی اور ہمارے آباؤ اجداد بھی تر
کیا ہم نکلتے جائیں گے (زمین سے)؟ ⑥۷ البتہ وعدہ کیا گیا
ہے اس چیز کا ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے اس سے پہلے
نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی ⑥۸ اُسے پیغمبر! آپ

کہ دیکھنے چلو زمین میں پس دیکھو کیا ہوا انجام مجسموں کا (۶۹) (سے پیغمبر!) اور نہ غم کھائیں آپ ان پر، اور نہ ہوں آپ تنگی میں اُس چیز سے جو یہ پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں (۷۰) اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ (قیامت کا) اگر تم سچے ہو (۷۱) آپ کہہ دیجئے کچھ بعید نہیں کہ قریب ہوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جن کے لیے تم جلدی مچاتے ہو (۷۲) اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر مگر اکثر ان میں سے شکر ادا نہیں کرتے (۷۳) اور بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جس کو یہ ظاہر کہتے ہیں (۷۴) اور نہیں ہے کوئی چیز غائب آسمانوں اور زمین میں مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے (۷۵)

گزشتہ کوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقلی و دلائل بیان فرمائے اور شرک کا رد کیا۔ پھر افران لوگوں کے متعلق فرمایا کہ آپس کے اختلافات کی وجہ سے آخرت کے بارے میں ان کا علم ساقط ہو گیا ہے وہ کوئی صحیح بات نہیں کہہ سکتے بومشک میں پڑت ہوئے ہیں، اور ان کے دل اندھے ہیں۔ اب آج کے درس میں قیامت کا ذکر ہے۔ یہی سورتوں کے اہم ترین مضامین میں توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت کے علاوہ وقوع قیامت بھی ایک اہم مضمون ہے۔ کافر لوگ جہاں باقی بنیادی عقائد کو انکار کرتے تھے وہاں وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کے بھی منکر تھے۔ بعض تو کھٹنا انہر کرتے تھے اور بعض شک و تردید میں پڑت ہوئے تھے۔ وہ اس اہم مسئلہ کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے تھے مگر یہ بات ان کی ناقص سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ان آیات میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے

جست جہد
الوقت ہوا

کفر کا شیوہ اختیار کیا یعنی توحید و رسالت اور وحی الہی کے منکرین نے یہ بھی کہہ
 دیا اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَاَبَاؤُنَا كُنَّا جَمِیْمًا اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی ہو جائیں گے
 یعنی ٹٹوں مٹی کے نیچے دفن ہو کر مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ سورۃ الحجۃ میں
 ہے اِذَا صَلَّيْنَا فِي الْاَرْضِ رَاٰیْنَا اٰجِبًا جَمِیْمًا مِیْنًا مِیْنًا جَمِیْمًا
 گئے یعنی ہمارے جسمانی اجزاء مٹی میں رل مل جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ پیدا کیے جائیں
 گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی میں مل جائیں گے،
 اِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ تو کیا ہم اس زمین سے دوبارہ پائیدگی کے جائیں گے۔ ظاہر ہے
 کہ معاد کا مسئلہ تو اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے معاد کا خوف ہی انسان کو
 احکام الہی کی پابندی پر مجبور کرتا ہے۔ مگر جب یہ مسئلہ کفار مکہ کے سامنے بیان کیا جاتا
 تو وہ اس پر حیرت کا اظہار کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مرنے کے سینکڑوں
 ہزاروں سال بعد دوبارہ زندہ کیا جائے حالانکہ اس وقت تک تو اس کے جسم کا ذرہ
 ذرہ خاک میں مل کر خاک ہو چکا ہوگا۔ سورۃ سبا میں اس مسئلہ کو اس طرح بیان
 کیا ہے کہ کافر لوگ آپس میں اس قسم کی گفتگو کرتے تھے کہ کیا ہم تمہیں اُس شخص کے
 متعلق بتائیں جو کہتا ہے اِذَا مَرُّ قُتُمٌ كُلِّ مُمَرِّقٍ دَاۤیْمًا كُمُ لِفِیْ
 خَلْقٍ حَبِیْدٍ (آیت ۱۷) جب تمہارے اجمام ذرہ ذرہ ہو جائیں تو تمہیں دوبارہ
 پیدا کیا جائیگا۔ پھر خود ہی کہنے لگے لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰۤیٰتُنَا مِنْ
 قَبْلُ اِسْ بَاتٍ لَا وُعْدَہٗ ہِمَّہٗ اِدْرَیْمَہٗ اِبَادَہٗ کے ساتھ اس سے پہلے بھی کیا گیا
 کہ مرنے کے بعد سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا مطلب یہ کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام اور
 شراعیہ الایہ والے لوگ بھی یہی کہتے تھے ہیں مگر ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی، لہذا
 ہم اُسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

معاذ سے انکار کا تذکرہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں مختلف انداز سے
 آیا ہے مثلاً سورۃ النزعۃ میں ہے اِذَا كُنَّا عِظَامًا مَّخْرُجَةً (آیت ۱)
 کیا جب ہماری ہڈیاں پھیر پھری ہو جائیں گی اور ان میں مادہ حیات باقی نہیں رہے گا۔

تو پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کُونُوا حِجَارَةً اَوْ حَدِيدًا (آیت ۵۰) تم بھر بھری ہڈیوں کی بات کرتے ہو اگر پتھر اور لوہے جیسی سخت مخلوق بھی بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہیں زندہ کر کے سامنے لا کھڑا کرے گا اور تم سے حساب کتاب لے گا۔

بہر حال کافر لوگ کہتے تھے کہ بعث بعد الموت کی کچھ حقیقت نہیں۔ هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلٰیْنَ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ جو ہم آباؤ اجداد سے سنتے آئے ہیں مگر آج ہم کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا انگریزی تلفظ سٹوری STORY ہے وہ معاد کے مسئلہ کو پہلے زمانے کی سٹوریوں سے تعبیر کرتے تھے۔ اس باطل خیال کا جواب اللہ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ عام طور پر یہ مسئلہ نباتات کی روئیدگی کی مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے بارش نازل کرتا ہے جس سے زمین سیراب ہوتی ہے تو اس میں روئیدگی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس میں طرح طرح کے پودے، درخت، جڑی بوٹیاں اور جانک پیدا ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں اپنے عروج پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں، مگر جب پھر موسم کے مطابق بارش ہوتی ہے، تو وہی چیزیں دوبارہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کا خم ریزمرہ مشابہ بھی کہہ سکتے ہو مگر انسانوں کے دوبارہ پیدا ہو جانے پر یقین نہیں کرتے۔ سورۃ القیامت میں فرمایا کہ جس مخلوق کو اللہ نے انسان کو قطرۂ آب سے اور پھر گوشت کے لوتھڑے سے مکمل انسان بنایا، پھر نہ کہ مؤنث کے جوڑے بنائے اَلْیَسَّ ذٰلِكَ بِقَدْرِ عَلَمٍ اَنْ یَّخْلُقَ الْمُؤنثَ (آیت - ۴۰) کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے؟ بَلٰی قَ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ اَلِیْسَ - ۸۱ کیوں نہیں وہ بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ فرمایا

يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَلَيْسَ بِهِ
 زنده کئے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا۔ جب پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر
 دوبارہ تخلیق کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ یہ تو بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ جب
 آغا سے واقف ہو تو انجام بھی دیکھ لو گے۔

مجرمین کا
 انجام

فَرِيقًا قَدْ خَلَّيْنَا مِنْهُمْ فِي الْأَرْضِ فَاَنْظُرُوا
 زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کیفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ۔ مجرموں
 کا انجام کیا ہوا۔ وہ مجرم جو طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے، حق کو مٹانا
 چاہتے تھے، باطل کی سرپرستی کرتے تھے، کفر و شرک کے شعار کو زندہ رکھنا
 چاہتے تھے، ایمان اور توحید والوں کے دشمن تھے، اللہ کے نبیوں کی مخالفت
 کرتے تھے اور عام لوگوں پر مظالم ڈھاتے تھے، اُن کے انجام کی کہانیاں امارت قدیمہ
 کے کھنڈرات میں پڑھ لو۔ اُن کی اُجڑی ہوئی بستیاں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ
 یہاں کبھی ظالم دس کرش لوگ آباد تھے جن کا نام و نشان نہ ملے گا۔ دنیا میں کوئی
 قوم جس قدر زیادہ سرکش تھی اُس کو سزا بھی اُسی قدر زیادہ ملی، سورۃ ابراہیم میں فرماتا ہے:
 وَتَبَيَّنَ لَكُمُ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَثَانَ
 (آیت - ۴۵) تم اُن لوگوں کی رہائش گاہوں میں اقامت پزیر ہو جنہوں نے اپنی جانوں
 پر ظلم کیے اور یہ بات تمہارے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا
 دیکھ لو ہم نے انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر کے اُن کی جگہ تمہیں آباد کیا۔ تمہیں عبرت حاصل کرنی
 چاہیے کہ اگر تم نے بھی اپنی لوگوں کا دُطیر اختیار کیا تو پھر تمہارا انجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہوگا۔
 پھر اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: وَلَا
 تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۚ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ نَهَارًا وَلَيْلًا ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۚ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ نَهَارًا وَلَيْلًا ۚ
 نہ ہوں وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ اور نہ ہی آپ
 ان کی خفیہ تدبیروں سے تنگی محسوس کریں۔ ان کے مکر و فریب سے دل برداشتہ نہ ہوں۔

حضور علیہ السلام
 کی پیروی

اللہ تعالیٰ ان سے خود سی پٹ لے گا اور ان کو سزا دے گا۔ یہ اپنی سازشوں میں نہ پہلے کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور نہ اب ہوں گے۔ اور جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ ۶۷) اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور آپ کے مشن کو کامیاب بنائے گا۔ اور اس کو دنیا میں پھیلانے کا۔ پچھلی سورۃ الشعراء میں بھی گزر چکا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (آیت ۲۰) آپ نے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کہ اپنا گلا ہی گھونٹ دیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ ان کی حرکتوں کی باز پرس خود اللہ تعالیٰ ان سے کرے گا۔

قیامت کا
انتظار

فرمایا، ان لوگوں کا حال تو یہ ہے وَلَيَقُولُنَّ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کہہ کتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ محض دیکھیں دیتے ہو، اگر قیامت کا یقین ہے تو بھیڑے ہو پاکیوں نہیں کر دیتے وہ لوگ تکبر، غرور اور تعصب کی بنا پر ایسی بات کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ اس کا جواب یہ دیں عَلٰی اَنْ تَكُوْنُ رَدْفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْنَ تَسْتَعْجِلُوْنَ شاید کچھ بعید نہیں کہ قیامت تیسری پشت کے پیچھے پہنچ چکی ہو بعض وہ چیزیں جن کے متعلق تم جلدی کرتے ہو مقصد یہ کہ تم قیامت کو مذاق سمجھتے ہو مگر عین ممکن ہے کہ یہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہو اور تم پر اچانک وار ہو جائے۔ کفار و مشرکین عموماً دو چیزوں کے متعلق جلدی پاتے تھے یعنی قیامت کیوں برپا نہیں کر دیتے یا ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل کر دیتے؟ مکے والے بھی کہتے تھے اَلَمْ نُنْزِلْ اَنْ كَانَ هٰذَا اَلْهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاصْطِرْ عَلَيْنَا جَحٰدًا مِّنْ لِّسَمَاءٍ اَوْ لِنَبِّیٍّ بِعَذَابِ الْیَوْمِ (الانفال ۳۲) اے اللہ! اگر اللہ کے نبی کے فرمودات برحق ہیں تو پھر ہم پر آسمان سے چٹخروں کی بارش برسا یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔ چنانچہ پیغمبر کو مکے سے نکلے بھی ڈیڑھ سال

ہی گزرتا تھا کہ اللہ نے مشرکوں پر بہ کے میدان میں عذاب بھیج دیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو
 گیا۔ ہلاکت و بربادی بھی قیامت ہی کا حصہ ہے جو کہ اپنے وقت پر آئے گی مگر اس کا
 نمونہ دنیا میں بھی آسکتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ
 قِيَمَتُهُ جو مر گیا اس کی قیامت تو برپا ہو گئی۔ اُس کا حساب کتاب تو قبر میں ہی
 شروع ہو گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جن چیزوں کے آنے میں تم جلدی کرتے ہو، ہو
 سکتا ہے کہ وہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہوں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو اور پھر وہ لچانک
 تم پر وارد ہو جائیں۔ یہاں پر رَدِ فِکْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ رَدِ فِکْ اُس
 شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر پیچھے بیٹھتا ہے۔ اس میں کنایہ یہ ہے کہ قیامت تم
 سے اتنی قریب ہے جتنا سواری پر پیچھے بیٹھنے والا لگے۔ بیٹھنے والے کے قریب ہوتا ہے
 فرمایا یہ لوگ تو اپنی نادانی کی وجہ سے قیامت کے جلدی آنے کی خواہش رکھتے
 ہیں مالا انکہ حقیقت یہ ہے وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
 تیرا پروردگار تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے۔ وہ مہلت دیتا رہتا ہے اور جلدی گرفت
 نہیں کرتا۔ اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وَلَٰكِنْ
 أَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ مگر ان میں سے لوگوں کی اکثریت خدا تعالیٰ کا
 شکر ادا نہیں کرتی، بلکہ غرور و تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مہلت دینے کا یہ مطلب نہیں
 ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو گرفت میں نہیں لے گا بلکہ حقیقت یہ ہے۔ اِنَّ
 بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البزج - ۱۲) تیرے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت
 ہے۔ جب وہ گرفت کرتا ہے تو پھر عذاب دے بغیر چھوڑتا نہیں مگر افسوس
 کا مقام ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ناجائز فائدہ اٹھاتے
 ہیں۔ فرمایا وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا
 يُعْلِنُونَ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے۔ اس چیز کو جو ان کے سینے چھپاتے
 ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ اپنا کام مستعدی سے کرتے جائیں اور ان کی طرف
 سے زیادہ غم نہ کھائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق، عقیدے اور مخفی تدابیر کو جانتا ہے

وہ خود ان سے نپٹے گا۔

روح محفوظ

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ارض و سما کی کوئی غائب چیز نہیں ہے مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔ ہر چیز کا ریکارڈ اللہ کے پاس لوح محفوظ میں درج ہے اور کوئی ظاہر یا پوشیدہ چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن تو مخلوق کے اعتبار سے ہے مگر نہ خالق کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي اَرْضٍ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس ۶۱) تیسرے پروردگار سے تو کوئی ذرہ برابر چیز بھی مخفی نہیں ہے خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں مگر وہ ایک کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر وقت شاہد ہے وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البورج ۹) اُس کی نظروں سے کوئی چیز اوجھل نہیں وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم تفصیلی کا نمونہ ہے کہ ابتداء سے کر انتہا تک ہر چیز ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہر چیز کے ریکارڈ کے لیے فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے۔ انسان کی نگرانی کرنے والے کرائے کا تبین اُس کے اعمال کا ذرہ ذرہ درج کر رہے ہیں۔ خود انسان کی روح اور جسم میں بھی اعمال کا اندراج ہوتا ہے، جب وقت آنے کا تو سب ظاہر ہو جائیں گے۔ یہ آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ زیادہ متفکر نہ ہوں، ان کی مخفی تدبیروں سے خوف نہ کھائیں اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے، وہ خود ہی ان کی تدابیر کو ناکام بنا دے گا۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَءِیْلَ أَكْثَرَ الَّذِي
 هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۷۶﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ
 لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۷﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى
 الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۷۹﴾ إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ
 الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُوا مَدْبِرِينَ ﴿۸۰﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَدَى
 الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ
 بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
 أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ
 كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ :- بیشک یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر
 وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿۷۶﴾ اور بیشک یہ
 (قرآن) البتہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے
 لیے ﴿۷۷﴾ بیشک تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان
 اپنے حکم سے ۔ اور وہ غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۷۸﴾
 پس آپ بھروسہ رکھیں اللہ پر ۔ بیشک آپ کلمے حق پر
 ہیں ﴿۷۹﴾ تحقیق آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو

ارض و سما کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر ساتویں دن آرام کیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو
 بناتے بناتے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) مگر قرآن نے اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان
 کر دیا کہ ہم نے ارض و سما اور ان کے درمیان چیزوں کو چھ دن کے وقفے میں پیدا
 کیا وَمَا مَشْنَأُ مِثْلَ لَغُوبٍ (ق۔ ۲۸) مگر ہمیں کوئی تھکاوٹ
 لاحق نہیں ہوئی۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کی انبیت اور الوہیت کا جو عقیدہ انہوں
 نے گھڑ رکھا ہے، قرآن نے اُس کی جگہ جگہ تردید کی ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا اِنْ هُوَ
 اِلَّا عَبْدٌ اُنْعَمَّا عَلَيْهِ (الزخرف ۵۹) یعنی مسیح علیہ السلام تو ہمارے بندے تھے جن پر ہم نے
 انعامات کیے، وہ خود الہ نہیں تھے۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یحییٰ میں اعلان کر دیا۔
 قَالَ اِنْخَفِ عَبْدُ اللّٰهِ (مریم ۳۰) میں تو اللہ کا بندہ ہوں (الہ نہیں) اُس نے
 مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے۔ غرضیکہ قرآن پاک بنی اسرائیل کی غلط باتوں
 کی واضح طور پر نشاندہی کرتا ہے۔ وَاِنَّهُ لَهْدٰى وَّرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
 اور بیشک یہ قرآن البتہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے ذریعے
 انسان کے عقیدے، احکام اور ہر چیز میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر جب انسان
 اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔
 فرمایا بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف اور جھگڑا کرتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ
 يَقْضِیْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمٍ (یشک آپ کا پروردگار اپنے حکم سے اُن باتوں
 میں فیصلہ کرے گا۔ بنی اسرائیل کے متنازعہ امور میں اللہ تعالیٰ نے علمی فیصلہ تو انبیاء
 بھیج کر اور قرآن نازل کر کے کر دیا ہے اور حق و باطل کو واضح کر دیا ہے۔ البتہ ان
 کے درمیان علمی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ یہ فیصلہ قیامت کے دن قطعی طور پر ہو جائے گا۔
 جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عقائد اور اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا۔ فرمایا
 وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور سب کچھ جانتا
 ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ کافروں کی ساری سازشیں اور اہل کتاب کا تعصب
 عناد اُس کے علم میں ہے۔

دوسری طرف اللہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ آپ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں إِنَّكَ عَلَى
الْحَقِّ الْمُبِينِ بیشک آپ کھلے حق پر ہیں۔ لہذا آپ اپنا کام جاری رکھیں
اور ان کافرانوں کی طرف سے دل برداشتہ نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان قبول کیوں نہیں
کرتے۔ حقیقت یہ ہے إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى کہ آپ مردوں کو
نہیں سنا سکتے۔ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ اللہ تعالیٰ إِذَا وَلَوْ سَأَلَ يَرْبُّنَ
اور نہ ہی آپ کسی بہرے کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پشت پھیر کر چلے ہوں
اس مقام پر کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ہر دوسے سے مراد
بھی وہ کفار و مشرکین ہیں جو حق بات کو سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتے، ترجمہ
طرح مڑے اور بہرے آدمی کو کوئی بات نہیں سنانی جا سکتی۔ اسی طرح ان کفار و مشرکین
پر بھی توحید اور ایمان کی بات اثر انداز نہیں ہوتی۔ ان کمزہرین کے دل مردہ ہو چکے
ہیں اور ان کے دل کے کان بہرہ ہیں، لہذا ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔
اگرچہ ان کے ظاہری کان موجود ہیں اور وہ آپ کی آواز سنتے بھی ہیں مگر جو نصیحت آپ
کرنا چاہتے ہیں وہ ان پر کارگر نہیں ہوتی، گویا کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ
آپ ان کے متعلق زیادہ فکر مند نہ ہوں۔

سماع موتی یعنی مردوں کے سننے کا مسئلہ بحث طلب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔
ایک کا تعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے اور دوسرا عام
فرت شدگان سے۔ اول الذکر مسئلہ متفق علیہ ہے، جب کہ ثانی الذکر اختلافی ہے۔
پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جا کر قریب سے صلوٰۃ و سلام
پڑھے تو اسے آپ سنتے ہیں یا نہیں؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں
نہ کوہ ہے کہ جو آدمی حضور علیہ السلام کی قبر پر جا کر دود و سلام عرض کرے آپ اسے از خود
سنتے ہیں اور اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس باب میں صحیح حدیث بھی موجود ہے
مَنْ صَلَّى عَلَى عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَى نَائِبٍ
لِّى سَمِعْتُهُ (فیاض)

أَبْلَغْتُهُ یعنی جو شخص میری قبر کے قریب درود سلام پڑھتا ہے میں اس کو بنفس نفیس سُناتا ہوں اور جو شخص دُور سے مجھ پر درود پڑھے، وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ اس روایت کے سائے راوی صحیح ہیں اور اُسے امام ابن قیمؒ، امام ابن کثیرؒ اور ملا علی قاریؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے بڑے بڑے محدث بھی اس کو صحیح روایت تسلیم کرتے ہیں بغیر متقدمین میں سے مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ جو شاہ اسحاقؒ کے شاگرد تھے مگر اہل حدیث مسلک اختیار کر لیا تھا، اُن کے فتویٰ میں بھی اس حدیث سے اتفاق کیا گیا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ اتفاقی ہے، مگر افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے کے بعض مولویوں نے اس مسئلہ کو بھی اختلافی بنا لیا ہے۔

عام فوت
شدگان

البتہ عام فوت شدگان کے سماع کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے اختلافی چلا آ رہا ہے اور بقول مولانا گنگوہیؒ جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہے آج ہم اُن کو حل نہیں کر سکتے۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ لہٰذا ہمیں محتاط راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ میں بھی دو رائیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض دوسرے صحابہ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں جب کہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مَرْدے سُنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں باتیں منقول ہیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بھی موجود ہے جس کو امام ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيهِ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو وہ اس کو قبر میں بھی پہچانتا ہے۔ اور جب آنے والا سلام کرتا ہے تو قبر والا اس کو سُنتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے اور اسی قسم کی روایت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔

بدھ کے مقتول کفار کی لاشیں جب کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ تو حضور علیہ السلام نے اُس کنوئیں پر کھڑے ہو کر اُن جہنم واصلوں کو خطاب کیا تھا کہ اے فلاں! اور

اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے تو اس کو برحق پایا، تم بتلاؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، اس کو تم نے بھی برحق پایا یا نہیں؟ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ان مُردوں سے کلام کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعٍ مِنْهُمْ وَذِكْرُهُمْ لَا يُجِيبُونَ یعنی یہ مردے تم سے زیادہ سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ کے انکارِ سماعِ موتی سے متعلق حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اُن کا موقف اس معاملہ میں یہ ہے کہ اللہ نے مقتولین بدر کو معجزے کے طور پر زندہ کیا تھا تا کہ وہ حضور علیہ السلام کی بات کو سن سکیں اور انہیں مزید حسرت ہو، تاہم عام مردے نہیں سنتے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں مُردوں کو اپنی بات سُنا سکتا ہوں تو یہ تو نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ جہاں تک مُردوں میں بنفسِ سننے کی طاقت کا تعلق ہے تو امام بخاریؒ نے بسب ہی یہ اندھا ہے اَلْعَيْتُ يَسْمَعُ قَرْعَ نَعَالٍ یعنی جب مردہ کو دفن کئے واپس لوٹتے ہیں تو مردہ اُن کے پاؤں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ مولانا نانوتویؒ نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبرستان جا کر جو دعائیں پڑھنے کی تعلیم دی ہے اُس میں مُردوں سے خطاب پایا جاتا ہے۔ جیسے یہ دُعائے السَّعْمُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَإِنَّا أَنشَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لِلْحَقِيقُونَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَبِكُمْ لَئِىَ مُسْلِمُونَ کی قوم تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ان اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مردے اس دُعا کو سنتے نہیں تو پھر ان کو خطاب کر کے سلام کہنے کا کیا فائدہ اُن کے لیے خالی دُعا ہی کافی تھی، حضور علیہ السلام نے سلام کہنے کا حکم کیوں دیا؟ اس سے معلوم ہوا کہ مردے بنفسِ نفیس سلام کو سنتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ بہت سی صحیح احادیث سے سماعِ موتی کا ذکر ملتا ہے جن سے انکارِ انصافی ہوگی۔ البتہ قاضی شمس الدینؒ اپنی پتی مولانا اشرف علی تھانویؒ اور امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ عدمِ سماع سے سماعِ نافع مراد ہے یعنی مردے سنتے تو ہیں مگر اُس سے فائدہ نہیں

اٹھا سکتے بطلن سماع مراد نہیں ہے ورنہ بہت سی صحیح احادیث کا انکار لازم آئیگا جو انصافی کی بات ہوگی۔

مولانا حسین علیٰ واں بھراں والے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علم حدیث کے شاگرد اور موسیٰ زئیؒ والے خواجہ عثمانؒ کے سرمد تھے۔ آپ لولیاۃ الشریعہ سے تھے۔ آپ نے "تحریرات حدیث" کے نام سے علم حدیث کی شرح میں کتاب بھی لکھی ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ جو لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، مرنے اُن کے سلام و دعا کو سنتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے جمعہ کا دن اور طلوع آفتاب سے قبل کا وقت زیادہ موزوں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "اقتضای الصراط المستقیم" میں لکھا ہے کہ قرآن اور سلام کا سننا مردوں کے حق میں برحق ہے یعنی وہ یہ دونوں چیزیں سنتے ہیں۔ غرضیکہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مرنے سنتے ہیں۔ البتہ اخلاف میں بھی بعض عدم سماع کے قائل ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سماع موتی کو تسلیم کرنے والا آدمی کافر یا مشرک نہیں ہو جاتا جیسا کہ بعض لوگ اس قسم کا فتویٰ بھی دے دیتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص سماع کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ مرنے حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی کرتے ہیں تو ایسا شخص یقیناً مشرک ہو گا جو غیر اللہ سے استعانت کا قائل ہے سورۃ فاطر میں موجود ہے اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ (آیت ۱۴) اگر تم اُن کو پکارو بھی تو وہ سنتے نہیں۔ اور اگر سن بھی لیں تو وہ جواب نہیں دے سکتے۔ خود حضور علیہ السلام جن کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ وہ قریب سے سنتے ہیں، اُن کے پاس سے بھی فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد آپ سے بھی صرف شفاعت کی درخواست کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر قائم رکھے اور ہمارا خاتمہ بخیر ہو، مراد تو آپ سے بھی مانگنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اولیاء اللہ یا دوسرے

استعانت
عن الموتی

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ
 بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ وَقَالَ كَذَبْتُمْ
 بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾
 وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾
 أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنَا فِيهِ وَالنَّهَارَ
 مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ
 يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفِرَّعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ
 فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ أَتَوَةٍ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾
 وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ
 صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي لَقِّنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا
 تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ:- اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ہر امت میں سے
 ایک فوج اُن لوگوں میں سے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں
 کو۔ پس وہ جدا جدا کیے جائیں گے ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب
 وہ آئیں گے تو فرمائے گا اے اللہ تعالیٰ! کیا جھٹلایا تھا تم نے
 میری آیتوں کو اور تم نے نہیں اطاعت کیا تھا اُن کے ساتھ
 علم سے۔ بتاؤ تم کیا عمل کرتے تھے ﴿۸۴﴾ اور پڑ جائے گی

کی نشانیوں کا ذکر ہے، جن میں سورج کا مغرب سے طلوع، دھبہ کا سردی، مسیح علیہ السلام کا
 نزول، زمین میں سخت کا واقع ہونا، آگ کا نکلنا اور دابۃ الارض کا سردی شامل ہیں۔ صحیح
 بات یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب قسم کا جانور ہوگا۔ جو لوگوں سے بات چیت کرے گا۔ اور
 واضح طور پر بتائے گا۔ کہ فلاں سچا مومن ہے اور فلاں منافق یا کافر ہے۔

شاہ عبدالقادر دیکھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے مکے کا صفحہ پھاڑ پھٹے گا۔ جس سے
 مذکورہ جانور برآمد ہوگا اور وہ لوگوں سے ٹھیک ٹھیک باتیں کرے گا۔ مگر اس نشانی کو
 دیکھ کر کسی کا ایمان لازماً معتزل نہیں ہوگا۔ ایمان کا فائدہ اُس وقت تک ہے۔ جب
 تک یہ چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ بہر حال فرمایا کہ جب بات واقع ہو جائے گی تو ہم زمین سے
 ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ یہ اس وجہ سے اَنَّ النَّاسَ
 كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے
 مگر اب مجبور ہو کر ایمان لازماً مفید نہیں ہوگا۔

بات اُن پر اس وجہ سے کہ انہوں نے ظلم کیا۔ پس وہ نہیں گفتگو کر سکیں گے (۸۵) کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ بیشک ہم نے بنایا ہے رات کو تاکہ یہ سکون پکڑیں اس میں۔ اور دن کو دیکھنے کے لیے۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۸۶) اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ پس گھبرا جائے گا وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، مگر جس کے بائیں میں اللہ چاہے گا۔ اور سب آئیں گے اُس کے پاس عاجز ہو کر (۸۷) اور دیکھے گا تو پہاڑوں کو، گمان کرے گا اُن کو جیسے بننے والا کہ وہ چلیں گے مثل بادلوں کے چلنے کے۔ یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے مستحکم بنایا ہے ہر چیز کو۔ بیشک وہ ضرور خبر رکھتا ہے اُن کاموں کی جو تم کرتے ہو (۸۸)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات، مسئلہ توحید اور جزائے عمل کا ذکر کیا گیا ہے اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ عبادی اور ضدی لوگوں کے ایمان قبول کرنے کی توقع نہ رکھیں۔ یہ تو ان چیزوں پر اُس وقت ایمان لائیں گے۔ جب قرب قیامت میں دابتہ الارض کا ظہور ہوگا۔ اُس وقت منکرین مجبوراً ایمان لائیں گے مگر ایسا ایمان کچھ مفید نہیں ہوگا اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ کفر و شرک کرنے والوں کا شکوہ کیا ہے کہ وہ آیات الہی میں غور و فکر کر کے ایمان کو قبول نہیں کرتے۔ دلائل توحید اور قیامت کی کیفیت کا بھی اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

ربط آیات

ارشاد ہوتا ہے وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ یُكَذِّبُ
بِآیَاتِنَا اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ہر امت میں سے ایک فوج یعنی گروہ اُن

میدان حشر
میں گروہ بندی

اور اگلے دن کی مصروفیات کے لیے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے رات کی وضع ہی ایسی بنائی ہے کہ تمام انسان اور تمام دوسرے جاندار رات کے وقت سون پکڑتے ہیں۔

فرمایا وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اور ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا۔ رات کی تاریکی کو ختم کر کے دن کی روشنی کا انتظام کیا تاکہ لوگ اس روشنی میں دیکھ کر اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں۔ جب وہ دن عصر کا کام کاج کر کے تھک جاتے ہیں تو پھر رات آ جاتی ہے اور یہ نظام اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ شب و روز کا یہ تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کی مہر و آیت کی دلیل ہے۔ اگر انسان صرف ایک اسی نشانی میں غور و فکر کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اتنے بڑے نظام کو چلانے والا فقط خدا تعالیٰ ہے۔ وہ غیبوں کی رسالت کو سمجھ سکتا ہے اور یہ بھی جان سکتا ہے کہ غیبت موت کی ساقی ہے جس طرح انسان ہر روز غیب سے بیدار ہوتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد قیامت والے دن پھر اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح وہ بعث بعد الموت پر بھی ایمان لا سکتے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اہل ایمان تو شب و روز کی ادلالت سے ہی خدا تعالیٰ کی توحید کو سمجھ جاتے ہیں۔ اُس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور کفر و شرک سے باز رہتے ہیں

غیب سے پھر بیدار ہو جانا بعث بعد الموت کا ایک نمونہ ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام نے بعض دعائیں بھی سکھائی ہیں۔ انسان جب شب باقی کے لیے بستر پر جائے تو اُسے یوں کہنا چاہیے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيَا اے اللہ! میں تیرے ہی نام پر مرتا ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا ہوں۔ پھر جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو کہنا چاہیے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے موت پاری کہنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشی، اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر

۱۷ بخاری ص ۳۹۹ ۱۸ مسند احمد ص ۱۶۸ ۱۹ بخاری ص ۳۹۹ ۲۰ انیس

جانا ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ایک قسم کی موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا **وَ اَذِنَ لِدَکِیْہِ** اور اپنا ذکر کرنے کا موقع فراہم کیا۔ بعض آدمی نیند کی حالت میں ہی موت سے ہٹنا نہ ہو جاتے ہیں۔ جن کو دوبارہ اٹھنے اور ذکر الہی کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

نفعِ صور

وَلِیَوْمٍ نُّفِخُ فِی الصُّورِ اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ قیامت کے سلسلے میں نفعِ صور کئی مرتبہ ہوگا۔ پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق مر جائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو جی اٹھنے لگیں گی۔ پھر تیسری دفعہ صور پھونکنے پر لوگ گھبرا جائیں گے، چوتھی دفعہ پھر ہوش ہو جائیں گے اور پانچویں دفعہ صور پھونکنے پر پھر ہوش میں آجائیں گے۔ اس طرح گویا بار بار صور پھونکا جائیگا۔ تاہم محبوب مفسرین فرماتے ہیں کہ صور صرف دو دفعہ پھونکا جائیگا۔ پہلا صور تمام چیزوں کو فنا کر دے گا۔ اسی صور پر ہر چیز پر گھبراہٹ اور بے ہوشی طاری ہو جائیگی حتیٰ کہ روہیں بھی بے ہوش ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جب دوبارہ صور پھونکا جائیگا۔ تو لوگ محاسبہ اعمال کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان دو صوروں کے درمیان کچھ وقفہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں کہ جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکے گا تو ملائکہ مقربین کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام پر خود موت طاری کرے گا۔ اور پھر صرف خدا تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا اعلان ہوگا **لَیْسَ الْمُلْكُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن - ۱۶)** آج بادشاہی کس کی ہے۔ پھر خود ہی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج حکومت صرف ایک اللہ کی ہے جو قہار بھی ہے۔

فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا **فَنُفِخُ عَمَّنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ** تو گھبرا اٹھیں گے وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ **اَلَا مَرَّ** شکوہ اللہ کو اُس کے جسے اللہ چاہے یعنی اللہ تعالیٰ

نیلِ امت
کا عالم

اپنی مثبت کے مطابق جے پہلے گا۔ اس گھبراہٹ سے متثنیٰ کر دے گا اور اس پر گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مذکورہ گھبراہٹ کے عالم میں میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایا پکڑ کر کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہیں یا ان پر بیہوشی طاری ہی نہیں ہوئی کیونکہ یہ بیہوشی ان پر دنیا میں طاری ہو چکی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کی درخواست کی تو اللہ نے فرمایا، تو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر جب اللہ نے اپنی تجلی طور پر ڈالی **وَحَسَّ مُوسَىٰ صَِعْقًا** (الاعراف - ۱۴۲) تو موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے، لہذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو بیہوشی سے مامون رکھیگا۔ بہر حال فرمایا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔ سورۃ اُس کے جسے اللہ چاہے **وَكُلُّ اَنْوَاهُ دَاخِرِيْنٌ** اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہو کر آئیں گے۔

مفسرین کرام اس مقام پر یہ اشکال پیدا کرتے ہیں کہ یہاں پر سب کا ذلت کے ساتھ آنے کا ذکر ہے جب کہ اللہ کے مقربین کا باعزت طور پر اللہ کے حضور پہنچنے کا ذکر بھی آتا ہے۔ **يَوْمَ نَخْشُ الْمُتَّقِينَ اِلَٰهَ الرَّحْمٰنِ وَفَدَا (مریم - ۸۵)** اُس دن ہم خاص متقین بندوں کو وفد کی صورت میں عزت و احترام کے ساتھ بلائیں گے۔ اس کے جواب میں مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ ذلت و قسم کی ہوتی ہے ایک ذلت تو معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہوں گے اور ذلیل ہو کر غم کے سامنے پیش ہوں گے۔ اور دوسری ذلت عبودیت کی ہوتی ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین کا خاصہ ہے۔ تو اللہ کے نیک بندے عبودیت کی ذلت کے ساتھ پیش ہوں گے۔

نظام کائنات
کی تبدیلی

فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا **وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ**
تَمْرٌ مِّنَ النَّخْلِ تو پہاڑوں پر نگاہ ڈالے گا تو انہیں جامہ گمان کرے گا کہ انہی
وہ بادلوں کی چال چلتے ہوں گے۔ جس طرح بارل فضا میں تیرے ہوئے ہیں۔ اسی

طرح پہاڑ بھی تیرتے ہوں گے۔ اُن کی پختگی اور پوجہ میں ختم ہو جائے گا۔ اور وہ منجوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔ سورۃ طہ میں آتا ہے وَیَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ آيَاتِ ۙ (۱۰۵) یہ لوگ آپ کے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ اُن سے کہہ دیں کہ ہزاروں سال پہلے پھیسے ہوئے ان پہاڑوں کو میری پروردگار نے ذرہ ذرہ اور گرد و غبار بنا کر اڑا دیا۔ سورۃ القارعہ میں فرمایا وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (آیت - ۵) اُس دن پہاڑ دُھنی ہوئی اذن کی طرح اڑتے پھیریں گے۔ سورۃ الواقعة میں بھی آتا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی وَبُئِستَ الْجِبَالُ نَسْفًا ۝ (۵) فَكَأَنَّتْ هَبَاءً مُّتَبِّسًا ۝ (۶) تو پہاڑوں کو بھیر دیا جائے گا اور وہ باریک ذرات کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتَقَنَ كُلُّ شَيْءٍ ۖ يَهْدِي اللَّهُ إِلَىٰ سُبُلِ الْغَايِبِ
 سب سے جس نے ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر مضبوط اور مستحکم بنایا ہے۔ جب تک کائنات کا موجودہ نظام قائم ہے۔ یہ چیزیں اسی طرح قائم رہیں گی۔ پھر جب قیامت کا جھل بجے گا تو کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہے گی۔ بلکہ سارا نظام ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، سب ختم ہو جائیں گے اور ایک نیا نظام قائم ہوگا اور نئے احکام نافذ ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اُس دن کی تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ کی وصیت کو تسلیم کریں، کفر و شرک اور معصیت سے کنارہ کش ہو جائیں۔ فرمایا یاد رکھو! اِنَّكَ خَبِيرٌ ۚ بِمَا تَفْعَلُونَ اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ وہ تمہاری نیکی اور بدی، طہارت اور نجاست، عقیدے کی پختگی اور بے اعتقادی، خوش عملی اور بدعملی ہر چیز سے واقف ہے اور پھر اسی کے مطابق ہزار پانچ سو اکیس فیصد کرے گا۔ یہ اُس دن واقع ہوگا۔ جب صوبہ بھوپنوکا جائے گا۔ اور سب لوگوں کو میدانِ حشر میں اکٹھا کیا جائے گا۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ
 فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ۝۸۹ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ
 وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ۝۹۰ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ
 الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ
 أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۹۱ وَأَنْ أَتْلُوا الْقُرْآنَ
 فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ
 ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝۹۲ وَقُلِ الْحَمْدُ
 لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
 عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۹۳

ترجمہ :- جو شخص نیکی لے کر آیا، پس اُس کے لیے اُس سے
 بہتر بدلہ ہو گا۔ اور وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں
 ہوں گے ۝۸۹ اور جو شخص برائی لے کر آیا، پس وہ اوندھے
 منہ ڈالے جائیں گے (دوزخ کی) آگ میں (اور اُن سے کہا
 جائے گا) کہ تم کو نہیں بدلہ دیا جاتا مگر وہ جو کچھ تم کہتے
 تھے ۝۹۰ بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کر دوں
 اس شہر کے پروردگار کی جس نے اس شہر کو حرمت

والا بنایا ہے۔ اور اسی کے لیے ہے ہر چیز۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو جاؤں میں فرمانبرداروں میں سے (۹۱) اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں پڑھ کر سناؤں قرآن پس جو شخص ہدایت پاتا ہے، پس وہ ہدایت پاتا ہے اپنے نفس (نفس بھلے) کے لیے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے، پس آپ کہہ دیجئے، میں تو ڈر سنانے والوں میں ہوں (۹۲) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں عنقریب تم کو دکھائے گا وہ اپنی نشانیاں، پس تم ان کو پہچان لو گے۔ اور نہیں ہے تمہارا پیہر دگار غافل اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو (۹۳)

گزشتہ آیات میں اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا رد کیا۔ پھر توحید کے دلائل بیان کئے، اللہ کی صفات کا ذکر ہوا، انسانوں کو نصیحت کی باتیں سمجھائی گئیں اور پھر جزائے عمل کی منزل کا ذکر ہوا۔ آج تو لوگ اکثر دکھاتے ہیں اور انبیاء کی بات کو تسلیم نہیں کرتے مگر جس دن صور بھونکا جائے گا تو سب گھبرا جائیں گے سوائے اُن لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے گا۔ اس دن پاؤں بادلوں کی طرح اڑیں گے اور پھر جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ حَمَّاهُ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا جو شخص نیکی کے لیے کرے یا اُس کے لیے اُس کی سے بترہدہ ہو گا کیونکہ اللہ کے ہاں ہر نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے مَنْ حَمَّاهُ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِہَا (الانعام - ۱۶۱) اور خلوص نیت اور اعمال کے اعتبار سے اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ - ۲۶۱) اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے مزید بڑھا دیتا ہے کیونکہ وہ بڑی وسعت والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ آہم شرط یہ ہے کہ نیکی ایسی ہو جو اللہ کے

بط آیات

فی کا بدلہ

ہاں مقبول ہو۔ اگر نیکی ناقبول ہے تو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
 فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ
 لِسَعِيهِ (الانبیاء - ۹۴) جس شخص نے کوئی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو اس
 کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی نیکی مقبول ہوگی۔ بہر حال مقبول نیکی کا
 کم از کم بدلہ دس گنا ہے۔ البتہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین کی
 اقامت اور اشاعت کے لیے جہاد کرتا ہے۔ وہ اگر خدا کی راہ میں ایک درہم خرچ کرے
 ہے تو اس کا بدلہ سات سو درہم یا اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ تاہم عام نیکی کا بدلہ دس گنا
 ہے۔ اور اگر کوئی برائی کرے تو اس کا بدلہ ایک سے زیادہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
 کا فیصلہ ہے وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيْئَةِ فَلَا يَجْزِي إِلَّا مِثْلَهَا (الانعام - ۱۶۰)
 یعنی جو کوئی برائی کرے کہ آئینہ تو اس کا بدلہ اس برائی کے برابر ہوگا۔

البتہ نیکی کے بدلے کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ نہ تو اس میں کمی ہوگی اور نہ وہ
 ختم ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہے گا۔ انسان کا عمل تو بہر حال ایک محدود وقت
 میں انجام پاتا ہے مگر اس کا اجر ہمیشہ ملتا ہے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے
 زَكَّعْنَا النَّجْدَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا قَبْلَ اَزْمَانِ فُجْرٍ دُونِئِيسَ دُنْيَا وَلِهَا
 سے بہتر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں تو کبھی نہ کبھی ختم ہونے والی ہیں۔ مگر
 ان دوستوں کا اجر ہمیشہ ملتا ہے گا۔ اسی بنا پر فرانسس سے پتے فجر کی دوستوں کی
 بڑی تاکید آئی ہے۔ ان کو بروقت ارکیزنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام دوران سفر بھی ان
 سنتوں کا اہتمام کرتے تھے۔

فرمایا جو شخص نیکی یا صلائی لے کر آیا اس کے لیے اُس نیکی سے بہتر بدلہ ہوگا۔ اب بہتر بدلہ
 سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہتر بدلہ کیا ہے اور کیسے ہے؟ نیکی سے بعض مفسرین کلمہ توحید
 دَالِہِ اِلَّا اللّٰہُ مراد لیتے ہیں اور بعض اسے طلاق اطاعت پر محمول کرتے ہیں لہذا
 نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، خیرات اور دیگر عبادات نیکی میں شمار ہوتی ہیں اور جو
 بدلہ ان کا ملے گا وہ جنت کی آرائشیں ہوں گی، جن میں عمدہ کھانے، فروٹ، شہد،

دودھ، شراب، طہور، پہننے کے لیے ریشم و کھواب کا عمدہ لباس پہننے کے لیے بہترین کوٹھیاں اور بالا خلعے، پاکیزہ بیویاں، حوریں، اور غلمان وغیرہ شامل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان اور اطاعت کی نسبت یہ چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں کیونکہ ایمان اور اطاعت تو ان مادی چیزوں سے بلند ہیں۔ اس کے جواب میں مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ نیکی اور اطاعت بندے کا فعل ہے جب کہ انعامات دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو بندے میں یہ انعامات باس اعتبار بہتر ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو کہ بندے کے فعل کے مقابل میں ہر صورت بہتر ہے۔

دہشت
ایمان

فَرَأَىٰ أَهْلَهُمْ مِنْ فُزُجٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ اور یہ نیکی والے لوگ قیامت والے دن گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ یعنی اُس دن انہیں کوئی دہشت نہیں ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے۔ گزشتہ درس میں بھی گزر چکا ہے کہ جب صعد پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان میں بہنے والے سب گھبرا جائیں مگر وہ بچ جائیں گے جنہیں اللہ چاہے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب یا تکلیف کی گھبراہٹ اہل ایمان پر نہیں ہوگی۔ البتہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ بہر حال سب پر ہوگی۔ احادیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دہشت سے بھی محفوظ رکھیگا جیسے فرمایا لَيْسَ عَلَىٰ أَهْلِ زَاِلَةٍ اِلَّا اللّٰهُ وَخَشَۃٌ یعنی کلمہ توحید پر ایمان رکھنے والوں پر کوئی دہشت نہیں ہوگی۔ جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو انہیں کسی حد تک سکون حاصل ہوگا۔ اگرچہ قیامت کی دہشت عام ہوگی۔

برائی کا بدلہ

فَرَأَىٰ وَهَّشَ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ اور جو شخص برائی کرے یا یعنی جن کے نامہ ملے اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی فَكَبَّرَتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ اُنْ کو اندھے منہ دوزخ کی آگ میں گرا دیا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حسرت معاذ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! ہم اپنی زبانوں سے بھی بعض ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ کیا ان پر بھی ہم سے ثواب لیا جائے؟ حضور علیہ السلام

نے فرمایا ہَلْ يَكْفُيْهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا حَصَايِدُ السِّنْتِهِمْ
لوگوں کو دوزخ میں اور اندھے منہ گرانے والی ان کے منہ سے کٹی ہوئی باتیں ہی تو ہوتی
ہیں۔ لوگ اکثر زبان دراز ہوتے ہیں اور زبان کو جائز ناجائز چلاتے بہتے ہیں جو ان کے
لیے جہنم کا باعث بن جاتی ہیں۔

فرمایا ان لوگوں سے کہا جَانِکَا هَلْ تَجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
کیا تمہیں تمہارے اعمال ہی کا بدلہ نہیں دیا جاتا، تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ جو کچھ
دنیا میں کر کے آئے ہو آج اُسی کا بھگتان کرو۔ یہ تو عام مقولہ ہے ”جو کرنا ہے وہ
بھرتا ہے“۔

رب کعبہ کی
عبادت

اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں اِنْعَمَ اَمْرٌ
اَنْ اَعْبَدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي هُوَ حَرِّمَهَا كَمْجَہ تَوْہِی حکم دیا گیا ہے
کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے اس کو عزت و حرمت والا
بنایا ہے۔ اس شہر سے مراد مکہ معظمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے۔ اِنَّ
اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ
(اک عمران-۹۶) یہ وہ شہر مکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے کے لیے سب سے
پہلا گھر تعمیر کیا گیا۔ یہ بڑا بابرکت مقام ہے اور جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔
در اصل شہر کی آبادی تو بعد میں ہوئی۔ البتہ یہ محترم گھر پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔ یہ گھر یعنی عبادت
خانہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔ پھر حوادثِ زمانہ کی وجہ
سے اس کی عمارت کڑ گئی

مگر اللہ کے نبی و ماں آکر طواف اور دعائیں کیا کرتے تھے۔ پھر
اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے کرائی۔ اُس
وقت بھی وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ آپسے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کو وہاں
کھڑایا، تو آہستہ آہستہ شہر مکہ آباد ہو گیا۔ حرم کی حدود شہر مکہ سے کئی کئی میل باہر ہیں جس
کے خاص احکام ہیں۔ ان حدود کے اندر نہ تو خود رو گھاس کاٹی جاسکتی ہے نہ درخت

کھٹے جاسکتے ہیں، نہ شکار کیا جاسکتا ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا، وہاں ہے کیونکہ یہ حرمت والا خطہ ہے۔

اس گھر کے مالک نے ہی قریش خاندان کو پوسے عرب میں عزت بخشی۔ قریش اپنے آپ کو خاندانی طور پر بڑا سمجھتے تھے۔ یعنی ان میں قومیت کی خرابی پیدا ہو گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی یہی حکم دیا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ سورۃ قریش - ۳) کہ تم بھی اسی گھر کے رب کی عبادت کرو۔ اور کفر، شرک اور معصیت سے بچ جاؤ۔

شرک کی عظمت

شرک مکہ مجبان الہی کی بستی ہے۔ لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس امن والے شرک کی قسم کھائی ہے وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (التین - ۳) اللہ نے اس شہر میں بڑی کشش رکھی ہے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ شہر ہمیشہ کے لیے مرکز اسلام رہے گا۔ اب کسی غیر مسلم کو اس پر تسلط حاصل نہیں ہوگا جب تک اس شہر میں واقع بیت اللہ شریف موجود ہے، دنیا قائم ہے۔ قرب قیامت میں جہنم کا پست قدم اور موٹی پنڈلیوں والا شخص اس کو گرا دیگا، اس کے بعد جلدی ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ نے اس خطہ میں وہ خیر و برکات رکھی ہیں جو کسی دوسرے خطہ میں نہیں ہیں۔

فرمایا، مجھے اس شرک کے پیروں کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ہر چیز اسی پروردگار کی ملک ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف وہی ہے۔ وَأَمِرتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے فرمانبرداروں میں ہو جاؤں۔ اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں کیونکہ اسلام کا معنی ہی اطاعت اور فرمانبرداری ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں احکامِ الہی کی ظاہر و باطن تعمیل کرنے والا بن جاؤں۔

عبادت قرآن کا حکم

فرمایا، اس کے علاوہ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے وَأَنْ أَتْلُو الْقُرْآنَ کہ میں قرآن پاک کی تلاوت کروں یعنی لوگوں کو پڑھ کر سناؤں۔ تلاوت قرآن

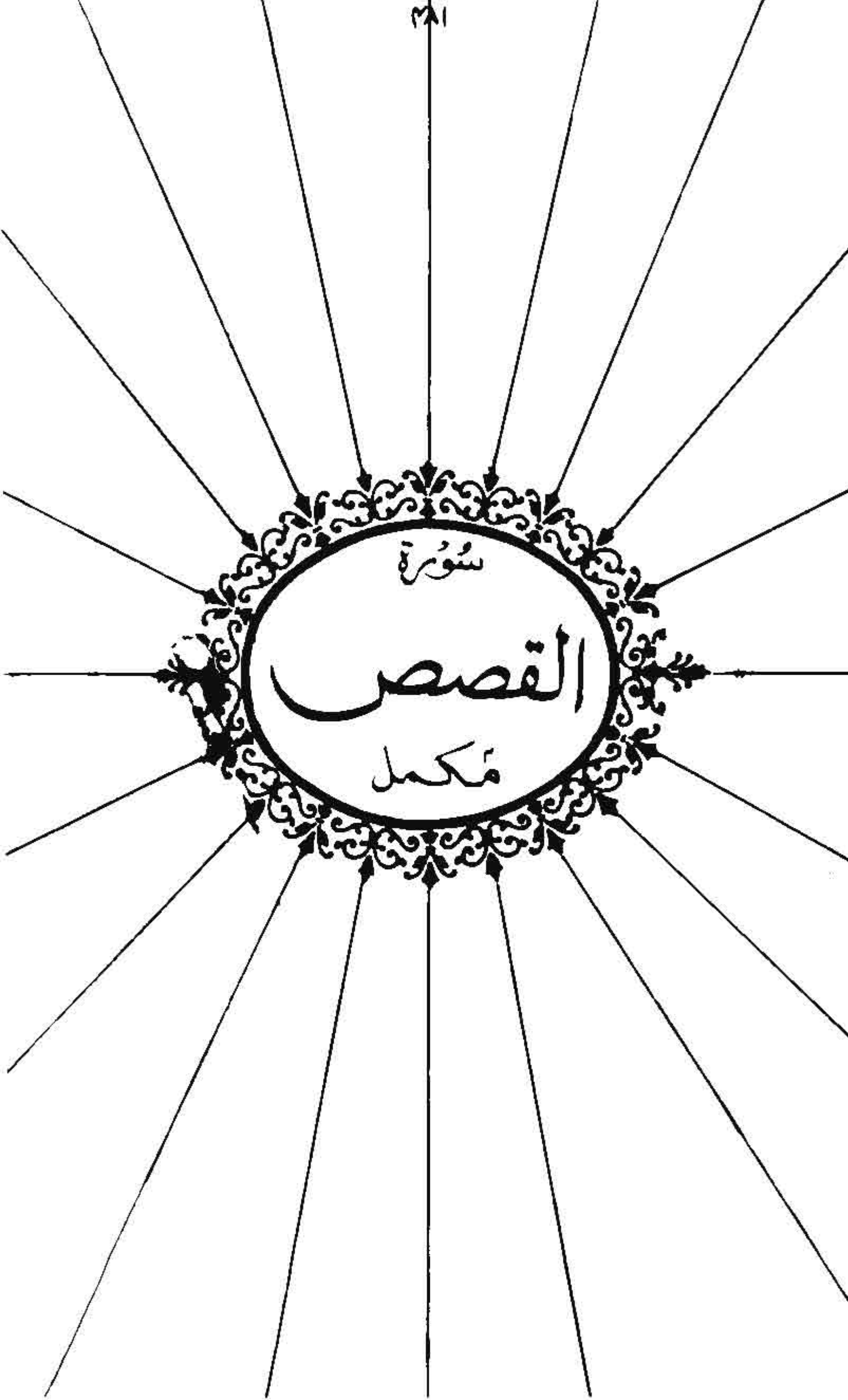
دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ تلاوت سے اجر و ثواب حاصل کیا جائے جس شخص کا ایمان اور عقیدہ درست ہے اُسے ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اس تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو سمجھا جائے اس کے مطابق معتمد اور ایمان بنایا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ یہ دوسرا مقصد پہلے پر فوقیت رکھتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناؤں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ایمان کی دعوت پہنچے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے لِذِّكْرِهِ وَمَنْ يُبَلِّغْ (آیت ۱۹) تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور ان لوگوں کو ڈاؤن جن تک یہ پہنچے۔ میں سب کو خبردار کر دوں کہ قرآن کی دعوت قبول کر کے عذاب الہی سے بچ جاؤ، کفر، شرک اور معصیت سے باز آجاؤ، خدا تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کا راستہ اختیار کر لو۔ قرآن کی تلاوت کا یہ مقصد ہے۔

ہدایت اور
گمراہی

قرآن سنانے کے بعد باقی رہا ہدایت کا مسئلہ تو یہ شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت قبول کرے یا نہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتا ہے۔ ہدایت کا فائدہ خود اسی کی ذات کو ہوگا۔ تھکے ہدایت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو تو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے کہ خدا کے کامل بندے بن کر اس کے انعامات کے مستحق بن جاؤ گے۔

وَمَنْ ضَلَّٰ اور جو شخص گمراہ رہا۔ اُس نے ایمان اور توحید کو قبول نہ کیا۔ بلکہ کفر اور شرک میں ہی مبتلا رہا، معصیت کا ارتکاب کرتا رہا۔ تو یہ اُس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اللہ نے فرمایا فَقُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ میں تو ڈر سنانے والوں میں سے ہوں۔ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اسے قبول کرنا یا نہ کرنا تمہاری ذمہ داری ہے اگر ہدایت کو قبول نہیں کرو گے تو تمہاری گمراہی تم پر پڑے گی اور اس کا نقصان خود تم ہی کو ہوگا۔

سورۃ کی ابتدا بھی قرآنِ کریم کی حقانیت سے ہوئی تھی اور اس کے آخر میں
 بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور اب آخری آیت میں فرمایا وَقُلِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے نبوت عطا فرمائی
 شریعت اور احکام دین عطا فرمائے، تمام ظاہری اور باطنی انعامات سے نوازا۔
 جس نے قرآنِ مجید کا عظیم کتاب عطا کی، سب تعریفیں اُسی کے لیے ہیں سَيُؤْتِيْكُمْ
اٰيٰتِهٖ وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دیگا۔ فَتَعْرِفُوْنَہَا پھر تم ان کو
 پہچان بھی لو گے۔ نَبِیْ اٰخِرِ الزَّمٰنِ کی بعثت اور شوقِ فقر کی نشانیاں تو تم نے دیکھ لیں
 اب عنقریب مسیح علیہ السلام کا نزول اور دجال کا خروج بھی دیکھ لو گے۔ لہٰذا اب
 بھی وقت ہے ایمان لے آؤ۔ اور اگر اپنی ضد پر اٹے رہو گے وَمَادَّ بُّلْکَ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَفْعَلُوْنَ تو اللہ تعالیٰ تمہاری کارکردگی سے غافل نہیں ہے تمہارا ہر عمل اس
 کی نگاہ میں ہے اور اسی کے مطابق تمہیں بدلہ دیگا۔



سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَمِائَتَانِ آيَةٌ تَسُحُّ لِكُلِّ رُكْعَةٍ

سُورَةُ الْقَصَصِ مکی ہے اس کی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کر آہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طَسَمَ ① تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ② نَتْلُو
عَلَيْكَ مِنْ نَبَأِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ ③ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ
أَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَذَّخَّرُ
أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ④ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ
اسْتُضِعُّوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَرِثِينَ ⑤ وَنُكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنَرَى فِرْعَوْنَ
وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ⑥

ترجمہ:- طَسَمَ ① یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے

والی کتاب کی ② ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو حال

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے

جو ایمان لاتے ہیں ③ بیشک فرعون چڑھ گیا تھا زمین میں

اور اُس نے کر دیا تھا زمین کے پہنے والوں کو مختلف

گروہوں میں۔ کمزور رکھتا تھا ایک گروہ کو اُن میں سے۔ ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو، اور زندہ پہنے دیتا تھا اُن کی عورتوں کو۔ بیشک تھا وہ فسادوں میں سے (۴) اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جن کو کمزور خیال کیا جاتا ہے زمین میں، اور بنا دیں ہم اُن کو پیشوا، اور بنا دیں ہم اُن کو وارث (۵) اور سچتہ کر دیں ہم اُن کو زمین میں، اور دکھائیں ہم فرعون اور ہامان کو اور اُن کے لشکروں کو اُن (کمزوروں) کے ہاتھوں سے وہ چیز جس سے وہ ڈرتے ہیں (۶)

۱۔ اور کثرت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ القصص ہے۔ قصص قصہ کی جمع ہے جس کا معنی واقعہ یا کہانی ہوتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام قارون اور بعض دیگر اقوام کے واقعات مذکور ہیں۔ اس لیے اس کا نام سورۃ القصص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعات کی نسبت سے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ موسیٰ بھی بیان کیا جاتا ہے تاہم زیادہ مشہور نام سورۃ القصص ہی ہے۔

گذشتہ سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل کی طرح یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔ اس کی بعض آیات دورانِ ہجرت جمعہ کے مقام پر نازل ہوئیں جن میں آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت سے پہلے مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔

اس سورۃ مبارکہ کی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں اور یہ ۲۵۴ کلمات اور ۴۰۱۱ حروف پر مشتمل ہے۔

صحابین سورۃ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات مختلف سورتوں میں مختلف پہلوؤں سے بیان کیے گئے ہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کا واقعہ بیان ہوا تھا۔ پھر سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برگزیدگی کا خاص طور پر

ذکر فرمایا ہے کہ میں نے تم کو پسند کر لیا ہے اور رسالت کے لیے منتخب کر لیا ہے۔
آگے سورۃ الشعراء میں موسیٰ علیہ السلام کا تبلیغی پہلو نمایاں ہے کہ انہوں نے اللہ کا
پیغام کس طرح فرعون اور قوم فرعون کو پہنچایا۔ اور اب اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر
پیدا نش سے لے کر بچپن کے حالات اور آپ کی تربیت کا ذکر ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی بنیادی عقائد کا ذکر ہے توحید
کے عقلی، نقلی اور مشاہداتی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے اور
خاص طور پر معاد کا تذکرہ ہے۔ مکی زندگی کا آخری زمانہ مسلمانوں کے لیے بڑے
مسابب و آلام کا زمانہ تھا، ہجرت کا حکم نازل ہونے والا تھا، مسلمان قریش مکہ
کے مظالم کا شکار بنے ہوئے تھے تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور
فرعون کا واقعہ بیان کر کے اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہو۔ یہ
تکالیف صرف آپ ہی کو نہیں پہنچیں بلکہ آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے
پسروں کا بھی اسی قسم کے مسابب کا شکار ہوتے رہے ہیں، مفسرین کلام فرماتے ہیں
کہ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کی کامیابی اور روشن مستقبل کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے
جس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے متکبر، مغرور اور ڈکٹیٹر دشمن کو ذلیل و خوار کیا
اسی طرح آپ کے دشمن بھی ناکام ہوں گے اور کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئے گی۔

حروف مقطعات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا بھی حروف مقطعات طس لٹم سے ہوئی
ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف اس سورۃ کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ان
میں سے ہر حرف کا اشارہ خدا تعالیٰ کے کسی اسم پاک کی طرف ہے، جیسے ط سے طیب
م سے سمیع اور م سے مجید۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ط سے مدار طہارت
سے جس میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی طہارت آتی ہے۔ باطنی طور پر نفس اور قلب کی طہارت
ہے کہ انسان کا عقیدہ، عمل اور اخلاق پاک ہو اور ظاہری طہارت میں جسم، لباس اور خوراک
کی طہارت مطلوب ہے۔ طہارت اسدہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے
اسی لیے الطہور شطر الایمان کہا گیا ہے یعنی طہارت نصف ایمان ہے
لہٰذا طہور صبیحہ سے منظر صبیحہ سے رات بین صبیحہ سے صبح اصلم (فیاض)

بعض مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اسماء الہی ہیں جن کا تعلق بندوں کو تکلیف
 بنانے سے ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ام کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی منت اور اس سے احسان
 کی طرف ہے۔ منت عربی زبان میں احسان ہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق
 پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص بے شمار احسانات فرمائے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ
 دہلوی کشفی طور پر بتاتے ہیں کہ ان حروف کا اشارہ انبیاء علیہم السلام کی حرکت فوقانی
 کی طرف ہے گویا یہ انبیاء علیہم السلام کے عالم بالا کی طرف ان کے مراتب و منازل پر
 اس تخیل طے جہاں میں پاک ہدایت کے تعین کا بیان ہے۔ البتہ امام جلال الدین سیوطی
 فرماتے ہیں کہ ان حروف کے متعلق بہتر طریقہ یہ ہے **اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُكْرِمِهِ**
بِذَلِكَ یعنی ان حروف سے حقیقتی مراد اللہ تعالیٰ ہی جاتا ہے اور جو بھی اس کی
 مراد ہے، ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ برحق ہے
 ارشاد ہوتا ہے **تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ** یہ کھول کر بیان کھینے
 والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ آیات کی توضیح و تشریح کبھی تو خود اللہ کے کلام میں ہوتی ہے
 کسی ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ تفصیل مل جاتی ہے، اور کبھی ان کی وضاحت
 نبی کی زبان سے ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی عالمہ پھر بھی واضح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے معجزات
 کی وضاحت امرت کے اہل علم کے ذریعے کر دیتا ہے امت میں سے قرآن کو
 سب سے زیادہ جاننے والے صحابہ کرام ہیں۔ ان کی وضاحت قابل متبول ہوتی
 ہے۔ ان کے بعد تابعین عظام ہیں اور پیچہ آئمہ مجتہدین ہیں جو استنباط کے ذریعہ
 مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ یہ کھول کر بیان کر نیوالی کتاب کی آیت
 ہیں جن کے ذریعے حق واضح ہو جاتا ہے اور کوئی چیز حل طلب نہیں رہتی۔

توضیح البیان

فرعون کے
 نظام

آگے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حق پرستی اور فرعون کے منکمر کی دانت
 بیان کی ہے تاکہ حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ جان لیں کہ دنیا میں حق و باطل
 کا ہمیشہ سے ٹکراؤ رہا ہے اور ہمیشہ اللہ کا کمرہ می بلند ہوا ہے۔ جابر و نظامہ لوگ
 ہمیشہ تباہ و برباد ہوتے ہیں ارشاد ہوتا ہے **نُتِلُوا عَلِيمًا مِّنْ نَّبَا**
لَهُ رُوحُ الْبَيَانِ صِبْغًا عَلَيْهِ الْفُوزُ الْكَبِيرُ صَلَاتُهُ جَلَالِيْن صَلَاتُهُ (فِيَا ض)

مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنُ بِالْحَقِّ بِمِآثِ الْمَآثِرِ الْبِغْضِ وَالْبُغْضِ
 بتلے تے ہیں۔ اور ان واقعات سے عبرت وہ لوگ حاصل کریں گے۔ یہ قوم گنہگار
 جو اللہ اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، اس کے ملائکہ اور محد پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ
 جان لیں گے تمام تر مصائب و آلام سے باوجود آخری فتح انہی کی ہوگی۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ بِشَكْرِ فِرْعَوْنَ جَبَلًا تَهْتَاجُ زَمِينَ
 میں یعنی وہ غرور و تکبر کی وجہ سے اللہ کی زمین پر خود خدا بن بیٹھا تھا وَجَعَلَ
 أَهْلَهَا شِيَعًا اور اُس نے اہل زمین یعنی اپنی رعایا کو دو گروہوں میں تقسیم
 کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی قبلی قوم کو تو ہر طرح کی سرعادتوں پر بھی تھیں مگر اسے انہی
 قوم کے متعلق فرمایا كَيْتَضَعُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مِمَّا اس گروہ کو کمزور بنا
 رکھا تھا اُن پر ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ اُن سے بیکاروں کی باقی اور نہایت ہی امانت امیر سرور
 کیا جاتا۔ اُس کے ظلم و ستم کو ایک نمونہ یہ تھا يَذَرُجُ أَبْنَاءَهُمْ مِمَّا اسے اُن کے
 بچوں کو ذبح کر ڈالتا تھا۔ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ اور اُن کی بچیوں کو زندہ
 سنبھال دیتا تھا تاکہ انہیں لونڈیاں بنا کر اُن سے خدمت لی جاسکے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ چوں کہ قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں دیکھا
 تھا کہ ایک آگ شام و فلسطین کی طرف سے آئی ہے جو مصریوں کے گھروں کو جلا
 رہی ہے۔ اس نے کانہوں اور ساحروں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے
 بتایا کہ تمہارے ملک کے زوال کا باعث وہ بچہ ہوگا جس کا تعلق شام و فلسطین سے ہوگا
 ظاہر ہے کہ شام و فلسطین سے تعلق اسرائیلیوں کا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے
 زمانے میں مصر میں وارد ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اُس وقت وہ مگنتی نے
 افراد تھے مگر اب ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اپنی سلطنت کو زوال
 سے بچانے کے لیے فرعون نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسرائیلی گھروں میں پیدا ہونے والے
 بچے کو اُس کے والدین کے سامنے ذبح کر دے اور اُن کو مہربان کر دے۔
 کہ اس طرح فرعون نے کم و بیش سو سے بڑا روزانہ ذبح قتل کر دئے جو کہ پوری
 لے طبری ج ۲۲ در منصور ص ۹۵ و روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۲۵ (فیاض)

ان نیت کے لیے بہت بڑا ظلم تھا۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
یہ شک وہ فرعون فدک نے والوں میں سے تھا۔ فساد کا معنی خدائی جو تباہ اور
مطاسب یہ ہے کہ فرعون ظلم و ستم کرنے میں ذرا شرم و حسرت نہیں کرتا تھا درود
کمزور طبقے کو ظلم کا تختہ مشق بنائے رکھتا تھا۔

طبقاتی
کشش

اس آیت کریمہ میں اللہ نے دو طبقات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک
مراعت یافتہ اور دوسرا بے کس و مظلوم تھا۔ یہ طبقہ قی کشمکش آج بھی دنیا میں پائی
جاتی ہے۔ ایک طبقے کو اُس کے حق سے زیادہ دنیا اور دوسرے کو اُس کے حق
سے بھی محروم کر دینا فرعون کی پالیسی کا حصہ ہے۔ جب انگریز برصغیر پر قابض ہو گیا تو
اُس نے بھی لوگوں کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا۔ وہ اپنے وفاداروں کو عزت و احترام
سے رکھتا تھا۔ اُن کو بڑے بڑے خطابات، عہدے اور انعام و اکرام دیے جاسے
جبکہ وفاداری میں مشوک لوگوں کو اُن کے حق سے محروم کر کے انہیں کمزور کر دیتا
تھا کہ وہ کسی وقت بھی ان کی سلطنت کے لیے خطرے کا باعث نہ بن سکیں۔ کسانوں اور
مزدوروں کو غریب سے غریب تر کر دیا۔ جب کہ آسودہ حال مسگر حکومت کے وفاداروں
کو مزید جاگیریں دے کر کمزور طبقے پر حاوی کر دیا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی یہ پالیسی
پائی جاتی ہے، اُس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

کمزور طبقے
پر احسان

فرعون کی پالیسی تو یہ تھی کہ اسرائیلیوں کو کمزور و کمزور بنا دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ
کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشاد ہوتا ہے وَنُرِیْہٖ اَنْ نَّمْنَّ عَلَی الْذِیْنَ
اَسْتَضَعُّوْا حِیْ لَا رَیْضَ ہَا اَزَادَہٗ یَرْتَضٰ کہ بعد احسان کریں ان لوگوں پر جن کو
زمین میں کمزور خیال کیا جاتا تھا۔ اللہ کی مشا یہ تھی کہ وہ اسرائیلیوں کو ذلت و زندگی سے
نکال کر عزت کی کرسی پر بٹھائے۔ فرمایا ہمارا پروردگار ہم پر بھی رحم فرمائے وَنَجْعَلْہُمْ
اٰیۃً وَنَجْعَلْہُمْ الْوَارِثِیْنَ کہ ہم اُن کمزوروں کو غلامی سے نکال کر سردار
بنادیں اور پھر انہیں زمین میں ورثہ بنادیں یعنی سلطنت بھی انہی کو عطا کر دیں۔ چنانچہ
تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے اسرائیلیوں کو پہلے شام و فلسطین کا ورثہ بنایا اور پھر

مصر کی سلطنت بھی عطا کی۔ اللہ نے اُن کمزوروں کو بندی تو عطا کی مگر بڑی آزمائشوں سے بعد۔ سورۃ اعراف اور سورۃ یونس میں اللہ نے ان آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ فرعون کے ظلم و جور سے تنگ آئے ہوئے اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ آپ کی مدین سے واپسی سے قبل بھی ہم ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہماری تکالیف میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپ نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا پروردگار عنقریب تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین کی خلافت تمہارے سپرد کرے گا۔ لہذا فی الحال تم اللہ کی استغاثت چاہو اور صبر سے کام لو۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ قَدْ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (الاعراف - ۱۲۸) زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنالیتا، اور بہتر انتخاب مستقیمن کا ہی ہوگا۔

اللہ نے فرمایا، ہمارا مشاوریہ تھا وَلَیْسَ کُنْ لَّہُمْ فِی الْاَرْضِ اَنْہُمْ اَنْہُمْ کہ ہم ان کمزوروں کو ہی زمین میں سچتہ کر دیں۔ مغزروں کو ہذا کر ایمان والوں کے قدم چا دیں اور انہیں شام و فلسطین اور مصر کی سلطنت عطا کر دیں۔ اللہ نے عام ایمانداروں سے بھی یہی وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ جیسے پہلے لوگوں کو عطا کی۔ وَلَیْسَ کُنْ لَّہُمْ دِیْنُہُمْ الَّذِیْ اَرْتَضٰی لَہُمْ (نور - ۵۵) اور جس دین کو اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اُس دین کو ان کے لیے مستحکم کر دیں گے۔ وہی کامیاب ہوں گے۔

کسی مشن کو استحکام اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب قوم کا ہر فرد، ہر شاخہ اور ہر سببی کا ایک ایک باشندہ اُس مشن سے واقف ہو۔ اگر کسی مشن کا بعض کو بہت ہو اور بعض کو علم ہی نہ ہو تو اس میں استحکام اور سچتگی کیسے آئے گی؟ اسلام بھی دنیا میں اسی لیے سچتہ نہیں ہے کہ صرف دو فیصدی لوگ اس سے واقف ہیں۔ باقیوں کو اسلام کے متعلق علم ہی نہیں۔ جب تک اسلام کا پیغام سو فیصدی لوگوں

کے کام کے لیے
میر کی ضرورت

تک نہیں پہنچتا، اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور اس کام کے لیے وسیع پیمانے پر تشہیر کی ضرورت ہے۔ آج دنیا میں دیکھ لیں عربی، فحاشی، اور کھیل تماشے کی تشہیر ہو رہی ہے۔ ریڈیو، ٹیلیوژن، اخبارات و رسائل سب اسی کام میں لگے ہوئے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں اپنی چیزوں کو استحکام حاصل ہو رہا ہے، فلموں اور ڈراموں کی تشہیر ہو رہی ہے۔ تو بچے بچے کی زبان پر وہی ڈانیا لگ ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ کھانا اور بیج کی بھی بڑی تشہیر کر رہے ہیں، لہذا زمینداروں کی غالب اکثریت اسی طرف متوجہ ہو چکی ہے اسی طرح اگر دین اسلام کا استحکام منظور ہے تو اس کی نشر و اشاعت کے لیے پورے ذرائع ابلاغ کو کام میں لانا ہو گا۔ تاکہ یہ پیغام ایک ایک فرد تک بار بار پہنچے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے، جب برائی کی تشہیر سے بُرائی چیل سکتی ہے تو پھر نیکی کی تشہیر سے نیکی کیوں غام نہیں ہو سکتی۔ کار پر دوازان ملک و ملت کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم کمزوروں کے قدم زمین میں مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ وَ نُرِیْ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا مِنْهُمَا مَآکَلُوا یَحْذَرُونَ اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے، ظاہر ہے کہ فرعونوں کو اپنی سلطنت کے زوال کا خطرہ تھا اور اسی سے بچنے کے لیے انہوں نے نوسے ہزار نوزائیدہ بچے قتل کروا دیے، مگر اللہ نے فرمایا کہ جس چیز سے وہ ڈرتے تھے ہم وہی کچھ کر کے دکھائیں گے یعنی ان کی سلطنت کو زوال آکر رہ گیا، اور ان کے گاہ بھی اس قوم کے ایک فرد کے ذریعے جس کو انہوں نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اللہ نے اسی قوم کے ایک فرد کی خود فرعون کے گھر میں پرورش کرائی اور پھر اُنسی کے ذریعے فرعون کی سلطنت کو ختم دیا۔ یہاں پر فرعون کے ساتھ ہامان کا بھی ذکر ہے جو کہ اس کا وزیر تھا۔ ہامان کا ذکر یہی دفعہ آ رہا ہے، البتہ اگلی سورتوں میں بھی آئے گا۔ اس کے علاوہ فارون

فرعون اور
ہامان کی
سزائیں

سما ذکر بھی آئے گا۔ جس سرمایہ داروں کا پیشوا تھا۔ بہ حال الشرف نے ان تمام طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں دین حق کی کامیابی کی پیشین گوئی فرمادی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ
 فَلِقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ
 وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨﴾ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ
 لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا
 كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٩﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنَ لِي
 وَلَكَّ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا
 وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَاوًا
 أَنْ كَادَتْ تُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا
 لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾

ترجمہ:- اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی
 طرف کہ اس (بچے) کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب تم خوف
 کھاؤ اس پر تو ڈال دو اس کو دریا میں، اور نہ خوف کھاؤ
 اور نہ غلین ہو۔ بیشک ہم لوٹا دیں گے۔

اس کو تمہاری طرف، اور بنانے ملے ہیں ہم اس کو رسولوں
 میں سے ﴿۸﴾ پس اٹھایا اُس (بچے) کو فرعون کے گھر
 والوں نے تاکہ ہو جائے وہ اُن کے لیے دشمن اور غم کا
 باعث۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن دونوں کے لشکر ظالم

تھے ⑧ اور کہا فرعون کی بیوی نے کہ یہ تو آنکھوں کی ٹنڈک
 ہے میسے لیے اور تیرے لیے۔ اُسوقت قتل کرو، شاید کہ یہ بھی فائدہ
 لے یا ہم لے بیٹا بنالیں، اور وہ کچھ خبر نہیں سکتے تھے ⑨
 اور ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خالی (بے قرار) قریب
 تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی اُس کو اگر ہم نہ باندھتے اُس کے دل
 کو، آکر ہو وہ ایمان والوں میں سے ⑩

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کے ذکر
 کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا۔ امام احمد نے
 روایت بیان کی ہے کہ حضرت معمر بن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عرض کیا
 کہ مجھے سورۃ طہ سناؤ تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ سورۃ اُس شخص سے سناؤ جس نے
 اُسے براہ راست حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُن کر یاد کیا ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے
 حضرت خباب بن ارتؓ کا پتہ بتایا، جب وہاں پہنچے تو انہوں نے یہ ماری سورۃ سنا دی۔
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے طلحہؓ سے سورۃ میں حضور علیہ السلام کے دہن مبارک سے سُسن کر
 سیکھی تھیں مگر اس سورۃ سے متعلق انہوں نے معمرؓ کی کا اظہار کر دیا۔ دراصل اس سورۃ میں
 ابن ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ظلم و ستم میں پہلے
 ہونے والی اسلحہ کو کس طرح نجات دی اور فرعون اور اس کے حواریوں کو غرق کیا۔

سورۃ کی ابتدائی آیات میں فرعون کی پالیسی کا اجمالاً ذکر تھا کہ وہ بڑا مغرور اور سرکش
 تھا۔ اس نے عوام کو مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، بعض کی عزت افزائی کرتا تھا، اور
 بعض کو ذلیل و خوار کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ کمزوروں اور بے کسوں کو تعزیر و نجات
 سے نکال کر اُن کو پیشوائی عطا کی جائے، اور فرعون اور اُس کے حواری ہامان وغیرہ کو وہی
 چیز دکھائے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ اسی چیز سے خوف کھاتے تھے کہ ان کی
 سلطنت ضائع نہ ہو جائے مگر اللہ نے اُن کی جڑ بنیاد ہی سے اکھاڑ کر رکھ دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی
کی ابتدائی
زندگی

موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف حصوں کا ذکر مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الشعراء میں زیادہ تر نبوت کے بعد کے حالات تھے جب کہ اس سورۃ میں روئے سخن قبل از نبوت حالات کی طرف زیادہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيْهِ وَأَرْسَلْنَا بِرَحْمَةٍ مِنَّا مِائِدَنَا إِلَيْهَا وَأُخْبِتْ لَهَا إِذِ اعْبَثَتْ نَجَّتْ لَهَا فَالْقَاهُ فِي غَمَضٍ
 کی والدہ کی طرف کہ اس بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ فَإِذَا اخْضَبَتْ عَلَيْهِ
فَالْقَاهُ فِي غَمَضٍ یہ لفظ بھربھب سے ہے کوئی خطہ ہو فرعون کی طرف سے تو اس
 بچے کو دریا میں ڈال دیں وَلَا تَخَافُ وَلَا تَحْزَنُ اور نہ خوف کھانا اور
 نہ غم کرنا إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكَ ہم اسے تیری طرف لوٹا دیں گے۔ وَجَعَلْنَاهُ
مِّنَ الْمُرْسَلِينَ اور ہم اس کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ گزشتہ
 درس میں بیان ہو چکا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے ہر نوزائیدہ بچے کو محض اس
 لیے قتل کروا دیتا تھا مبادا کہ یہی بچہ میری سلطنت کے زوال کا باعث نہ بن جائے
 جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ کو فکر ہوئی کہ اگر فرعون کے
 گماشتوں کو بچے کی پیدائش کا علم ہو گیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے، لہذا وہ
 بچے کو بچانے کے لیے تدبیریں سوچنے لگی۔ اسی پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ
 نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کے ذریعے یہ تدبیر بتائی کہ اس بچے کو فونی طور
 پر اپنے آپ سے جدا کرنا بلکہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرتی رہو اور جب
 بچے کی جان پر زیادہ خطرہ محسوس کرو تو کوئی دوسری تدبیر کرنے کی بجائے اسے غمخیز
 میں بند کر کے دریا میں بہا دینا اس کی زندگی کے محافظ ہم خود ہیں۔ تم اس کے متعلق فکر نہ
 نہ ہونا، ہم خود بچے کو تمہیں واپس لوٹا دیں گے اور یہ تمہاری ہی تحویل میں پرورش پائیگا۔
 پھر ایک وقت آئے گا کہ ہم اس کے سر پر نبوت و رسالت کا تاج بھی رکھیں گے۔
 اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر ہے۔ ظاہر
 ہے کہ وہ ایک عورت تھیں اور عورت بقیہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ (الانبیاء ۲۱) ہم نے آپ

موسیٰ کی
طرف وحی
پر انکمال

سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ہیں وہ سب مدتھے اور ہم نے ان کی طرف
وحی نازل کی۔ اب سوال ہے کہ ام موسیٰ کی طرف کس عیثیت سے وحی بھیجی گئی۔

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبیہ رسول نہیں
تھیں۔ البتہ بعض عورتوں کو اللہ نے صد لقیقت کے درجے پر فائز کیا ہے۔ ان میں
حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؑ، حضرت فاطمہؑ، فروعون کی بیوی آسیہؑ اور بعض دیگر
نیک خواتین شامل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی زیادہ سے زیادہ انہی
خواتین میں شامل کیا جاسکتا ہے، تاہم وہ نبیہ نہیں تھیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے
بعض نے میا، بعض نے یارہ اور بعض نے یوحنا رکھا ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کا کام
فرماتے ہیں کہ دراصل وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی نبوت و رسالت ہے اور یہ انبیاء
اور رسل کے ساتھ مخصوص ہے کسی غیر نبی پر یہ وحی نہیں آتی۔ البتہ وحی کی دوسری
قسم الہامی وحی ہے جو نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔
اس وحی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی
مخلوق کی طبیعت اور مزاج میں کوئی بات ڈال دے جیسے شہد کی مکھیوں کے
متعلق فرمایا وَإِذَا وَجِّهَ رَبُّكَ إِلَيْنَا النُّحُلَ (النحل - ۶۸) تیرے پروردگار نے
شہد کی مکھیوں کی طرف وحی بھیجی یعنی ان کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات ڈال دی کہ وہ
پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر اس سے شہد تیار کریں۔

وحی الہام کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز کسی کو خواب
میں بتلا دے۔ ہو سکتا ہے کہ ام موسیٰ کو مذکورہ بات خواب کے ذریعے بتادی دی گئی ہو
یا ان کے مزاج میں یہ بات ڈال دی گئی ہو۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی فرشتے
کو انسانی شکل میں بھیج کر کوئی بات سمجھا دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں تین آدمیوں
کی آزمائش کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے ایک برص والا، دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا تھا۔
اللہ نے ان کی آزمائش انسانی شکل میں فرشتے کے ذریعے کرائی مگر ان میں سے صرف

ایک کامیاب ہو سکا جب کہ دنیا کام ہو گئے مسلم شریعت میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ کوئی شخص سفر پر جا رہا تھا۔ اللہ نے ایک فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجا جس نے اس شخص سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا ایک شخص کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا اس شخص نے تم پر کوئی احسان کیا یا تمہارا اس کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ نہ تو اس شخص نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی دنیاوی غرض ہے۔ میں تو اسے نیک آدمی سمجھ کر محض اللہ کی رضا کی خاطر اس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ وہ خداوند کریم جس کی محبت اور رضا کے لیے تم نے یہ سفر اختیار کیا ہے۔ تو میں تم کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جس طرح تم اللہ کے اس نیک بندے سے محبت کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ بہر حال مفسرین کہہ رہے ہیں کہ یہ بات پر متفق ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی یا تو طبیعت کے ذریعے تھی یا اللہ نے انسانی شکل میں کوئی فرشتہ بھیج کر بات سمجھادی یا پھر خواب کے ذریعے مطلع کر دیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام
کی دریا بزرگی

وحی یہی تھی کہ بچے کو دودھ پلاتی رہو اور اگر کوئی زیادہ خطرہ محسوس کر دے تو اسے دریا میں جا دیا غم نہ کرنا۔ ہم بچے کو دوبارہ تیری طرف لوٹا دیں گے اور اسے سون بنا دیں گے۔ تفسیر بھی روایات میں آتا ہے کہ آپ کی والدہ نے تین ماہ تک موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں رکھ کر دودھ پلایا۔ جب فرعون کے گماشتوں کی گھر گھر تلاشی کا خطرہ بڑھ گیا تو آپ نے وحی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا برد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بائبل کی روایت کے مطابق آپ نے سر کنڈے کی ٹوکری بنائی اور اس میں آل لنگا کر اس کے سوراخ بند کر دیے تاکہ اس میں پانی داخل نہ ہو سکے۔ بعض روایات میں صندوق کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔

یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے سامنے پہنچا۔ بائبل کی روایت یہ ہے

کہ فرعون کی بیٹی اپنی سلیوں سمیت وہاں موجود تھی جنہوں نے بتے ہوئے صندوق کو نکلوایا۔ اہم قرآن کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بچے کو فرعون کی بیوی کی وساطت سے اٹھایا گیا۔ یہاں پر الفاظ یہ ہیں فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ پس اٹھایا اس بتے ہوئے صندوق کو فرعون کے گھر والوں نے لِيَكُونُوا لَهُمْ عَدُوًّا و حَزَنًا تاکہ بچہ بنائے یہ بچہ ان کے لیے دشمن اور غم کا باعث۔ ان الفاظ سے بھی کچھ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچہ انہوں نے دشمن سمجھ کر تو نہیں اٹھایا، بلکہ جیسا کہ آگے آ رہا ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اُسے بیٹا بنالیں۔ وَرَاسِلَ لِيَكُونُوا کا لام علت نہیں بلکہ لام معاقبت ہے اور مطلب یہ ہے نتیجے کے طور پر یہ بچہ فرعون کا دشمن اور اس کے لیے باعثِ غم بنا۔ اس کی مثال عربی محاورے میں بھی ملتی ہے جیسے کہتے ہیں لِدُؤَالِلهَوَاتِ وَأَبْنُوا لِلْخَرَابِ یعنی بچے جنوموت کے لیے اور عمارت تعمیر کرو بربادی کے لیے حقیقت یہ ہے کہ نہ تو لوگ بچے کو لے کے لیے جنتے ہیں اور نہ ہی عمارتیں منہدم ہونے کے لیے بنتے ہیں۔ البتہ جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوگا اُسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور جو بھی عمارت تعمیر ہوگی وہ بہر حال ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ قریاں بھی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بتے ہوئے بچے کو اٹھا لیا مگر باوجود اُن کا دشمن ثابت ہوا اور اُن کے لیے غم کا باعث بنا۔

ایسی ہی مثال قرآن پاک میں بھی ملتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَلَا يُسْرَرُ اَنْتَ اَعْلَمُ ہم نے بت سے جنوں اور انانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہاں بھی یہ ظاہر ہی مفہوم ملتا ہے کہ جنوں اور انانوں کی کثیر تعداد جہنم میں جائے گی۔ فرمایا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خٰطِبِيْنَ بیشک فرعون، اس کا وزیر ہامان اور اُن دونوں کے لشکر خطا کار تھے، اُن کی پابندی ہی غلط تھی۔ اور بچے کو اٹھالینے میں بھی انہوں نے غلطی کی۔ وہ اس سے مفاد و البتہ کیے بیٹھے تھے۔ مگر اللہ نے اُسی کو ان کی تباہی کا ذریعہ بنا دیا۔

وہ بھی فرعون اور اس کے حواری سخت گنہگار اور مجرم تھے۔ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میری بیوی
فرعون کی بیوی

فرعون کے محل میں جب صندوق کو کھولا گیا تو اس سے بڑا پیارا بچہ برآمد ہوا وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ جسے درجہ کر فرعون کی بیوی پکارا اَمْحُ قُرْتُ عَيْنٍ لِّس وَلَكِنَّ فِرْعَوْنَ اِي تَزْمِي اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک سب مفسرین سمجھتے ہیں کہ اس کے جواب میں فرعون نے کہا کہ یہ بچہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی نہیں۔ فرعون کے دل میں یہی بات آئی کہ کسی اسرائیلی نے اس بچے کو قتل سے بچانے کے لیے دریا میں بہا دیا ہے لہذا اُسے قتل کر دینا چاہیے۔ مگر بیوی نے سفارش کی۔ لَا تَقْتُلُوْهُ اِنِّهٖ نَفْسٌ نَّجَّيْنَا وَنَخِذْهُ وَلَدًا شَآئِدَ کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ مگر اللہ نے فرمایا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ وہ حقیقت حال کو نہیں جانتے تھے کہ آگے چل کر ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحمہ ابن عبد بن ریان سلیم الفطرت اور ایمانہ خاتون تھی بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اسرائیلی خاندان سے تھا مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی فرعون کے خاندان سے تھی۔ اس نے بھی فرعون کے بڑے مظالم برداشت کیے تو اللہ نے اسے سہاقتہ کا درجہ دیا۔ بہر حال اس نے موسیٰ علیہ السلام کی من موہنی شکل و صورت دیکھی تو اس کے دل میں محبت بھرائی۔ سورۃ طہ میں ہے وَالْقِيْتُ عَلَيْكَ حَبَّةٌ مِّمِّيَّہٗ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِيْ آیت - ۲۵ اے موسیٰ! میں نے تم پر اپنی محبت ڈال دی جو دیکھتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا اور اس لیے کہ تم میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاؤ۔ غنیمت کہ فرعون کی بیوی نے بچے کو قتل نہ کر لیا سفارش کی۔

ام موسیٰ کی
بیوی

بچے کو دریا میں بہا دینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی کیفیت یہ ہوئی۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوسٰی فَرِيْغًا داس کا دل صبر سے فاسخ ہو گیا یعنی بیکار۔ لَهُ الْوَدُوْدُ مِمَّنْ اے منظری صبر اور روح المعانی صبر (نیاض)

ہو گیا۔ یہ انسانی مزاج اور ماں کی مامتا کا تقاضا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نہایت
 کوریا کی لہروں کے سپرد کیا مگر دل بیکار ہو گیا کہ نہ معلوم بچے کے ساتھ کیا معاملہ پیش
 آنے والا ہے۔ اگرچہ اللہ کی طرف سے الامام جوچہ تھا کہ خوف اور غم نہ کھائے، مگر بچے
 کو تمھاری طرف لوٹا دیں گے۔ مگر دل بیکار کو قرار کہاں آتا اُن کی حالت یہ ہونچی تھی
 اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ قَرِيبًا ثُمَّ رَأَوْا نُوْشًا كَرِيْمًا ثُمَّ رَأَوْا نُوْشًا كَرِيْمًا
 فَرَأَوْا نُوْشًا اَنْ يَّكْبُطْنَ عَلَى قُلُوبِهِمْ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَلْاُذُنُ حَاسِرًا
 یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی کہ اُس نے ام موسیٰ کے دل کو قرار بخشا، ورنہ
 سارا معاملہ ہی اُلٹ پلٹ ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر کوئی بھی انسان
 بذاتِ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے اہل ایمان ہمیشہ یہی دُعا کرتے ہیں يَا مُقَلِّبَ
 الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَى دِيْنِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل
 کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ صَرَفَ قَلْبِيْ رَاحَ صَعِدَ مِيْرَے دل کو
 اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے، بہر حال فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے
 دل کو مضبوط کیا۔ لَيْتَ كُنتَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تاکہ وہ ایمان والوں میں سے
 ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے راز کو فاش نہ کیا اور اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی پرورش
 فرعون کے گھر میں ہوئی اور وہ تیس سال تک وہاں رہے۔ اس کے بعد اچھے
 واقعات آ رہے ہیں۔

لے ترمذی صفحہ ۵۷۰ حصہ حصین صفحہ ۴۰۳ (فیاض)

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ
 لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ
 فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ
 وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا
 وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: اور کہا اُس (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) نے آپ کی بہن سے
 کہ اس کا سرخ لگاؤ پس وہ دیکھتی رہی آپ کو دور سے اور
 اُن کو شبہ نہیں تھی ۱۱ اور ہم نے ممنوعہ قرار دے دیا اس
 (موسیٰ علیہ السلام) پر دو دودھ پلانے والیوں کو اس سے پیلے پس
 آپ کی بہن، بولی کہی میں بتاؤں تم کو ایسے گھر والے جو اس کی
 کفالت کریں تمھارے لیے اور وہ اُس کے لیے خیر خواہ ہونگے ۱۲
 پس ہم نے لوٹا دیا اُس کو اُس کی والدہ کے پاس تاکہ ٹھنڈی ہے
 اُس کی آنکھ اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تاکہ وہ جانے کہ بیشک
 اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ اُن میں سے نہیں جانتے ۱۳

نہج

ابتداء آیت

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب آپ کی والدہ نے خطرہ محسوس کیا کہ فرعون
 کے آدمی اس کو پکڑ کر ذبح کر ڈالیں گے تو الہامی آیات کے مطابق اُس نے بچے
 کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب

سے گزرا تو فرعون کے گنہگاروں نے اُسے نکھوایا۔ محل میں لا کر جب صندوق کھلا
گیا تو اُس سے خواجہ نور محمد برآمد ہوا۔ غصہ بن کر مد فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ نام
بھی اسی مناسبت سے کہ آپ پانی سے برآمد ہوئے۔ صوفی کا معنی پانی اور سی لکڑی کو
سُتے ہیں، اگر یا لکڑی کے صندوق سے برآمد شدہ۔

موسیٰ علیہ السلام
کے لیے
سراغ پانی

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اگرچہ الباہی احمد کے تحت آپ کو بیابانِ حبش
دینے کی تدبیر کی تھی مگر فطری طور پر وہ بچے کی جدانی سے بے قرار ہو چکی تھی اور وہ اس کی
خیریت معلوم کرنے کے لیے بیچین بیتی۔ فَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّیْہِ
پس کہا اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہ بچے کا سراغ نکاؤ۔ قُصِّیْہِ
بہ معنی بتاؤ۔ تب سے پیچھے پیچھے یعنی نقش قدم پر جانا۔ اس کی مثال سورۃ الاحزاب میں ملتی ہے
جب موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون اپنے بہن سے آگے نکل گئے اور انہیں اپنی
غفلت کا احساس ہو گیا۔ فَارْتَدَّا عَلَىٰ اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (آیت ۶۴) تو وہ
اپنے قدموں کے نشانات پر واپس آ گئے۔

یہ موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن مریم تھیں۔ واقعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ اس
وقت اچھی خاصی سوجھ بوجھ رکھتی تھیں اور فرعون کے محل میں پہلے سے آنا جانا تھا۔ بعض
کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی فرعون کے قریبی کارندوں میں شامل تھے۔
بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اُن کی بڑی بہن سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے پیچھے
پیچھے جاؤ اور سراغ نہ دو کہ یہ صندوق کہاں پہنچا۔ تب اور پھر لیا معاملہ پیش آتا ہے
فَقُصِّرَتْ بِہِ عَنْ جَنْبِ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آپ کی طرف دوسرے
رکھتی رہی۔ اجنبی بن کر تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ اس لڑکی کو اس صندوق کے ساتھ
کونئی تعلق ہے۔

جانب کا معنی اپلو بھی ہوتا ہے اور دوری بھی۔ جنابت بھی اسی دے سے
ہے کہ انسان طہارت سے دور ہو جاتا ہے جس سے فشتوں کو نفرت ہوتی ہے
جانب کے یہ معانی عربی ادب میں بھی ملتے ہیں جیسے کسی نے کہا ہے۔

لَمَ مَظْهَرًا صَیْغًا وَرُوحَ الْمَعَانِیْ صَیْغًا (فیاض)

اَتَيْتُ حُرَيْثًا زَائِرًا عَنْ جَنَابَةٍ
وَكَانَ حُرَيْثٌ شَاعِرٌ عَطَفَ لِي جَاهِدٌ

میں حریت کے پاس دُور سے پہنچا مکرور اتنا ڈال ثابت ہوا کہ اس نے مجھے کچھ
عطیہ نہ دیا

فَلَا تَحْصِمَنِي نَائِلًا عَنْ جَنَابَةٍ
فِيهَا أَمْرٌ وَسُطَا بَقَابِ غَرِيبٍ

مجھے دُوری کی وجہ سے مکرور نہ رکھنا کیونکہ میں ان خیموں کے درمیان ایک اجنبی
آدمی ہوں۔

بہر حال فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آپ کو دُور سے دھیمی رہی وہم نہ
یشعروں مکرور فرعون اور اُس کے بازوؤں کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے
اور یہ کہ اس لڑکی کا اس صندوق والے بچے کے ساتھ واقعی کوئی تعلق ہے۔
جب بچے کو صندوق سے نکالا گیا تو فرعون کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ
ہو سکتا ہے یہ وہی بچہ جو جس کی مجھے تلاش ہے لہذا اسے قتل کر دینا چاہیے مگر
اُس کی بیوی نے کہا کہ اُسے قتل نہ کرو۔ یہ بڑا پیارا بچہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ہمیں کوئی
فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو دیا بنالیں۔ اُدھر اللہ کی بھی تدبیر تھی۔ اس نے موسیٰ علیہ
کو یہ احسان بتلایا۔ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ حُبَّةٌ مَسْنِيٌّ (طہ - ۳۹) میں نے
اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی جو بھی شکل و صورت دیکھتا کر دیکھتا ہو جاتا،
اکثر یہ فرعون کی حسرت سے قتل پر آمادہ کر رہی تھی مگر بچے کی خوبصورتی دیکھ کر
بیوی کی سفارش سے اُس کا دل بھی نرم ہو گیا اور اُس نے نہ صرف قتل کا ارادہ ترک
کر دیا بلکہ بچے کی پرورش کا ذمہ بھی اٹھا لیا۔

موسیٰ علیہ
السلام کی رعیت

اب بچے کی رضاعت کا مسئلہ پیش تھا کہ اس کو دودھ کون پائے۔

شاہی حکم پر بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو آزمایا گیا، مگر اللہ کا حکم تھا۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ بِمَا لَمْ يَدْرِكْ

پر دودھ پلانے والیوں کو ممنوع قرار دیا تھا۔ لہذا بچہ کسی بھی دالی کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس حکم خدا سے شرعی حرام مراد نہیں ہے، بلکہ موسیٰ علیہ السلام پر کسی غیر عورت کی رضاعت تکوینی طور پر حرم کر دی گئی۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تدبیر کا فرما تھی۔

اب شہر مہم میں مشہور ہو گیا کہ فرعون ایک بچے کی پرورش کرنا چاہتا ہے مگر وہ بچہ کسی عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو اس موقع کی تدبیر میں تھی فقالت هل دثکم علی اهل بیت یکفلونہ لکم کہنے لگی، کیا میں تمہیں ایسے گمراہوں کے متعلق نہ بتاؤں جو اس بچے کی تمہارے لیے کفالت کریں وہم کہہ نا صحوون اور وہ لوگ اس کے لیے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر فرعون کے وزیر ہامان کو شک ہوا کہ اس لڑکی کو پتہ ہو گا کہ یہ بچہ کس کا ہے، اسی لیے تو وہ اس کے ساتھ خیر خواہی جلا رہی ہے، مگر لڑکی بڑی سمجھ رکھی، فوراً بولی کہ لہ، سے مراد بچے کی خیر خواہی نہیں، بلکہ خود فرعون کی خیر خواہی ہے جو اس کی اچھے طریقے سے پرورش کرنا چاہتا ہے وہ لوگ فرعون کے حق میں بڑے خیر خواہ ہیں۔ اس پر ہامان نے اپنی بات پر زور نہ دیا، حالانکہ اس سے بچے کی خیر خواہی مطلوب تھی۔

فرعون نے اس لڑکی کی بات کو تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ جس عورت کا پتہ دیتی ہو اُسے مانعہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فوراً بلا لیا گیا۔ جب اُس نے بچے کو اپنی چھاتی سے لگا یا تو اُس نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گمراہوں نے اس کو غنیمت جانا اور اس لڑکی کی کارگزاری پر خوش ہوئے کہ اس نے ایک پاکیزہ گھمڑ کی نشاندہی کی ہے جس کا دودھ بچہ پینے لگا ہے۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی خدمات بطور دالی ایک پرنٹریوم کی اجازت پر حاصل کر لی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے دوست بچے بھی ہیں جن کی دیکھ بھال کرنا ہوتی ہے، لہذا میں تمہارے بچے کو محل میں رکھ دوں گا وہ نہیں پلا سکتی بلکہ اسے اپنے گھمڑے جا کر پرورش

کریں گی۔ فرعون نے یہ شرط بھی منظور کر لی اور کہا کہ بچے کو سبے جاڑے لکھیں کبھی
 یہاں لا کر ملوا جایا کرو۔ ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ اور قہر و اجرت
 کے علاوہ انعام و اکرام بھی دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام
 کی ماں سے
 پاس اجعت

اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کی طرف لوٹا دیا۔
 اللہ نے اسی بات کہ ذکر کیا فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ امِّهِ ہم نے اس کو اسی
 والدہ کے پاس لوٹا دیا لَا تَحْزَنَ مالا اس کی آنکھ ٹھانی
 ہو۔ اور وہ غمگین بھی نہ ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا تھا وَلِتَعْلَمَنَّ وَعَدَ اللَّهُ
 حَقَّ نَاكِرٍ وہ جان لے کہ بیشک اللہ کا وعدہ

برحق ہے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ فرستہ کر دے۔ اسے
 پانی میں جاڑے ہم اسے تمھارے پاس لوٹا دیں گے۔ سو اللہ نے وہ وعدہ پورا کر
 دیا اور اس شان کے ساتھ لوٹایا کہ وہ اپنے ہی بچے کو دور دراز سے اجرت
 بھی وصول کر چکی حضور علیہ السلام کو ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنی تیار کردہ کسی چیز
 میں خیر کی توقع رکھتا ہے۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی ہے۔ جس طرح
 وہ اپنے بچے کو دو وعدہ پلانے کی اجرت وصول کرتی تھی۔ اسی طرح یہ شخص اپنی مصنوعات
 کی قیمت تو وصول کر لیا ہی مگر ساتھ ساتھ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام
 نے ارشاد فرمایا کہ تیر تیار کرنے کی دست مین آدمی نیکے جائیں گے۔ ایک آدمی
 اس تیر کو تیار کرنے والا ہے۔ جس نے اس نیت سے تیر بنایا کہ اسے دشمن خدا
 ہلاک ہو تو اسے تیر کی قیمت کے علاوہ اللہ کی طرف سے ثواب بھی حاصل ہوگا
 دوسرے خوش قسمت شخص وہ ہے جو تیر انداز کو اس نیت کے ساتھ تیر کپڑا تا ہے کہ
 اس سے دشمن ہلاک ہو، تو وہ بھی بخشا گیا۔ اور تیسرا شخص خود تیر انداز ہے جو اللہ
 کی رضا کی خاطر دشمن کی صفوں میں تیر پھینکتا ہے وہ بھی بخشا جائے گا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تو اپنی تدبیر کے ذریعے اپنا وعدہ پورا کر دیتا ہے وَلٰكِنْ
 أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ تدبیر خداوندی کس

طرح کام کرتی ہے۔ تمام تعلیمات اور تصرفات اللہ کے قبضے میں ہیں۔ لہذا وہ
 ہر کام کو گزرنے پر قادر ہے۔ ایسے میں دشمن کی تدبیر کیسے کامیاب ہو
 سکتی ہے؟ اُس کا تو اعلان ہے وَیَمْکُرُونَ وَیَمْکُرُ اللہُ
 (انفال - ۳۰) لوگ بھی تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ بھی تدبیر کرتا ہے، مگر اللہ
 ہی بہتر تدبیر کنندہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَاللہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ
 یوسف - ۲۱) وہ اپنے معاملے اور حکم میں غالب ہے، وہ جو چاہے کرے، اُس
 کے راستے میں کوئی رکاوٹ حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر اکثر لوگ بے علم ہیں۔ جو ان
 چیزوں کو نہیں سمجھتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا،
 وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ
 عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ
 يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ
 الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى
 فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ
 مُّضِلٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْنِنِي
 فَغْفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا
 أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ :- اور جب پہنچے (موسیٰ علیہ السلام) اپنی قوت پر اور
 سنبھل گئے، تو وہی ہم نے اُن کو حکمت اور سمجھ - اور اسی
 طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۱۴﴾ اور وہ
 داخل ہوئے شہر میں غفلت کے وقت وہاں کے سب سے
 والوں سے - پس پایا اُس میں دو شخصوں کو کہ آپس میں جھگڑ
 رہے تھے - ایک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھا
 اور ایک آپ کے دشمنوں میں سے - پس مدد چاہی اُس نے
 جو اُن کے ساتھیوں میں سے تھا اُس کے خلاف جو اُن کے دشمنوں

میں سے تھا۔ پس مُمک رسید کیا اُس کو موسیٰ علیہ السلام نے
 پھر اس کا کام تمام کر دیا، اور پھر کہنے لگے کہ یہ تو شیطان
 کا کام ہے۔ بیشک وہ دشمن ہے ہکائے والا کھلا ⑮
 کہا دھوئے، اے میرے پروردگار! بیشک میں نے
 زیادتی کی ہے اپنی جان پر، پس بخش دے مجھے، پس اللہ
 نے اُسے بخش دیا۔ بیشک وہ بخشش کرنے والا اور نہایت
 مہربان ہے ⑯ کہا (موسیٰ نے) اے پروردگار! اس وجہ
 سے کہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے پس ہگز نہ ہوں گا
 میں پشت پناہ مجرموں کا ⑰

رابطہ آیت

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قبل از نبوت زندگی کے
 حالات بیان فرمائے ہیں اور آپ پر کیے گئے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ
 السلام کی پیدائش ہی نامساعد حالات میں ہوئی جب کہ فرعون اسرائیلیوں کے نوزائیدہ بچوں کو
 قتل کروا دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی فرمائی کہ فرعون کے دشمن موسیٰ علیہ السلام کی
 اُسی گھر میں شایانہ طریقے پر پرورش فرمائی۔ پہلے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی برآمدگی
 کے بعد آپ کی رضاعت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح موسیٰ علیہ السلام کی جن سے
 آپ کا بچپا کیا اور پھر رضاعت کے لیے اپنی ماں کا پتہ بتایا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام
 کو نہ صرف اپنی والدہ کے پاس واپس لوٹا دیا گیا بلکہ اُسے دودھ پلانے کی اُجرت اور دیگر
 انعام و اکرام بھی ملنے لگا۔ اُس مقام پر اللہ نے فرمایا ہے وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ
 انْعِرَاضَ اَہْمٍ نے موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کو حرام قرار دے دیا جس
 کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کسی غیر عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ لہٰذا تشریح میں
 عرض کیا تھا کہ یہاں پر حرام سے مراد شرعی حرام نہیں بلکہ محض ممنوع مراد ہے۔ اور اسی
 مثالیں قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی موجود ہیں۔ جیسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے

وَحَدِّمْ عَلَى قُرْبَاهِ أَهْلَكُنْهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (آیت ۱۹۵)
 جس بستی کو مجھ جوں کا کردیں مجھ نے اس کو ممنوع کر دیا ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے
 اہل قشیری نے لکھا ہے کہ ایک سوئے ہوئے درویش کو دیکھ کر دوست بزرگ
 نے کہا ۔ ۔

عَجَبًا لِلْمُحِبِّ كَيْفَ يَنَامُ
 كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَرَامٌ

تعب کی بات ہے کہ ایک درویش سو رہا ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر تو ہر
 قسم کی نیند ممنوع ہے ۔ اللہ کے توفیق سے باطن میں ہر وقت بیدار رہتا ہے ، ان پر
 تو کسی وقت بھی نیند طاری نہیں ہوتی ، سعدی نے بھی اسی قسم کی بات کی ہے ۔

مَتَى يَرْجِعُ نَوْمِي وَقَدَرِي
 وَإِنِّي عَلَى لِعَاشِقٍ هَذَا حَرَمَانِ

اے میرے دوست! میری نیند اور میرا قدر کب واپس لوٹ کر آئیگا کیونکہ عاشق محب
 لوگوں پر تو یہ دونوں چیزیں حرام (ممنوع) ہوتی ہیں ، یہاں بھی علامہ سے مراد
 شرعی حرام نہیں بلکہ ممنوعِ مادی ہے ۔

بچہ پنا سے
 بتوانی ہے

بہ حال موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت کا زمانہ گزر گیا جب آپ اپنی والدہ کی
 پرورش سے فارغ ہوئے تو شاہی محل میں شہزادوں کی طرح رہنے لگے ، وقت گزرتا
 گیا مٹی نہ وَلَقَمًا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى جب آپ قوت یعنی جوانی
 کو پہنچ گئے اور اچھی طرح سنبھل گئے ۔ یہ آپ کا عالم شباب تھا جو تین تیس
 سے تینتیس سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے ۔ اہل جنت کے تعلق سے ہے کہ وہ
 ہمیشہ عمر کے اسی زمانہ میں رہیں گے اور کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے ۔ یہ
 موسیٰ علیہ السلام اس عمر کو پہنچے تو اللہ نے فرمایا اَنْتِيسُهُ حَكَمًا وَعِلْمًا
 تو ہم نے اُن کو حکمت یعنی دانائی اور علم یعنی کجیہ عطا کی ۔ موسیٰ علیہ السلام یہ جوانی کا
 عالم تھا ، قہر کا کھڑ بھی لمبا اور تپست و چالاک چمپہ پر بدن تھا یعنی موٹاپے کا بھاپن

نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو انہیں مین میں آباد قبیلہ ازدرشنوۃ کے نوجوانوں کی طرح، ازرق اور پھتیلے جسم کا حامل پایا۔

بہر حال فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام عالمہ شباب کو پہنچے تو جس نے انہیں زانی اور مجھوٹا فرمائی۔ تیس سال کی عمر میں اللہ نے یہ دو چیزیں ہی عطا کیں جب کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں ہی جب آپ مدین سے واپس منہ کی طرف آتے تھے، اس قسم کے انعام کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ (الانبیاء - ۵۷) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پیٹے سے ہی یعنی اوائل عمر سے ہی کمال رہتے کی مجھوٹا فرمائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خوب چہلنتے تھے اور آپ کو توحید خدہوندی پر پورا پورا اعتقاد تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے حمت اور مجھوٹا فرمائی وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ فرمایا ہم انکی کمرے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں رہتے ہوئے وہاں کے ہر حسن و قبح کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے اور آپ کی حمت و مجھوٹا کا اتنا غایہ تھا کہ آپ بہت چیز کو نصرت کی بناء سے دیکھتے تھے، ظلم و ستم کے خلاف از روئے آواز بلند کرتے تھے بلکہ اُسے بڑبڑانے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ اسی دوران میں آپ ایسا واقعہ پیش آیا وَذَخَذَ لِمَدْيَنَةَ عَلَى حِينِ غَفْصَةٍ مِنْ كَهْلِهِ کہ موسیٰ علیہ السلام ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب وہاں کے باشندے غصت کی حالت میں تھے یعنی بب لوگ ہار و بار سے فارغ ہو کر عام طور پر آرام کرتے ہیں۔ یہ وقت دوپہر کا بھی ہو سکتا ہے، رات کا بھی یا صبح کا بھی جب لوگ ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے، تو ایسے وقت میں آپ شہر میں داخل ہوئے، یہ کون سا شہر تھا؟ کہتے ہیں کہ اس شہر کا نام منوف یا منفت تھا جو فرعون کے دار الحکومت سے دس بار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ فرعون کا خصوصی علاقہ تھا جسے جن کا نام دیگیا تھا

لہ قرطبی ص ۲۵۹ والبرسود ص ۱۴۸ (نیاض)

موسیٰ علیہ السلام
کے بقول
قتل

یہاں قہر طغیوں کے علاوہ اسرائیلیوں کی بستیاں بھی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی یہیں رہتی تھیں۔ لہذا آپؐ مہرے جگہ ہے وہاں بھی چلے جاتے تھے۔ اس علاقے میں فرعونوں نے اسرائیلیوں پر ظلم و ستم کے پتھر توڑ رکھے تھے۔ تمام مشقت کے کام ان سے لیتے تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بھی برتر تھی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور حتی الامکان غلاموں کی مدد بھی کرتے۔

تو جب آپؐ اس شہ میں داخل ہوئے فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يُقْتَتِلَانِ تو آپؐ وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر پوچھے يَا هَذَا مِنْ شِيعَةِ مَنْ اس میں سے آپؐ آدمی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے یعنی اسرائیلی خاندان سے تھے۔ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ اور دوسرا شخص دشمن گروہ یعنی قبیلہ خاندان سے تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص فرعون کا کاناہ تھا یعنی اس سے باہر تھی خاندان تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزرے

فَاسْتَفَاتَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ تو وہ طلب کو موسیٰ علیہ السلام سے اس شخص نے جو ان کی پارٹی سے تھا اس کے خلاف جو ان کی دشمن جماعت سے تھا۔ استفاتہ کا معنی فریاد کرنا یا مدد طلب کرنا ہوتا ہے۔ اسرائیلی مظلوم تھا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ قبیلہ واقعی اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ لہذا آپؐ اس کے برسرِ کمر مظلوم کو غلام سے پہنچے جِنَّةَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ كُرِيَ لَهُ اس کے لیے تیار نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ تو آپؐ اس کو ایک گھونگر لے کر لے گئے۔

اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبیلہ کو جان سے مارنا نہیں تھا مگر اس کو وہ مذہب یہی کاری لگی فَقَضَىٰ عَلَيْهِ کہ قبیلہ کا کام تمام ہو گیا یعنی وہ موقع پر ہی ہڑاک ہو گیا۔

چونکہ یہ حادثہ موسیٰ علیہ السلام کی نیست اور ارادے کے بالکل خلاف پیش آیا تھا، لہذا آپؐ فرمایا قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ کہ یہ تو شیطان کے کام سے ہے۔ اس کو شیطان کا عمل اس لیے کہ شیطان ایسے کام پر پڑا خوش

ہوتا ہے جس کے ذریعے فتنہ و فساد برپا ہونے کی امید ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں اگر کسی شخص کو کوئی زخم آجائے یا کچھ پھوٹ جائے یا عورت کو حیض آنے لگے تو یہ شیطانی فعل ہوتا ہے کہ اس سے شیطان بڑا خوش ہوتا ہے کہ کسی نماز میں خلل واقع ہوا۔ موسیٰ اور یسعٰ علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ جب وہ دونوں اپنی منزل سے آگے نکل گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یسعٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ میں مچلی والا واقعہ تو بھول ہی گیا وَمَا أَنَسِيْتُهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (النہف - ۶۳) اور مجھے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ چونکہ یہاں بھی اللہ کے نیاک بندوں کو سفر کی مشقت برداشت کرنا پڑی۔ جس سے شیطان خوش ہوا۔ لہذا اُسے بھی شیطانی عمل کہا گیا ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے قبیلے کے قتل کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اور فرمایا إِنَّكَ عَدُوٌّ مُّبِينٌ بے شک شیطان انسان کا نہ سچا دشمن و گھلے طور پر بہکانے والا ہے۔ انسان کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگرچہ قبیلے کا قتل عملِ عہد نہیں بلکہ قتلِ نظام تھا مگر موسیٰ علیہ السلام اس پر بھی سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ "بیان القان" میں لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان کی خصوصی تربیت مطلوب ہوتی ہے، لہذا وہ ان کی معمولی لغزشوں پر بھی سخت گرفت کر لیتا ہے۔ دیکھ لیں حضرت یونس علیہ السلام سے ذرا سی لغزش ہوئی تھی تو اللہ نے انہیں کس قدر ابتلا میں ڈالا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس غیر ارادی قتل پر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کُنْ لِّیْ رَکَّابًا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ مجھ سے یہ لغزش واقع ہو گئی ہے۔ فَاعْفُ عَنِّیْ لَہِذَا مَجھے معاف کر دے۔ اگرچہ یہ گناہ نہیں تھا مگر ایک جان تو چلی گئی تھی۔ لہذا آپ نے سخت ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی فَغْفَرَ لَہِ تُو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ جو لوگ اس عمل کو گناہ کہتے

لغزش کی
معافی

میں وہ درست نہیں ہیں کیونکہ گنہگاروں کی توبہ اور اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔
 اللہ کے بچہ توبہ طلب ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتا ہے حضرت آدم علیہ السلام
 سے بھی ایک خط ہوا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے برخلاف شجر ممنوعہ کا چال کھا
 بیٹھے مگر فتنی و کفر نجات دہ عذاب اللہ اللہ نے فرمایا
 کہ وہ بھول گئے اور مہرے ان میں غنم و اسقذال نہ پایا۔

بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی کیونکہ وہ بڑی
 شخصیت تھے اور ایسے لوگوں کی ابتداء سے ہی بہترین تربیت مقصود ہوتی ہے
 انبیاء نبوت سے پیدا بھی ایمان والے اور ولی کامل کے درجے میں ہوتے ہیں۔
 وہ اللہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے قطب باطنی کے
 درجے میں ہوتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اس فعل کی معافی بھی دے دی۔
 اس قسم کی معافی کا علم دحیر نیاں لوگوں کی طرح بدریغہ الہام یا بدریغہ خواب ہو
 سکتا ہے۔ یا بدریغہ نبوت ملنے کے بعد بدریغہ وحی بھی ہو سکتا ہے۔ تو اللہ نے معافی
 فرمائی کہ اِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ شک و شبہ نہ کرنے والا
 اور مہربان ہے۔

محبوبوں کی
 پشت پناہی

اس قتلِ خطا پر اللہ تعالیٰ سے معافی ملنے پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو
 عجیب طریقے سے شکریہ ادا کیا۔ پہلے اپنے آپ پر ہونے والے انعامات الہیہ کا ذکر
 کیا قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَيَّ گناہ میرے پروردگار! جس طرح تو
 نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتنے ہی انعامات
 کیے تھے۔ پہلے دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا۔ پھر اپنی طرف سے لوگوں
 کے دلوں میں محبت ڈال دی، جو دھیمہ گریہ ہو جاتا۔ اور اسی وجہ سے آپ کی
 جان بچ گئی۔ آپ کو حکمت اور سمجھ عطا فرمائی، نبوت سے سرفراز فرمایا، عظیم المرتبت
 کتاب دی، اپنے کلام سے شرف فرمایا، پھر خلافت بھی عطا فرمائی۔ سورۃ التاف
 میں ہے وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ رَاٰتِ ۱۱۴

ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں پر احسان فرمایا۔ اُن کو ظالم قوم سے نجات دی۔ اُن کی مدد کر کے انہیں غالب بنایا، کتاب دی اور نہایت مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی۔ ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد اُن کا شر یہ اس طرح ادا کیا فَلَنْ أَكُونُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ کہ میں کبھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ یعنی آئندہ کبھی کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حمایت تو اسرائیلی آدمی کی کی تھی۔ جو قبیلے کے ظلم کا نشانہ بن رہا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مجرم تو نہیں تھے بلکہ مظلوم تھے مگر یہاں پر وہ مجرموں کی اعانت سے درست کش ہو رہے ہیں مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ ان مجرموں سے مراد اسرائیلی نہیں بلکہ قبیلے میں جو اسرائیلیوں پر طرح طرح کے مظالم ٹھہرتے تھے۔ جو آدمی آپس میں جھگڑتے تھے ان میں بھی قبیلے ہی مجرم تھا جو اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ اسرائیلی کا بھی کوئی قصور ہو اگر ایسا ہے تو اس کو بھی مجرمین کی فہرست میں داخل کر سکتے ہیں، تاہم فرعون تو سارے کے سارے مجرم تھے جنہوں نے اسرائیلیوں کو ظالم بنا رکھا تھا۔ بہ حال موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! تو نے مجھ پر اس قدر انعامات کیے ہیں تو میں ان کا شر یہ اسی طریقے سے ادا کر سکتا ہوں کہ آئندہ کسی مجرم کی پشت پناہی نہیں کروں گا۔

اس آیت سے یہ قانون نکلتا ہے کہ اہل ایمان اور نبیوں کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی پشت پناہی نہ کریں، ایسا کرنے سے پورے معاشرے کا نظام درجہ برجم ہو جاتا جو اللہ تعالیٰ کی ماضی کا سبب بنتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ أَوَىٰ مُحْرًا اُس پر اللہ کی لعنت ہو جو کسی مجرم کو پناہ دیتا ہے۔ مجرم کو تو سزا ملنی چاہیے۔ جو شخص اس کی سزا میں عامل ہونا چاہتا ہے وہ ملعون ہے۔ چنانچہ سلف صالحین نے کبھی کسی مجرم کا ساتھ نہیں دیا۔ آئمہ کرام اور اولیاء اللہ ظالم حکمرانوں کو نصیحت تو کرتے رہے مگر اُن کی بات میں ہاں ملا کر ظلم میں حصہ دار نہیں بنے۔ امام ابوحنیفہؒ نے سوئے کھانا منظور کیے۔ جیل گئے۔ زنجی

ہوئے مگر سرکاری ملازمت محض اس لیے قبول نہیں کی کہ عمران صحیح نہیں تھے۔ آپ نے وقت کے کاغذ رائجیف کو نصیحت کی کہ ظلم نہ کرو، ورنہ مانوڑ ہو گے تو اس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی طرح امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے سبھی کسی ظالم حکمران کی پشت پناہی نہیں کی۔ انیس بڑی بڑی تکیفیں دی گئیں مگر انہوں نے کبھی ناحق کا ساتھ نہیں دیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے کہ انیاء کے مشن میں رفع الظلم اسم من بین الناس بھی شامل ہے یعنی ان کا فرض ہے کہ لوگوں سے ظلم کو ہٹائیں۔ جب ان کے مشن میں یہ چیز داخل ہے تو پھر وہ ظالم کی پشت پناہی کیسے کر سکتے ہیں؟ آج ہماری سوسائٹی میں ظالم کی پشت پناہی رچ بس چکی ہے جس کی وجہ سے ہر طرح کے مصائب کا شکار ہیں، معاشرہ میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے، کسی کی عزت، مال اور جان محفوظ نہیں۔ گھر گھر میں داکے پڑے ہیں، شاہراؤں پر لوٹ مارچی ہوئی ہے قتل و غارت عام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان غنڈوں، بد معاشوں اور چوروں کے پشت پناہ بڑے بڑے جاگیردار ہیں۔ انہوں نے کرانے کے قاتل پال رکھے ہیں جو دار و دلت کرنے کے بعد ان کی پناہ میں آکر گرفت سے بچ جاتے ہیں۔ پولیس کی طرف سے مجرموں کی پشت پناہی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، نتیجہ ظاہر ہے کہ پورے معاشرے میں بے سٹوڈی کی کیفیت ہے۔ جیت تک معاشرے سے مجرم کی پشت پناہی ختم نہیں ہوگی لوگ آرام کی بند نہیں سوکیں گے جو کجی مت کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں پر آہنی ہاتھ ڈالے اور مجرموں سے پہلے ان کے ضمانتیوں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۱ (فیاض)

فَاصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي
 اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْرِ يُسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ
 لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي
 هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَمُوسَى أَرِيدُ أَنْ نَقْتُلَنَّكَ كَمَا
 قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْرِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا
 فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلِحِينَ ﴿١٩﴾
 وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى قَالَ يَمُوسَى إِنَّ
 الْمَلَائِكَةَ يَتَمَرُّونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِلَيَّ لَكَ مِنَ
 النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ
 رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾

ترجمہ:- پھر صبح کی موسیٰ علیہ السلام نے اُسی شہر میں وہ دُست
 ہوئے انتظار کر رہے تھے کہ اچانک وہی شخص جس نے
 گزشتہ روز آپ سے مدد طلب کی تھی، پھر مدد کے لیے
 پکار رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ
 بیشک تم کھلے کجرو آدمی ہو ﴿۱۸﴾ پھر جب ارادہ کیا موسیٰ
 علیہ السلام نے کہ ہاتھ ڈالیں اُس شخص پر جو اُن دونوں کا
 دشمن تھا، تو اُس شخص نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تو ارادہ کرتا

ہے کہ مجھے قتل کر ڈالے جیسا کہ تو نے ایک جان کو کل قتل کیا تھا تو نہیں جانتا مگر یہ کہ تو زبردست ہو زمین میں ، اور تو نہیں جانتا کہ تو اصول کرنے والوں میں ہو (۱۹) (اس دوران میں آیا شخص شہر کے دوسرے کنارے سے دھڑا ہوا ، اور کہنے لگا ، اے موسیٰ ! بیشک فرعون کے سربراہانہ لوگ مشورہ کر رہے ہیں تیرے بارے میں تاکہ تجھ کو قتل کر ڈالیں۔ پس آپ اٹھ جائیں یہاں سے۔ بیشک میں آپ کے لیے البتہ خیر خواہی کہنے والا ہوں (۲۰) پھر نکلے (موسیٰ) دہاں سے خوف کھاتے ہوئے اور انہوں نے (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کیا ، اے میرے پروردگار ! بچالے مجھے ظالم قوم سے (۲۱)

جب موسیٰ علیہ السلام عالم شباب کو پہنچے تو اللہ نے انہیں حکمت اور سمجھ عطا فرمائی۔ آپ بڑی باتوں پر تنقید اور مظلوموں کی مدد کرتے تھے۔ اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپ دار الحکومت سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع شہر منف میں اے وقت میں داخل ہوئے جب لوگ آرام کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک قبیلہ اور اسرائیلی آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ حسب معمول قبیلہ آدمی اسرائیلی پر زیادتی کر رہا تھا۔ لہذا اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے اُسے چھڑانے کی کوشش کی مگر قبیلہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس پر آپ نے قبیلہ کو ایک گھونڈہ سبک کیا جسے وہ برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بڑا افسوس ہوا کہ ان کی ایک معمولی سی جلازادہ لغزش سے ایک جان چلی گئی۔ آپ نے اس کو تا ہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور کہا کہ تو نے مجھ پر بڑے انعامات کیے ہیں اور دیگر سہولتیں مہیا کی ہیں۔ لہذا میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔

لڑائی کا دوسرا
واقعہ

قتل کا پہلا واقعہ تردب گیا۔ بائبل کی روایت کے مطابق لاش کو ریت میں دبایا

کی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد فَاصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی شہر میں رات گزار کر صبح کی یعنی اکلادین اسپنچا بمقتول سرکاری کارندہ تھا، دن بھر اس کی تلاش ہوتی رہی کہ وہ کہاں چلا گیا۔ اسرائیلی آدمی کو بھی فخر تھی کہ اگر قتل کا لڑا فشا ہو گیا تو مصیبت آجائے۔ اُدھر موسیٰ علیہ السلام کی حالت بھی یہ تھی خَائِفًا وہ بھی خوفزدہ تھے کہ کوئی مصیبت نہ آبلے يَتَّقِي آپ منتظر تھے کہ دیکھیں کل والے واقعہ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آپ اسی شمش و بیخ میں تھے فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ کہ اچانک وہی شخص جس کی امدت روز آپ نے مدد کی تھی، پھر مدد کے لیے پہنچ رہا تھا۔ آج وہ کسی دوسرے شخص سے آنجور رہا تھا۔ اسرائیلی عام طور پر بڑے غلام و مقہور تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ اُس اسرائیلی کے مزاج میں بھی کچھ غلط تھا جو ہر ایک سے الجھتا پھرتا تھا اس کی مدد میں ابھی کل ہی ایک آدمی قتل ہو چکا تھا اور یہ آج پھر ویسا ہی کام کر رہا تھا اس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی پر غصہ آگیا کہ اس کا ترکہ کام ہی لڑنا جھگڑنا قَالَ لَهُ مُوسَىٰ موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ جو تم تو کھلے مجرور ہو جو ہر ایک سے جھگڑتے ہو گویا آپ نے اسی اسرائیلی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم خواہ مخواہ لوگوں سے لڑنا جھگڑا کرتے ہو اسرائیلی کو سخت سست کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام آج پھر اُسکی مدد کرنا چاہتے تھے چنانچہ اس قصہ کے یہ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْبَطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا جب آپ نے اُدہ کیا کہ اُس شخص پر ہاتھ ڈالیں جو دونوں یعنی آپ کو اور اسرائیلی کو دشمن تھا۔ گریا آت آپ پھر قبلی کو ظلم سے بٹانا چاہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انگریز فرعون کے محل میں پرورش پائی تھی مگر تھے تو آپ اسرائیلی خاندان سے اور اسی لیے اپنی والدہ سے مٹنے کے لیے گواہے باگاہے ان کے پاس بھی آتے تھے، لہذا اُنہوں نے ان کو قسطنطنیہ کی ہمدردیاں مظلوم اسرائیلیوں کے ساتھ بھیجیں چنانچہ انہوں نے اسرائیلی آدمی کو قبلی کے ظلم سے بچانا چاہا۔

اُدھر اسرائیلی سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے مجھے ڈانٹ پلائی ہے اور اب یہ میری

طرف بڑھ رہے ہیں تاکہ روزِ روز کی لڑائی کا مجھے بھی کچھ نہ دیکھنا پڑے۔ وہ شخص آپ کی قوت کا اندازہ تو کر رہی ہے چکا تھا کہ کل ایک ہی منے سے قبلی ہلاک ہو گیا، لہذا اسے جان کی فکر نہ ہوئی اور قال کہنے لگا۔ يَمُوسَى اَتُرِيدُ اَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی ایسے ہی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل ایک شخص کی جان سے مار ڈالا؟ اِنْ تُرِيدُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ اور تو زمین میں اصلاح کنندہ نہیں بنتا چاہتا۔ اب رازِ فاش ہو چکا تھا وہ قبلی سمجھ گیا کہ جس قتل کا سراغ نہیں مل رہا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو نہ پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ شخص جا کر کس کا رقبہ کا زہر قتل کو بنا دے گا، کہ کل والا قتل میں نے کیا تھا۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ عربی کا ذکر کا خون تو جان نہ ہے، اور اس لحاظ سے وہ قبلی بھی مباح الدم تھا۔ اگرچہ یہ قتل خطا کے طور پر ہوا تھا، تاہم اگر یہ قتل عمد بھی ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام پر کچھ گنہ نہیں تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے لہذا انہوں نے اس خطا کو گنہ سے تعبیر کیا، چنانچہ سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کر دے تو اپنے ایک غمزدہ پیش کیا تھا وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ اَنْ يُقْتُلُوْنِ (آیت ۱۲) قبلیوں کا مجھ پر ایک گنہ بھی ہے کہ میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب اگر میں ان کے پاس تبلیغ کے لیے جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ کیونکہ وہ تو بہر حال یہی سمجھیں گے کہ میں نے اُن کا آدمی عمدہ قتل کیا تھا حالانکہ میرا ارادہ قتل دینے کا نہیں تھا بلکہ مظلوم کو ظالم کے غم سے چھڑانا مقصود تھا۔

فرعون کے
پاس پہنچنے

بہر حال قبلی جان گیا کہ کل والا قتل موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا ہے۔ وہ فوراً فرعون کے دربار میں پہنچا اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ فرعون پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کی بعض باتوں سے نا ارض تھا۔ کیونکہ آپ ہر بُرے کام پر تہقیر کرتے تھے

لے بیان القرآن ص ۸۱ (فیاض)

اور ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ اب فرعون کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام تبار دشمن ہے۔ کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی پیشین گوئی بخوبیوں نے کی تھی کہ وہ ہائی طاقت کو تہس نہس کر دے گا۔ چنانچہ تمام امراء و وزراء اور مشیران حکومت کو اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے طلب کیا گیا۔ سارے علمائین جمع ہوئے اور آخر یہی طے پایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً گرفتار کر لیا جائے کیونکہ یہ شخص ہماری سلطنت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

فرعون کے حواریوں کا یہ اجلاس ابھی جاری تھا اور ادھر وچھاؤ رجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْمَعِي شَرْكِي دوسری طرف سے ایک آدمی ہوڑا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ قَالَ يٰمُوسٰى اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ مُتَحَرِّفِيْنَ اِلَيْكَ لِيَخْرُجُوْكَ مِنْ اِهْلِكَ وَيُنَاقِلُوْكَ اَنْتَ وَرَبُّكَ الْمُنٰۤىسِرِيْنَ اے موسیٰ علیہ السلام! فرعون کے درباری تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں۔ لہذا میں تجھے یہی نصیحت کرتا ہوں فَخْرِجْ اَهْلَكَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اَبِیْہَا سب سے نکل جاؤ۔

یہ شخص کون تھا جس نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی منصوبے سے آگاہ کیا؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ شخص وہی مرد مومن تھا جس کے نام پر قرآن پاک کی سورۃ مؤمن ہے۔ سورۃ مؤمن میں آتا ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ اٰیٰتِ ۲۸ یہ شخص فرعون کے خاندان کا فرد تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر اس وقت تک ایمان کو چھپا رہا تھا یہ شخص بداد سے ہی موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی اس مومن شخص نے قبیلوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کرنے سے منع کیا تھا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اِنْ یَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (آیت ۲۸) کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار ہے اللہ جب مرد مومن نے آکر یہ اطلاع دی فَخْرِجْ مِنْہَا خَافَ لَا یُقْرَبُ لَہٗ کِتَابٌ اِلٰیہٗ وَ مَدَادٌ مِّنْہَا (فیاض)

موسیٰ علیہ السلام کا خروج

تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف کھاتے ہوئے رو میٹھتے تھے
 کہ اب کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ آپ کو تشویش تھی کہ میں بھاگ جبنے میں کامیاب
 ہو جاؤں گا یا دشمنی کا رندے میرا تعاقب کر کے پکڑ لیں گے۔ لہذا وہ مڑا کر
 پیچھے بھی دیکھتے جاتے تھے کہ میں کوئی خطرہ تو نہیں ہوں۔ اس کے ساتھ
 ساتھ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں دعا بھی کی قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات دے
 دے۔ مجھے ان کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنا۔ چنانچہ عام اہل ایمان کے لیے بھی یہ دعا
 ہے کہ وہ بھی اس طرح دعا کیا کریں رَبِّنا لَا تَجْعَلْنا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ہ و نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یونس ۱۵، ۱۶)۔
 اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈالنا، اور اپنی رحمت سے
 کافروں کی قوم سے نجات دینا۔ آج دنیا کی ظالم قومیں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ
 توڑ رہی ہیں، لہذا دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ان کے پیچھے استبداد سے محفوظ رکھے۔
 موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کر کے اُس شہر سے نکل پڑے۔ آگے جس منزل پر
 پہنچے اُس کا حال آگے بیان ہو رہا ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (۲۲) وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصَدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ (۲۳) فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ (۲۴) فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ إِلَىٰ يَدِئِكَ لَيَجْزِيكَ أَجْرًا مَّا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا حَبَأَ ۖ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَحْنُ نَجُوتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ (۲۵)

ترجمہ:- اور جب موسیٰ علیہ السلام نے توجہ کی مدین کی طرف تو انہوں نے کہا، اُمید ہے کہ میرا پڑا دگر میری راہنمائی فرمانے گا سیدے راستے کی (۲۲) اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو پانی انہوں نے وہاں ایک جماعت لوگوں کی جو پانی پلاتے تھے۔ اور پایا اُن کے ورے دو عمدتوں کو جو (اپنے بالروں کو) روک رہی تھیں۔ کہا موسیٰ علیہ السلام نے کیا حال ہے تمہارا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نہیں پلاتیں پانی یہاں تک کہ یہ چرواہے لوٹ

جائیں۔ اور ہمارا باپ عم رسیدہ بڑھا آدمی ہے (۲۲) پس پانی پلایا اُن دونوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے۔ پھر چلے سائے کی طرف اور کہا، اے میرے پروردگار! بیشک میں، تو جو بھی نازل فرمائے میری طرف بہتری سے، محتاج ہوں (۲۳) پس ان دو عورتوں میں سے ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی۔ کہنے لگی، بیشک میرا باپ آپ کو جاتا ہے تاکہ آپ کو بدلہ دے اُس کا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا۔ پھر جب آئے موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اور بیان کیا اُن پر حال، تو انہوں نے کہا کہ خوف مت کھاؤ، تو بچ گیا ہے ظالموں کی قوم سے (۲۵)

جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبیلہ آدمی قتل ہو گیا اور قتل کا الزام بھی آپ پر لگا تو فرعون کے درباریوں نے آپ میں مشورہ کیا کہ اس شخص کو سزائے موت دینی چاہیے۔ چنانچہ آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا۔ اسی اثناء میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ نے آپ کو اطلاع دے دی کہ فرعون نے آپ کی گرفتاری اور قتل کا حکم دیدیا ہے لہذا آپ بلاتا خیریاں سے نکل جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً وہاں سے چل دیے، آپ کو پریشانی بھی لاحق تھی کہ پتہ نہیں اب کیا صورت حال پیش آئے گی اور اسی ضمن میں آپ پیچھے مڑ کر بھی دیکھتے تھے۔ اندر میں حالات آپ نے یہ دعا بھی کی، پروردگار! نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ مجھے ظالم قوم سے بچا دے۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جو مدین کی طرف جاتا تھا اور جہاں آپ کو امان حاصل ہو سکتی تھی۔ اُس زمانے میں فرعون کی عسکراری سے باہر قریب ترین علاقہ مدین کا ہی تھا، لہذا آپ اُسی طرف چل دیے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلَقَّاهُ مَدْيَنُ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا سفر

کی طرف توجہ یعنی رُک تویاں و انہ کی اس شمشلے درمیان قال آپ کی زبان سے
 یہ کلام علی زلف ان یُھدِی سواک السبیل امیہ ہے یہاں پر وہ
 یہ ہے راستے کی طرف توجہ رہی۔ اسی زمانے کا آپ منزل کے راستے سے واقف
 نہیں تھے، ویسے بھی پریشانی لاحق تھی تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے راستے کی
 توجہ بھی کی۔ اس شہ سے مین آگے دس دن کی مسافت پر تھا۔ آپ بے سرو سامانی کی حالت
 میں چل دیے، نہ کوئی توجہ نہ دیکر نہ دھڑکے آپ اللہ کے بھروسے پہنچنا چاہتے تھے۔
 راستے پر دشمنوں کے لیے درختوں اور جھانڈوں کے پتوں اور گھاس پھوس کے سوا
 کچھ نہیں تھا۔ آپ اسی حالت میں دس دن کے سفر کے بعد مین پہنچ گئے۔

دوران سفر کے تفصیلی حالات کا ذکر قرآن پاک نے نہیں کیا۔ البتہ وہاں پر پہنچ
 جانے کے بعد کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ ذیل وَلَمَّا وَرَدَ مَا مَدَّیْنِ
 جب آپ مین کے پانی یعنی کنوئیں پر پہنچے۔ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ
 النَّاسِ یَسْفَحُونَ تَرَابَهُنَّ وہاں پر لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی
 پلا رہے تھے۔

سفر میں کمر بستہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نہ سے چل کر نصیب عقوبت کے کماے مین پہنچ
 یہاں پر آنے کا خیال اس نے آپ کے دل میں اس لیے ڈالا کہ آپ کو اس مقام کے ساتھ
 کچھ نہایت اچھی تھی۔ مین کی بستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مین کے نام پر
 موسیٰ علیہ السلام نے چھوڑ دی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ لہذا ادھر
 آنے میں آپ کے لیے اللہ نے ایک خاص شش پیداکر دی تھی۔ اب مین کی بستی تو وہاں
 موجود نہیں البتہ اس کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھنے کے لیے یہاں
 اب بھی جاتے ہیں وہاں کے مقامی لوگ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے تاریخی مقامات
 کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں دو کنوئیں بھی دکھاتے ہیں جو اب ویران ہو
 چکے ہیں۔ ان میں سے ایک کنوئیں سے موسیٰ علیہ السلام نے پانی کمال کر شعیب علیہ السلام
 کی بھاریوں کو پلائی۔ اس زمانے کے لوگ پانی کی ضرورت اسی کنوئیں سے پوری کرتے تھے۔

سید
شعیب علیہ
السلام
کی جہیزوں
کی سیال

بہر حال موسیٰ علیہ السلام دس دن کے سفر کے بعد تھکے، نہ سہارے میں کے کو نہیں
پہنچے۔ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ
اُمَمَاتَيْنِ تَذْوَدَانِ ان لوگوں کے علاوہ اپنے دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں
کو پانی پر جلسے سے روک رہی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام تو شروع سے ہی کمزوروں کے حامی
اور ظالموں کے دشمن تھے، یہ ماجرا دیکھ کر وہ نہ نہ سکے اور ان دو عورتوں کی طرف
متوجہ ہوتے قَالَ مَا خَطْبُكُمَا کہنے لگے تم دونوں کا کیا حال ہے یعنی
کیا وجہ ہے کہ تم اپنی جہیزوں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہو۔ جب کہ
انہیں بھی پانی کی اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا قَالَتَا
لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الْإِبْرَاءُ دونوں نے کہا کہ ہم اپنے جانوروں کو اس
وقت تک پانی نہیں دے سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو سیراب کرنے
پہلے نہ جائیں۔ ہم اپنے جانوروں کو اس لیے روک رہی ہیں کہ یہ چرواہے فارغ ہو کر
پہلے جائیں تو کچا کھیا پانی ہم بھی اپنی جہیزوں کو پلائیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وَالْبُؤْسُ
شَيْخٌ كَبِيرٌ اور ہمارا باپ بوڑھا اور عمر رسیدہ آدمی ہے، وہ اس قابل نہیں
کہ مشقت کا کارہ کر سکے لہذا ہم مجبوری جانوروں کی دیکھ بھال ہمیں کرنا پڑتی ہے۔
یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ اگرچہ وہ خود طویل سفر کے تھکے باپے پہنچے
تھے مگر انہوں نے لڑکیوں کی مدد کرنا نہ دیکھا فَسَقَى لَهُمَا چنانچہ اپنے
ان کے جانوروں کو پانی نکال کر پلایا۔ چونکہ آپ کو عنقریب نبوت ملنے والی تھی،
اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو مختلف آزمائشوں میں ڈال رہا تھا۔ سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا (طہ ۱۰۱) ہم نے تمہیں مختلف طریقوں سے آزمایا
۔ جس سے دین تک کا طویل سفر بھی آپ کی آزمائش تھی۔ اس سے پہلے یہ آزمائش
کے وقت بھی آپ کی آزمائش ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی آپ کو بار بار آزمائش
میں ڈال لیا اور آپ پر بار بار سرخوردہ ہوئے۔ آپ کی اس غریب الوطنی کے باوجود آپ
کے دل میں تنقید کا جذبہ بیدار ہوا اور آپ نے ان عورتوں کے جانوروں کو پانی پلا

انبیاء کے جذبات ایسے ہی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ وہ خود مجھو کے پیات سے رہ کر بھی نوروں کو کھلاتے چلتے ہیں، ان کی نیت اور عزائم نیک ہوتے ہیں۔ لہذا وہ غریب الوطنی میں بھی مستحقین کی مدد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا۔ حضرت عمرؓ نے منقول ہے کہ اُس علاقے کے چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا لیتے تھے تو کنوئیں پر بھاری پتھر رکھ جاتے تھے تاکہ کوئی دوسرا شخص پانی نہ نکال سکے۔ وہ پتھر دس آدمی بھی مل کر مشکل بہاتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے تنہا اُس پتھر کو سرکہ کر پانی کا ایک ڈول نہ لا اور بکریوں کو پلایا۔

مردوزن
کے لیے
دائرہ ہے

اس آیت کریمہ سے لڑکیوں کی مجبوری کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ مخصوص حالات کی بنا پر بکریوں کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مشقت کے تمام کام مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی۔ کھیتی باڑی، تجارتی سفر، کان کنی حیوانات کی پرورش وغیرہ مردوں کے ذمے ہیں۔ اللہ نے مردوں اور عورتوں کے لیے مختلف دائرہ ملے کا متعین فرمائے ہیں۔ باہر کا کام مردوں کے ذمے ہے۔ جب کہ گھر کی چار دیواری کے اندر بچوں کی دیکھ بھال اور امور خانہ داری عورتوں پر عاید ہوتے ہیں۔ آج مغربی تہذیب کے شیعانی محض پر پیگانہ کے زور پر مردوزن کو شانہ بشت رکھ کر ان کے کوشش کر رہے ہیں۔ دونوں اصناف کے حقوق و فرائض مختلف ہیں اور ان کا اختلاط معاشرے میں بے راہ روی کا باعث بن رہا ہے۔ اس حد تک تو درست ہے کہ یحیثیت انسان ہونے اور ممکن ہونے کے مردوزن برابر ہیں۔ مگر صنف کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے ایک صنف نازک ہے اور دوسری مشاق۔ برابری کا تصور خلاف فطرت ہے۔ برصغیر کے الگ الگ حقوق اور جداجدا فرائض ہیں۔ جو لوگ عورتوں کو معاشرے کے ہر میدان میں کھینچ لانا چاہتے ہیں، وہ حقوق و فرائض سے تجاوز کے مرتعب ہوتے ہیں۔ راہبیلوں کی نیت کا رخاں اور دفتروں کی ملازمت، پولیس اور فوج میں بھرتی، کھیلوں کے میدان میں آمد، صنف نازک کے لیے ہرگز روا نہیں۔ البتہ جہاں عورت کی حیاداری کو ملحوظ رکھا جائے۔

لے ابن کشیر ص ۳۸۳ ج ۳ (فیاض)

کہتے ہوئے اس کے لیے کام کرنا ممکن ہو، وہاں وہ اپنا فریضہ ادا کر سکتی ہے۔ مثلاً اگرچہ
کے سواں کالج میں تعلیم دے سکتی ہے ایسے اداروں میں جہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط
نہ ہو، وہاں جا سکتی ہے۔ البتہ جہاں مرد و زن مل کر کام کریں گے وہاں لازماً خرابی پیدا
ہوگی۔ لہذا اس معاملہ میں امریکہ، روس اور یورپ کی اندھی تقلید کی بجائے اسلامی نقطہ نظر
کے مطابق عریانی اور فحاشی سے بچ کر بہتر طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔

موسیٰ علیہ
السلام کا آرام فرما

جب موسیٰ علیہ السلام ہمدردانہ جذبے کے تحت دو عورتوں کی بکریوں کو پانی پلا رہے
تھا تو لَمَّا رَأَى الْغُلَّ بَحَّرَ آبَ سَائِلَةٍ كَرِيْبَةٍ كَوْنِي دَرْخَتِ
تھا، اُس کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس سے لڑکیوں نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی مسافر آدمی ہے
جس کی بیاں کوئی جان پہچان نہیں۔ لہذا تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے سلتے میں بیٹھ
گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کا گھربار تو ہوتا نہیں، وہ ذرا سلتے کے لیے سائے
کا ہی رخ کرتے ہیں کسی ایسے ہی مسافر نے کہا تھا۔

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

ہائے کیا شے غریب الوطنی ہوتی ہے

دنیا کے مسافر کی طرح آخرت کا مسافر بھی غریب الوطن ہوتا ہے جو قبر میں

تنہا پڑا رہتا ہے کسی شاعر نے اس سے یہ تصور بانہ تھا ہے۔

دن کو نور برستا ہے سری تربت پر

اور رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے

بہر حال موسیٰ علیہ السلام چھاؤں میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سے منقول ہے کہ جب وہ شام و فلسطین گئے تو وہاں سے مین دو دن کی مسافت

پر تھا۔ کہتے ہیں کہ وہاں جانے کے لیے میں نے سواری کو تیز چلایا۔ جب وہاں پہنچا

تو میں نے وہاں کے اُن تاریخی مقامات کے متعلق دریافت کیا۔ چنانچہ مجھے وہ کنواں

دکھایا گیا جہاں سے موسیٰ علیہ السلام نے پانی نکالا تھا اور وہ درخت بھی جس کے نیچے

آپ نے آرام فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ میرے اونٹ نے اُس درخت کے کچھ پتے

لے ابن کشیر ص ۲۸۴ و طببری ص ۵۸ ج ۲۰ (فیاض)

بھی کھلنے لگے۔ مگر وہ اس کے مزاج کے مطابق نہیں تھے لہذا چھینک دیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے دُعا کی اور واپس آگیا۔ اس واقعہ کو امام طبری اور امام ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

سایہ میں بیٹھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت پر غور کیا اور پھر یہ دُعا بھی کی۔ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَاقْبَلْ کُنْ لَکَ اے میرے پروردگار! تو میری بہتری کے لیے جو کچھ بھی آئے میں اس کا محتاج ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل کی سبب مانگی۔ ذرا غور فرمائیں کہ آپ اللہ کے مقرب بندے ہیں مگر اس سے سلسلے عاجزی کا اظہار کمر بستہ میں اور اس سے بہتری کے طلبگار میں۔ آپ نے نسل کشی اور حاجت ردائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ اللہ کی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ خواہ وہ فرشتے ہوں، جنات ہوں، انسان ہوں، پتھر ہوں یا ولی ہوں، اس کی رحمت کے بغیر کسی کو بائے پیدا نہیں اللہ کا فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَیَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر - ۱۵) لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ غنی اور تعزینوں والا ہے۔ جاندار کھانے، پینے، چلنے پھرنے، صحت، آرام حتیٰ کہ سانس لینے تک کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس میں نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں یَسْئَلُکَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن - ۲۹) آسمان و زمین کی ساری مخلوق اُسی کے در کی سوا لی ہے۔ باشعور مخلوق زبانِ قال سے، جاگ رہی ہے جب کہ بے شعور اشیا زبانِ حال سے اپنی حاجت طلب کرتی ہیں۔ کہتے والے سب میں مکر دینے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ یہ تو انسانوں کی بے نیستی ہے جو مخلوق میں سے بعض کو حاجت روا اور مشعل کش بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے سوا کسی کے کچھ اعتبار میں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی لیے کہا تھا کہ تو تو بھی مجھ پر مہربانی فرما۔ میں اس کے لیے محتاج ہوں۔

شرم و حیا
کی پیکر

موسیٰ علیہ السلام کو سامنے میں بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی تھی فجاءتہ
اِحْدٰیہُمَا تَمْشٰی عَلٰی اسْتِحْیَآءٍ کہ اُن دو لڑکیوں میں سے
ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اس ایک لفظ
کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے شرم و حیا کے مسئلہ کی پوری حقیقت
بیان کر دی ہے۔ حیاتِ دوں کے لیے بھی ضروری ہے مگر یہ چیز اللہ نے عورت
کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا اِیْمَانَ
لَعَنُ لَا حَیَآءَ لَہٗ، جس میں حیا نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں۔ بہر حال وہ
لڑکی شرم و حیا کا پسیر بن کر باپردہ، مجبئی نظروں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے
پاس آئی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ وہی علیہ السلام سے بات کرتے وقت اُس نے
اپنے منہ پر آستین کا پلور محمد لیا تھا۔

شرم و حیا تو عورت کا زیور ہے مگر آج دنیا میں دیکھ لیں کہ اس کو کس طرح
پامال کیا جا رہا ہے۔ اخبارات اور رسائل میں عورتوں کی نیمے پاؤں تصویریں کس قدر
بے حیائی کا ثبوت ہے۔ بغیر بیت اور کچا دنے لوگوں کو کس بے راہ روی پر ڈال
دیا ہے۔ اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے نئے نئے ڈیزائنوں کی تراش اور میک اپ
کے نئے نئے طریقے لوگوں کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ تمام ذرائع ابلاغ عیانی
اور فحاشی کی تشویر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
ریڈیو، ٹی وی اور سینیما پر نسوانی گانوں کی جھڑپ ہے۔ جمستے ترقی کا زینہ سمجھ
رہے ہیں حالانکہ اس پر خدا کی لعنت برس رہی ہے۔ معاشرے میں بے راہ روی
پیدا ہوتی ہے، اخلاق بگڑتے ہیں اور نسلیں خراب ہوتی ہیں۔ پہلے یہ فحاشی نہت
سینما گھر وں میں چھل ہوتی تھی۔ اب ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعے ہر گھر
اس کا اڈا بن چکا ہے۔ ہم غریب والوں کی کتنی بھی ننگائی کر لیں۔ ان کا مقام چھل
نہیں کر سکتے۔ ہم اُن سے یہ تباہ کن عریانی اور فحاشی ہی لے سکتے ہیں ورنہ جس
طیکنا لڑکی کی ہمیں ضرورت ہے، وہ ہرگز نہ دینے پر تیار نہیں۔ امداد کے نام پر

تیار مال دیں گے۔ اپنے آدمی بطور شہر بھیس گئے، مگر مطلوب ٹیکنا لوجی دینے کے لیے تیار نہیں کہ کہیں یہ بھی ہمارے ہم ملہ نہ بن جائیں اسریحہ کے ساتھ طویل ترین دوستی کے باوجود وہ آپ کو ایٹمی ٹیکنا لوجی دینے کے لیے تیار نہیں۔ فرانس نے کس قدر آہ دگنڈا کی تھی مگر اُس کو بھی روک دیا گیا ہے۔ تمام بری طاقتیں مسلمانوں کی اذلی دشمن ہیں اور وہ انہیں کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ ہمیشہ اپنا دستِ خربنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب بھی کوئی چیز حاصل کی اللہ کے بھروسے پر اپنی ضمانت سے غیر اقوام کے بھروسے پر کبھی کبھار نہیں ملے گا۔ یہ تو انسانیت کے دشمن ہیں۔ ان کی تہذیب تمدن کو اختیار کرنا اور پھر اُس پر فخر کرنا تو لعنت ہے۔ ہمارا مقصد تو قرآن پاک اور اسوۂ حسنہ کی تعلیمات میں مضمر ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا تا کہ میری میت پر بھی کسی غیر مرد کی نگاہ نہ پڑے۔ مگر آج ہم جس طرف جا رہے ہیں وہ تباہ کن ہے۔

شعب علیہ السلام
کی طرف سے
دعوت

بہر حال ان میں سے ایک لڑکی شرم و حیا کا پیکر بن کر آئی۔ قالت اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے ابی یٰدْعُوکَ بے شک میرا باپ تجھے بلاتا ہے۔ لَیَجْزِیْکَ اَجْرُ مَا سَقِیْتَ لَنَا تاکہ وہ آپ کو بدلے اُس چیز کا جو آپ نے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جب لڑکیاں بکریوں کو پانی پلا کر واپس اپنے گھر گئیں تو ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے آگئیں؟ انہوں نے بتایا کہ وہاں کنوئیں پر ایک مسافر آگیا تھا جس نے بہار دی کے طور پر ہماری بکریوں کو پانی نکال کر پلایا، اور اب وہ وہاں سائے میں آرام کر رہا ہے۔ باپ نے کہا کہ تم نے اُسے بلایا ہوتا کہ ہم اس کو کھانا کھاتے۔ وہ مسافر پتہ نہیں کب سے جھوٹا پیاسا ہے، اور کیا ہے؟ بہر حال اس لڑکی نے اپنے باپ کی طرف سے دعوت دی کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے، کیونکہ اُس کا اپنی طرف سے دعوت پسندیدہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ادب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ بڑوں کو مقدم رکھا جائے

لے کشف مبہم (فیاض)

لہذا اُس نے یہ کہا کہ یہ باب تجھے جلاتا ہے۔

مومن علیہ السلام لڑائی کے کئے پر ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ذہیب و

اُس کے بچے پس بچے وَقَصَّ عَلَیْہِ نَقْصَہٗ اِیَّہِمْ اُس کے سنے

سارے واقعہ بیان کیا کہ اس طرح میرے ہاتھوں سے قتل ہو گیا۔ اور فرعون

حکومت مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے، لہذا میں ادھر بھاگ آیا ہوں۔ آپ کی

سے گزشتہ سُن کر اُس بزرگ نے کہا قَالَ لَا تَخَفْ نَرَوْنٰکَ بِحَیْثَ تَدْعٰی

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ تم ظالم قوم کی دست برد سے نکلے ہو۔ اس عار

میں فرعون کی عداوت نہیں ہے، نہ اُس کے بوز، سے یاں آتے ہیں، لہذا تم

بے فکر ہو جاؤ اللہ نے تمہیں اُن کے ظلم سے بچا لیا ہے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کئی ناہنش کیا گیا

تو انہوں نے یہ کہہ کر کہنا نہ کھانے سے اتکار کر دیا کہ میں اُس خدا مان سے تعلق

رکھتا ہوں جو نبی کے کام نہ بلکہ نبی لیا کرتے۔ تو اُس بزرگ نے کہا کہ ہماری عار

بھی یہ ہے کہ ہم مسافروں کو ضرور کہنا نہ کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

مہمان نوازی کے بہت سے واقعات زبان زار عام ہیں جو حضور علیہ السلام کا ارشاد

مبارک ہے مَنْ لَدٰیْکُمْ مَرَضٍ فَلَیْسَ مِنْکُمْ جو شخص مہمان کی عزت نہیں کرتا

وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں ہے۔ واقف ہمارے عزت تو کی ہی جاتی ہے نہ واقف

کی مہمان نوازی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی جانے پہچانے مہمان کی۔ ترمذی شریف کی

روایت میں آتا ہے کہ آپ کے صحابہ کرام آپ کے حکم کے مطابق یَحْفَظُوْنَ

الْعَصْرِیْبَ مسافر کی حفاظت کرتے تھے اور اُس کو بھوکا پیاسا نہیں چھوڑتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں جلانے والے بزرگ کون ہیں؟ اس کے متعلق

اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے حبیل القدر نبی شعیب

علیہ السلام ہیں اور بعض دوسرے اسی کہتے ہیں کہ آپ شعیب علیہ السلام نہیں

کیونکہ ان کے زمانے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چار سو سال کی مسافت ہے

اور فرماتے ہیں کہ آپ شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ تاہم زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ شعیب علیہ السلام ہیں اللہ نے آپ کا نام قرآن میں نہیں بتلایا۔ بائبل میں راولد یا رداغید کا ذکر آتا ہے۔ کہیں شیرون نام ذکر کیا گیا ہے اور کہیں حور باب بھی آتا ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ آپ اللہ کے نیک شیرازان تھے۔

قَالَتْ احْذِيهِمَا يَابَتْ اسْتَاْجِرْهُ اِنْ خَيْرٌ مِّنْ اسْتَاْجَرْتَ
 الْقَوِيَّ الْاَمِيْنُ ۝۲۶ قَالَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكَحِكَ اِحْدَى
 ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثُمَّ يَنْبَغِيْ حَاجَةٌ فَاِنْ
 اَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَشُوْكَ
 عَلَيْكَ سَتَعِدُّنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷ قَالَ
 ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيُّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا
 عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝۲۸

۲۸

ترجمہ: کہا اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے، نے میرے
 باپ! آپ اس شخص کو ملازم رکھ لیں، بیشک ملازمت کے
 لیے بہتر آدمی وہ ہے جو طاقتور اور ایماندار ہو ۝۲۶ کہا
 اشعيب علیہ السلام نے بیشک میں چاہتا ہوں کہ نکاح کر دوں
 تیرے ساتھ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا، اس
 شرط پر کہ تم میری ملازمت کرو آٹھ سال تک۔ پس اگر تم
 پورے کر دو دس سال تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا، میں نہیں
 چاہتا کہ میں مشقت ڈالوں تمہارے پر عنقریب تم پاؤ گے مجھے
 اگر اللہ نے چاہا، نیکی والوں میں سے ۝۲۷ کہا (موسیٰ نے)
 یہ (معاہدہ) میرے اور آپ کے درمیان طے پایا، دونوں مدتوں
 میں سے جو کسی مدت میں پوری کروں، مجھ پر کوئی تعدی نہیں

ہوگی اور جو مجھدم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر عذاب ہے (۲۸)

رابطہ آیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں سے رہات اور اس کے بعد کے واقعات نور سورۃ الشرح میں بیان ہوئے ہیں، البتہ ابتدائی زندگی کے بیشتر واقعات یہاں سورۃ میں مذکور ہیں۔ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان سے نصیحت حاصل کرے۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کی پرورش، پھر آپ کے باپ کے قتل، فرعونوں کا موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ، پھر ایک دن آدمی کا موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کرنا اور آپ کا منصوبہ سے حل کر دینا، جان و مال دونوں کی بکریوں کو پانی پلانا اور پھر لڑکیوں کے باپ کا آپ کو اپنے گھر طلب کرنا، یہ سب واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے حالات سن کر لڑکیوں کے باپ دشعب علیہ السلام نے آپ کو نسل دی کہ فرزند کو دے گا۔ تم فرعون کی عمارت سے نکل آئے ہو، اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے تمہاری حفاظت کرے۔

علامہ زکریا
بیلے سفارش

دشعب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے لیا اور ان سے ساری داستان سنی اور سلی دی۔ اس کے بعد باپ آپ کو کھانا کھلایا گیا۔ پھر ان خواتین میں سے آپ نے اپنے باپ سے اس طرح بات کی قَالَتْ اِحْدِیْ مِمَّا اَنْ یُّکَلِّمَ لَیْکَ اَیُّکَ کہنے لگی کیا بت استأجرہ لے ابا جی! اس شخص کو اپنا نوکر رکھ لیں۔ آپ بڑے بوچھے میں بیٹائی بھی جاتی رہی ہے۔ کلام کونج نہیں کر سکتے لہذا بکریوں کی دیکھ جال کے لئے اس شخص کو اپنے ہاں اجیر رکھ لیں تو بڑا اچھا ہو گا۔

اس عورت کا نام بیاں ذکر نہیں کیا گیا۔ تاہم تفاسیر میں اس کا نام صفور بیان کیا گیا ہے جب کہ چھوٹی بہن کا نام ریشہ فاطمہ تو صفور نے سفارش کی کہ یہ شخص غریب وطن ہے، اس کے ساتھ بہت سے حادثات پیش آئے ہیں جن کی وجہ سے خوفزدہ رہا تو آپ اس کو بکریاں چرانے پر نوکر رکھ لیں۔ اس کی مصروفیت کا سامان یہاں پہنچا اور وہیں سہولت حاصل ہو جائے گی۔

شمس لوطی

آگے اس فاکون نے ایک بڑا غمزدہ جملہ کہا اِنْ خَیْرٌ مِّنْ اَسْتَجَرْتُکَ

لہ کہیں صبر و طبری ملتے

تَقْوَىٰ لَامِبٍ لے باپ! آپ جو بھی لڑکرہ کیسے لے طاقتور اور مانتا رہنا چاہئے
 ملامت کے لیے ایسا ہی آدمی بہتر ہے حضرت عمرؓ کی رویت: ہر آواز ہے کہ حضرت
 شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ یہ شخص ان صفات
 کا حامل ہے تو لڑکی نے بتایا کہ جب اس شخص نے بڑا فزنی پتھر کنوئیں کے منہ سے بٹایا
 تو میں سمجھ گئی کہ مجھ کو پیسا ہمنے کے باوجود یہ شخص دس آدمیوں پر بھاری ہے اور مانتا ہے
 اس طرح ثابت ہوا کہ جب میں اسے کنوئیں سے ہار کر گھٹا لایا تھا تو اس کے اگے کے چل
 رہی تھی۔ اتفاقاً ہوا کی تیزی سے میرے جسم کا کپڑا اڑا تو اس نے کہا کہ تم میرے پیچھے
 پیچھے چلو اور جہاں راستہ تبدیل کرنا ہو مجھے آواز دے دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملازمت
 کی شرط میں یہ چیز ضروری ہے کہ امریہ دار کی قوت یعنی صلاحیت کا جائزہ لیا جائے اور
 دوسرے کہ وہ دینا نہ دے سکی ہو۔

صحیح الطبر
 بنیادی حق

کام کو ج کرنے کے لیے صحت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ملازرو کی صحت
 ابھی نہیں ہوگی تو وہ اپنے فرائض بطریق احسن انجام نہیں دے سکے گا۔ آج کل تو امر مقررہ
 (U. N. 5) والے انسانوں کے بنیادی حقوق کی بجائی کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ
 یہ حقوق تو زریعہ ہزار سال پہلے اللہ کے قرآن اور نبی کے فرمان نے واضح کر دیے تھے
 ابن آدم کے بنیادی حقوق خود رک، پانی، لباس اور مکان ہیں۔ اس کے علاوہ فرائض کی
 ادائیگی کی حد تک تعمیر بھی فرض عین ہے جس پر علیہ السلام کا فرمان ہے طَلَبُ الْعِلْمِ
 فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ ہر مرد و زن مسلمان پر علم کا حصول
 فرض ہے۔ اسی طرح انسان کی صحت بھی ان حقوق میں شامل ہے کہ اس کے بغیر
 نہ عبادت ہو سکتی ہے اور نہ روزہ۔ کے سلسلے میں سورہ بقرہ پر یہ انجاس دیے جاسکتے ہیں
 امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مزدور یا کسان کو کچھ مہینے کو تو
 دریاں نہ وقف ہی دونا وہ آرم کر کے مسلسل بار بار گھٹے مزدور سے کام لینا
 زیادتی ہے۔ اُسے مذہب سوسائٹی میں جانے کا موقع ملنا چاہیے، تعلیم حاصل کرنے کا
 وقت ملنا چاہیے، عبادت کے لیے وقفہ چاہیے، یہ سب چیزیں اس بنیادی

حقوق میں شامل ہیں اگر وہ آخرت کی فکر نہیں کرتے گا تو ہمیشہ کے لیے گھٹائے میں پھنس جائے گا۔ پڑھنے پڑھنے میں روم اور ایران کے اپنے غلاموں اور نوذروں سے کہیں سے بل کی طرح کام لیتے تھے اور انہیں خبر تک بھی تمولی فراہم کرتے تھے۔ یہ تو ظلم کی بات ہے۔ ابتداً زمیندار، دیوانہ، کارخانے دار کا فرض ہے کہ وہ مزدوروں سے کام لیتا ہے تو ان کے حقوق کا بھی خیال کرے۔

مزدور کی دوسری عفت یہ ہے کہ وہ امانتدار ہو۔ اگر اس میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو وہ اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ وقت کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ مالک کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرے گا۔ اس کے بذخرفت بدیانت ملازمہ کا وہ ہو گا، مالک کی چوری کرے گا۔ وقت ضائع کرے گا۔ اور جیسے بھانے سے کام سے جی چاہے گا۔ یہ دونوں ٹھیک ضروری ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں دنیا میں فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مالک شکی ہے کہ مزدور کام نہیں کرتے اور مزدور مالک میں کہ مالک معاوضہ پورا نہیں دیتا۔ آج ہر کارخانے، ہر دفتر اور دکان پر مالک اور نوکر کے درمیان کش مکش جاری ہے نتیجہ یہ ہے کہ فریقین نقصان اٹھا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کی مجموعی پیداواری متاثر ہو رہی ہے۔ بہر حال صداقت اور دیانت مزدور کی نہ ضروری شرط ہیں۔

دوسری طرف مالک پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان کا ذکر بھی شعیب علیہ السلام کے بیان میں آیا ہے۔ کہ میں تم پر شفقت نہیں ڈالوں گا اور یہ کہ تم مجھے نیکی والوں میں پلے گا۔ اور تیسری ذمہ داری خود حضور علیہ السلام نے واضح کر دی کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ نکلنے سے پہلے ادا کر دو۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب کسی مزدور سے مشقت کا کام ہو تو ان میں خود بھی اس کا ہاتھ بٹاؤ اس کو ایسا کام نہ دو جو اس کی قوت اور صلاحیت سے زیادہ ہو۔ حضرت خباب بن عمرو بن عاص جب کسی شخص کو کام پر لگاتے تو ان کے والدین کو تا کیہ کہتے کہ مزدور کی مزدوری بروقت اور پوری پوری ادا کرنا۔ غرض یہ مالک بھی نیکی والا ہونا چاہیے۔ جو غریبوں کا استعمال نہ کرے بلکہ ان کے جائز حقوق ادا کرے۔ اسی لیے شعیب علیہ السلام

نئے نئے عیسائیوں کو بتلایا کہ میں تجوید پر اجازت بخش نہیں دالوں گا۔ اور تم مجھے نیچے دالوں میں یاؤ گے۔

تین صاحب
فاست
مستقیان

حضرت عبدالعزیز سعودی کی روایت میں آتا ہے کہ تین بہنیاں بڑی ہی سہا ب
فراست ہوئی ہیں۔ ایک شعیب علیہ السلام کی بیٹی صفورہ ہے جس نے اپنی ذہانت سے جان
لیا کہ موسیٰ علیہ السلام طاقتور اور امانت دار ہیں۔ دوسری ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کے شہ
بہن جس نے گمراہیوں کو کہا کہ اس غلام کو اچھے طریقے سے رکھنا عسی ان
کے نفع کا و نسیجہ و لکد (یوسف - ۲۱) شاید کہ یہ ہمارے لیے خیر ثابت
ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور بچہ یوسف علیہ السلام اس پر پورے اثر سے انہوں
نے اپنی صلاحیت کی بنا پر مالک ہوسا اور بارہا سنبھال لیا۔ یوسف کا مقام تجارتی
کاروبار یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کے تمام نظریات اس ذہانت سے چلا یا
کہ آہ فی میں گنا اضافہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ میری صاحب فراست بہن حضرت
ابوبکر صدیقؓ میں بنوں نے اپنی زندگی میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر کے بہت
بڑی فراست کا ثبوت دیا۔ اب میں اس انتخاب نے ثابت کر دیا کہ آپ امت
کے حق میں بہترین آدمی تھے۔

شعب خلیہ
کے حالات

صاحبِ تفسیرِ نظمیری اور بعض دیگر مغربیین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام عمر بڑھ چکے تھے اور اکثر گریہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اللہ نے فرمایا شعیب! تیرے کیوں ہو؟ کیا جنت کا شوق سب سے زیادہ کا شوق ہے؟ آپ نے عرض کیا، پروردگار! شَوْقًا إِلَىٰ لِقَائِكَ تیسری ملاقات کے شوق میں رہتا رہتا ہوں۔ اس پر اللہ نے وحی نازل فرما کر آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی هٰذَا لَكَ لِقَاءُيَ يٰ شُعَيْبُ یعنی اے شعیب! تمہیں میری ملاقات مبارک ہو، وہ یقیناً تمہیں نصیب ہوگی۔ اسی واسطے میں نے تیری خدمت کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا ہے۔ دوسری ملاقات میں آتا ہے کہ میں نے اپنے کلمہ کو تیری خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں

۱۰ کشف ۴۰۲ و کبر ۴۰۲ و مدرک ۴۲۳ مع معالم التنزیل ۴۱۳ و غار ۴۱۳ و السج ۴۱۳ (فیض)

الشر کے یہ بگڑنے پہنچے تو انہیں بھوک لگ رہی تھی ۔ انہوں نے ہستی والوں سے کہا ، طلبِ یامحرمہ انوں نے یہاں لواتی ہے اور کمرہ دیا ۔ اس کے باوجود حضرت علیہ السلام نے اس ہستی میں ایک کمرتی کوئی دیر کو پیدا کمرہ دیا اور اس پر جمعہ تھی نہیں لی تھی ، طلب یہ کہ بوقتِ ضرورت کھا ، طلب کمرہ دیا نہ ہے ۔

پیش کش

جب ثعلبہ بن جراح موسیٰ علیہ السلام کے حاکم سے واقف ہوئے اور ان کی شرکی نے سفارش بھی کی فَإِنْ رِئِدْتُكَ أَنْ يَكُونَ حُدًى بَنِي هَثَلِينَ تو کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان چیزوں میں سے ایک سے ساتھ تمہارے ساتھ کمرہ دوں ، بِحُرِّ طَرِيقٍ کہ علی نے لَا تُجْرِي لِمَنْ جَجَجَ تمہارے سال تک ہر روزی ضرورت کمرہ یعنی ہر یوں کی تَجِدُ بِلَالٍ مَرْدٍ یہ بات تو نہ جانے کے لیے ضروری ہے ۔ فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرَ فَمِنْ عِنْدِكَ اور اگر آپ آئندہ کی بجائے دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے وَمَا رِئِدْتُ أَنْ أَشُقَّ عَيْدُكَ میں اپنی طرف سے تو کوئی بوجھ نہیں دانا چاہتا ۔ اور پانچویں بات یہ کہ سَجِدْتُ لَكَ لَنْ تَكُونَ لَكَ مِنْ لَصِيحِي کہ مجھے نیکیوں میں سے پائے گا ۔ میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کروں گا ، عَلَيْهِ کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تعالٰی کے تحت عازمت کے دس سال پورے کیے ۔

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ ما تَبَى دِرْجُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ بھی اس قسم کے حالات پیش آئے ۔ آپ کو چار چار سال سے تَمَامَ كَمَرَةٍ کے ساتھ لایا مگر عمر نے پورے آٹھ سال کے بعد آپ کے تَمَامَ كَمَرَةٍ پر جا دیا ۔ یہ سال کی شریعت کو رعایت دی گئی کہ اس سال وہ حج کر لیں اور آئندہ سال انہیں بیت المقدس میں داخلے کی اجازت نہیں ہوگی ۔ پھر آپ نے دسویں سال جَزَاءُ الْوَدَاعِ اور آٹھویں سال کے زِيَادَةُ مَسْجِدِ آپ کے ہجرت تھے اور اس طرح دس سال کے عرصہ میں عَلَيْهِ أَمْرُ مَوْضِعِ الْقُرْآنِ (فیاض)

مکمل غلبہ اور شرمین کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا دس سال تمام جبریاں چلنا ان کی طرف سے حق کے لیے حق نہ تصور ہو گا یا نہیں۔ غصہ بن کر مہر دیتے ہیں کہ اگر وہ جبریاں موسیٰ علیہ السلام کی جوئے والی بیوی کی تھیں تو یہ تو دس سال کی مزدوری حق نہ میں شمار ہو سکتی ہے کیونکہ حق مہر بیوی کا حق ہوتا ہے۔ اگر جبریاں اس کے والد کی تھیں تو یہ حق مہر نہیں بن سکتا۔ اس سلسلہ میں فقہائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ بیوی کے والد کی مزدوری حق نہ نہیں بن سکتا کیونکہ حق مہر سچا ہونا لازمی ہے نہ جبر نہ است اگر جبر بوقت نکاح اس کا قصہ ضروری نہیں مگر ہے لازم جو بعد میں بھی بطور مہر مثلی (خاندان کی عورتوں کے عام مہر کی مقدار کے برابر) ادا کرنا ہو گا۔ اس ضمن میں فقہائے حنفیہ واضح فرماتے ہیں کہ سورۃ النساء میں اللہ نے محرمات جن کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان محرمات کے علاوہ تمام باقی عورتوں نے سچا کر سکتے ہو ان کے تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ (آیت ۲۴) بشرطیکہ تم سچا کر کے اپنے اہمال نہ بن کر یعنی حق مہر ادا کرو۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حق مہر میں چونکہ مال کا ذکر ہے اس لیے حق مہر کی مقدار کم از کم دس درہم تو ہونی چاہیے کہ جس مقدار کی چوری پر قطع یہ کی نرا دی جا سکتی ہے اس کے برخلاف دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ مہر وہ حق ہے درست ہے جس پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ کوسے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔ تاہم امام ابو حنیفہ کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔

البتہ امام بیضاوی لکھتے ہیں کہ وہ جبریاں اس لڑکی کی تھیں جس سے نکاح ہوا، حق مہر میں مزدوری درست ہے لیکن عام طور پر ایسا خیال نہیں کیا جاتا بعد میں سمجھا جاتا ہے کہ جبریاں جس کے والد کی ملکیت تھیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیوی کی دس سال کی اجرت کا حساب لگا کر اگر وہ اس کی اجرت اپنی بیٹی کو ادا کر دیں، تو حق مہر ادا ہو جائے گا۔ ورنہ باپ کی جبریاں چھ لڑکیاں یا بیٹی کا حق مہر نہیں جتا۔ البتہ متعلقہ عورت کی ذاتی مزدوری کہنا حق مہر میں شمار ہو گا۔ فقہائے حنفیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

کہ بیضاوی ص ۱۹۲ (فیاض)

ایسی صورت میں مرد کے ذمے کوئی محبوب بدمشلا پکڑے دھمنا، کھانا پکانا، کچھ میا
جھاڑو وغیرہ دینا نہیں ٹھکانا چاہیے۔ کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ البتہ کھڑے
ابہرائے بدمشلا کھیتی پڑی کھانا، روپے چھوٹا، تباہی رست کرنا وغیرہ امور سوچنے بائیں
ہیں۔ مفسدین کہہ رہے ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ممکن ہے شعیب علیہ السلام کی شہریت
میں حق مذمت بطور حق مہر شمار ہوتا ہو، لہذا اس سال کی مزدوری حق مہر میں
شمار ہوگئی۔

بعض فقہانے کہہ رہے فرماتے ہیں کہ کسی عینہ وقت کے لیے مزدوری کرنے کو
حق مہر شمار کیا جاسکتا ہے جب کہ بعض دوسرے اصحاب کا خیال ہے کہ حق مذمت
بطور حق مہر شمار نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ حق مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے جو
بوقت تکمیل یا بعد میں بیوی کو ادا کیا جائے اور مزدوری چونکہ نقد مال نہیں ہے جو
قابل انتقال ہو لہذا اسے حق مہر کے طور پر نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے
ہیں کہ کسی نکاح کی شرائط میں سے اگر کوئی شرط غیر مناسبت ہو جیسے رشتہ دار کی
شادی، تو ایسی صورت میں ایسی شرط تو باطل ہوگی مگر نکاح ہو جائے گا، اگر
باطل شرط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

تکمیلِ عاہدہ

جب شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے اپنی طرف سے
شرائط پیش کر دیں کہ تم میری آٹھ یا دس سال تک ملازمت کرو، میں تم پر کوئی
مشقت نہیں ڈالوں گا، اور تم مجھے انشاء اللہ صاحبین میں سے پانچ کے نزدیک عیال
نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَتَمَامُ
درمیانِ عاہدہ بلا ہو گیا اَيُّهَا الرَّجُلَيْنِ قَضَيْتُ فِدَا عِدْوَانِ عَلَيَّ
میں آٹھ یا دس سال کی جو بھی ملازمت پر کروں مجھ پر کوئی زیارتی نیاں نہ ہوں گی
یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں وَلِلّٰهِ عَلَى مَا لَقَدْ كُنْتُمْ فِيهِ
بات کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اُس کی ذات پر عہدہ رکھنے پر عمل
کے سبب یہ وہی ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ
جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ
نَارًا لَعَلِّي آتِيَكُمُ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ
الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن
يَمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ وَأَنِ الْقَوْمَ
فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ
يَمُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْأَمِينِينَ ﴿۳۱﴾
أَسْلَكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ
سُوِّهِ وَقَاضَمَهُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَكَ
بُرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ أَنَّهُمْ كَانُوا
قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ
نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يُقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ
أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي
إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ

إِلَيْكُمَا جِ بَايِتِنَا جِ أَنْتُمَا وَمِنْ أَتْبَعَكُمَا الْغَلِيْبُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ:- پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی مدت اور
 سے کر چے اپنے اہل کو تو انہوں نے دیکھا طور کے کنارت
 پر آگ کو۔ اور کہا اپنے گھر والوں سے کہ تم ٹھہر جاؤ، میں
 نے آگ دیکھی ہے، شاید میں لاؤں تمھارے پاس وہاں سے
 کوئی خبر یا کوئی انکارہ ملے گا کہ آگ آگ سینک سکو ﴿٢٩﴾
 پس جب پہنچے وہاں موسیٰ علیہ السلام تو آواز دی گئی واری
 کی دائیں طرف مبارک خطے میں اُس درخت سے کہ موسیٰ بیشک
 میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ﴿٣٠﴾ اور یہ کہ تم ڈال دو
 اپنے ہاتھ سے اپنی لائٹی، اور جب دیکھا اُس کو تو وہ حرکت
 کر رہی تھی، کو یہ کہ وہ سانپ ہے۔ پشت چھینی (موسیٰ علیہ
 السلام) اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ فرمایا اللہ نے اُسے موسیٰ !
 آگے تو اور خوف نہ کھاؤ، بیشک تم امن والوں میں سے
 ہو ﴿٣١﴾ ڈالو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں، نہ بھلے گا وہ سفید
 ہو کر بغیر کسی تکلیف کے، اور ملاؤ اپنی طرف اپنے بازو
 کو خوف سے۔ پس یہ دو سنیں میں تمھارے پروردگار کی
 طرف سے فرعون اور اُس کے سرداروں کے سامنے۔ بیشک
 وہ نافرمان لوگ ہیں ﴿٣٢﴾ عرض کیا (موسیٰ علیہ السلام) نے اُسے
 میرے پروردگار! بیشک میں نے قتل کیا ہے اُن میں سے
 ایک جان کو، اور میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے قتل
 نہ کر ڈالیں ﴿٣٣﴾ اور میسر بجائی ہارون مجھ سے زبان میں زبانی

فصیح ہے۔ پس اُس کو بھیج دے میرے ساتھ بطور معاون
جو میری تصدیق کرے۔ میں خوف کہتا ہوں کہ وہ لوگ میری
تعزیب کریں گے (۳۴) فرمایا اللہ تعالیٰ نے، ہم مضبوط کر
دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ، اور بنائیں
گے ہم تم دونوں کے لیے غبار۔ پس نہ پھپھیں گے دشمن
تم دونوں کی طرف۔ تم بازو ہماری نشانیاں دے کر، تم اور
تمہارے پیروکار۔ غائب نہیں گے (۳۵)

راہِ نبوت

یہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب آپ شعیب علیہ السلام
کے گھر پہنچے تو آپ کو اہلخانہ حاصل ہوا کہ فرعونوں کے مظالم سے بچ گئے ہیں۔
شعیب علیہ السلام کی زوجہ بیویوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام
کو نوکر رکھ لیا جائے، یہ شخص بڑا طاقتور اور امانت دار ہے۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام
کو پیشکش کی میں دو میں سے ایک بیٹی کا حق نکالتا ہوں۔ بڑے حکیمانہ کہہ اٹھا
سال یہ ہے میں نوکر ہی کر دوں۔ ورنہ تم دس سال پرے کر دو تو یہ تمہاری مشا، پر غصہ ہو گا اور
میرے خوف سے کوئی اسلام نہیں ہو گا۔ البتہ میں تمہارے ساتھ اٹھاؤں گا اچھا سلوک کروں گا۔
موسیٰ علیہ السلام نے پیشکش قبول کر لی اور آپ وہیں رہنے لگے۔ بیکریاں چراتے اور دوسرا
مزدوری ہو گا۔ انجام دیتے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو وہاں رہتے ہوئے آٹھ اور پچھ دس
سال بھی گزر گئے اور ان کی عداوت کی اضافی مدت بھی پوری ہو گئی۔ شعیب علیہ السلام نے
اپنی ایک بیٹی کا نکاح بھی کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام
کی سادہ سادگی
اور

اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے فَكَمْ
قَضَىٰ مُوسَىٰ الْأَجَلَ فَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ عَلَىٰ السَّامِ مَقَرَّهٖ مَتَّ بِهٖ كَيْدُهَا بِمُفْسِدٍ كَرِيمٍ فَذَكَرَ
ہیں کہ دو مدتوں میں سے لمبی مدت دس سال پوری کی تھی۔ بعض روایات سے معلوم
ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خسر سے ذکر کیا کہ وہ اپنی والدہ اور بھائی کو ملنے
لے اشراف المہاجرین و زوال المہاجرین علیہ روح البیان ص ۲۶۴ (فیاض)

کے بڑے خواہشمند ہیں، اگر اجازت ہو تو وہ اس قسم کے لیے مصر کا سفر اختیار کریں۔ شہر نے نہ صرف آپ کو اجازت دے دی بلکہ آپ کی بیوی کو بھی ہمراہ جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ واقعات کے تسلسل میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب مدت پوری ہوئی وَسَارَ بِأَهْلِهِ تو موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر نہ صرف روانہ ہو گئے بلکہ یہ کمرہ فروخت کر کے شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ وقت کچھ عرصہ گزرا اور کچھ دوسرا مال بھی بیٹی کو ساتھ لے کر لیا۔ اس کے علاوہ ایک خادم اور بعض چلوں کا ذکر بھی آتا ہے۔

میں بیوی کی
یکجا رہائش

اس واقعہ سے پسند اخذ ہوتا ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے ساتھ کسی دروازے تک تہی نہ غیر مکان میں بھی لے جانا چاہے تو وہ مل جاسکتا ہے۔ لڑکی کے والدین کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہماری شریعت کو بھی یہ قانون ہے۔ بعض لوگ بہت دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بیٹی کو خاوند کے ہمراہ بھیجنے پر ملحق لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ کچھ محکمہ کے وقت اس قسم کی شرط لگانا کہ ہم بیٹی کو کسی دوست شہریا مکان میں نہیں جلتے دیں گے۔ درست نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نیکان کی شرط میں سے نہ صرف جائز شرط کو پورا کرنا ضروری ہے جو شریعت کے مطابق ہوں۔ کسی خلاف شرع شرط کی پابندی لازمی نہیں۔ مثال کے طور پر شرعی شرط میں بیوی کو آرام و سکونت رکھنا، اس کے ہاتھ نافذ کا بندوبست کرنا، مطلوب ہو تو حبیب غریبی دینا، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وغیرہ شامل ہیں جن کی تعمیل ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ شرط چمکائے کہ سفر کے دوران بیوی اپنے خاوند کے ہمراہ نہیں جلتے گی۔ تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ حالات کا کیا بھی تقاضا ہو خاوند دوسری شادی نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی شرط باطل ہیں اور شریعت انہیں تسلیم نہیں کرتی۔ نہ ان کی تعمیل ضروری ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال، خادم اور بھیڑ بچہ یونس کے ہمراہ اپنے سفر پر

کے ساتھ مس کریں اور اُسے فیض حاصل ہو۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اُس پاک خطے میں پہنچے تو وہاں سے آواز آئی اَنْ یُّسْمِعْکَ اِلٰہِیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اے موسیٰ! میں تمام جہانوں کا پروردگار اللہ ہوں۔

دو معجزات

موسیٰ علیہ السلام اُس مقام پر گئے تو کوئی خبر معلوم کرنے یا آگ لینے کے لیے تھے مگر وہاں کچھ اور ہی معاملہ پیش آگیا۔ سورۃ طہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ابتدائی تعارف کرنے کے بعد فرمایا وَاِنَّا اَخْتَرْنَا لَکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوحٰی (آیت ۱۲) میں نے تجھے رسالت کے لیے منتخب کر لیا ہے، پس سنو جو کچھ اپنی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور اب تمہیں میرا پیغام ہے کہ فرعون کے پاس جانا ہو گا۔ اور اس سے دو باتیں کہنی ہوں گی۔ ایک یہ کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور دوسری یہ کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے جیسا کہ سورۃ الشعراء میں موجود ہے اس مقام پر فرمایا وَاَنْ اَلِیْقَ عَصَاکَ کہ موسیٰ علیہ السلام! اپنی لاشعری زمین پر ڈال دو۔ یہ معجزے کا اظہار ہو رہا ہے پہلے اپنی ربوبیت کا تعارف کر لیا۔ پھر معجزے کا اظہار کیا۔ حسب حکم موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشعری چٹیک دی فَلَمَّکَ رَاہَا تَهْتَزُّ بِھِزْبٍ اَسْکَرٍ دیکھا تو وہ حرکت کر رہی تھی کَاَنھَا جَاۡنٌ فَرَا کہ وہ سانپ ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے وَلَمَّ مُذَبِّرٌ وَلَمَّ یُعَقِّبُ بِمِیْطِھِ بِھِزْبٍ کَرِھَاۡ گئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ مگر اللہ نے مَسْرٰیۡا یُّمُوْسٰی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں۔ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ اے شک تم امن والوں میں سے ہو۔ تمہیں کوئی خطرہ نہیں

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ لاشعری حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے روانگی کے وقت دی تھی کہ راستے میں تمہارے کام آئیگی اس سے بکریوں کو ہانک لیا کرنا اور درختوں سے پتے حجاز کو ان کی خوراک کا بندوبست کر لیا کرنا۔ بعض کہتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی یہ لاشعری اصل میں آدم علیہ السلام کی تھی جو آپ تک منزل بمنزل انبیاء کی رسالت پہنچی، اور پھر آپ نے وہ

موسیٰ علیہ السلام کو دیدی۔ یہ تفسیری روایات میں آتا ہے، کوئی یقینی بات نہیں ہے۔
بہر حال ایک معجزہ تو یہ ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاشی نے سانپ کا روپ نہا

لیا، اور اللہ نے دوسرے حکم یہ دیا أَسْلُفٌ يَدُلُّكَ فِي جَبَلٍ اپنا ہاتھ اپنے
گریبان میں ڈالو تَخْرُجُ بَيْضًا من غیر سورہ یہ نکلے گا بالکل سفید بغیر کسی
تکلیف یا بیماری کے۔ طلب یہ کہ سفیدی کسی بیماری از قسم پیلہ ہی کی وجہ سے نہیں ہو
گی بلکہ تمہارا ہاتھ معجزانہ طور پر سورج کی طرح چمکے اور نورانی ہو جائے گا۔

فرعون نے
پاس جانے
کا حکم

موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ابھی تک خوف تھا۔ لاشی کا سانپ بن جانا ان
کے لیے بڑا ہی عجیب معاملہ تھا۔ نیز وہ فرعون کے پاس جانے سے بھی خوفزدہ تھے
اسی طرح ہاتھ کی سفیدی نبی ان کے لیے خوف کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ ان حالات
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
جب آپ ان چیزوں کا خوف محسوس کریں تو اپنے بازو اپنے جسم کے ساتھ
ملا لیں اور انہیں کھلا نہ چھوڑیں آپ کی خوفزدگی فوراً دور ہو کر دل میں تقویت پیدا
ہو جائے گی۔ فرمایا فَذَنْكَ بُوْهُ هَٰئِن مِّنْ نَّبَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
وَمَلَائِكَةٍ فِرْعَوْنَ اور اس کے سرداروں کی طرف اپنے رب کی یہ دو نشانیاں
اے عصا اور یہ بیضا کے کہ فرعون۔ اے پاس جاؤ۔ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَٰسِقِينَ
بے شائبہ وہ نادان لوگ ہیں۔ سورہ طہ میں ہے إِذْ هَبَّ رِيْحٌ فِرْعَوْنَ
إِنَّهُ طَغٰی (آیت ۲۴) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بڑا کد کد ہو چکا ہے۔ دے دیے
تو ساری قوم ہی متکبر تھی مگر فرعون سب سے بڑھا ہوا تھا۔ کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کون
اللہ کی بات کرتا ہے، میرے سوا اور کون اللہ ہے میری سلطنت میں نہریں طپتی ہیں
طویم بنے ہوئے ہیں فصلیں با فراط ہیں، ہر چیز کی فراوانی ہے جس کو چاہوں زندہ
رکھوں اور جس کو چاہوں ختم کر دوں، سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔ میرے سوا یہ
کس خدا سے ہیں ڈراتے ہیں؟

موسیٰ علیہ السلام
کا حکم

فرعون کی طرف، جلنے کا حکم پا کر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں اس

اسنے یہ آنے والی بعض مشعلات کا ذکر کیا۔ قَالَ رَبِّ رَفَعْتُ مَنَّهُمْ
 نَفْسًا كَسَنَ لَّكَ بِرَدِّكَار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا اور پھر ڈرتے
 ہونے کے خوف سے بھاگ کر مدین چلا گیا تھا۔ اگر اب پھر میں فرعون کے پاس
 جازن کا فلخاف اَنْ يَّقْتُلُونِ تو مجھے خطر ہے کہ وہ مجھے قتل
 کر دیں گے، میں نے اس شخص کو اراداً تو قتل نہیں کیا تھا بلکہ محض ایک مظلوم کی
 مدد کے لیے آئے بڑھا تھا مگر ایک گھونسلے میں ہی اس شخص کا کام تمام ہو گیا اب
 فرعون مجھے چھیڑیں گے نہیں۔

بارون علیہ
 السلام کی شرکت

اور دوسری بات موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کے انداز میں کی کہ اگر مجھے
 ضروری دعوت اور اس کے سرداروں کے پاس جانا ہے تو پھر وَاخِي هَارُونَ
 هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا تو پھر میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے
 زیادہ فصیح ہے، میری زبان میں تو قدرے لکنت ہے مگر وہ اپنا مافی الضمیر بہتر
 طریقے سے بیان کر سکتے فَارْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا پس اسے میرے ساتھ معاون
 کے طور پر بھیج دے۔ يَصْدَقْنِي فِي مَیْرَی تصدیق کرے کہ واقعی ہم اللہ کے
 پیغمبر ہیں اور تمہیں صراطِ مستقیم کی دعوت ہے کے لیے مامورین الشریعہ۔ سورۃ طہ میں
 اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے وَاشْرِكْهُ فِي مَیْرَی (آیت ۳۲)
 ہارون علیہ السلام کو میرے نبوت کے کام میں شریک کر دے۔ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ
 یَّكْذِبُوْنِ میں خوف کھاتا ہوں کہ وہ لوگ میری کذب کریں گے اللہ نے آپ کی
 یہ ساری دعا قبول فرمائی موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی لکنت بھی دور ہو گئی۔ ہارون علیہ
 السلام کو نبوت عطا کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بطور معاون بھیج دیا۔ یہاں بھی ارشاد
 ہوتا ہے قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ اترنے فرمایا ہم تمہارے
 بھائی کے ساتھ تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے یعنی اے میری رسول بنا کر بھیجی
 تائید کے لیے بھیجیں گے۔ دیکھ دنیا کا عام دستور بھی یہ ہے کہ کسی نے بھائی
 اس کے دست بازو ہوتے ہیں۔ بھائیوں سے انسان کو بڑی توقعات وابستہ ہوتی
 ہیں اور وہ دیکھ کھڑے شریک ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا بڑا احسان تھا کہ اس نے

تسلی
مضمون

موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے ہمراہ بھیجا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی بھی دی وَجْعَلْ
لَكُمْ سُلْطَانًا بِمَقَرِّكُمْ دُورُنَّ بَعِثْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ فَاذْكُرُونَهُ أَنْ يَنْصَحَ لَكُمْ وَأَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الْحَكِيمُ

نیک نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدا تعالیٰ ایسا انتظام فرما دے گا کہ فرعون کی تمہیں نقصان
نہیں پہنچا سکے گی۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل تھا کہ حکمرانوں سمیت
ساری مستبد قوم کے سامنے یہ دو آدمی دھڑلے کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال
کر بات کرتے تھے مگر کسی کو ان کے خلاف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ
موسیٰ علیہ السلام کو وحید کر فرعون کو اس کے حواریوں کے اوصاف خطا ہو جاتے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کے ارگرد کافروں، یہودیوں اور منافقوں کا حصار تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے دل میں خیال آیا کہ حضور علیہ السلام اکیلے ہی میں کیوں نہ اُن کی حفاظت کے لیے پہرہ دوں۔ چنانچہ آپ تجویز پس کر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور معارض کیا۔ اُدھر سورۃ المائدہ میں اللہ کا پیغام آیا **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ..... وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** (آیت ۶۵) اے اللہ کے رسول! آپ اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔ نزول آیت کے بعد حضور علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ تم پہرہ بٹا دو، اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا خود ذمہ اٹھا لیا ہے۔ چنانچہ آپ واپس اپنے گھر چلے گئے۔ یاد ہے کہ ایسا معاملہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان مبلغین اس زمرہ میں نہیں آتے۔

وہ محو ہے

خدا طاعت
کر ضمانت

اللہ کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ اور ہرون علیہما السلام چالیس سال سے زیادہ عرصہ فزع و غریبوں کے درمیان رہ کر حق تبلیغ ادا کرتے رہے مگر اللہ نے ان کی

جانوں کی حفاظت فرمائی۔ درمیان میں بڑی بڑی تکالیف بھی آئیں حتیٰ کہ ایک موقع پر اسرائیلیوں نے شکایت پیش کی کہ اے موسیٰ! تمہاری مدین سے واپسی کے بعد بھی ہماری تکلیفوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا ہے، ہم پہلے بھی فرعون کے ظلم کا شکار تھے اور اب بھی ہم یہ مصیبتیں ہی نازل ہو رہی ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے کہا اِسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا جَارَاتِ الْاَرْضِ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف - ۱۲۸) اللہ سے مدد طلب کرو، اور صبر کرو۔ بیشک ساری زمین کا مالک اللہ ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور بہتر انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ یہی شکایت حضرت ارس نے حضور علیہ السلام سے بھی کی تھی۔ بعرض کیا، کفار بڑی تلخیاں پہنچا رہے ہیں آپ نے فرمایا صبر کرو، تم ابھی سے گھبرا گئے ہو، پہلی امتوں کے لوگوں کے سروں پر آئے رکھ کر ان کو دھڑکھڑا کر دیا گیا اور انہوں نے برداشت کیا مگر تم کافروں کی بددعا کی سہی ابھی سے گھبرا گئے ہو۔ بالآخر اللہ تعالیٰ تمہیں ہی غالب بنانے کا حکم آرائیں۔ از قسیم مال کا ضیاع، افرادی قوت میں کمی، اور فصلوں کا نقصان وغیرہ ضرورتاً آئیں گی مگر کامیابی اُسی کو حاصل ہوتی ہے جو آخر دم تک صراطِ مستقیم پر قائم رہتا ہے۔

بہر حال اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا بَايِتْنَا بَنِيَّ دونشایاں سے کہ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جاؤ اَسْتَمِصُّوْا مِنِّیْ اَتَّبِعْکُمْ مَا الْغَلِبُوْنَ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہوں گے پھر جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، کامیابی اہل ایمان کے حصے میں ہی آئی، اور فرعون اور اس کے سارے حواری بحر قلزم میں غرق کر دیے گئے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝۳۶ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَهُ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝۳۷ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَمَاعِلُ لَكُمْ مَن إِلَهِ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَهَامُنُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝۳۸ وَاسْتَكَبرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝۳۹ فَآخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝۴۰ وَجَعَلْنَاهُمْ أَيْمَةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ ۝۴۱ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ فِي مَن السَّابِقِينَ ۝۴۲

ترجمہ:- پس جب آئے اُن کے پاس موسیٰ علیہ السلام ہماری نشانیاں لے کر تو کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھڑا ہوا۔ اور

نہیں سنا ہم نے ایسا اپنے پیٹے آواز ابداد سے (۳۶) اور کہا
 ہوں علیہ السلام نے میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو ہدایت
 نے کر آیا ہے اُس کی طرف سے ۔ اور وہ کہ جس کے لیے
 اتنا نفع ہے آخرت میں ۔ بیشک نہیں فلاح پا سکتے ظالم
 اول (۳۷) اور کہا فرعون نے اے درباریو ! میں نہیں جانتا تمہارے
 لیے کوئی الٰہ اپنے سوا ۔ پس آگ جلاؤ میرے لیے اے ہمان !
 مٹی کے پیڑوں پر (یعنی اینٹوں کے بٹے میں تیار کرا دو)
 اور بنا دو میرے لیے ایک محل تاکہ میں جھانک کر ، بچوں
 موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو ، اور میں گمان کرنا ہوں اس کے
 بارے میں کہ وہ جھوٹا ہے (۳۸) اور تکبر کیا فرعون اور اس کے
 لشکر نے زمین میں ناحق اور گمان کیا انہوں نے کہ وہ ہماری
 طرف نہیں لوٹے جائیں گے (۳۹) پھر پکڑا ہم نے اُس کو
 اور اس کے لشکر کو اور پھینک دیا اُن کو سمندر میں ۔ پس
 دیکھو کیسا ہوا انجام ظالموں کا (۴۰) اور بنایا ہم نے اُن کو ایسے
 پستوا کہ وہ ہلاتے ہیں درخت کی طرف اور قیامت کے دن
 اُن کی ۔ اور نہیں کی جائے گی (۴۱) اور ہم نے پیچھے لگائی ہے
 اُن کے سوا دنیا میں لعنت ۔ اور قیامت ملے دن وہ برائی
 والوں میں سے ہوں گے (۴۲)

موسیٰ علیہ السلام مع اپنی اہلیہ اور ساز و سامان مہین سے مصر جا رہے تھے کہ راستے
 میں کوہ طور کی مقدس وادی سے گزر رہے تھے ۔ اُس مقام پر اللہ نے ان سے کلام کیا اور نبوت
 رسالت عطا فرمائی اور ساتھ دو عظیم معجزات عصا اور یہ بیضا بھی عنایت کیے ۔ موسیٰ علیہ السلام
 کو جمع حق کا حکم ہوا ۔ انہوں نے اس راستے میں حامل مشکلات کا ذکر کیا تو اللہ نے

یقین دلایا کہ فکرم نہ کرو، بالآخر تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور فریضہ نبوت میں آپ کا مدد و معاون بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق مصر پہنچے اور آگے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو منتظر پایا۔ چھ دنوں کے بعد فرعون کے دربار میں پہنچے تاکہ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں۔

موسیٰ علیہ السلام
فرعونی دربار میں

فرعون کے دربار میں جانے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا ذکر کیا ہے جیسے سورۃ طہ اور سورۃ الشعراء میں۔ اور بعض مقامات مثلاً یہاں اکیلے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ جب موسیٰ علیہ السلام ہماری واضح نشانیاں لے کر فرعون کے دربار میں پہنچے۔ یہ نشانیاں وہی دو عظیم معجزات عصا اور یہ بیض تھیں۔ معجزہ کہتے ہی ایسی چیز کو جس سے عام مخلوق عاجز آجائے اور اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ خود نبوت اور نبی کا کلام اور پیغام بھی ایک واضح چیز ہوتی ہے۔ تو بینات میں معجزات اور نبی کی طرف سے پیغام دونوں چیزیں شامل ہیں۔ تو جب یہ چیزیں لے کر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے، معجزات پیش کیے اور اللہ کا پیغام سنایا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّضْمَرٌ کہنے لگے یہ تو محض گھڑا ہوا جادو ہے۔ فرعون کے درباریوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانی اور اس طرح انہوں نے معجزات کو جادو سے تعبیر کر کے انکار کر دیا۔ یہاں یہ قَالُوا جَمْعٌ كَاصِفٍ أَسَىٰ لِّهٖ إِلَٰهٌ كَيْفَ كَرِهَ فِرْعَوْنُ اور اس کے درباریوں سب نے ان نشانوں کا انکار کر دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، وہی الہی کی باتیں سناتا ہے اور ہماری طرف سے معجزات ہونے کی بات کرتا ہے مگر وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ہم نے ایسی باتیں اپنے آباؤ اجداد سے پہلے تو کبھی نہیں سنی۔ یہ کہتا ہے کہ ساری کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ وہی سب کو پیدا کرنے والا، تھامنے والا اور فنا کرنے والا ہے۔ اور پھر قیامت والے دن وہی دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب کتاب لے گا اور جزائے عمل کا فیصلہ کرے گا۔

فرعون اور اس کے جواری کہنے لگے ہم نے تو ایسی باتیں پہلے کبھی نہیں سنی۔

موسیٰ علیہ السلام
کی حق گوئی

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَنِ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ پروردگار ہی بہتر جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے اور کسی ذاتی غرض کے لیے تو نہیں آئے بلکہ اللہ کے حکم سے اُس کا پیغام لے کر آئے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ کہ آخرت میں اچھا گھر کس کا ہے، مگر اتنی بات یقینی ہے إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ کہ ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکتے، وہ ہمیشہ نامرد رہیں گے۔ ظلم میں سرفہرست کھڑا شرک ہے، اس کے بعد دیگر مظالم از قلم لڑائی، جھگڑا، حق تلفی، قتل ناحق وغیرہ آتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پروردگار عالم کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں، اور اس کا فیصلہ یہی ہے کہ اس ہدایت کو قبول کر لیں یا الوں کا انجام ٹھیرے گا اور ظلم و زیادتی کے مرتکبین ناکام ہو جائیں گے۔

اوپر مینار
کی تعمیر

فرعون پر اس تبلیغ کا چنڈاں اثر نہ ہوا۔ کہنے لگا کہ مصر کی سلطنت میں مطلق العنان اور باختیار حاکم تو میں ہوں، میں سیاہ و سفید کا مالک ہوں، ملک زر خیز ہے جس میں نہریں چل رہی ہیں۔ ڈیم بنے ہوئے ہیں، ہر طرح کی آسودہ حالی ہے، مگر یہ موسیٰ علیہ السلام کسی اور الہ کا پتہ بتا رہا ہے، پھر اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي کہنے لگا۔ اے میرے سردارو! میں تو تمھارے لیے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا، یہ موسیٰ کس الہ کی بات کرتا ہے اور کتا ہے کہ وہ اوپر آسمانوں میں ہے۔ اور اب اُسی کے اختیار میں ہے۔ پھر کہنے لگا۔ اچھا میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے فَأَوْقِنِي يَا هَامَانَ عَلَى الصَّبَإِ اے ہامان اینٹوں کا ایک بھٹہ لگا اور اس میں پختہ اینٹیں تیار کر لے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مصر جیسے متمدن ملک میں پکی عمارت کا

عام روان تھا اور اینٹیں پکانے کے لیے بھٹے بھی موجود ہوں گے۔ تو یہ چونکہ اہم کام تھا۔ اس لیے وزیر سے کہنے لگا کہ پہلے اینٹیں تیار کر واذ فَلْجُعَلْ لِي عَرْجًا پھر میرے لیے ایک اونچا محل یعنی مینار تعمیر کراد کر لَعَلِّي أَطَّلِعَ إِلَيْهِ مُوسَى تاکہ میں اُس کے اوپر سے جھانک کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکوں کہ وہ کیا ہے۔ وَأَنِّي لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ مفسرین کو اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرعون کے مذکورہ حکم کے مطابق کوئی محل یا مینار تیار بھی ہوا تھا یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے یہ حکم دفع الوقتی کے لیے ازارہ مسخر دیا تھا تاکہ درباری موسیٰ علیہ السلام کی بات سے متاثر نہ ہو جائیں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح روایت میں اس محل کی تیاری کا ذکر نہیں ملتا، صرف تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ ایمان نے پچاس ہزار کاریگر اور مزدور محل کی تیاری کے کام پر لگائے اور مینار کی شکل کا محل تیار ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون اس مینار نما محل کے اوپر چڑھا مگر وہ آسمان تک کہاں پہنچ سکتا تھا۔ اُسے کچھ نظر نہ آیا تو شرمسار بھی ہوا۔ اور تعصب و عناد کی بنا پر خدا تعالیٰ کا اس پر بھی کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کو اس کے اوپر چڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا جب محل تیار ہو گیا تو انہوں نے فرشتے کو بھیج کر اس کو گرادیا۔ اس کے تین ٹکڑے ہوئے۔ ایک فرعون کے شکم پر گر کر جس سے بڑی تباہی پھیلی، دوسرے حصہ پانی میں گر کر اوتیس حصہ دیے ہی منتشر ہو گیا۔ اور فرعون اپنی اس سیم میں بھی ناکام رہا۔

فرعون کا
تکبر

فرعون کے انکار، تعصب، ضد اور انکار کی وجہ یہ بیان فرمایا ہے وَأَسْتَغْبِئْهُ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تباہ اور غرور کیا۔ افتدار کے نشتے میں توحید کا انکار کیا اور خود الوہیت کا دعویٰ کیا، نبی کی بات کو ٹھکرایا۔ سُورَةُ النَّمْلِ میں موجود ہے وَيَجِدُوا فِيهَا وَأَسْتَقْبَلَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُظُمًا آیت ۱۴ کہ فرعون ظلم زیادتی کی وجہ سے احکام الہی اور معجزات کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے دل اسی

تصدیق کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں۔ جب فرعون نے انکار کر دیا۔ تَوَلَّاهُ
عَلَفَ دِينَ مَلُوكِهِمْ کے مطابق اُس کے حواریوں اور دیگر عایا
 نے بھی انکار کر دیا۔ جیسا حاکم ہوتا ہے۔ ویسے ہی اُس کے کارندے اور عام لوگ ہوتے
 ہیں، وہی وضع قطع اور وہی رسم و رواج سب اپناتے ہیں۔ لہذا اہل ایمان کے سوا
 ساری قوم نے انکار کر دیا مُحْضٌ تَجَرُّبٌ کی وجہ سے۔ اور دوسری بات انہوں نے یہ کی۔
وَقَالُوا أَنَّهُمْ رَاكِبُونَ لَا يُزْجَعُونَ کہنے لگے کہ ہم گمان کرتے ہیں
 کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ گویا انہوں نے معاد اور جزائے عمل
 کا بھی انکار کر دیا۔ کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام ہمیں تنوہ خواہ آنے والے اُن دیکھے دن کے
 خوف میں مبتلا کر رہا ہے، کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے جاؤ گے، اللہ
 کے حضور پیشی ہوگی، محاسبہ اعمال ہوگا اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا، یہی تو ان
 باتوں پر یقین نہیں آتا، ہم نہیں خیال کرتے کہ مرنے کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی طرف
 لوٹائے جائیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا فَلَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ ہم نے چڑ
 یا فرعون اور اس کے لشکر کو، اُن کی گرفت کا وقت آگیا فَنَبَذْنَاهُمْ فِي
الْيَمِّ اور اُن سب کو مندر میں پھینک دیا۔ یہاں تفصیل نہیں ہے دوسری باتوں
 میں موجود ہے کہ میلے کے دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مکمل گئے۔ مندر
 کے کنارے پہنچے تو اللہ نے اُن کے لیے بارہ راستے بنائے جن سے وہ گزرتے
 تعاقب میں فرعون اور اس کا لشکر بھی اپنی راستوں سے مندر میں داخل ہوا۔ مندر
 اللہ نے طرفین کے پانیوں کو ملا دیا، اور اس طرح وہ سب کے سب بحرِ فزیم میں غرق
 ہو گئے۔ تو فرمایا ہم نے اُن پر گرفت کی اور اُن کو پانی میں ڈبو دیا۔ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ پس دیکھ لو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ
 نے اُن کے غرور کو کس طرح خاک میں ملا دیا۔

نیز فرمایا وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى التَّوْبَةِ اور ہم نے

اُن کو ایسا پیشوا (لیڈر) بنایا جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں یعنی لوگوں کو گمراہ کر کے دوزخ کا ایندھن بناتے ہیں۔ پیشوا ہدایت کے بھی ہوتے ہیں اور گمراہی کے بھی۔ اللہ نے ذمہ داریوں کو گمراہی کفر اور دعوت الی النار کا لیڈر بنایا۔ دوسرے مقام پر عام مشرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نسلج بھی نہ کرو۔

كَيْزِدَ اُولَٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاٰذِنِهٖ (البقرہ - ۲۲۱) کیونکہ وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلا رہے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت اور اپنی مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرو اور دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اس دنیا میں کیے جانے والے کام آگے چل کر اُن کے لیے جزائے عمل میں تبدیل ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں کے اعمال انہیں سانپ، پھموں اور درندوں کی شکل میں کاٹیں گے اور بعض چنیریں آگ کی شکل میں تبدیل ہو کر گنہگاروں پر مسلط ہوں گی۔ اسی طرح اعمالِ حسنہ، باغاست، پھلوں، پھولوں اور حورو و قصور میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ترند و شریف میں آفتاب کہ جب کوئی بندہ مومن اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے اور زبان سے ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے جس میں اس کی محبت، عقیدت، تعظیم اور اخلاص شامل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے غرضیکہ کفر و شرک والے لوگ بظاہر تو کفریہ اور شرکیہ رسوم کی دعوت دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔

قیامت
دن یاری

فرمایا کہ دنیا کے اندر تو ہم ان لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت کا امام بنائیں گے وَكَيْوَمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْصُرُوْنَ اور قیامت والے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائیگی۔ نہ ان کا لشکر کام آئے گا اور نہ مال و دولت، تابع اور متبع سب منہم رسید ہوں گے۔ نہ کوئی سفارش کام آئیگی اور نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔ فرمایا اس دنیا میں یہ حال بھی ہوگا وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

لَعْنَةُ اس دُنیا میں ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی ہے۔ شرائع اللہ کے تمام پیروکار اور نیک لوگ ہمیشہ ہی کہتے ہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الظّٰلِمِیْنَ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ فرعونوں، کافروں اور مشرکوں پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ فرعون نے توحید کا انکار کیا، معاد کی تکذیب کی۔ رسولوں کی بات نہ مانی تو ہمیشہ کے لیے بمع اپنے متبعین کے لعنتی ٹھہرا۔ اُن کے لیے یہی تحفہ ہے وَلِیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ یہ لوگ قیامت والے دن برائی اور قباحت والوں میں سے ہوں گے۔ ان کی شکلیں تبدیل اور حال بُرا ہوگا، اگرچہ ہر قسم کی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ نے دنیا اور آخرت کی دونوں سزاؤں کا ذکر کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا
 الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بِصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً
 لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ
 إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
 الشَّاهِدِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَرَّ عَلَيْهِمُ
 الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو
 عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ
 بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ
 لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
 لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:- اور بہتر تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب بعد
 اس کے کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی قوموں کو یہ بصیرت کی چیز
 ہیں لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ہے ، تاکہ لوگ
 نصیحت حاصل کریں ﴿۴۳﴾ اور نہیں تھے آپ مغربی جانب
 جب کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام کی طرف معاف
 کا ، اور نہیں تھے آپ دیکھنے والوں میں ﴿۴۴﴾ لیکن ہم نے اٹھایا
 کئی قوموں کو پس دراز ہو گئی اُن پر زندگی ، اور نہیں تھے آپ

ٹھہرنے والے مین والوں کے درمیان کہ پڑھتے آپ اُن پر
 ہماری آیتیں، لیکن ہم ہیں بھیجنے والے رسولوں کو (۴۵) اور نہیں
 تھے آپ طور کے کنارے پر جب کہ ہم نے آواز دی تھی۔
 لیکن یہ مہربانی ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائے
 تو اُن لوگوں کو کہ نہیں آیا اُن کے پاس کوئی ڈرائے والا آپ
 سے پہلے، تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں (۴۶)

رابطہ آیات

گزشتہ رکوعات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بچپن سے لے کر
 کچھ حالات بیان کیے ہیں اور اُن پر آنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ ایک قبیلے کے
 قتل کے بعد آپ مین تشریف لے گئے۔ دس سال کے بعد واپس آئے تھے کہ
 رستہ میں کوہ طور پر اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت سرفراز فرمایا اور عصا اور یدِ بھیا بھی
 عظیم نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا۔ وہ سب
 مغرور لوگ تھے، نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ اللہ نے
 اُن سب سرکشوں کو بحرِ مملوک میں غرق کر دیا۔ فرمایا یہ لوگ کفر، شرک اور ظلم و زیادتی کے پیشوا
 تھے، دیکھو ان کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی گئی۔
 اور آخرت میں تو عذاب کے طور پر اُن کی شکلیں ہی تبدیل ہو جائیں گی اور پھر یہ ہمیشہ کے
 لیے جہنم کا کندہ نثار بن جائیں گے۔

تورات کا
 نزول

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت دو اقوام کی طرف تھی۔ ایک تو فرعون کی قبیلے قوم تھی اور
 دوسری آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی۔ اس مقام پر اللہ نے اپنی عظیم الشان کتاب تورات
 کے نزول کا ذکر کیا ہے جو آپ کی قوم بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے عطا کی گئی بنی اسرائیل
 جب بحرِ مملوک کو عبور کر کے صحرائے سینا پہنچے تو وہ فرعون کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے
 موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ پہلے تو ہم غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور فرعون کی
 قانون کے اسیر تھے، اب ہم آزاد ہیں لہذا ہمارے لیے کوئی قانون ہونا چاہیے جس

پر ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عمل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تو حکم ہوا کہ چالیس دن تک کوہ طور پر اعتکاف بیٹھو تو تمہیں کتاب تورات عطا کی جائے گی۔ تورات کا معنی ہی قانون یعنی لا (LAW) ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی جس کا ذکر قرآن پاک کی بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ آسمانی کتب میں سب سے زیادہ فوقیت اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کو حاصل ہے۔ دوسرے نمبر پر تورات، تیسرے پر انجیل اور چوتھے پر زبور ہے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے صحیفے بھی میں جو اللہ نے مختلف انبیاء علیہم السلام پر مختلف زمانوں میں نازل فرمائے۔ اس وقت دنیا میں جو مجموعہ بائبل موجود ہے، اس میں کل انتالیس کتابیں جمع کر دی گئی ہیں، اور اس کے ابتدائی پانچ بڑے ابواب تورات پر مشتمل ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی مِمَّا بَعْدَ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بعد اس کے کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ قرون، قرن کی جمع ہے جس کا معنی جماعت، قوم، گروہ، ملکیت یا ایک دور کے لوگ ہوتے ہیں۔ پہلی اقوام میں سے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور مدین والوں کو اللہ نے ہلاک کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی۔ کتاب تورات کی حیثیت کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے بَصَائِرَ لِلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے بصیرت کی چیزیں ہیں، سورۃ الاعراف میں قرآن پاک کے متعلق بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بصارت ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں، جب کہ بصیرت سے مراد دل کی روشنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں میں جو روشنی، نور، فہم اور فراست پیدا کر دیتا ہے۔ وہی بصیرت کہلاتی ہے۔ اور جس فرد یا قوم میں یہ چیز نہ پائی جاتی ہو وہ ظاہری آنکھیں کھٹکے باوجود اندھی ہے۔ اسی لیے اللہ نے پوری قوم نوح کو دوسلے اہل ایمان کے انھم

تورات کی
خصوصیت
بصیرت

سَكَاتُوا قَوْمًا عَمِيئِينَ (الاعراف ۶۴) اسی قوم کہا ہے انہوں نے دل کی آنکھوں سے
 اللہ کے حبیب اللہ ربی نوح علیہ السلام کو نہ پہچانا۔ اس لیے نام نہ ہوئے۔ اللہ نے سرفرازی سے
 مزیہ وضاحت دی ہے۔ فَإِنَّهُمْ لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ
 الَّتِي فِي الصُّدُورِ آیت ۴۶ ایسے لوگوں کی طبیعتی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں
 بلکہ ان کے سینوں میں پتے سے ہونے والی بنیانی سے محروم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا تواریث
 میں بصیرت کی باتیں بنیں دل کی آنکھوں کے ساتھ دیکھ کر ان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔
 فرمایا تواریث کی دوسری خصوصیت وَهْدَىٰ یعنی ہدایت ہے۔ جب
 ان میں فہم و فراست پیدا ہو جائے عقل و شعور آجائے حق و باطل کی پہچان ہونے
 لگے تو پھر اس کو ہدایت میسر آتی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ قرآن پاک بھی
 اہل ایمان کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے منافق آدمی فہم و فراست سے محروم ہوتا
 ہے۔ لہذا وہ دین کی سمجھ سے بھی عاری ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرما ہے
 مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفْتِنْهُ فِي الدِّينِ السَّعْيِ
 اپنے جس بندے سے بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے دین میں فہم و فراست فقہت
 اور سمجھ عطا کرتا ہے۔ مگر من فوق اس سے محروم رہتا ہے۔ کفار و مشرکین کے دلوں پر بھی
 کفر و شرک کے اندھیرے پھیلے رہتے ہیں۔ بعض لوگ بھی ہدایت کی روشنی سے بے بہرہ
 ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں پر بھی حجاب پڑے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں
 ہدایت میسر نہیں آتی۔ ہدایت تو جب ملے گی جب عقیدہ عمل اور خلاق درست ہوگا
 تواریث کی تیسری خصوصیت ذِیَا وَرَحْمَةً خَدَّ الْعَالِیٰ کی رحمت ہے جب
 ان کے دل میں سمجھ بکھر اور فہم پیدا ہو جائے اور وہ صحیح راستے پر ممان ہو جائے۔ اپنا
 عقیدہ، اخلاق اور عمل درست کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جائے گا۔ اُس کو اللہ تعالیٰ
 کی قربت اور اس کی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی مہربانیاں اور نوازشیں شامل
 ہو جاتی ہیں۔ فرمایا تواریث میں تین چیزیں یعنی بصیرت، ہدایت اور رحمت ہیں۔ اور ان
 کا مقصد یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

۱۲۱
 ہدایت

۱۲۱
 رحمت

خوارزمی

۱۔ ان پاک اور تورات کے مومن ائمہ کی بات میں بھی آیت میں "وہم ذرین یا تدریہ" نے حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کا تذکرہ بھی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سی قدریں مشترک ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو عظیمہ دشمنوں کا سامنا تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے جانی دشمن بھی موجود تھے جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر کفری آزمائشیں آئیں اسی طرح حضور علیہ السلام پر بھی آئیں۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک عظیمہ کتاب، بے غلط فرائی تو حضور سرور کائنات کو بھی عظیمہ امت ہے۔ کتاب وہی دونوں امتوں کے حالات بھی تھوڑے بہت طے جلتے ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی حقانیت کو بیان فرمایا ہے۔ درود اس طرح کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات بیان کیے ہیں اور آپ نے انہیں آگے امت کو بیان ہے، یہ بالکل سوفیصدی صحیح ہیں جن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ آپ نے قرآن مجید بھی ہے اور نہ کسی اور ذریعے سے آپ کو ان واقعات کا علم ہو ہے، تو ان کو جو تذکرہ امت کے سامنے بیان کر دینا ہی آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ امت نے آپ کے سامنے واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتا دیے۔

اکھلی آیت اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی صداقت اور وحی الہی کی حقیقت کے غور پر بیان فرمائی ہیں۔ ان آیات سے آنحضرتؐ عجلہ السلام کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کی ضرورتاً نفی ہوئی ہے۔ اِس تارِ نبوت و مَکْتُوبِ بَحَابِبِ الْغُرَبَاءِ رَدُّ قَضَائِنَا بِخُفِّ مُوسَى الْأَمْرِ اب اس وقت مغربی جانب تو نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے معاملہ کہ فیصلہ کیا۔ اس مغربی جانب سے صحرانے سینا کا وہ چار مار دیا ہے۔ جہاں سلسلہ نور بھی ہے اور جہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت عطا ہوئے تھے۔ یہ علاقہ حجاز سے مغربی جانب ہے، اسی لیے فرمایا کہ آپ اس وقت مغربی جانب تو نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو فیصلہ کیا تھا۔ وَمَا كُنْتَ مِنْكُمْ نَبِيًّا دین اور آپ وہاں موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو لے کر گئے والوں میں بھی شامل

منہ جہد
اور غریب

نہیں تھے۔ جو یہ واقعہ سنہ دیکھ کر بیان کیے ہوں۔ گویا آپ کے حاضر ہونے کی صحت کے ساتھ نفی کی گئی ہے، آگے سورۃ کے آغاز میں بھی رہے کہ ہم نے اپنی رسم سے یہ کتاب آپ کی طرف نازل فرمادی ہے جس میں یہ سارے واقعات آئے ہیں وگرنہ آپ کو ان کو کیا علم تھا۔ کس قدر افسوس کہ مہتمم ہے کہ آج لوگوں نے بلاوجہ حاضر و ناظر اور علم غیب کا عقیدہ گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی صفات مختلفہ میں شامل ہیں اور ان میں کوئی دوسری سستی شریک نہیں۔ صفت خلق، تدبیر، اختیار یہ سب صفات مختلفہ میں۔ اہم شاہ ولی اللہ اپنی کتاب تفہیمات الہیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی صفات مختلفہ کی جمیوں سے نفی کرنا واجب ہے، ثُمَّ قَدْ رَسَخَتْ عَلَى خَلْقٍ سَبْعٌ علم غیب ہے۔ نہ تو کسی کو یہ کہہ نے کی قدرت ہے اور نہ ہی کوئی غیب جانتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے مطلع کر دیتا ہے تو نبی کو علم ہو جاتا ہے۔ غیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطہ کے خود بخود ہوا اور یہ خاصہ خداوندی ہے، انبیاء و صلحاء اولیاء سے علم غیب کی نفی ان کی قطعاً تو نہیں ہے۔

بہر حال فرمایا کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر نبوت عطا فرمائی تو آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَتْ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ مگر ہم نے بہت سی قوموں کو پیدا کیا، پھر ان پر زمانہ کی دراز ہو گئی، وہ کثرتِ ظلم و زیادتی کے منکب پر تھے تو اللہ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ کہ گذشتہ آیات میں فرعون اور اس کی قوم کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے یہی فرمایا۔ وَمَا كُنْتَ تَأْوِيَاهُمْ أَهْلِ مَدْيَنَ آپ مدین والوں میں بھی خیمہ نہیں تھے تَتَلَوْا عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے۔ مدین واقعہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ہے جس نے ہی آپ کو بتلایا۔ آپ کوئی غیب جانتا تو نہیں ہیں۔ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ بلکہ ہم رسولوں کو بھیجتے والے ہیں۔ ہم ان پر وحی نازل کر کے سابقہ واقعات سے آگاہ کرتے ہیں، آئندہ حالات سے مطلع کرتے ہیں اور پھر انہیں ایک لائحہ عمل عطا کر کے تبلیغ کا حکم دیتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام ایک مجلس میں شہید فرما تھے۔ ایک یہودی نے تحقیق سے
 بارے میں سوال کیا۔ آپ نے قدم سے حرکت نہ کی اور جواب دیا اور یہودی چونکہ حضور
 نے صحیح ثابت فرمایا کہ جب یہودی نے حجت میں کر دیا سوال کیا تو مجھے جواب معقول نہیں
 تھا۔ اللہ نے فوراً جبرائیل کو نازل فرما کر سوال کا جواب بھیج دیا جو یہودی کے علم کیمیا ہی
 بھی درست تھا لہذا وہ سبھن کو حیران کر گیا۔ اس سے بھی آپ کے علم الغیب ہونے کی نفی
 ہوتی ہے۔

آگ فرمایا وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا بِكَ
 کے کہنے پر بھی نہیں تھے جب ہم نے آواز دی تھی کہ اے موسیٰ! آپ کوئی مقدس
 میں ہیں۔ اپنے جوتے اتار دیں۔ میں نے تجھے نبوت رسالت کے لیے منتخب کیا
 ہے اب تم میرا پیغام فرعون اور اس کے سرداروں کو جا کر پہنچا دو۔ فَرِيقًا وَلَكِنْ رَحْمَةً
 مِّنْ رَبِّكَ یہ تفسیر ہے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے جو تمہیں ان حالت سے
 مطلع کر رہا ہے، وگرنہ تم تو وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔

فرمایا یہ رحمت ہے تیرے پروردگار کی عرفت سے لِيُنْذِرَ قَوْمًا مِّنْ
 أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تاکہ آپ درمیان ان لوگوں کو ہونے کے
 پاس آپ کے پہلے کوئی ذرات والا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پوری دنیا میں
 کوئی ڈرنے والا نہیں آیا بلکہ اس سے اہل عرب مراد ہیں کہ ان کے پاس حضرت کا یہ پیغام
 کے بعد طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا اور پھر اللہ نے آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو
 کو مبعوث فرمایا۔ عرب بھی ابتدا میں صحیح دین ابراہیمی پر تھے مگر حضور علیہ السلام سے تقریباً
 پانچ سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں یہاں شرک کی ابتدا ہوئی۔ لوگوں کی حالت
 اکثریت مشرک ہو گئی اور اس دوران حضور علیہ السلام سے پہلے کوئی ذرات والا نہیں آیا تھا۔
 یہاں پر قَوْمًا کا لفظ خاص طور پر توحہ طلب ہے۔ آپ کی سہمی حیثیت
 تو قومی نبی کی ہے کہ آپ سرزمین عرب میں عربوں میں مبعوث ہوئے اور تبلیغ کی ابتدا بھی
 یہیں سے ہوئی۔ مگر اللہ نے آپ کی زبان سے یہ بھی کہلایا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

قومی اور
 بین الاقوامی نبی

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا بِالْاَعْرَافِ - ۵۹ اے لوگو! میں تم
 سے۔ اُن دنوں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لَتُنذِرَ اُمَّ الْقُرَى وَمَنْ
 حَوْلَهَا (انعام - ۹۳) تاکہ میں اے اہل مکہ و مکہ والوں کو ڈراؤں۔ وَمَنْ
 بِالْاَعْرَافِ - ۱۹ اور ان کو جس جہاں تک کہ یہ قرآن پہنچے۔ عصبہ یہ کہ دنیا کے کونے کونے
 تک۔ خدا کا یہ پیغام پہنچے گا اور میں ان سب کے لیے ڈرانے والا یعنی نبی اور رسول
 ہوں۔ تو گویا اس کا خط سے آپ ہیں اور فرمائی بھی ہیں۔ قریش اور عربوں کی سعادت
 بھی آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب کہ تمام اقوامِ عالم کی سعادت کی وابستگی میں آپ
 ہی کے ساتھ ہے۔ خدا کا زمان ہے کہ آپ عربوں کے معلم میں درمیان یہ پیغام ان
 کے ذریعے اقوامِ عالم تک پہنچے گا۔ چنانچہ قرآنی مشن کو پوری دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ
 حضورِ عظیمِ سرمد کے تھے۔ یہ گواہی دیتی ہے کہ آپ کو اقوامِ عالم کو ڈرانے
 پر، مَوْكِبًا بَعَثْنَاهُمْ لَتَذْكُرُوْنَ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کر لیں۔
 اس میں حق کی بات ہے کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

وَلَوْلَا اَنْ تَصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ
فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتَكَ
وَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۴۷ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَا اُوْتِيَ مِثْلَ مَا اُوْتِيَ مُوْسٰى اَوْ لَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٌ
تَّظَاهَرًا وَقَالُوْا اِنَّا بِكُلِّ كٰفِرُوْنَ ۴۸ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاَتُوْا بِكِتٰبٍ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهَا اَتَّبِعُهُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۴۹ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاَعْلَمْ اَنَّكَ
يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاَءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ اَتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ
هُدٰى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظٰلِمِيْنَ ۵۰ ﴿۵۰﴾

ترجمہ :- اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ پہنچتی اُن کو کبھی مصیبت
اُن کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تو وہ کہتے کہ اے
ہمارے پروردگار! کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف رسول پس
ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اور ہوتے ہم ایمان والوں
میں سے ۴۷ ﴿۴۷﴾ پھر جب آیا اُن کے پاس ہماری طرف سے حق
تو کہا انہوں نے کہ کیوں نہیں دی گئی اس نبی کو مثل اُس کے جو
موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی کیا نہیں کفر کیا انہوں نے اُس چیز کے

ساتھ جو ای گئی موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے انہوں نے کہا کہ دو جادوگر آپس میں موافق ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم سب کچھ کر کے آئے ہیں (۳۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میں نے کوئی کتاب اللہ کی طرف سے جو زیادہ راہ بتلانے والی ہو ان دونوں اکتاہوں سے کہ میں بھی اُس کی پیروی کروں، اگر تم سچے ہو (۳۹) پس اگر یہ نہ جواب آئے تو آپ کی بات کا آپس یقین جانیں کہ بیشک یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشات کی بغیر اللہ کی ہدایت کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں رہ دکھاتا ہے انصاف قوم کو (۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کرنے کے بعد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت و رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے واضح طور پر فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام! جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت عطا ہو رہی تھی تو آپ تو وہاں موجود نہیں تھے۔ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تھی تو آپ نے تو وہ آواز نہیں سنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب واقعیات ہم نے اپنی خاص مہمانی سے ہدیہ دے دی آپ کو بتلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نبی اور رسول بنایا ہے اور آپ کو ایک عظیم المہبت کتاب بھی عطا فرمائی ہے۔ مقرر ہے کہ آپ اس کتاب کے نیلے اُن لوگوں کو خبردار کریں اور ڈرا دیں جن کے پاس پہلے کوئی منہ نہیں آیا۔ یہ اشارہ خاص طور پر مشرکین عرب کی طرف ہے جن میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک نہ کوئی نبی آیا، نہ کوئی کتاب نازل ہوئی۔ اس سرزمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اور پھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں کوئی نبی نہیں آیا۔

اور اس ضمن میں نزول قرآن کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْلَا اَنْ
نُصِيبَهُمْ مُّصِيبًا مِّمَّا قَدْ مَتَّ اٰیِدُهُمْ اور اگر ایسا نہ ہوتا
 اور ان لوگوں کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے کبھی عیسیت نہ ملتی
فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ لَنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعُ لَبَّاسًا
 تو یہ لوگ کہہ اٹھتے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ
 ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے وَنَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم بھی ایمان
 لانے والوں میں ہوتے۔ ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے
 اہل عرب میں کوئی نبی آیا اور نہ کتاب، تو اللہ نے اس غدر کو رفع کرنے کے لیے
 فرمایا ہے کہ اگر ہم نئی آخر دنیاں کو بھی عربوں میں مبعوث نہ کرتے اور پھر ان پر کوئی
 مصیبت آجاتی تو فوراً کہہ دیتے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول ہی نہیں آیا جو ہمیں صراطِ مستقیم
 کی تعلیم دیتا اور ہمہ غلبہ اپنی سے بچ جاتے۔ اب اللہ نے گویا اپنا آخری نبی
 اور آخری کتاب ازل کے مشرکین عرب کے منہ بند کر دی ہے۔ سورۃ المائد میں اس
 قسم کا خطاب اہل کتاب سے بھی کیا گیا ہے کہ کل قیامت دے دن یہ نہ کہنا مگر
جَاءَنَا مِنْ اَبَشِيْرٍ وَلَا نَذِيْرٍ ایت ۹ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری
 دینے والا اور ڈرنا یوں نہیں آیا فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَنَذِيْرٌ (آیت ۱۰) دیکھ لو تمہارے پاس
 بشیر اور نذیر آچکا ہے، اب تمہارا کوئی غدر قابل قبول نہیں رہا، غرض اللہ تعالیٰ
 نے ہر ملک اور قوم میں اپنے امید مبعوث فرما کر لوگوں کو حق و باطل سے سکھانے کا کردار
 ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہمیں نہ ایسی دینی جا رہی ہے جس
 کہ ہمیں بتانے والا کوئی رسول تو آیا ہی نہیں۔ دوسری جگہ یہ بھی آتا ہے کہ ہم تو اپنے
 آباء و اجداد کے طریقے پیروی چلتے رہے، ہمیں کوئی سمجھانے والا ہی نہیں آیا، اللہ نے
 فرمایا کہ ہم نے اپنا آخری رسول اور کتاب بھیج کر یہ تمام اعتراضات رفع کر دیے ہیں
 پہلے تو وہ رسول کے نہ آنے کا غدر پیش کرتے تھے فَلَمَّا جَاءَهُمْ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا ہے۔ یعنی
 اللہ کا آخری نبی بھی مبعوث ہو گیا اور اللہ نے اپنی آخری کتاب بھی ازل سے فرمادی۔

قَالُوا لَوْلَا آتُوتُكَ مِثْلَ مَا آتُوتُ مُوسَىٰ تَوَكَّنْ عَلَيْهِ يَحْذَرُكَ أَتَىٰ مِثْلَ مَا آتَىٰ مُوسَىٰ
 نہیں دی گئی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ یہ دوسرا اعتراض کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو
 توحید اور یہ بنیاد جیسے عظیم معجزات عطا کیے گئے تھے، ویسے معجزات نبی آخر الزمان
 کو کیوں نہیں دیے گئے۔؟ اور موسیٰ علیہ السلام کو تو پوری تورات تختیوں پر لکھی ہوئی تھی
 بیک وقت دی گئی تھی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک تھوڑے تھوڑے کلمے کے
 کیوں نازل ہوتا ہے؟ مطلب یہ کہ جب اللہ کی طرف سے حق آئی تو انہوں نے
 پھر بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا انکار ہی کیا۔

اللہ نے فرمایا کہ میں نے اب تو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دین کی کتاب
 کا حوالہ دیتے ہیں اور ویسی ہی چیز کو تسلیم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ مگر ان سے یہ
 پوچھو کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سوال کیا؟ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا
آتُوتُ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ کیا وہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی چیز کا انکار نہیں کر
 چکے؟ جب یہی اور یاروں علیہما السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا قَالُوا سِحْرَانِ
تَظَاهَرَا تو کہنے لگے کہ یہ دونوں جادو گروں جو ایک دوسرے کے موافق بن کر گئے ہیں
 ان دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔ ہم ان کو نبی ماننے سے تیار نہیں وَقَالُوا لَوِ
إِنَّا بِكُلِّ كَافِرٍ مِنْكُمْ سَبَّحُ ہم سب کا انہا کو کہتے ہیں۔ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا یہ
 جھوٹ بولتے ہیں۔

شاید عداوت رکھتے ہیں کہ مشرکین نے پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو
 مذکور کیا کہ ایسے ہی معجزات حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تو ہم تسلیم کر لیتے
 پھر جب یہودیوں سے تبادلہ خیال کیا تو یہ چرچہ کہ تورات کی باقی تو ہمارے خلاف
 پڑتی ہیں۔ مثلاً تورات میں بت پرستی کو کفر اور بدعت، بعد الموت کو برحق قرار دیا
 ہے نیز یہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح حرام ہے۔ تورات میں نبی آخر الزمان کی بعض
 نشانیاں بھی ملتی ہیں۔ آپ پر صادق آتی ہیں۔ تو پھر کہنے کے بعد انہوں کا انکار
 کرتے ہیں۔ نہ تورات کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کریم کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں

سورۃ الفرقان ص ۴۴ (فیاض)

کتاب میں بہت غلط جاتی ہیں۔ جب کتابوں کو اسم رکب تو رسولوں کو ہیں انکار کر دیا۔ اور
موسیٰ اور حضور علیہما السلام دونوں کو جادو کر کہہ دیا۔ واضح ہے کہ قرآن اس بات کی تصدیق
کرتا ہے کہ تورات کی بہت سی باتیں اب بھی قرآن سے طاقت رکھتی ہیں انکار
اہل کتاب نے اس کتاب میں بہت سی تحریفات کیں ہیں۔

بہتر کتاب
کا چیلنج

آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ انکار تو شرک میں تورات و قرآن اور موسیٰ اور حضور علیہما السلام
صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر اسے نفیہ! آپ ان کو چیلنج کرتے ہیں
قُلْ اَپْ كَر دِي فَاتُوْا بِيْكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَاْمُرُوْا الرَّمِيْهِ تَوْرٰتِ
وَقُرْآنِ مِّنْ سُوْرٰتِ یہ تو پھر اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ هُوَ اَهْدٰى
مِنْهُمَا آجہان دونوں سابقہ کتاب کے زیادہ ہدایت دہندہ ہو۔ اگر اسے قبول کر دے
ایسی کتاب اَتَمُّهُ تا کہ میں بھی اسی کتاب کی پیروی کر لوں۔ فرمایا اس چیلنج کو
قبول کر دے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ یہ تو شرک میں
سے خطاب تھی۔ اللہ نے یہودیوں سے بھی بار بار کتاب کرتے چنی تورات کے
اسم پر فائدہ نہیں سہے بلکہ انہیں مجتہد بات تورات اور قرآن کے بہت سے حکام
اب بھی ملتے جلتے ہیں مگر تم اسے کہتے ہو فَاتُوْا بِالسُّوْرٰتِ فَاسْتَوْهٰ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آل عمران ۹۲) اگر سچے ہو تو روز تورات اور پھر
دیکھو کہ اس کے احکامات کیا ہیں اور تم نے کونسا دین بنا رکھا ہے۔

پیش در میں تورات جو نیا دہر تبت کتاب تھی جس میں احکام محدود تھے
اور اخلاقیات ہر قسم کی تعلیم موجود تھی۔ پھر آخری دور میں اللہ نے قرآن کریم کو ابھور
آخری کتاب نازل فرما کر سابقہ کتاب کا وہی کے تمام مضامین اور اس کے علاوہ بھی
ہزاروں قسم کے علوم و معارف اس کتاب میں نمودار کیے ہیں۔ بہر حال تورات اور قرآن
اللہ کی عظیم کتابیں ہیں۔ اللہ نے مشرکین کو کفر کو چیلنج کیا ہے کہ اس سے زیادہ
دلہانے والی کوئی کتاب ہے تو اس کو تسلیم کر لیں گے۔

بہتر کتاب
کا چیلنج

اللہ نے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ آپ

بیت کا جواب نہ دے سکیں یعنی پہنچ قبول نہ کریں۔ فاعلم انما يتبعون
 اهلؤاھم تو آپ یقین جیسے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔
 اللہ اور اس کے رسولوں کے احکام کو مٹا دینے کے خواہشات انسانی کے پیچھے لگے
 ہوئے ہیں۔ خواہشات کی پیروی دراصل شیطان کا اتباع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا
 ارشاد ہے وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ ۱۶۸) شیطان کے
 نقش قدم پر بہت چوک کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو کوئی شیطان کے
 نقش قدم پر چلے گا۔ وہ منزل مقصود میں پہنچ سکتا اور خطیۃ القدس کا ٹمبر بن
 سکتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوٰیہ
 بَغْیْرِ هُدًی مِّنْ رَبِّہٖ اُس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے
 بغیر خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے اَرَاَیْتَ مَنِ
 اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ هَوٰیہ (بیت ۴۳) کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس
 نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنالیا ہے۔ وہ اسی طرح خواہشات کی پیروی کر رہا ہے
 جس طرح معبود پر حق کی اطاعت کرنی چاہیے۔ غرضیکہ خواہشات انسانی بہترین معبودیت
 جس کی اطاعت کی جائے۔ اور یہی گمراہی کا سبب ہے۔ خواہشات میں غصہ اور
 اجتماعی قویں۔ مگر قسیدہ کی خواہشات شامل ہیں۔

نظام امور
 کی طرف

فَرَاہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ
 بے انصاف لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا اور وہ ہمیشہ اس سے محروم رہتے ہیں
 صراطِ مستقیم ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں حقیقت کو پہنچنے کی طلب
 ہوتی ہے۔ جو لوگ کفر، شرک اور بدعت پر اترے رہتے ہیں۔
 وہ ہدایت یافتہ نہیں بن سکتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن پاک کا فیصلہ یہ ہے۔
 نُوَلِّیْہِ مَا تَوَلّٰی وَنُصَلِّیْہِ بِجَہَنَّمَ وَتِلْكَ مَیْمَنُ النّٰسِ
 والنساء ۱۱۵ کہ یہ لوگ جس طرف جانا چاہتے ہیں، جس گمراہی کی دلدل میں چھینچا رہے
 ہیں، اُسی کی توفیق دیتے ہیں۔ ان کا ہالہ خرقہ کا، جہنم ہوگا، جو کہ بہت
 ہی بُری جگہ ہے۔ غرضیکہ ظلم کی موجودگی میں ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ
 آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾
 وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
 رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ
 أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ
 السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا سَمِعُوا
 اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
 أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾
 إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بلا دیا ہے ان لوگوں کیلئے
 (نصیحت کی) بات کو تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ وہ لوگ
 جن کو ہم نے کتاب دی ہے اس سے پہلے وہ اس پر ایمان
 لاتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے اُن کو تر
 کتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر ۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے
 پروردگار کی طرف سے ۔ تحقیق تمہے ہم اس سے پہلے فرمانبردار
 کرنے والے ﴿۵۳﴾ ہی لوگ ہیں جو دے جائیں گے بدلہ دوہرا

اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہٹاتے ہیں وہ جہلی کے ساتھ برائی کو۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۵۴) اور جب سنتے ہیں وہ کسی بیوقوف بات کو تو اُس سے کنرا کشتی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال میں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ سلام ہو تم پر، ہم نہیں اچھے جہالت والوں کے (۵۵) اُسے پیغمبر! بیشک آپ نہیں روبرو رہتے جس کو آپ چاہیں مگر اللہ تعالیٰ روبرو رہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہ بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو (۵۶)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا کہ وہ ایمان کی بات قبول کرنے کی بجائے ہدایت کی بات کو ماننے کی کوشش کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات کیوں نہیں لایا اور کبھی کہتے ہیں کہ آپ پر پورا قرآن یکجا آگئی نہیں لازلہ جوار اللہ نے جو باریک بینی اور غنایں لوگ ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اب تو یہ موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ مگر جب خود حکیم اللہ معجزات اور تورات لے کر آئے تھے تو کیا اُس وقت انہوں نے تسلیم کیا تھا؟ نہیں بلکہ ان بدبختوں نے اس وقت بھی اُن کو جھٹلایا تھا۔ آپ کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا۔ اور آپ کو جادوگر نہادیا۔ ان کو تو انکار کے لیے کوئی نہ کوئی ہانا چلبیسے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہدایت اُس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس کی طلب کرتا ہے اور جو خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔ جب تک ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آجائیں، وہ ہدایت کو نہیں پاسکتے۔

ہدیت تسلسل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت کے تسلسل کو اس طرح واضح کیا ہے۔
وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ اَوَّالِبَةً تَحْتَقِمْ اَمَّا يَوْمَ يَدْعُ اِلَيْهِمْ فَيَقُولُ سُبْحٰنَكَ يٰرَبِّ اِنَّا كُنَّا فِي سُبْحٰنٍ
ان لوگوں کے لیے۔ نزول قرآن کے زمانے کے لوگوں کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ

جس طرح پہلے روزیہ کے پاس ان کے لڑی ہدایت کہ وہ ان سے ملے رہے ہیں۔
 اسی طرح آخری وقت کے لوگوں کے پاس بھی ہمارا آنا ہی کتاب ہدایت کے لئے کرنا
 ہے۔ نبی آخر الزمان سادہ تمام انبیاء اور کتب سادہ کی تصدیق کرتا ہے جس کا صاحب
 یہ ہے کہ اللہ نے سادہ اور موجود ہدایت کی باتوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے۔ مفسرین کثیر
 فرماتے ہیں کہ **وَصَلَّيْنَا مَاطَلَقَ قَدَآئِیَ آیَاتِ** یہ بھی کیا جاسکتا ہے یعنی ہم قرآن پاک
 کی آیات کو یکے بعد دیگرے نازل فرما کر ان کو آپس میں مربوط کر دیا ہے۔ اللہ نے
 توہرات کی طرح قرآن کو یکجا رکھی نازل نہیں کیا بلکہ ۲۳ سال کے عرصہ میں تہذیب و تمدن
 کر کے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے **وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ**
لِتَقْرَأَهُ النَّاسُ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا یعنی ہم نے قرآن کو
 ہم نے قرآن کو تہذیب و تمدن کر کے نازل کیا تاکہ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سہل اور
 نے اس کو آہستہ آہستہ آراستہ و سوزناکھل میں یہ حکمت بھی بیان فرمائی ہے **وَأَنزَلْنَا إِلَیْكَ**
الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَآ نَزَّلَ إِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
 آیت ۲۴۔ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگوں پر واضح کر دیں
 جو کچھ ان کی طرف اترا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ طلب یہ کہ قرآن پاک کے
 بتدریج نزول میں خاص حکمت ہے جس طرح طلب کو تہذیب و تمدن اسبق دیا جاتا ہے
 کہ انہیں اچھی طرح ضبط ہو جائے۔ اسی طرح قرآن پاک کو بھی تہذیب و تمدن کر کے
 نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اس کے احکام و مہمیں طرح سمجھ سکیں۔ ان پر عمل کر سکیں اور اگر
 کسی حکم میں کوئی اشکال ہو تو اس کی وضاحت کر دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے **وَكُلًّا**
شَیْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا یعنی اس نے ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ
 بیان کر دیا ہے غرض یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کو یکے بعد دیگرے نازل کر کے
 جوڑتے چلے گئے ہیں تاکہ لوگ ان کو ضبط کریں۔ ان میں غور و فکر کریں **لَعَلَّهُمْ**
يَتَذَكَّرُونَ تاکہ وہ ان سے نصیحت حاصل کر سکیں۔

انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کی تعریف بیان فرمائی کہ جو ہمیں

سے منظر ہوی ص ۲۴۱ (فیاض)

اہل کتاب
 کی تعریف

کست ہوں پر ایمان کہتے تھے، پھر جب قرآن نازل ہوا تو انہیں کو بھی قبول کیا۔
 ارشاد ہوتا ہے **الَّذِينَ اتَّخَذُوا كِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ** وہ لوگ
 جن کو جس نے کتاب دی تھی اس قرآن سے پہلے قرآن سے پہلے مشرکوں کی
 سمادیر تورات اور انجیل تھیں جن کے ماننے والے یہودی اور نصاریٰ کہلاتے ہیں۔
هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی
 اکثریت تو اپنی ضد اور عناد پر ہی اڑی رہی اور اللہ نے ان کے متعلق فرمایا۔ **وَإِنَّكَ**
أَكْثَرُكُمْ فَسِقُونَ (المائدہ ۵۹) کہ ان کی اکثریت تو فاجر لوگوں کی تھی، تاہم
 ان میں بعض نبی آئمہ الزمان اور قرآن پاک پر ایمان بھی رہے۔ مدینہ کے بہت کم یہودی
 تھے جو مشرک تہا سہمہ ہوئے، عبداللہ بن سہمہ اور ان کے ساتھیوں نے ایمان قبول
 کیا وہ بڑے عالم فاضل تھے، آپ کے دو بھتیجیوں میں سے ایک ایمان لایا، جو
 صاحب علم تھا۔ تمیمہ ذری کو ذکر کرتا ہے۔ وہ پیغمبر کی تھے، پھر عثمان ہوئے۔
 بیرون عرب ہشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت عثمان اور حضرت جعفرؓ کی دعوت
 پر ایمان قبول کیا۔ جب یہ لوگ مکے سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، نجاشی کے عہدہ
 کچھ اور لوگوں کو بھی ہدایت نصیب ہوئی، انہوں نے حضورؐ کی مدد علیہ وسلم کی خدمت میں
 حاضر ہو کر ایمان قبول کیا، اگرچہ نجاشی خود حضور علیہ السلام کی زیارت مشرف نہ ہو سکا۔ ہشہ
 کے جن نصہ نبیوں نے ایمان قبول کیا، تاریخی روایات میں ان کی تعداد بیس کے
 لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ تاہم سورۃ المائدہ میں ان کی رفیق انجیلی و توراتی بیان
 کی گئی ہے **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ**
تَفِئْضُ مِنَكَ لَدَمْعٍ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ (آیت ۱۳) جب
 انہوں نے اس چیز کو سنا جو رسول کی طرف نازل کی گئی ہے تو آپ نے دیکھا کہ ان کی
 آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا اور ان کے دلوں
 میں ایمان راسخ ہو گیا۔ جب ابو جہل وغیرہ کو حبشہ کے ان لوگوں کی آمد کی خبر ہوئی
 تو کہنے لگے کہ یہ کتنے بیوقوف لوگ ہیں جو ابھی تحقیق کرنے کے لیے آئے ہیں۔

کہ یہاں واقعی کوئی نبی آیا بھی ہے یا نہیں، مگر ایمان قبول کر کے جانے میں سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ ان لوگوں نے ہی جواب دیا تھا جو آگے اسی درس میں آ رہے تھے یعنی ہمہ جاہلوں سے اچھے نہیں۔ تمہارے کہہ رہے ہیں اور ہمارے لیے ہیں اور ہمارے لیے ہیں۔ تمہارا تہ پر قلم رہا۔ ہم تو ایمان لاتے ہیں۔

دوسرے
کے مستحقین

فَرَاوَادُ يُثَلِّیْ عَلَیْہِمُ اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے اُن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ قَالُوا اَمْتَابِہِ وہ بتاتے ہیں ہم نے ایمان لائے اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا کیونکہ یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہِ مُسْلِمِیْنَ ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبردار تھے یعنی ہمارا اس کتاب پر بھی ایمان ہے اور جس نبی پر یہ کلام نازل ہے۔ ہم اس کی رسالت کی بھی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔ اُولَئِکَ یُؤْتُوْنَ اَجْرَہُمْ مَرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا کہ اُن کو دوبرا اجر دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ پہلے وہ سابقہ دین پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر جب اللہ کی آئندہ نبی آگئی تو اُس کو تسلیم کیا اور اُس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانا جس کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر انہوں نے صبر و استقامت کو دامن نہ چھوڑا اور اللہ کے چنے دین پر تہی ہے۔ یہ لوگ دوسرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص کے پاس لڑائی تھی، اُس نے اُس کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کیا۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ لہذا وہ بحیثیت لڑائی بھی اس سے استفادہ کرتا تھا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوبرا اجر عطا فرمائے گا۔ دوسرے وہ شخص بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے جو کسی کا غلام ہے، آقا کی خدمت بھی کرتا ہے اور خدا کی عبادت بھی اچھے طریقے سے کرتا ہے، اس میں کمی نہیں آنے دیتا۔ فرمایا تیسرا شخص وہ ہے کہ پہلے نبی اور پہلی کتاب پر ایمان رکھتا تھا جب اللہ کا آخری نبی آیا، اور اس کی آخری کتاب آئی، تو وہ اُن پر بھی ایمان لایا۔ یہ بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے۔

شیخ ابن عربی بات اس صرح سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب کو دوسرا اجر اس وجہ سے
 ملے گا کہ پہلے وہ اپنے نبی اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے، پھر جب حضور خاتم النبیین
 علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو وہ آپ پر اور قرآن پر بھی ایمان لائے۔ چونکہ
 حضور علیہ السلام تمام سابقہ انبیاء کے مصدق ہیں۔ لہذا آپ کے ضمن میں بھی اپنے نبی
 پر ایمان لانا ثابت ہوا۔ آخری امت کے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام
 نبیوں پر ایمان لائیں کیونکہ ایک نبی کا انکار بھی کفر کے مترادف ہے۔ بہر حال اہل کتاب
 کلمہ نبی پر دوسرے ایمان لانا ثابت ہوا۔ لہذا انہیں دوسرے اجر کی بشارت
 دی گئی ہے۔

برائی کے
 بدلے بعدی

ان لوگوں کی ایک اور صفت یہ بیان کی گئی ہے وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةَ اور ہٹاتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ برائی کا جواب
 برائی سے دینے کی بجائے بھلائی سے دیتے ہیں۔ کسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش
 آنا بلاشبہ دوسرے کو متاثر کرتا ہے اور اس کے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہی چیز
 ایمان متبول کرنے کی بنیاد بھی بنتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ
 بن جبلؓ سے فرمایا تھا اتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ اگر کوئی برائی کا کام کر دیتا
 تو اسکے بعد فوراً نیکی کر۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ برائی کے بعد
 نیکی کرو گے تو برائی مٹ جائیگی۔ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ السَّيِّئَاتِ (آیت ۱۱۴) بیشک نیکیاں برائیوں
 کو مٹا دیتی ہیں۔ تو یہاں بھی اللہ نے برائی کے بدلے نیکی اختیار کرنے کی تعریف فرمائی ہے

انفاق فی
 سبیل اللہ

فرمایا جو لوگ دوسرے اجر کے مستحق بنتے ہیں اُن کی ایک صفت یہ بھی ہے
وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يُنْفِقُونَ اور جو کچھ ہمنے اُن کو حلال روزی دی ہے
 اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ حکم صرف اہل کتاب کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ
 تمام اہل ایمان کے لیے انفاق فی سبیل اللہ جزو ایمان ہے۔ اس ضمن میں سب
 سے پہلے قرآن کریم کو پورا کیا جائیگا، پھر واجبات اور مستحبات وغیرہ۔ ان اخراجات
 کے مظہر میں سبیل اللہ (فیاض)

میں از لولہ اور اولین حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ ائمہ نے ہر صاحب منصب پر فرض قرار دی ہے۔ اس کے بعد صدقہ فطر ہے۔ قرآنی ہے۔ جن لوگوں کے حقوق میں یہ حقوق وجہ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے حقوق اور فرائض اور غمہ کے یہ خرچ کروڑ مسافروں، غنا، باجس، کلبوں اور نادروں کی خبر رکھو۔ خون کی یہ مہارت قرآن پاک اور احادیث نبوی میں مذکور ہیں، پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ من مور یہ غنہ ہر دوری اور کون سی جگہ عرصہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ کعب، کلیل، کورد، اسلاو، ویتنام، روم، عرب اور شوبازی کے لیے غرق ہیں، کچھ غنیہ نہیں ہو سکتا جلد التوبال توبہ، کوہ، مانا، جازہ، مقامات پر خرچ کرنے سے دین اور دنیا دونوں برباد ہوئے۔ یہ جہاں جس خرچ کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ جائز اور مضروریہ کے اخراجات ہیں۔

لغوات
سے آئے ہیں

دوسرے اجد والوں کی ائمہ نے یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے وَلَا تَسْمَعُوا
الْفُتُوَاعَ مَضَوْنَ عَنْهُ جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو فنادشی اختیار
کر لیتے ہیں وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالٌ وَلكُمْ عُمَالُكُمْ اور یوں
کہتے ہیں کہ ہمارے یہ اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں
مگر تمہاری لغوات میں حصہ نہیں لیتے، تم اپنا کام کر رہے ہو، ہم اپنا بھی کام کر رہے
ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ یوں کہہ کر فسادات سے بچ سکتے ہیں سَلِّمُوا عَلَيْكُمْ
تم پر سلامتی ہو لَا تَسْتَفِي الْجَاهِلِينَ ہم جاہلوں کی تلاش میں نہیں آتے یعنی
نہ ہم ان کو منہ لگاتے ہیں اور نہ ان سے الجھتے ہیں۔ سلام دو قسم کا ہوتا ہے: ایک
سلامت کا کہ دوسروں آپس میں ملنے وقت سلام بھیج کر کہتے ہیں اور دوسرا
سلامت کا کہ سلامت کا ہے جس سے علیحدگی مل رہی ہوتی ہے کہ ہمارے آپس میں مناجات نہیں
ہو سکتا، نیک اور بد اکھٹے نہیں چل سکتے، لہذا ہم تم سے علیحدگی اختیار کرتے
ہیں جب تک کسی کی بات کو سننے، سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں تو پھر
ہمارے اور تمہارے کوئی واسطہ نہیں۔

مذہبیت
سے آئے ہیں

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی ہے وَلَا تَحْزَنْ

کی یہ خواہش تھی کہ ساری مخلوق ہدایت حاصل، کے خدا کے غضب سے بچ جائے مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ بات آپ کے دائرہ کار میں نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ جسے آپ چاہیں گے راہِ راست پہنچانے لگتے وَلَكِنْ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يُشَاءُ مگر اللہ راہِ راست پر لگتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ یہ اختیار اُس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کی۔ اُسے علم ہے کہ ہدایت حاصل کرنیکی استعداد کون رکھتا ہے اور کون اسکو مستحق صیح احادیث میں حضور علیہ السلام کے چچا ابوطالب کا واقعہ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام کی شدید ترین خواہش کے باوجود اس نے ایمان قبول نہ کیا۔ ابوبکر کے آخری لمحات میں حضور علیہ السلام اُس کے سر ہانے موجود تھے۔ آپ نے آخری کوشش کی اور کہا یا اعمہ قل لا اله الا الله اشهدك يوم نقيمة اني من قبلك لا اله الا الله کہ میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا۔ مگر اس نے یہ دعوت قبول نہ کی مگر اللہ نے وہاں اور کہا کہ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ہی مڑنا چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام کو براہِ صمد ہوا کیونکہ ابوطالب نے زندگی بھر آپ کو ساتھ دیا تھا۔ آخر سال کی عمر میں آپ کو کفالت میں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دس سال ہی آپ نبوت کے اظہار میں آپ کا ساتھ دہی دیتا رہا۔ حتیٰ کہ شعب ابی طالب میں آپ کے خاندان کے ہمراہ تین سال تک نظر بند رہی رہا مگر خاتمہ کفر اور شرک پر ہی ہوا۔ ایمان قبول نہیں کیا۔

مشرک کے لیے دُعا

جب ابوطالب نے ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا تو حضور علیہ السلام نے مایوسی کے عالم میں فرمایا کہ میں تیرے لیے اس کے ہو گیا کہ سننا ہوں۔ لَا سْتَغْفِرَنَّ لَكَ کہ تیرے لیے بخشش کی دعا ہی کریں۔ جب تک کہ مجھے روک نہ دیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَعْرَابًا مِمَّنْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (فیاض)

كَانُوا أَقْرَبُ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ انْتَهُم
 اصْحَابُ الْجَحِيْمِ (التوبہ - ۱۱۲) نہ تو یہ نبی کی شان ہے اور نہ کسی دوست
 مومن کی کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں اگرچہ وہ ان کے قریب ہوں
 ہی کیوں نہ ہوں۔ بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم والے ہیں مطلب
 یہ کہ اگر کسی کا باپ، بیٹا، بھائی، بیوی، چچا، بھتیجا کوئی بھی ہو اگر اس کا خاتمہ کفر
 شرک پر ہوا ہے تو اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا حرام ہے۔ ہاں! اس کی زندگی
 میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب فرمائے
 اور اگر وہ نہیں مانتا تو پھر نبی کی دعا بھی مقبول نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب راہِ راست
 پر لانا پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو پھر کوئی ولی، بزرگ یا پیر کیا کر سکتے ہے؟
 آج تو لوگ کہتے ہیں کہ پیر کا دامن چڑھ لیا تو ٹیڑھا پار ہو جائے گا، مگر نہ عقیدہ درست
 ہے، نہ اخلاق اور نہ اعمال تو ٹیڑھا کیسے پار ہوگا؟ مرشدانِ بیحق کا کام سیدھا راستہ
 بتانا ہے، لوگوں کی تربیت کرنا ہے۔ حق و باطل سے روشناس کرنا ہے، مگر
 منزلِ مقصود تک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔

وَقَالُوا إِن نَّبِيعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُنْخِطُفُ مِنْ أَرْضِنَا
 أَوَلَمْ نُمْكِنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ
 كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾
 وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فِتْلِكَ
 مَسِكَهُمْ لَمْ تُمْكِنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا
 نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ
 حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا
 وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا
 وَدِدْنَا مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا
 وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: اور کہا (اُن کفار و مشرکین نے) اگر ہم تابعہاری کریں
 ہدایت کی آپ کے ساتھ تو آپکے لیے جانیں گے ہم اپنی
 سرزمین سے (فرمایا) کیا ہم نے نہیں جگہ دی ان کو حرم
 میں بحالت امن کیجنی کر لے جاتے ہیں اس کی طرف پھل
 ہر قسم کے یہ روزی ہے ہماری طرف سے، لیکن اکثر ان
 میں سے سمجھ نہیں سکتے ﴿۵۹﴾ اور بہت سی ہلاک کیں ہم نے
 بتیاں کہ وہ اترا گئی تھیں اپنی معیشت میں پس یہ اُن کے

ٹھاکے ہیں۔ اس سیر کی ن اُن کے بعد مگر بہت کم، اور ہم ہی وارث ہیں (۵۸) اور نہیں تیرا پروردگار ہلاک کرنے والا بستیوں کو یاں تک کہ بھیج دے اُن کی مرکزی بستیوں میں سول جو پڑھتے ہیں ان پر ہماری آیتیں اور ہم نہیں ہلاک کرتے بستیوں کو مگر اس حال میں کہ اُن کے رہنے والے ظالم ہوتے ہیں (۵۹) اور جو چیز دی گئی ہے تم کو یہ سلطان ہے۔ دنیا کی زندگی کا اور اُس کی زینت ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی ہے والا ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (۶۰)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا کہ وہ ہدایت کی عدم قبولیت کے لیے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے کام لیتے ہیں۔ اور ساتھ اہل ایمان کو تسلی بھی دی کہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کے ہاں دوسرا اجر ہے۔ اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم رہنے والوں کے ایک حیلے بہانے کا ذکر کیا اور اُس کا جواب بھی دیا ہے۔

رَبُّ آيَاتٍ

ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں نُخَلِّفُ مِنْ أَرْضِنَا تو ہم ایک ایسے جائیں گے اپنی سرزمین سے۔ یعنی اگر ہم نے ایمان قبول کر لیا تو ہمیں مخالفین سے اپنی جانوں اور مال کا خطرہ ہے، وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ یہ قبولِ حق سے انکار کا محض ایک سبب تھا، وگرنہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بعض مشرکین نے خود حضور علیہ السلام سے بھی عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ برحق ہیں مگر ہم ایمان لا کر سارے عرب کو اپنا دشمن نہیں بنالینا چاہتے۔ طرف کے سامنے قبائل ہم پر چڑھائی کر دیں گے۔

مشکین کو
کاغذ دینا

اللہ نے جواباً فرمایا **أَوْ لَمْ تُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا** ایسا کیا ہم نے انہیں حرم

مقصود تک پہنچ جاتے تھے۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو جواب دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اگر ایمان لے آئے تو عرب قبائل میں کھانا نہیں گے، بجلا یہ تو بتاؤ کہ اب تمہاری حفاظت کون کرے گا؟ جب کہ پورے عرب میں لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا ہے؟ فرمایا کیا سمجھتے تمہیں امن والے عرصہ شریعت میں جبکہ نہیں دی جس خدا تعالیٰ نے اس وقت تمہاری حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے کیا وہ ایمان لانے کے بعد تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟ اللہ نے فرمایا تمہیں یاد نہیں کیفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (الفیل) اللہ نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو لوگ بیت اللہ کی حرمت کے پے ہوئے تھے انہیں چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ذریعے تباہ کر دیا اور نہ صرف بیت اللہ کی حفاظت فرمائی بلکہ تمہارے اوپر بھی کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ تو اب تم کیسے کہتے ہو کہ محض ایمان لانے کی وجہ سے مارے جاؤ گے۔

حرم میں
شر آوری

فرمایا یہ وہ عرصہ پاک ہے جُحْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رَزَقًا مِّنْ لَّدُنَّا کہ جس کی طرف ہر قسم کے پھل کھینچ کھینچ کر لائے جاتے ہیں ان کے کاغذہ بالکل بے آب و گیاہ خشک پھاڑے جہاں نہ کوئی درخت ہے نہ سبزہ۔ بس پھیلاتی دھوپ اور سڑتے ہوئے پاڑے اس طرح کے علاقے میں ہر قسم کے پھلوں کی فراوانی محض تالیہ خداوندی سے ممکن ہے۔ یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ جو انہوں نے حضرت جبریل اور اسماعیل علیہ السلام کو اس مقام پر آباد کرتے ہوئے کی تھی وَارْزُقْهُمْ مِّنْ ثَمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم - ۱۲۰) پروردگار! انہیں پھلوں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر ادا کریں۔ آپ نے یہ بھی دعا کی اے پروردگار! اِسْ كُمْ كَرَامِنَ وَالْاِنْبَاءِ - وَارْزُقْ اَهْلَكَ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اَمِنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ الْيَقُوْرُ - ۱۲۱ یہاں کے سب سے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ جو ان میں سے ایمان لے آئیں۔ اللہ نے فرمایا کہ البتہ کافروں کو بھی کچھ فائدہ پہنچاؤں گا۔ ثُمَّ اضْطُرَّ اِلَى

عَذَابِ النَّارِ الْبَقَرۃ - ۱۲۶ اور پھر گھسیٹ کر جہنم میں بھی داخل کر دیوں گا۔ بہر حال اللہ نے قریش مکہ کو یاد دلایا کہ اُس نے پیٹے ہی نہ صرف امن سے رکھا ہے بلکہ تمھاری روزی کو بندوبست بھی کر لیا ہے تاکہ دیا ہے اب ایمان کی عدم قبولیت کا تمھارا کوئی حیلہ ہمارے قابل قبول نہیں ہے۔ فرمایا وَلٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ وہ اپنی لاعلمی اور بے سمجھی کی وجہ سے ہی ہمارے تلاش کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تم کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو اللہ پیٹے سے کہیں بڑھ کر تمھاری حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف - ۱۲۸) اچھا انجام متقیوں کے لیے ہی مخصوص ہے۔

خوشحال
اقوام کی
حلاکت

اگلی آیت میں اللہ نے ناشکر گزاردوں کو سزا دینے کا قانون بیان فرمایا ہے۔ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قُرْيَةٍ كَانَتْ تُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَذَلَّلْنَاهَا ثُمَّ جَاءَهَا بِرُسُلِنَا فَأَتَتْهُمْ بَيْتُهَا مِنْ دُونِهَا وَكَانُوا شُرَكَاءَ فِي كَذِبِهَا سب سے پہلے وہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے غرور و تکبر میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ آسودہ زندگی کا شکر یہ ادا کرنے کی بجائے اپنی گزیران پر اتارنے لگے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اللہ نے مکہ والوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو! ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا فَتِلْكَ مَسْجِدُهُمْ لَمَّا تَسُكُنْ قَرْيَةً بَعْدَهُمْ لَاقِلِيلًا یہ اُن ہلاک شدگان کی رہائش گاہیں ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم ہی رہائش اختیار کی گئی ہے۔ سابقہ اقوام کے اکثر معذرت کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ قوم نمود کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں مگر دایاں کوئی رہائش نہیں ہے جب متنبی شاعر مصر گیا تو اُس نے ابراہیم مصر کے بعض نمونے دیکھ کر کہا تھا۔

أَيُّ الذِّیْ الْهَرَمَانِ مِنْ بُنْيَانِهِ
مَا قَوْمُهُ مَا يَوْمُهُ مَا الْمَصْرَعُ

الْقُرَىٰ ذَٰلِكَ أَهْلُهَا ظَالِمُونَ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ
 اس کے باشندے ظالم لوگ تھے۔ حمزہ بودیہ ہن و ما کان اذ ہلک
 لیهلک القرى یظلم و اھلھا مصلحون آیت ۱۱۱۱
 پروردگار کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا جب کہ اس کے باشندے مصلح
 پذیر ہوں۔ صوفیوں کو ہی ہلاک کیا جاتا ہے۔

جن پرانی قوموں کی ہلاکت کا ذکر قرآن پاک یا تاریخ میں مذکور ہے۔ وہ ظالم
 لوگ تھے قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم نوح، قوم ابراہیم، باہلی، اناقی سب
 نابھار تھے۔ جن کو خدا نے ہلاک کیا۔ قریش مکہ نے بھی اپنے نبی کے ساتھ نہایت
 ظالمانہ سلوک کیا حتیٰ کہ انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔ یہ سب مجرم اور سخت گنہگار لوگ
 تھے جو ہلاک ہوئے۔ اللہ نے ہلاکتِ اقوام کی یہ حکمت بھی بیان کر دی ہے۔

دنیاوی دنیا
 کی حیثیت

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس دنیا کی خاطر ایمان کو قبول نہیں کرتے اس کو نہایت
 تر ہے وَمَا أُوتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَّعْ الْحَیْوۃَ الدُّنْیَا
 وَزِیْنَتْهَا تَحْصِلُ جو چیزیں بھی دی گئی ہیں، وہ دنیا میں فائدہ ٹھنڈے کوسان
 اور اس کی زینت ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز عارضی ہے جس سے چند روز
 تک ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور بالآخر اس کو ختم ہونا ہے۔ صاحب تفسیر کشاف
 نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے الْمُؤْمِنُ یَتَرَقَّدُ وَالْمُنَافِقُ
یَتَزَلَّزَلُ وَکُفْرٌ یَّتَمَتُّعُ مومن آدمی دنیا میں صرف توشہ اختیار کرتا
 ہے، منافق زینت میں مشغول ہو جاتا ہے اور کفر خوب فائدہ ٹھنڈے
 ظاہر ہے کہ اصل کردار مومن کا ہی ہے جو اس دنیا کو بھنی سمجھ کر صرف زاد و زاد
 پر ہی قناعت کرتا ہے اور دنیا کو جمع کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ منافق اس دنیا
 کی زنجینوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے، اور کافر تو اول و آخر دنیا کو ہی سمجھتا ہے۔
 ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا وَيَا کُفْرًا کُفْرًا کَمَا تَأْکُفُرُ
الْأَنفُسُ (محمد ۱۲) پھر وہ جانوروں کی طرح کھانے لگتے ہیں۔ ان کی زندگی کا
 مکمل کشف ص ۲۷۲ (فیاض)

مقصد ہی کھانا اور فائدہ اٹھانا ہوتا ہے مگر یہ چیزیں ان کی زندگی تک ہی محدود ہوتی ہیں جب موت آجاتی ہے تو ان کے اذھیلا ہی اذھیلا ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب "فتوح الغیب" میں لکھتے ہیں اَلْمُسْتَرْفِقُ لَقَافٌ وَالْمُؤْمِنُ وَقَافٌ یعنی منافق نکلنے والا ہوتا ہے اور مومن ٹھہرنے والا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافق آدمی کے ہاتھ جو چیز آجائے وہ حلال حرام، جائز ناجائز کی تمیز کیے بغیر اس کو کھا لیتا ہے جب کہ مومن آدمی کھانے سے پہلے رک کر دیکھ لیتا ہے کہ خورد و نوش کی اشیا کی کیا حیثیت ہے، جب تک تسلی نہ ہو مومن آدمی ہاتھ نہیں بڑھاتا خود حضور علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی چیز پیش کی جاتی تو آپ دریافت کرتے کہ یہ کیا چیز ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ اگر یہ ہو تو قبول فرم لیتے اور تناول فرماتے اور اگر صدقہ ہوتا تو کہتے کہ یہ ہمارے لیے روانہ نہیں ہے۔ گویا مومن کی شان یہ ہے کہ وہ حلال و حرام میں امتیاز کرتا ہے۔ مومن اس بات میں غور و فکر کرے گا کہ اس کی خوراک، اس کا لباس، جس کا مکان اور اُس کے دیگر لوازمات جائز ذرائع سے حاصل ہونے ہیں یا ناجائز ذرائع سے مومن ہر کام کرنے سے پہلے وقوف کرتا ہے، غور و فکر کرتا ہے اور پھر عملی قدم اٹھاتا ہے۔

فرمایا دنیا کا متاع تو اسی دنیا تک محدود ہے اور ختم ہو جانے والا ہے وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی بنے والا ہے۔ دنیا کے مادی مال و متاع کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے آخرت کے مقامات اور انعامات دیر پا ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ دنیا کی محفلیں، یہاں کی رقصیں، کھانے، لباس، عمارات ہر چیز فانی ہے، لہذا انسان کو دنیا کی چیزوں میں دل نہیں لگانا چاہیئے، بلکہ محض ضرورت کے مطابق ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے انسان کا آخری مقام اللہ کے پاس ہے، اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ فرمایا

مومن اور منافق کی مثال

غیر بقا عند اللہ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دنیا و آخرت کا تقابل پیش کر دیا ہے۔ اب غور و فکر کر کے ان میں سے انتخاب کرنا تمھارا کام ہے۔ دنیا کی زندگی پر مفتون ہو کر آخرت کو فراموش کر دینا بد بختی کی علامت ہے۔

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ
 مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ
 الْمُحْضَرِينَ ⑥ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ
 الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ⑦ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ
 الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا
 أَغْوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ⑧
 وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا
 لَهُمْ وَرَأَوْا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ⑨
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ⑩
 فَعِيتَ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ ذِي نَسَاءٍ لُونِ ⑪
 فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ
 يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ⑫ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى
 عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑬ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ
 وَمَا يُعْلِنُونَ ⑭ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ
 فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑮

ترجمہ:- بعد ازاں وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا
 وعدہ پس وہ اس سے ملنے والا ہے، تو کیا یہ اُس کی مثل ہو
 سکتا ہے جس کو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے دنیا کی زندگی کے
 سامان کا، پھر وہ قیامت کے دن پکڑے ہوئے لوگوں میں
 حاشہ کیا جائے گا (۶۱) اور جس دن وہ پکڑے گا اُن کو اور
 فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بائے میں تم
 گمان کرتے تھے (۶۲) تو کہیں گے وہ لوگ جن پر ثابت ہو
 چکی ہوگی بات اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جن کو
 ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے ان کو گمراہ کیا، جس طرح خود ہم
 گمراہ ہوئے۔ ہم بیزاری کا اعلان کرتے ہیں تیرے سامنے
 کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (۶۳) اور کہا جائے گا
 بلاؤ اپنے شریکوں کو، پس وہ بلائیں گے، پس نہیں جواب
 دے سکیں گے اُن کو۔ اور دیکھیں گے عذاب کو اپنے سامنے
 (اور افسوس کریں گے) اکاش وہ ہدایت پانے والے ہوتے (۶۴)
 اور جس دن وہ پکڑے گا اُن کو اور کہے گا کہ تم نے کیا جواب
 دیا رسولوں کو (۶۵) پس تاریک ہو جائیں گی اُن پر خبریں اُس
 دن۔ پس وہ نہیں ایک دوسرے سے پوچھیں گے (۶۶) بہر حال
 وہ شخص جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا، پس
 اُمید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں گے (۶۷)
 اور تیرا پروردگار پیدا کرنا ہے جو چاہے اور پسند کرنا
 ہے۔ نہیں ہے ان لوگوں کے لیے اختیار۔ پاک ہے اللہ
 کی ذات اور بلند ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ اُس

کے ساتھ شریک بتلاتے ہیں (۶۸) اور تیرا پروردگار جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (۶۹) اور وہی ہے اللہ، نہیں کوئی سمجھو اُس کے سوا، اُسی کے لیے ہے تعریف دنیا اور آخرت میں اسی کے ہاتھ میں ہے حق، اور اُسی کی طرف تم سب لوٹنے جاؤ گے (۷۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا تھا اور پھر اُن کے بُرے انجام کا ذکر کیا تھا۔ اللہ نے اُن کی گرفت کا ذکر کیا کہ وہ ظلم و تعدی کرنے والوں کو ہی پکڑتا ہے۔ پھر اللہ نے دنیا کے ساز و سامان کی ناپائیداری کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ کے ہاں جو نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ بہنے والی ہیں اللہ نے انسان کو ترغیب دلائی کہ عقل سے کام لیں اور پائیدار چیزوں کو اختیار کریں اور عارضی چیزوں میں دل نہ لگائیں۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور نیکی والوں کا تعاقب کفر، شرک اور برائی والوں سے کیا ہے۔ اس کے بعد رسالت کا ذکر ہے اور پھر توحید خداوندی کی تائید اور شرک کی تردید فرمائی ہے۔

نیل بہار
تعاقب

ارشاد ہوتا ہے أَفَمَنْ أَفْضَلُ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا فِیْهِ مَبْدَلٌ وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ اور وہ اس کو پانے والا ہے كَمْ مِّنْ مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَیْوةِ الدُّنْیَا کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صوف دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان دیا ہے۔ ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِّیْنَ پھر وہ قیامت والے دن (مجرموں کے ساتھ گزرتا) لوگوں میں ماضی کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک نیک آدمی جس کے ساتھ اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ مجرموں کے ساتھ گرفتار شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی والے کو وعدے کے مطابق نہایت اچھا مقام عطا کرے گا، اس کو انعام و اکرام سے نوازے گا، وہ عیش و آرام کی دائمی زندگی بسر کرے گا، اُسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور وہ خدا کی رحمت کے مقام میں داخل ہوگا۔ دوسری

طرف وہ شخص ہے جو اس دنیا کے سارے سامان پر ہی رکھ دیا گیا ہے، اس چند روزہ زندگی کی رنجشوں میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے اور آخرت کی دائمی زندگی کا کچھ خیال نہیں کرتا، وہ بھلا نیک آدمی کے ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے جو دائمی نعمت میں ہو گا۔

معبودانِ ظالم
کا اعلانِ بیزاری

ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ اور جس دن (ان کا پروردگار) ان کو پکار کر کہے گا۔ کہاں میں میرے وہ شرکاء جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ یہ تمہاری مشکلات حل کر دیں گے اور تمہاری حاجت روائی کریں گے تم نے اُن کو خدائی میں حصہ دار بنا لیا تھا، اب بلاؤ تو ان کو اپنی حمایت میں کہ تمہاری مدد کریں۔ اب ان مشرکوں سے تو کوئی جواب نہیں بن پڑے گا، البتہ ان معبودوں کو حاضر کیا جائے گا جن کی یہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ کہیں گے وہ لوگ جن پر بات ثابت ہو جائے گی۔ اس سے مراد وہ معبودانِ باطلہ ہیں جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے۔ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا اے ہمارے پروردگار! یہی وہ مشرک ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ ان میں شیاعین بھی شامل ہیں جو ہمیشہ انسانوں کو درغلا کر شرک کی دعوت دیتے رہے۔ وہ کہیں گے۔ أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جس طرح خود گمراہ ہوئے۔ ہم خود کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا تھے تو ان کو بھی اُسی گمراہ پر چلایا۔ یہ تو دنیا میں ہو چکا۔ تَبَرَأْنَا إِلَيْكَ اب ہم تیرے روبرو بیزاری کا اعلان کرتے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ماسکائوا إِنَّا نَعْبُدُونَ یہ مشرک لوگ ہماری پرستش نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چل کر گمراہ ہونے لہذا یہ اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ اور شرکاء سے کہہ دیجئے کہ آج اپنے معبودوں کو بلاؤ جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے۔ فَدَعَوْهُمْ پھر وہ ان کو بلائیں گے۔ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ مگر وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکے گے۔ اور

رسالت کے
متعلق سوال

کامیابی کا
زینہ

نہ ہی کوئی مدد کر سکیں گے۔ اُس وقت عابد اور معبود سب بے بس اور اہ جواب ہو جائیں گے۔
 خدا تعالیٰ کی برکات میں کسی کو لب کشائی کی بہت نہیں ہوگی وَرَأَوْا الْعَذَابَ اور وہ
 عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے۔ اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے، اور تمنا
 کریں گے لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ کاش کہ وہ جہنم یافتہ ہوتے
 دنیا میں کما ہی سے بچ کر سیکھ سکتے پرچتے سب سے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا
 مگر اُس وقت ان کی یہ حسرت کچھ مغیرہ نہیں ہوگی اور انہیں عذاب الہی کا مزہ چکھنا ہی ہوگا
 قیامت والے دن رسالت کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ لوگو! تم نے ہمارے رسولوں
 کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو
 پکاریگا۔ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ اور فرمائے گا کہ تم نے
 رسولوں کو کیا جواب دیا۔ وہ میری دعوت سے کتنا تمھارے پاس آئے تھے۔ میرا پیغام
 پہنچایا تھا، بتاؤ تمھارا کیا رد عمل تھا؟ اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں بن سکے گا اور
 پھر حالت یہ ہو جائے گی کہ فَعَمِيَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ
 اُس دن ان پر تمام خبریں تاریک ہو جائیں گی ایسی دہشت طاری ہوگی کہ بات تک
 نہیں کر سکیں گے فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے بھی
 نہیں پوچھ سکیں گے، مطلب یہ کہ آپس میں مشورہ بھی نہیں کر سکیں گے کہ کوئی معقول
 جواب دے سکیں، اس طرح گویا رسالت کے سوال پر بھی لا جواب ہو جائیں گے۔
 مگر اسی کی وجہ بات تو بیان ہو چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کامیابی کس طرح حاصل
 ہو؟ تو فرمایا فَأَمَّا مَنْ جَاءَ بِهٖ نَصْرٌ مِّن رَّبِّهِ اور پھر زندگی بھر ان کے قریب آیا۔
وَأَمَّا مَنْ جَاءَ بِهٖ نَصْرٌ مِّن رَّبِّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، معاد، کتب کا وہی ملنا
 کہ دل سے تسلیم کر لیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور پھر نیک اعمال شروع کر دیے۔
 گویا یہ تین اعمال کامیابی کا زینہ ہیں جو اس نے پڑھ گیا فَقَسَىٰ أَنْتَ
تَكُونَنَّ مِنَ الْمَفْلُحِينَ پھر اُمید ہے کہ یہی لوگ فلاح پانے والوں

میں ہوں گے۔ یہ تو بہ ایمان اور عمل کا راستہ ہے جو اس راستے پر گمراہ نہ ہو گیا۔
وہ انشاء اللہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی خطاؤں کو معاف فرمائے گا
اور وہ فائز المہم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان بے نیازی میں اپنے بندوں سے
اس طرح خطاب کیا ہے کہ اُمید ہے کہ یہ لوگ کامیاب ہو جائیں گے۔ بمقصد یہ ہے
کہ لوگوں میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اللہ کے
لیے ایمان اور نیکی کی راہ پر چل نکلیں۔

اختیار
خداوندی

اکلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق، اپنی لیلہ، مخلوق کی نفی اور
شرک کا رد فرمایا ہے۔ اِشْرَکٌ هُوَ اَبَدٌ. وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
اور تیرا پروردگار جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ صفتِ خلق میں اُس کا کوئی شریک نہیں
کسی چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اُسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں
ہوتی۔ وَیَخْتَارُ اور وہی پسند کرتا ہے یا جس کو چاہے منتخب کرتا ہے۔ یہ دراصل
مشرکین کا رد ہے جو کہتے تھے لَوْ لَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ
مِّنَ الْقُرْآنِ عَظِيمٍ (الزخرف - ۲۱) کہ یہ قرآن مجید اور نجات
کی در عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا؟ یہاں پر بڑے بڑے سردار
ہیں جن کے باغات ہیں، نوکر چاکر ہیں، مال تجارت ہے، ہوشیاری میں ہرگز ثبوت
کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا مگر اللہ نے فرمایا، کہ ثبوتِ نبوت
کے لیے مافی ثلوث مضبوط ہونا ضروری نہیں بلکہ اس منصب کے لیے صلاحیت کی ضرورت
ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ کون اس منصب کے اہل ہے۔
اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ الرَّاجِحَ (۵)،
اللہ تعالیٰ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے، وہی اُس کی
مصلحت کو بہتر جانتا ہے، مخلوق کو اس معاملے میں نہ کوئی اختیار ہے اور نہ اُن کے
مشورے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اُس کے
سوا کوئی کسی کی مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ مخلوق میں سے کسی کو
کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں سند بزار کے حوالے سے حضرت جابر سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى اخْتَارَ أَصْحَابِي
عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ
وَالْمُرْسَلِينَ

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو
تمام جہان والوں پر پسند کیا ہے سوائے
نبیوں اور رسولوں کے ۔

وَاخْتَارَ مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً
وَفِي أَصْحَابِي كُلِّهُمْ خَيْرٌ
وَاخْتَارَ مِنْ أُمَّتِي عَلَى سَائِرِ
الْأُمَمِ وَاخْتَارَ مِنْ أُمَّتِي
أَرْبَعَةً قُرُونٍ

اور میرے اصحاب میں سے چار کو منتخب فرمایا
ہے ۔ میرے تمام صحابہ میں بہتری ہے اور
میرے امتوں کو تمام امتوں کے مقابلے
میں منتخب فرمایا ہے اور میری امتوں میں
چار قرون کو خاص طور پر منتخب فرمایا ہے

اس حدیث شریف میں صحابہ کرام کے فضائل بیان ہوئے ہیں ۔ نبیوں اور رسولوں
کے علاوہ حضور کے صحابہ کو باقی تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے ۔ اور پھر ان میں
سے چار صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمر فاروقؓ ، عثمان غنیؓ ، اور علیؓ رضی اللہ عنہ
کو باقی صحابہ پر فضیلت حاصل ہے ۔ یہی چاروں حضرات خلفائے راشدہ میں جس
طرح ان چار صحابہ کو باقی صحابہ پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی ساری امت کو باقی امتوں پر فضیلت ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے
چار زمانے بہترین ہیں ۔ یہ چار قرن (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ (۲) صحابہ کا زمانہ (۳)
تابعین کا زمانہ ، اور (۴) تبع تابعین کا زمانہ ہے ۔ بہر حال یہ سارا انتخاب اللہ تعالیٰ
کا اپنا ہے کسی امت کا انتخاب ، اس امت میں سے خاص افراد کا انتخاب اور پھر
خاص زمانوں کا انتخاب سب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے ۔ اس میں کسی مخلوق کا
کوئی دخل نہیں ہے ۔

اب ذرا افضیوں کا باطل عقیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ یہ فرقہ حضرت علیؓ کے زمانے
میں پیدا ہوا ۔ ان کے بھی آگے بہت سے فرقے ہیں جن میں سے اثناعشری فرقہ
کے قرطبی ص ۱۳ ج ۱ (فیاض)

افضیوں کی
کہاوی

زیادہ مشہور ہے۔ یہ لوگ اپنے بارہ اماموں کو معصوم تسلیم کرتے ہیں۔ ایران کے شیعہ بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے پراپیگنڈا کے ذریعہ ایرانی انقلاب کو اسلامی انقلاب سے تعبیر کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً اسلامی انقلاب نہیں۔ محض شیعیت کا پرچار ہے۔ اس بات کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایران کا سرکاری مذہب شیعہ ہے اور وہاں کی اقلیت سنیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ اہل سنت کو اپنی علیحدہ مسجدیں بنانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ تہران کا شہر دس بارہ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے مگر وہاں سنیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے۔ یہ لوگ جمہور صحابہ کرامؓ کے ساتھ سخت نفرت رکھتے ہیں حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو مسلمان تک سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ نعوذ باللہ یہ ان حضرات کو منافق سمجھتے ہیں۔

اب ذرا ان کے امام خمینی کا عقیدہ بھی سن لیجئے جو اُس نے اپنی فارسی کی معتبر کتاب "کشف الاسرار" میں بحوالہ "مرآة العقول" نقل کیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کی معتبر کتاب "کافی" کی شرح ہے۔ امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے امام خمینی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کیا۔ **يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا يَزَلْ مُتَفَرِّدًا يَوْهَدَ نَبِيَّتِهِ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ ثُمَّ مَكَثُوا اَلْفَ ذَهْرٍ ثُمَّ خَلَقَ جَمِيعَ الْاَشْيَاءِ وَفَوْضَ اُمُوْرَهَا اِلَيْهِمْ فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَاءُوْنَ وَيَحْرِمُوْنَ مَا يَشَاءُوْنَ يَا مُحَمَّدُ هَذِهِ الدِّيَانَةُ** اے محمد بے شک اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت کے ساتھ متفرد تھا، پھر اُس نے تین بستیوں یعنی محمدؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کو پیدا فرمایا۔ پھر یہ ہزاروں سال تک اسی طرح ٹھہرے رہے، پھر خدا نے باقی ساری چیزوں کو پیدا کیا اور ان تین اصحاب کو گواہ بنایا اور تمام معاملات ان کو تفویض کر دیے۔ پھر وہ جس چیز کو چاہتے حلال اور جس چیز کو چاہتے حرام قرار دیتے۔ اور

لے کشف الاسرار ص ۵۷ مطبوعہ ایران (قیاس)

ساتھ یہ جملہ بھی بڑھا دیا کہ یہ تینوں وہی کچھ چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے، پھر فرمایا اے محمد! یہی دین ہے جو اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا وہ سرکش ہوگا اور جو کوئی پیچھے رہنے کی کوشش کرے گا، مٹا دیا جائے گا۔ اور جو اس کو لازم پکڑے گا وہ حق کے ساتھ مل جائے گا۔

خدا تعالیٰ
کی کبریائی

اس کے برخلاف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حلت و حرمت کو تعین اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ہے، یہ صرف اللہ کا حق ہے، اور کسی امامِ معصوم کو حلال و حرام کا اختیار حاصل نہیں۔ بہر حال شیعوں کا دین یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اختیارات حضور علیہ السلام، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو سونپ دیے ہیں۔ اُدھر اللہ کا فرمان یہ ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے اور اُسی کے پاس سارے اختیارات ہیں۔ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مَخْلُوقِ كَيْفَ كَانَ اللّٰهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى كِيْ ذَاتٍ پَاكٍ اَوْ مُبْتَدِئِ اَنْ جِزِيَّوْنَ تَعَالٰى عَنْ جِزِيَّوْنَ اَوْ مُشْرِكٍ مُّبْنٰى هِيْ فَرِيَا وَرُبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اور تیسرا یہ وردِ کار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مشہدین کے تمام باطل عقائد و اعمال سے واقف ہے۔ وہ ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گا۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ خالق، مالک، علیم، مختار اور قادر ہے ہر ایک کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرنے والا وہی ہے لَهُ الْحَمْدُ فِيْ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرَةِ دُنْيَا مِیْنِ عَمٰی اُسی کے یہ تعریفیں ہیں۔ اور آخرت میں بھی وہی تعریفوں کے لائق ہے وَلَهُ الْحُكْمُ اور ہر قسم کا فیصلہ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر چیز کا فیصلہ خود کرتا ہے۔ اُسے کسی مشیر کی نہورت نہیں ہے وَاللّٰی یُتْرَجَعُوْنَ اُوْر اُسی کی طرف تمام لوگ لوٹنے جاؤ گے، جب اول و آخر اللہ تعالیٰ ہی قادر و مختار ہے

اور محاسبہ اعمال کے لیے بھی اُسی کے سامنے حاضر ہونا ہے، تو اُس کے
 ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لطیف
 پیرائے میں یہ بات سمجھا دی۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَوْ لَآ
تَسْمِعُونَ ﴿۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ
النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ
يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ؕ أَفَلَا تَبْصُرُونَ ﴿۲﴾
وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا
فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳﴾
وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا
فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) لوگو! یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ
بنائے تمہارے اوپر رات کو ہمیشہ قیامت کے دن تک تو
کون ہے اللہ کے سوا الہ جو لائے تمہارے پاس روشنی۔
کیا تم سنتے نہیں؟ ﴿۱﴾ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! بتاؤ اگر
بنائے اللہ تمہارے اوپر دن کو ہمیشہ قیامت کے دن تک تو
کون ہے اللہ کے سوا الہ جو لائے تمہارے پاس رات کو

جس میں تم آرام پکڑ سکو۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۴۲) اور یہ اُس کی رحمت میں سے ہے کہ بنایا اُس نے تمہارے رات اور دن کو تاکہ تم آرام پکڑو، اور تاکہ تم تلاش کرو اُس کے فضل سے، اور تاکہ تم راستہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو (۴۳) اور جس دن پکائے اُن کو راستہ پس فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے ہائے میں تم گمان کرتے تھے (۴۴) اور ہم کبھی کر لائیں گے ہر امت سے گواہ۔ پس ہم کہیں گے وہ اپنی دلیل۔ پس وہ جان لیں گے کہ حق اللہ کے لیے ہے اور کھو جائیں گے ان سے وہ باتیں جن کو وہ افتر کیا کرتے تھے (۴۵)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد فرمایا اور ساتھ دونوں کا انجام بھی بیان کیا۔ پھر اللہ نے اپنی صفتِ خلق کا ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ جو چاہے پسند کرے سارا اختیار اُسی کو ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی با اختیار ہستی نہیں ہے۔ فرمایا اللہ کی ذات بند و بہتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، دنیا و آخرت میں کسی کی تعریف ہے اور سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

بہارِ نبی
نہام

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں دو عقلی دلائل پیش کیے ہیں جو لیل و نهار کے نظم پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔ قُلْ لِّیْهِمْ نَحْمٌ آپ کہہ دیجئے یعنی کفار و مشرکین کے سامنے یہ دلیل پیش کریں آرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ اَلِیْلَ سَرْمَدًا اَلْیَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَجْلُوٰتٌ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے یعنی قیامت کے دن تک رات ہی مسلط کر دے مِنْ لَّہٗ غَیْرُ اللّٰہِ یَاٰتِیْکُمْ بِغَیْبٍ تو اللہ کے علاوہ کون الہ ہے، جو

تمھارے پاس روشنی ہے آنے، سرمد کا معنی دائمی ہوا ہے جیسے عربی میں یہ محاورہ مستعمل ہے

لَعَمْرُكَ مَا أَمَرِي عَلَىٰ بَغْضَةٍ

نَهَارِي وَلَا تَمِيلُنِي عَلَىٰ بَسْرَمَةٍ

اے مخاطب! تیری جان کی قسم میرا معاملہ تجھ پر تاریک نہیں ہے (یعنی میں بقا کی شہدائی تمام امور انجام دیتا ہوں) میرے شب و روز دائمی نہیں ہیں۔

رات کو دائمی بننے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک تاریکی ہی ہے اور روشنی کی کوئی کرن نہ چھوٹے۔ یا اگر سورج طلوع ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو ہی سلب کر لے۔ زندگی کے تمام کاروبار اور معیشت کا انحصار دن کی روشنی پر ہی ہے فرمایا اگر تمھارا پہرہ و رنگار اس روشنی کو ہی روک لے تو اس کے سوا کون سی ذات سے جو تھکتے لیے ایسی روشنی مہیا کر دے جس میں تم معمولات زندگی جاری رکھ سکو۔ أَفَلَا تَسْمَعُونَ کیا تم سنتے نہیں؟ اس معاملے میں غور و فکر کرو کہ اللہ نے دن کی موت میں کتنا بڑا انعام کیا ہے۔

اس کے برخلاف فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ یہ بھی واضح کر دیں اَرَأَيْتُمْ
اِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
بَلَّغْنَا كُمُ الْاَمْرَ تَعَالٰی تم پر ہمیشہ کے لیے اقامت قیامت دن کو ہی مسلط کر دے تو
مَنْ اِلَّا غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بَلٰیْلٌ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ النَّارُ
کے سوا کون الہ ہے جو تمھارے پاس رات کو لے آئے جس میں تم سکون پکڑتے ہو۔
فرمایا أَفَلَا تَبْصُرُونَ کیا تم دیکھتے نہیں؟

یہ دونوں عقلی دلیلیں ہیں انہیں انسان غور و فکر کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ
نے شب و روز اور ان عجیب طریقے سے قائم رکھ دیے۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے
وارد ہو کر انسانی زندگی کے حمولات میں عادت ثابت ہوتے ہیں۔ دن کے وقت لوگ اپنا کاروبار دنیا
انجام دیتے ہیں جب کہ رات کے وقت آرام اور سکون حاصل کر کے اگلے دن کی مصروفیت
کے لیے پھر تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام اللہ نے تمام جانداروں کی مصلحت

کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر ان میں ذرا بھی خلل معمول تغیر و تبدل واقع ہو جائے تو زندگی کی گاڑی میں خرابی پیدا ہو جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس نے اپنی قدرتِ تامہ کے ساتھ یہ نظام قائم کیا ہے، بھلا کون ہے جو اس میں کوئی تبدیلی لائے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان دو آیات کے آخر میں دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پہلی آیت میں جہاں روشنی لانے کا چیلنج کیا گیا ہے وہاں مَنْ رَمَا أَفَلَا تَسْمَعُونَ کیا تم سنتے نہیں۔ دین کے وقت چونکہ انسان کرب و شہدائے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جنہیں وہ شہدائے بھی نہیں کر سکتے، لہذا اس مقام پر یہ سماعت کا لفظ استعمال کیا کہ تم سنتے نہیں؟ اور دوسری آیت میں رات کو لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ رات کے وقت چونکہ اشتغال کم ہوتا ہے اور انعامات بھی نسبتاً کم ہوتے ہیں، اس لیے وہاں پُر بشارت کا لفظ استعمال کیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے یہ کیا نظام قائم کر رکھا ہے؟

شب روز
میں تقسیم کار

آگے اللہ نے دن اور رات کا اکتھا ذکر فرمایا بِوَسْمِ رَحْمَتِهِ یہ اُس اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے جَعَلَ لَكُمْ الْيَلَّ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ کہ اُس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا ہے اُس نے عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تم رات کے وقت سکون پکڑ سکو۔ تمام انسان، درند، چمڑ، پرند، وغیرہ رات کو آرام کرتے ہیں۔ دن بھر کی مشقت سے تھک کر سو جاتے ہیں۔ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ اور تاکہ تم (دن کے وقت) اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔ یعنی محنت مزدوری تجارت، کاروبار، کھیتی باڑی وغیرہ کر کے اپنی معیشت و سامان پیدا کر سکو۔ نظام یہ ہے کہ یہ تمام کام دن کی روشنی میں ہی بطریق احسن انجام پاسکتے ہیں لہذا اللہ نے دن کے اشتغال کو فضل یعنی ذریعہ روزی سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ نے دو سرے مقام پر فرمایا بِهِ وَجَعَلَ الْيَلَّ سَكْنًا (الانعام ۹۰) اُس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا ہے۔ وَجَعَلَ النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا ۱۱) اور دن کو

روزگار کا ذریعہ بنایا ہے ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس ضمن میں دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں ان میں سے ایک اقتراب ہے اور دوسری ارتفاق۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فضل کا تعلق ارتفاق سے ہے یعنی انسان جائزہ ذرائع رزق حلال حاصل کر کے اپنی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے **يَتَنَفَّوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا** (الفتح۔ ۲۹) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ فضل کا تعلق معاش سے ہے جب کہ رضوان کا تعلق اقتراب سے ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت، ریاضت اور ذکر وغیرہ کم کے اُس کی رضا حاصل کرتے ہیں اور یہ چیز اُس کے قرب کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہر حال رات اور دن دونوں خدا تعالیٰ کے انعامات ہیں کہ رات کے وقت انسان ایک قراام اور سکون پہنچتے ہیں اور دوسرا اُس کے حضور بکھڑے ہو کر اُس کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح دن کے وقت انسان اپنے وسائل کے مطابق کاروباری زندگی انجام دے کر اپنی معیشت کا سامان پیدا کرتے ہیں اور بیویوں بچوں کی انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔

آگے اللہ نے ایک تیسری بات بھی بیان فرمائی ہے **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکو۔ دن کے وقت کو محض لہو و لعب میں نہ گزار دو اور نہ ہی رات کو غفلت میں بسر کر دو بلکہ دونوں اوقات میں اللہ کے بے پایاں انعامات کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اللہ کی ان نعمتوں کو بہرہ حاصل کیا جائے۔ اگر انعامات الایہ کا استعمال صحیح نہ کیا تو یہ کفر ان نعمت ہو گا۔ رات بھر نیند میں پڑے رہے اور اللہ کا ذکر نہ کیا۔ اور اسی طرح پورا دن کھیل کود میں گزار دیا تو اس کی نعمتوں کا شکریہ کیسے ادا ہو گا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سبیل و نمار کا نظام قائم کیا ہے تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔

اللہ کے
حضور
کو ہی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن لوگوں کو اپنے حضور حاضر کیے جانے کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا وَلَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ جَسَدُ اللَّهِ اِنْ كَا فَرَوْا اور مشرکوں کو طلب کرے گا۔ اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ فَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ اور فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کو تم گمان کرتے تھے کہ یہ ہماری شکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یا ہماری سفارش کرے ہیں خدا تعالیٰ سے چپڑا لیں گے۔ فرمایا اُس وقت کوئی حیلہ کام نہیں آئے گا۔ کسی کافر اور مشرک کے حق میں نہ کوئی سفارش کرے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی۔

فرمایا وہ تو محاسبہ اعمال کا دن ہو گا اور اس مقصد کے لیے وَلَنُعَذِّبَنَّ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا ہم ہر امت سے کھینچ کر گواہ لائیں گے۔ ہر امت کا نبی اور اس کا نائب گواہی دینے کے لیے آئے گا۔ اور بتلا گا کہ ان لوگوں نے اللہ کے دین، شریعت اور احکام کو کس حد تک تسلیم کیا۔ فرشتے بھی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دیں گے، خود انسان کے اپنے اعضاء و جوارح بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ زبانوں پر مہر لگا دیکھا اور ہاتھ پاؤں بول کر شہادت دیں گے کہ یہ شخص دنیا میں کیا کچھ کرتا رہا۔ اس کے علاوہ فرمایا شجر اور حجر بھی انسان کے حق میں گواہی دیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے۔ دلوں کی ہر چیز مؤذن کے حق میں گواہی دیگی۔ پھر مشرکوں کو گناہ کیا فَعَلْنَا هَاؤُلَاءِ مِنْكُمْ اَنْ تَكْفُرُوا اگر تمہارے پاس کفر و شرک کے حق میں کوئی دلیل ہے تو اسے پیش کر دو آج بتلاؤ کہ تم نے کس طرح حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔ تم ساری شرکیہ رسوم کس دلیل کی بناء پر ادا کرتے رہے۔ اللہ کی وحدانیت کو کیوں تسلیم نہ کیا، خدا کے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور کیوں ان کو تکالیف پہنچاتے رہے۔ لاؤ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔ سنو اُس دن کسی کو بھی دم ماننے کی ہمت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دلیل پیش کر سکے گا۔

فرمایا جب تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اپنی کرتوتوں پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے فَعَلِمُوا اَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ تو خوب جان لو کہ بیشک سچ بات اللہ ہی کے لیے ہے
لے بخاری ص ۱۶ (فیاض)

حق دہاں
کا امتیاز

ہے۔ اُس نے اپنے اہل اور رسل بھیج کر حق کو واضح کر دیا تھا۔ اپنی کتابوں کے ذریعے
 حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دیا تھا۔ اُس نے بتا دیا تھا کہ خالق، مالک، قادر، مطلق، مختار،
 مطلق، مانع اور ضار، مشکل کشا اور حاجت روا صرف وہی ہے۔ تم خواہ مخواہ مخلوق
 کی پوجا کرتے رہے۔ اُس نے حقیقت کو واضح کر دیا تھا۔ فَرِیَا وَفُضِّلَ عَنْهُمْ
 مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ قیامت والے دن وہ تمام چیزیں گم ہو جائیں گی جو
 انہوں نے افتراء کر رکھی تھیں۔ اُن کے غلط عقائد، بدعتی رسومات اور ایسی چیزیں
 سب ختم ہو جائیں گی اور اپنے حق میں ہش کر نے کے لیے اُن کے پاس کچھ نہیں
 ہوگا۔ انہیں نجات حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ نجات کا دار و مدار ایمان اور نیکی پر ہے
 اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر ایمان ہی مہرِ نجات ہے مگر یہ چیزیں ان کے پاس
 نہیں ہوں گی۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ
 مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولَىٰ
 الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
 وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ
 اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي
 أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ
 الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكَثَرُ جَمًّا
 وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ ۱۔ بیشک قارون تھا موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے۔ پس
 سرکشی کی اُس نے اُن کے خلات۔ اور ہم نے اُسے تھے
 اُس کو خزانوں میں سے اس قدر کہ بیشک اُسکی چابیاں
 بوجھل کرتی تھیں ایک طاقتور گروہ کو۔ جب کہا اُس کے لیے
 اُس کی قوم نے مت اتراد۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند
 کرتا اترانے والوں کو ﴿۷۶﴾ اور تلاش کرو اُس چیز میں جو اللہ
 نے تم کو دی ہے آخرت کا گھر۔ اور نہ بھولو اپنا حصہ دنیا

ت۔ اور احسان کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔ اور نہ تلاش کرو فساد زمین میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والوں کو ﴿۷۷﴾ کہا (قارون نے) بیشک دی گئی ہے مجھ کو (دولت) علم کی بنا پر جو میرے پاس ہے (فرمایا) کیا وہ نہیں جانتا کہ بیشک اللہ نے ہوک کیا اُس سے پہلے کئی قوموں کو جو اُس سے زیادہ قوت اور زیادہ جتھے میں تھے اور نہیں پوچھے جاتے اُن کے گناہوں کے بارے میں مجرم لوگ ﴿۷۸﴾

بعد آیات

اللہ تعالیٰ نے پہلے مشرکوں کا رد کیا، پھر توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے اور قیامت اور جزائے عمل کا ذکر کیا۔ اُس سے پہلے مشرکین کو تنبیہ کی گئی جو غرور و تکبر کی وجہ سے توحید اور رسالت کا انکار کرتے تھے اور ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے تھے۔ اللہ نے اُن کو سمجھانے کے لیے بعض پہلی بستیوں کی ہولت کا ذکر کیا۔ اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ نے ایسے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے قارون کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آدمی تھا۔ اللہ نے بے تحاشا مال و دولت دے رکھا تھا۔ مگر اُس نے سرکشی اختیار کی اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حسد اور ضد کا اظہار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کے مال و دولت سمیت ہلاک کر دیا۔ مشرک لوگ بھی چونکہ ضد، عناد، حسد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے تھے، یہ واقعہ بیان کر کے اللہ نے انکو بھی عبرت دلانی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسٰی بَشٰک قَارِیْنِ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ

قارون کا واقعہ

کی قوم میں سے تھا۔ امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین کلمہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کا ہم قوم تھا بلکہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا۔ قارون ابن یصہر ابن قابث ابن لادی۔ موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام عمران تھا۔ گویا قابث کے دو بیٹے تھے۔ یصہر اور عمران۔ تاہم بعض نے قارون کو موسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی بھی لکھا ہے قارون اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھا اور اپنی میں رلا ملا ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی بظاہر تصدیق بھی کرتا

تھا مگر درپردہ فرعون کے ساتھ رابطہ رکھتا تھا، بلکہ اس کا ایجنٹ تھا۔ فرعون جو نبیہ وغیرہ اسرائیلیوں سے لینا چاہتا اس کے لیے قارون کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ فرعون بڑے بڑے ٹھیکے قابض۔ نے سپرد کرتا اور پھر وہ یہ کام معمولی اجرت پر اسرائیلیوں کے دروازوں جس کی وجہ سے اس نے بہت سال و دولت جمع کر لیا تھا۔

عام ظالم حکمرانوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا۔ ہے کہ وہ بعض لوگوں کو اپنا آراء بنا کر قوم کا خون چوس رہے ہیں۔ انگریز نے ہندوستان میں حکمرانی کے دوران کئی مسلمانوں کو اپنا ایجنٹ بنا کر پوری قوم کو ذلیل کیا اپنے حامیوں کو بڑے بڑے عہدے، کتاب اور جاگیریں دیں اور پھر ان کے ذریعے فوجی، عہدتی لی اور بہت سے دیگر کام کر دئے۔ سر محمد شفیع حضرت سلطان شہر محمد ثر قوری کا خالہ زاد بھائی تھا، مگر انگریز کا ایجنٹ تھا۔ اسی طرح فضل حسین، سر سکندر حیات اور پنجاب، سندھ اور سرحد کے دیگر بڑے بڑے خاندانوں کو مرعات دیں اور بڑے بڑے کام دیے۔ قارون بھی اسی طرح فرعون کا ایجنٹ تھا اُسے بڑی مراعات حاصل تھیں جسکی وجہ سے وہ بڑا مالدار بن گیا۔

قارون
عزیز اور حمد

فرعون کی غنائی کے بعد بھی قارون اپنی قوم اسرائیل کے ساتھ ہی ملا تو رات پڑھتا تھا اور نظام موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی رکھتا تھا مگر آپ کی سیادت و قیادت اور نبوت و رسالت کی وجہ سے تم کرنے لگا۔ کہنے لگا موسیٰ اور مارون علیہما السلام تو دونوں نبی بن گئے، دنیا اور آخرت کی قیادت ان دونوں بھائیوں نے سنبھال لی، مگر اتنے مال و دولت کے باوجود میری تو کوئی قدر و نہایت نہ ہوئی۔ اور میری حمد پیدا ہوا، اور اُدھر موسیٰ علیہ السلام نے اُسے کل مال کا ایک چوتھائی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا۔ اس پر قارون اور بھی جل جھن کر باب ہو گیا کہنے نہ میں نے یہ دولت اپنے علم و ہنر کی بنا پر حاصل کی ہے، اب یہ میری دولت ہی زکوٰۃ نے نام پر سنبھال لیا ہے۔ وہ شخص پہلے ہی متکبر تھا، مال و دولت کو جاتا دیکھا تو مزید غصے سے آگیا اور صاف انکار کر دیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔ یہی صورت حال خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی پیش آئی۔

زیرِ اوجہ اور اہلِ لب جیسے بڑے بڑے سردار تھے حضور علیہ السلام سے دعویٰ نبوت سے سچ پانچ گئے اور کہنے لگے کہ اگر نبوت اس کو مل گئی تو ہمارے پاس کیا رہ گیا :
 حاجیوں کی خدمت پر پہلے بنی ہاشم بنی ہاشم میں۔ اب نبی بھی اسی خاندان سے بن گیا تو
 ہماری سرداری کا تو جنازہ کھل گیا۔ چنانچہ انہوں نے حسد اور غرور کی بنا پر آپ کی نبوت
 رسالت کا انکار کر دیا۔ بعینہ اسی طرح قارون بھی موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہو گیا۔ اور
 ان کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشی کرنے لگا۔ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ اُس طرح
 اُنس نے اسرائیلیوں کے خلاف سرکشی کی۔

قارون کی
 دولت مندی

اُنس کی دولت مندی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَاتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ
 ہم نے اُسے خزانوں میں سے اس قدر عطا کیا کہ اِنْ مَّصَّاحَتْهُ لَتَكُونَنَّ
بِالْعَصْبَةِ اُولٰٓئِ الْقُوَّةِ کہ ایک طاقتور جماعت اس کی چابیاں اٹھانے
 سے بوجھل ہو جاتی تھی مطلب یہ کہ اُنس کے خزانوں کی الماریوں اور صندوقوں وغیرہ
 کی چابیاں اس قدر تھیں کہ بہت سے لوگ مل کر بھی مشکل اٹھاتے تھے۔ مولانا شاہ اشرف علی
 تھانوی فرماتے ہیں کہ عصبہ کا اطلاق تین سے دس افراد کی جماعت پر ہوتا ہے۔ اگر ہر
 آدمی کے پاس پانچ پانچ سو چابیاں آئیں تو گویا خزانوں کی صندوقوں کی تعداد چار
 پانچ ہزار بنتی ہے۔ ان میں پُپے پیسے ہوں، سونا چاندی جو یادِ کیمیتی اشیاء، بہر حال
 قارون اپنے مال کا مالک تھا۔ مَفْلَحٌ دو الفاظ کی مشترک جمع ہے یعنی مَفْتَحٌ
 اور مَفْتَحٌ۔ مَفْتَحٌ کا معنی خزانہ ہوتا ہے جب کہ مَفْتَحٌ چابی کو کہتے ہیں۔
 ہر دو الفاظ قارون کی کثرتِ مال و دولت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس زمانے میں تو
 اتنا بڑا مال نہ شخص کا ہی ہوتا تھا مگر آج کے دور میں قارون جیسے بیشمار دولت مند
 موجود ہیں۔ آج کے کمزور پتی سیٹھوں کی تجوریوں، تانبے خانے، سنور اور بنک جینس وغیرہ
 کا حساب لگایا جائے، اُنہ کے ملازمین، کوندوں اور ایجنٹوں کو شمار کیا جائے تو یہ بھی دولت
 سے کسی طرح کہ نہیں نکلیں گے بلکہ اُس سے بڑھ کر مالِ دُعا ہوں گے۔

بہر حال قارون کی تھانہ ہاشم، اُس کے چال چلن اور غرور و تکبر کو دیکھ کر اذقان

لَهُ قَوْمٌ اُس کی اپنی قوم نے اُس کو بھیجے کی کوشش کی اور نصیحت کی لَا تَفْرَحْ کہ اس مال و دولت پر اتراؤ نہیں۔ فرح کا معنی اترنا بھی ہوتا ہے۔ اور خوش ہونا بھی۔ لوگوں نے کہا کہ اس عارضی مال کی وجہ سے تو غرور و تکبر میں مبتلا ہو اور نہ ہی اس پر خوش ہو۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ خدا رحمد کو چھوڑ دو اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ اسریلی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاریوں کے ساتھ اڑھائی تین سو اڑی ہر وقت بستے تھے۔ یہ اُس کے حامیوں کا خصوصی دستہ تھا جن کا کام صرف ہاں میں ہاں ملانا تھا۔ یہ لوگ قاریوں کو غلط طور سے دے کر اُس کی عیونت میں اضافہ کا باعث بنتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ نے تمہیں اس قدر دولت عطا کی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اس کے راستے میں خرچ کرو۔ یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں یعنی تبہ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ کی نعمت پا کر تو خوش ہونا چاہیے نہ کہ اکثر دکھائی چاہیے۔ قرآن اور ایمان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ اس کا فضل اور رحمت ہے فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا دینس۔ ۵۸ لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیے۔

آخرت کا گھر

قوم نے کہا اس دنیا کی ٹہنیوں میں ابجد کر رہ جانے کی بجائے وَاتَّبِعْ فِيمَا اَمَرَ اللّٰهُ الذِّكْرَ الْاٰخِرَةَ جو چیز اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کرو۔ مال و دولت کو صحیح طریقے پر خرچ کرو گے اور اس انعام پر اللہ کا شکر ادا کرو گے۔ غرور و مسالین کا خیال رکھو گے۔ تمام حقوق ادا کرے گے تو آخرت میں بہتر گھر حاصل ہوگا۔ فَمَا يَوَلَّوْنَ اَنْ يَّصِيْبَكَ الذُّنُوبُ اور دنیا سے اپنا حصہ مست بھولو۔ طلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں اتنا مال دیا ہے تو اس سے آخرت کا تو شر بناؤ۔ اس مال سے دنیا میں تمہارا حصہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے نیکی کا فائدہ اور اطاعت کرو۔ اس مال کو عوامِ استغیث میں خرچ کرنے کی بجائے شکر گزاری کے مقام میں خرچ کرو۔ اس کو عیاشی، فحاشی اور بر معاشی میں نہ گنواؤ۔ بلکہ دنیا میں اس سے فائدہ اٹھا کر آخرت کا سامان

پیہا کرو۔ مچانے میں ہی بہتر ہے۔

اس کے علاوہ قوم نے قانون کو ایک اور نصیحت نبی کی کہنے لگے وَلَحْسَنُ
حَكَمًا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ اور تم بھی لوگوں پر اسی طرح احسان کرو جس طرح
اللہ نے تمہیں مال و دولت دیکر تم پر احسان کیا۔ بت۔ اس میں سے غریب و ساکین،
بیوگان، مسافروں اور قیدیوں کی اعانت درد، ضرورت مندوں کو قرض دونا کہ وہ اپنے
پاؤں پر کھڑے ہو سکیں، صدقہ خیرات کرنے رہو، تاکہ تمہارے مال میں برکت آئے۔

فادفی الارض

قوم نے یہ بھی کہا وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ اور زمین میں فساد
منت تلاش کرو۔ فساد سے مراد اخلال بالشرائع، معاشی کا ارتباب، ان کی قائم کردہ
حدود کو توڑنا اور من مانی کرنا، ہے شرک، کفر، بغت اور رسومات باطلہ کا ادا کرنا،
فساد فی الارض ہے، اسی طرح مال کو غلط جگہ پر خرچ کرنا، بھیس مٹانے، لہو و لعب،
شراب نوشی، بارود بازی، چنگ بازی اور شادی بیاہ کی رسومات پر خرچ کرنا بھی فساد
ہے۔ موت کی رسومات تیجا، ساتواں اور چالیسواں وغیرہ کرنا، قبروں کو پختہ بنانا،
غریب و ساکین کا خیال نہ کرنا، صدقہ و خیرات کا غلط طریقہ اختیار کرنا، اور لوگوں کے
حقوق ادا نہ کرنا بھی فساد فی الارض ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَلَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف - ۵۶) زمین میں فساد نہ کرو۔

اس کی اصلاح کے بعد اصلاح تدریجی، اطاعت اور عبادت و ریاضت سے
ہوتی ہے۔ اگر اس کا الٹ ہو رہا ہے تو غلط ہے کہ وہ فساد ہے۔ اور اللہ کا
قانون یہ ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ بیشک اللہ تعالیٰ فساد
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بہر حال قانون کی قوم نے اس کو سمجھایا کہ مال و دولت
پر اثر و نہیں ہکا۔ اس کے ذریعے آخرت کا بہتر گھر تلاش کرو جس طرح اللہ نے
تم پر احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلانا۔

قوم کی اس نصیحت کے جواب میں قَالَ إِنَّمَا وَتَيْتُهُ عَلَى
عِلْمٍ عِنْدِي کہنے لگا یہ سب کچھ مجھے میرے علم کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔

علم و ہنر
پر اعتماد

میں اہل علم ہوں، ہنرمند ہوں، استعداد کا انکسار میں نے یہ دولت اپنی عقل و محنت کی وجہ سے نہائی۔ اس میں کسی عجب پر کیا احسان ہے؟ دنیا کے اکثر درباروں نے اس سے قبل سے کہتے ہیں۔ وہ بھی یہی کہ ہمارے پاس سائنس اور سائنس دان ہیں۔ ہمارے پاس لیبارٹریاں جن میں بڑے بڑے تجربات کر کے نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں اور پھر دولت کہتے ہیں ایسے لوگ اللہ کے فضل کو ذیل نہیں سمجھتے، بلکہ اپنی عقل و فن اور مہارت کو آمدنی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم اور حکمت و دانائی بھی تو اللہ ہی کی عطا کردہ ہوتی ہے، وہ جب کسی کو دے لے اور جب چاہے واپس لے لے، لہذا ہر اچھائی منجانب اللہ ہوتی ہے اور اسی کی طرف منسوب کرنی چاہیے۔ اللہ کا فرمان ہے مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ لَدُنْكَ (النار - ۷۹) تمہیں جو بھی بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہذا علم و فہم اور استعداد و قابلیت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرے کی حقیقت ہے۔ قارون کے دماغ میں یہی فتنہ مورتھا، لہذا اس نے مال و دولت کو اپنی ذاتی استعداد کی طرف منسوب کیا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص مال و دولت، قوت اور جمہت پر غرور کر رہا ہے حالانکہ اس کو اتنا بھی علم نہیں اُولَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جَمْعًا کہ اس سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو ان سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور ان کی قوت کے لحاظ سے بھی زیادہ تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ قارون تو ایسا عالم ہے کہ اس کی سلطنت ہمارے بھی نہیں محض مال و دولت پر قائم رہا ہے۔ ہم نے تو عمار، ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم لوط، کھاندنیوں اور مصریوں جیسی بڑی بڑی مذہب قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ بلاشبہ وہ قارون کی نسبت سے لحاظ سے طاقتور تھے، سلطنتوں کے مالک تھے، ان کے پاس فوجیں تھیں، دنیا کی ہر چیز میسر تھی، مگر جب انہوں نے سرکشی کی، غرور و تجبر کیا، تو ہم نے انہیں سنبھڑا دیا۔

طاقتور
قوموں کی
ہلاکت

نہ یہ کر دیا۔ فرمایا وَلَا یُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ مجرموں
 کو ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان
 کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر انہیں صفائی کا موقع دینے کی ضرورت بھی محسوس
 کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے جرائم کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے -
 یَعْرِفُ الْمُجْرِمَ وَنَبِّیْهُمْ (آیت - ۱۴) مجرم اپنے چہرہ کے
 ہی پہچانے جاتے ہیں اور پھر انہیں گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے
 قارون کا بھی یہی حال ہو گا۔ مکے کے شرکوں کو بھی تنبیہ مقصود ہے کہ وہ بھی مال و
 دولت اور نفی پر غرور نہ کریں بلکہ حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ ورنہ ان
 کا انجام بھی قارون اور سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہو گا۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ
 إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
 وَيُؤْتِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنَ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ
 الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٨١﴾ وَأَصْبَحَ
 الَّذِينَ تَمَتَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيُكَانِّ
 اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنُ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ
 لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيُكَانِّه
 لَا يَفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٢﴾

ع ۱۱

ترجمہ:- پس نکھ (قارون) اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت
 میں۔ کہا اُن لوگوں نے جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے، کاش
 کہ ہمارے لیے بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔
 بیشک وہ البتہ بڑی خوش قسمتی والا ہے ﴿۷۹﴾ اور کہا اُن
 لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا، خرابی ہے تمہارے لیے۔
 اللہ کا عطا کردہ اجر بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان

سیوں کے ساتھ گھسیٹ کر گڑھے میں دفن کیا۔ اس کے بڑے بڑے ساتھی تو جنگ بدمیں مارے گئے تھے مگر اس کو بھی ذلت ناک موت آئی۔

قارون کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ایک روز قارون اپنی قوم کے پاس نہایت زیب و زینت اور شان و شوکت کے ساتھ نکلا شیخ سعدی نے قارون کے متعلق کہا

قارون ہلاک شد کہ چہاں خانہ بخت داشت
نوشیرواں ندر کہ نام نحو گزاشت

قارون ہلاک ہو گیا حالانکہ اُس کے پاس سونے سے بھرے ہوئے چالیں مکان تھے اس کے برخلاف نوشیرواں عادل تھا، اس کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

تو فرمایا کہ ایک دن قارون بڑی شان کے ساتھ باہر نکلا کسی تقدیر میں جانا ہو گا۔ نہایت فاخرہ لباس پہن رکھا تھا۔ سنہری زین وائے شہابی نیک کے خچر یا کمپوڑے پر سوار تھا، نوکر چاکر، غلام اور نوٹریاں سمراہ تھے۔ اس کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر قَالَ الَّذِي يَسِيرُ يَدُونَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کہا ان لوگوں نے جو دنیا کی زندگی کے ہی خواہشمند تھے۔ اکثر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو دنیا کی زیب و زینت اور ٹھاٹھ بائٹ پر ہی فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ اسی کو اول و آخر سمجھتے ہیں قارون کو اس حالت میں دیکھ کر اُن کے منہ میں بھی پانی بھرا آیا اور کہنے لگے بَلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ کاش کہ ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ دیکھو یہ کتنا خوش قسمت آدمی ہے جسے دنیا کی ہر آسائش حاصل ہے، کاش ہمیں بھی یہ چیزیں میسر آتیں۔ اس زمانے میں بھی لوگوں کا یہی حال ہے، کسی کی کار، کوٹھی، لباس، عیش و عشرت، کارخانے، زمین وغیرہ دیکھ کر ویسی ہی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ اللہ نے فرمایا کہ بعض لوگ تو دنیا پر اس قدر رنجیدہ جاتے ہیں کہ وہ یوں کہنے لگتے ہیں رَبَّنَا عَجَلْ لَنَا قِطْنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (عصر ۱۶) اے ہمارے پروردگار! ہمیں جو کچھ دنیا ہے قیامت سے پہلے ہی اسی دنیا میں دے

ہے۔ ایسے لوگ لازماً آخرت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگوں نے بھی قانون پر شک کیا اور کہنے لگے إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ بیشک وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے جس کے پاس مال و دولت کی اس قدر وفائی ہے۔

اہل علم کا
نظر یہ

اس کے برخلاف وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ اِنَّا نُوَكِّلُ اَنْفُسَنَا مِنْ حَقِّهِمْ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا يَكُنُ لَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ مَا نَعْلَمُ۔ اہل علم نے جن کو علم دیا گیا تھا۔ اس علم سے دنیا کے علوم سائنس، ریاضی، ٹیکنالوجی، جغرافیہ وغیرہ نہیں بلکہ اس سے انبیاء علیہم السلام کا علم مراد ہے جو انہیں وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ کے دین شریعت اور احکام پر مشتمل ہوتا ہے دنیا کا علم جاننے والے تو آج عیسائی اور یہودی اور دیگر لوگ بہت زیادہ ہیں جو آسمانوں پر کمندیں ڈال رہے ہیں مگر یہ علوم آخرت کے لحاظ سے بے سود ہیں۔ مفید علم تو وہ ہے جس پر خدا تعالیٰ راضی ہو جس کے ذریعے اللہ اور اس کی مخلوق کے حقوق معلوم ہو سکیں اور جس سے دل میں روشنی پیدا ہو۔ بہر حال اہل علم لوگوں نے کہا وَیْلَ لَكُمْ تَحْتَلُّ لَیْسَ خُرَابِیْہِ۔ تم دنیاوی ٹھاطھہ باٹھ کی مناکر رہے ہو حالانکہ یہ ساز و سامان باطل عارضی اور مایا نیا ہے۔ یاد رکھو! ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا اَللّٰهُ عَظَاکُمْ دَہْ اَصْرًا ثَوَابٌ بَہْتَرُ ہے مگر اس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور جس نے اچھا عمل کیا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کے فانی مال کی مناکرت کی بجائے اللہ کے دائمی انعامات کی خواہش کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا بھی سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا کُتُبَہِمْنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا لَے اللہ ہمارے اللہ ہمارے مقصود صرف دنیاوی طلب کو نہ بنا اور نہ ہی ہمارے علم کو صرف دنیا تک محدود رکھ۔ دنیا کی خواہش تو کافر، مشرک اور کلمہ کہتے ہیں۔ جب کہ مومنوں کو بزرخ اور آخرت کی فکر ہوتی ہے اور وہ اس کی جستجی کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو سو پچاس سال میں ختم ہو جاتی ہے اور بیاں کی ہر چیز یہیں رہ جائے گی۔ جب کہ آخرت کی زندگی لامحدود اور دائمی ہے۔ لہذا اس کی فکر ہونی چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی تھی کہ

لَعَنَ قَوْمُیْ مَکَہَ (فیاض)

کرتے ہوتے فرمایا: کسی ہا حق غضب نہ کرو اور جو حقوق قابلِ ادائیگی میں۔ ان کو
 ادا کرنے کے بعد بَقِیَّتُ اللہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ
 ہورہے ۸۶ جو کچھ تمہارے پاس بچ ہے۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم ایمان
 والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حلال روزی میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتا ہے جب کہ
 ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ناجائز اور حرام ہوں میں ہی صرف ہوتا ہے۔
 وہ مال حرام ہو دیکھانے عوام رفت کے مصداق۔ اور مال حرام راستے۔ ہی خرچ ہوتا
 ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اہل علم لوگوں نے قارون پر رشاک کرنے والوں
 کو سمجھایا کہ تم قارون کی طرح دنیا کے طالب۔ بن رہے ہو۔ تمہارا یہ سود اچھا نہیں ہے
 بلکہ اہل ایمان اور اعمال۔ انجام دینے والوں کو جو کچھ اللہ نے ان کے لئے دیا ہے۔ وہ بہتر
 ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَلَا یَلْمِزُہَا وَلَا یَلْمِزُہَا وَلَا یَلْمِزُہَا وَلَا یَلْمِزُہَا
 عیسٰی نے کہا کہ کسی کو حاصل ہوتی ہے اہل ایمان دنیا میں مشکلات۔ کہ برداشت کرنے
 میں۔ ایمان اور سچ کی دولت کھاتے ہیں۔ وہ دنیا کی آرزو نہیں کرتے۔ طعن و تشنیع
 اور بھوک پیاس کو برداشت کرتے ہیں۔ عبادت و ریاضت میں مشقت اٹھانے
 میں۔ مال ہے تو اس کو صحیح مقام میں خرچ کرتے ہیں۔ لہذا وہ اللہ کے بے پائیاں
 انعامات سے تسخیر ہوتے ہیں۔

قارون کی
 کہ

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ قارون کی ملکیت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف
 ایک سانس کرنے کے نتیجے میں سوئی۔ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے
 سامنے تعزیری احکام بیان کر رہے تھے کہ جس نے چوری کی اُس سے ہاتھ کاٹ
 دیے جائیں گے اور جس نے زنا ارتکاب کیا اُس کو دس گے جائیں گے یا سنگسار
 کر دیا جائے گا۔ قارون کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے
 مل کر ایک سانس تیار کر رکھی تھی۔ ایک فاحشہ عورت کو سونے کا نکال بھر کر اس
 مقصد کے لیے لے دیا تھا کہ وہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری و تمسک لگائے
 چنانچہ اُس موقع پر اس عورت کو بلایا گیا۔ بہت سے لوگ جمع ہوئے جنہیں موسیٰ علیہ السلام

و غلط کر رہے تھے۔ عین اُس وقت قارون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا ہے مجھ کی یہی سزا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر قارون نے مزید پوچھا کہ اگر آپ بھی نعوذ باللہ از ما ہے مرتکب ہوں تو کیا آپ کو بھی جی سزا دی جائے گی آپ نے پھر تصدیق کی۔ اتنے میں اُس فاسقہ عورت کو اٹا دیا گیا جس نے عام مجلس کے دوران موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگایا اس اچانک حملے سے موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے گئے اور اُس نے آپ کو ہمت عطا فرمائی آپ نے اس عورت کو قریب بلایا اور فرمایا تمہارے قسم ہے اُس ذات کی جس نے تم پر توہرات نازل فرمائی ہے جس نے تجھ کو قہر میں بنی اسرائیل کے لیے راستہ بنایا اور جس نے فرعون کو غرق کیا، سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ الزام کیوں لگایا ہے، وہ عورت گھبرا کر حق اپنے پر مجبور ہو گئی کہ قارون اور اس نے ساتھیوں نے رُپے پیسے دے کر اُس سے یہ الزام لگوایا ہے۔ جب حقیقت واضح ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام منبر سے نیچے اتر آئے اور نہایت نرم و نازکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے لگے کہ پھر یہ لوگ مد سے گنہگار کئے ہیں۔ اب تو ہی ان سے انتقام لے۔ چنانچہ اسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا حکم آگیا کہ ان نامہنجاؤں کو ابھی زمین چھلے گی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ جو شخص قارون کی اس کمینہ حرکت کو ناپسند کرتا ہے وہ اس سے الگ ہو کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائے کیونکہ اب اس پر خدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت نے قارون سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس کے ساتھ چند افراد رہ گئے جو اس کے گھمڑے یا دھجیر حامی تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے قارون کے مہمانات جن میں مال و دولت جمع کر رکھا تھا۔ زمین میں دھنسنے لگے۔ اس کے ساتھ قارون اور اس کے حامی بھی زمین میں دھنسا دیے گئے۔

قارون کے علاوہ یہ بعض دوسرے لوگوں کو بھی ملی ہے۔ جنہو علیہ السلام ہم ارشاد ہے کہ پانی امتوں میں سے ایک شخص دو دیا و زیب چادریں اوڑھ کر اتر کر رہا

رہا تھا۔ ایک چادر تہ بند کے طور پر باندھ رکھی ہوگی اور دوسری اوپر اوڑھی ہوگی جس پر علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس کے غرور و تجبر کی بنا پر اللہ نے اُس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنسا ہی پڑا جائے گا۔ حتیٰ کہ قیامت کے دن کہیں اُس کا قدم جا کر نہ پڑے گا۔

اگلی آیت میں اللہ نے قارون کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضُ مِمْصِرٍ دھنسا دیا ہم قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں مطلب یہ کہ جن مکانات میں اُس نے خزانے جمع کر رکھے تھے۔ قارون کے ساتھ وہ بھی زمین میں دھنسا دیے گئے اور اس طرح نہ وہ خود باقی رہا اور نہ اس کا مال و دولت۔ اللہ نے خزانوں کو بھی زمین میں غرق کر دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ موسیٰ علیہ السلام اُس کی جلالت کے بعد قارون کے خزانوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ تو اُس کی اپنی غلط فہمی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے اُسے عبرت ناک سزا دی۔ فرمایا اُس کی حالت یہ تھی فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَللّٰہِ اللّٰہِ کے سوا کوئی گروہ اس کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ اور نہ وہ کسی سے انتقام لینے کی طاقت رکھتا تھا۔ وہ کف افسوس ملا برا زمین میں دھنسا لیا۔

دنیا میں خسوف کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اخبار میں میں نے ۱۹۴۹ء کا واقعہ پڑھا تھا۔ فیروز پور کے کسی علاقے میں سکولی بچے سکول میں پڑھ رہے تھے کہ اچانک پوری کی پوری عمارت زمین میں دھنسا گئی۔ جب جاپان میں زلزلہ آیا تھا تو زمین میں ہزار ہزار میل لمبی دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ اس زلزلے میں ڈیڑھ لاکھ انسان لقمہ اجل بنے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ امریکہ میں شہاب گرنے سے ایک بستی کے تین چار سو آدمی جل کر خاکستر ہوئے تھے۔ بہر حال اس قسم کی سزا بعض اوقات عطا کرتی ہے اور قارون بھی اسی طرح کی گرفت میں آیا۔

فرمایا جب لوگوں نے قارون اور اس کے خزانوں کو اس طرح ہلاک ہوتے دیکھا وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ لَوْ كُنْتُمْ جُورًا قارون کے مرتبے کی بنا کہ تھے يَقُولُونَ وَيَكَاَنَّ اللَّهُ يُبْصِرُ

قارون کی ہلاکت

شک کرنے والوں کا آئینہ حقیقت

الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۚ وَهُوَ كَنُزْجٍ
 کہہ کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی وسیع کر دیتا ہے اور
 جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔
 مخلوق اس سلسلے میں بالکل عاجز ہے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ بعض اوقات بہترین
 قسم کے نافرمانوں کے لیے بھی رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ سونے چاندی
 میں کھیلتے ہیں۔ جب کہ بعض نہایت ہی صالح آدمی تنگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور
 ہوتے ہیں۔

اَنْ شَكَّ كَرْنِ وَالْوَلَدِ لَا اَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا
 لَخَسَفَ مِنْ اَكْرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی ہم پر احسان نہ کرتا تو میں بھی زمین میں دھنسا دیتا
 اب اُن لوگوں نے حقیقت کو پہچانا۔ کہنے لگے کہ کل تمام تو ہم قارون کی شان و
 شوکت کی تمنا کر رہے تھے مگر اُس کا مال و دولت تو اس کے لیے قدر الہی کا سبب
 بن گیا۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اس سزا سے بچ گئے۔ اُن لوگوں نے اس حقیقت
 کو بھی تسلیم کیا و نیکانہ لَا يَفْزَحُ الْكَافِرُونَ کہنے لگے تعجب ہے
 یعنی حسرت اور افسوس کا مقام ہے کہ کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، اگر وہ
 آج بظاہر کامیاب نظر آتے ہیں تو کل جہنم کے کدو فائز بننے والے ہیں۔ اللہ
 تعالیٰ کفر و شرک سے محفوظ رکھے۔ انسان کو توبہ کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ معاف
 فرمائے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ
 عُلُوقًا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾
 مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ
 بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا
 مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ
 الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَىٰ مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ
 بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۸۵﴾

ترجمہ :- وہ آخرت کا گھر کہ ہم عطا کرتے ہیں اُس کو اُن لوگوں
 کے لیے جو نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد۔ اور اچھا
 انجام متقیوں کے لیے ہے ﴿۸۳﴾ جو شخص لے کر آیا بھلائی،
 پس اُس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہو گا۔ اور جو لایا برائی
 پس نہیں بدلہ دیے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کی ہیں
 برائیاں مگر جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۸۴﴾ بیشک وہ ذات
 جس نے فرض کیا ہے آپ پر قرآن، البتہ وہ لوٹنے والا
 ہے آپ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف۔ آپ کہہ دیجئے، میرا پروردگار
 خوب جانتا ہے اُس کو جو آیا ہدایت لے کر اور اُس کو جو
 گمراہی میں مبتلا ہے ﴿۸۵﴾

گزشتہ آیات میں اللہ نے قارون کے تجبر، غرور، دولت مندی اور موسیٰ علیہ السلام

روح آیات

کو ایذا رسانی کا ذکر کیا اور پھر اُس کا انجام بھی بیان فرمایا اللہ نے اُسے اُس کی زبان سے
سمیت زمین میں دھنسا دیا اور ایسے وقت میں اس کی دولت، مجتہد، دوست، حاکم
کچھ بھی کہہ نہ آئے، جو لوگ قازن کی شان و شوکت پر رشک دے تھے اُن کو اُن
ندامت اٹھانا پڑی۔ اس کی تباہی کو دیکھ کر اُن لوگوں کو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ جس نے
لیے چاہے، رزق کے دروازے کٹا دے کہ دے اور جس کے لئے چاہے نہ دے
دے۔ دولت کی فراوانی بچی کی علامت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے آزمائش
ہوتی ہے۔ اُن لوگوں نے تسلیم کیا کہ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا جو ہمارے قنا کے
باوجود ہمیں قارون کہ ہمہ ملکہ نہیں بنایا ورنہ ہم بھی اُس کے ساتھ ہی زمین میں دھنس
جاتے اور ہمارا کوفی پر سان عال نہ ہوتا۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ کافروں کو بھی فلاح
نہیں پاسکتے، ان کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے

مانند
جنت

آج کی پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ جو انسان
کے جنت کے جانے کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سے ایک غرور ہے
اور دوسرا فساد۔ گزشتہ رکوع میں بھی دارالآخرت کا ذکر آچکا ہے کہ قارون کی قوم نے
اُس سے کہا کہ اللہ نے جو مال و دولت تمہیں عطا کیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گم
تلاش کرو اور لوگوں پر احسان کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے۔ اب اس آیت
میں بھی دارالآخرت کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے کہ یہ اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے
جو غرور اور فساد سے پرہیز کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ
آخِرَتِ الْكَافِرِينَ کہ جو کفار ہیں اُن کے لئے جو زمین و آسمان
اور زمین میں بڑائی اور نہ فساد کرتے ہیں۔ گویا آخرت کے گھر کے حصول میں دو چیزیں بُرائی
یعنی غرور و فساد مانع ہیں۔

غرور و فساد

تنبہ روحانی بیمار یوں میں سے سب سے بڑی بیماری سب بیماری کی تہہ ہے۔
ابیس زندہ درگاہ ٹھہرا۔ اللہ نے فرمایا: اَلْجِبِّ وَاسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ

الْكَافِرِينَ (البقرہ - ۳۴) اُس نے حکم خداوندی کا انکار کیا اور تکبر کیا جس کی وجہ سے وہ کافروں میں شمار ہو گیا۔ دوست کو اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھنا تکبر کی علامت ہے۔ اس قسم کا تکبر عام لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص دوست کو علم کے اعتبار سے حقیر سمجھتا ہے، کوئی خاندان، برادری اور جھٹھے کے اعتبار سے۔ کوئی دولت اور قوت کی بنا پر دوست کو حقیر مانتا ہے۔ یہ بڑی قبیح چیز ہے اور آخرت کے گھم کے رستے میں رکاوٹ ہے۔ مَحْذُورٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کافران ہے لَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَا يَبْغِي بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ کوئی شخص دوست کے مقابلے میں فخر نہ کرے اور نہ کوئی ایک دوست پر سرکشی کرے۔ اُس کی بجائے تواضع اور انصاری کو اختیار کرنا چاہیے۔ بزرگانِ دین فرمانے ہیں کہ تکبر ایسی قبیح بیماری ہے کہ انسانی جسم سے اس کا نالاناہت مشکل ہو جاتا ہے ایک پہاڑ کو سوئی کے ذریعے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو انسان سے نالاناہت ہے۔ اسی لیے تکبر کی بیماری سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس آدمی کی جان اُس کے جسم سے اس حالت میں جدا ہو کہ وہ شخص تکبر، خیانت اور غلیل سے پاک ہو تو ایسا شخص جنت میں داخل ہو گا۔ ایک روایت میں دین یعنی قرعہ کا ذکر بھی آتا کہ اس سے بھی پاک ہونا ضروری ہے۔ یہ حقوق العباد کا حصہ ہے اور جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے، اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے کسی کی حق تلفی خیانت ہے جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْبِثُ الْكَافِرِينَ (الانفال) وہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ غائن اللہ کی نگاہ میں بغرض ہوتے ہیں دوسری مانع جنت چیز فساد فی الارض ہے۔ فساد کا عام فہم یعنی قتل و غارت مار دھار اور ظلم و زیادتی وغیرہ ہوتا ہے۔ تاہم قانون خداوندی کی خلاف ورزی، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب بھی فساد فی الارض میں داخل ہے۔ ابھی پچھلے رکوع میں گزرا ہے کہ قارون کی قوم نے اُس سے کہا لَا تَتَّبِعِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ زمین میں فساد نہ تلاش کریں، اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ الاعراف میں واضح طور پر فساد فی الارض سے منع کیا گیا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (آیت ۵۶) نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ بہر حال جب تک قوانین الہیہ پر عمل ہوتا ہے گا، لوگوں کو امن حاصل ہوگا۔ جب شرک، اغتراب اور معاصی کا ارتکاب ہوگا، تو بے مسمیٰ اور شر و فساد پیدا ہوگا۔ بدعات اور خلاف سنت امور بھی فساد کا باعث بنتے ہیں۔ لہذا ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

عزیز و کبر اور فساد فی الارض کے علاوہ حسد کی بیماری بھی عام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے مَا خَلَا جَسَدًا هَذَا حَسَدٌ يَعْنِي كَوْنِي أَنَا جَسْمٌ حَسَدٌ خَالِي نَبِيں ہوتا۔ اسی لیے حاسد کے حسد سے پناہ مانگی گئی ہے وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (افلق - د) ابو ذر شریف کی روایت میں آتا ہے کہ لوگو! حسد سے بچتے رہو فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ کیونکہ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جیسے آگ بکھڑی کر کھا جاتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ آخرت کا گھمراؤ لوگوں سے لیے مقرر کیا گیا ہے جو کبر اور فساد فی الارض سے اجتناب کرتے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اور اچھا انجام متقینوں کا ہی ہوگا۔ تقویٰ کا معنی "محافظت بر حدود شرع" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا ہے۔ جو شخص حدود شریعت کو قائم رکھے گا۔ وہ کامیاب ہوگا۔ متقی پر آزمائشیں تو آئیں گی لیکن بالآخر وہ خدا کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائیگا اس کے برخلاف کبر اور فساد کرنے والے محروم رہ جائیں گے۔

نئی اور
بڑی کابلہ

آگے ارشاد ہوتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا

جو شخص نیکی سے گمراہ ہو، اللہ کے ہاں اس کے لیے اس نیکی سے بہتر بدلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ و عام قانون یہ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرَةٌ مِثْلُهَا (الانعام - ۱۶۱) یعنی نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یہ بدلہ سات سو گنا یا سات لاکھ گنا سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے انسان کا خلوص جس قدر بڑھتا جائے، اسی قدر اللہ کے ہاں اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا، حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ کے راستے میں غنی کیا ہوا کھجور کا ایک دانہ اجر و ثواب میں صد ہزار سے بھی بڑے ثواب سے زیادہ ہے کہ انسان کا عمل تو ایک محدود وقت کے لیے ہوتا، مگر اس کا اجر و ثواب چونکہ دائمی ہوتا ہے، لہذا وہ عمل سے بہر صورت بہتر ہوتا ہے۔

فَرِیَاقٌ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ
عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا لَفَعَهُ أَوْ اور جو کوئی برائی سے
گمراہ آیا تو برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا بدلہ ان کی برائی کے برابر ہی ہوگا، اس سے
زیادہ نہیں ہوگا۔ شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ نے نیکی کیلئے بہتر اجر کا وعدہ
کیا ہے۔ لہذا وہ تو بہر صورت مناسب ہے مگر برائی کے اجر کے لیے وعدہ نہیں فرمایا۔ لہذا
ممکن ہے کہ وہ معاف ہی ہو جائے۔ ہاں اگر کسی کو سزا ملے گی تو اتنی ہی جتنی اس نے
برائی کی ہوگی، اس سے زیادہ نہیں۔

وہاں لکھتے
ہے کہ وعدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بہتر مستقبل کی پیش گوئی کر کے
تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِي كَفَرَ مِنْكُمْ فَهُوَ كَافِرٌ اور جو آپ کو
ذات جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے لڑاؤ کے خلاف معاذ وہ آپ کو
لوٹانے کا، لوٹانے کی جگہ کی طرف۔ لوٹانے کی جگہ سے متعلق مفسرین کرام دو قسم کی
تفسیریں بیان کرتے ہیں۔ معاذ سے ایک مراد تو قیامت کے دن لوٹانے کی جگہ ہے
کہ آپ اس دن بلند ترین مقام پر فائز ہوں گے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں آتا ہے
عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا آیت ۵۰۔
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ جہاں آپ سجدہ ریز ہوں گے۔
۱۔ موضع القرآن ص ۴۲۲ ۲۔ ابن کثیر ص ۲۱۲ ۳۔ وطبری ص ۲۱۲ (فیاض)

اور پھر اذن الہی سے شفاعت کبریٰ اور شفاعت معذرتی کریں گے۔ یہ حساب یہ کرنا کہ اس لوٹنے سے قیامت کا لوٹنا مراد ہے تو وہاں بھی آپ کو نہایت ہی عزت و احترام کے مقام میں لوٹایا جائے گا۔

معاذ کا واسطہ بھی مفسرین کے یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا اشارہ آپ کو صحیح مکرّمہ میں واپس لوٹنے کی طرف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کی ہجرت الی المدینہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ آپ مدینہ میں پیدا ہوئے، وہیں جو ان ہوئے، نبوت بھی اسی مقام میں ملی، مگر مشرکین مکہ نے آپ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ غار ثور سے نکل کر ایک غیر معروف راستے پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر جب آپ جحفہ کے کنارے پر پہنچے تو مدینہ کے لیے سیدھا راستہ اختیار کیا۔

اسی دوران آپ خذوقہ نامی سپاڑ پر چڑھے اور حرم شریف کی طرف دیکھ کر آپ کو دل بھر آیا، اور نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے مجھے مجبور نہ کرتے تو اللہ کے گھر کا پذیر وں چیر کر نہ جاتا، گویا سزا کی جالی حضور علیہ السلام کے لیے سخت اضطراب کا باعث بنی، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ جس خدا تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا وہ اللہ و آپ کو صحیح کی طرف دوبارہ لوٹائے گا۔ مطلب یہ کہ اب تو آپ مجبوراً مدینہ مکرمہ سے نہایت دور سے ہیں مگر آپ وقت آئے گا جب آپ کو تھانہ ملاز میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس شہر میں واپس آئیں گے۔ اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا اور ہجرت کے آٹھ سال کے بعد آپ دس ہزار قیدیوں کی جماعت کے ساتھ مدینہ مکرمہ میں داخل ہوئے مگر کسی نے نہ سمجھا، نہ کی۔

قرآن فوض کرنے سے مراد قرآن کا نازل ہونا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پالنے کی تلاوت بھی اس میں آتی ہے جیسے فرمایا اُنْزِلْ مَكَ وَوَحَّاءِ اَیْکَ مِنْ اَلْکِتَابِ (العنکبوت - ۴۵) آپ کے پاس جو کتاب نازل کی گئی ہے۔ آپ اس کی تلاوت فرمائیے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ (فیاض)

تلاوت کریں۔ اس کے بعد کتاب اللہ کی تعلیم و حکمت، اس پر عمل درآمد اور تزکیہ نفس وغیرہ سب فرائض کے حکم میں داخل ہے۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے آپ پر قرآن فرمایا ہے، وہ ضرور آپ کو لوٹانے کے مقام پر لوٹائے گا، لہذا آپ دل برواشرہ زیوں بدلتی رکھیں۔ سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا: **وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** (آیت ۴) آپ کا آخری دور پہلے دور کی نسبت لازماً بہتر ہوگا۔ اللہ نے اپنا یہ وعدہ بھی پورا فرمایا اور اسلام کو غلبہ عطا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے **قُلْ لِّیْ یَغْفِرُ لِحَسْبِیْ رَبِّیْ رَحْمَةً مِّنْ جِلْدِیْ** (آیت ۱) میرا پروردگار کا خوب جانتا ہے اس شخص کو جو ہدایت سے ہٹ آیا ہے۔ **وَمَنْ هُوَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** اور اس کو بھی جانتا ہے جو کھس گرا ہی میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت، ارادے اور اعمال سے واقف ہے اور انہی کے مطابق ہر ایک کو بدلہ دیتا ہے۔ پہلے نیکی اور برائی کا ذکر کر کے جزائے عمل کو بیان کیا اب ہدایت اور گمراہی کی دوسے باتے کا ذکر کیا ہے کہ ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل ملے گا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ۝۸۶ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۸۷ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۸۸

ترجمہ :- اور میں آپ توقع رکھتے تھے کہ اتاری جائے آپ کی طرف کتاب ، مگر یہ مہربانی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے ۔ پس نہ ہوں آپ مددگار کفر کرنے والوں کے ۝۸۶ اور نہ رہوں آپ کو ایسا ساز لوگ ، اللہ کی آیتوں سے بعد اس کے کہ وہ اتاری گئی ہیں آپ کی طرف ۔ اور بلائیں آپ اپنے پروردگار کی طرف ۔ اور نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں میں سے ۝۸۷ اور نہ پکارتیں آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو ۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اُس کی ذات ۔ اُسی کا حکم ہے ، اور اسی کی طرف تم لوٹانے جاؤ گے ۝۸۸

سورۃ القصص میں بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کے علاوہ بہت سی نصیحت کی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں ۔ اس میں کفر کی مذمت اور غرور و تکبر کی قیامت ذکر ہوئی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے

رابطہ آیات

کہ ہر شبہ مشکہ میں آپ کو طرح طرح کی ازبہیں پہنچاتے ہیں مگر آپؐ کو علیہ السلام نے وقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ انہیں زندگی بھر کن کن مشعل حالات سے گزرنا پڑا۔ ان کا واسطہ بھی بڑے بڑے سرکش اور مستحجہ لوگوں کے ساتھ تھا۔ آپؐ کے فرائض بھی بڑے نامہجار میں حضرت مولیٰ علیہ السلام کے مہذوروں میں فرعون اور ہامان تھا۔ جب کہ حاسر میں قیرون تھا اسی میں آپؐ بھی بڑے بڑے مستحجہ دشمن اور حاسدین میں۔ آپؐ دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ حالات ہر مقابلہ خندہ پیشانی سے کریں، بالآخر یہ میاں آپؐ ہی کے حصے میں آئی۔

موسےؑ کا طریقہ
نماز و نماز

آج کے درس میں سب سے پہلے نبوت و رسالت اور وحی الہی اور وحی نبویہ ذکر فرمایا ہے۔ واضح کیا گیا ہے کہ نبوت کسی کی خواہش یا محنت کی بدولت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے جو اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے اس منصب کے لیے چن لیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقِيَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ اور آپؐ نہیں اُمید رکھتے تھے کہ آپؐ کی طرف کتاب نازل کی جائے گی۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپؐ کو کتاب عطا ہونے یعنی نبوت ملنے کی کوئی امیر یا ترقیع نہیں تھی إِلَّا رَحْمَةً مِنِّي وَتُحْسِنُ مگر یہ تو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ پر خاص رحمت ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے نبوت و آیت آپؐ کے سر پر رکھا۔ طلب یہ کہ عطا نے نبوت میں کسی عبادت و ریاست یا کسی دوسری محنت کا کوئی دخل نہیں ہونا کہ کوئی یہ اُمید کرے کہ لگے کہ اب مجھے نبوت ملنے والی ہے۔ یہ تو خالصتاً عطیہ خداوندی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی استعداد اور خلوص کو جانتا ہے جس کی بنا پر وہ نبوت و رسالت کے لیے انتخاب کرتا ہے کسی نبی کو نبوت عطا ہونے سے پہلے کوئی ترقیع یا اُمید نہیں تھی کہ اُسے اس منصب جلیل پر فائز کیا جا رہا ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ سخت خوفزدہ ہوئے اور لڑتے لڑتے کہنیتے کچھ تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ کو یہ واقعہ نیا چہنوں نے آپؐ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہلاک نہیں کرے گا۔ آپؐ ترسلہ جمعی کر کے آئے اور دوسروں کے کام آئے والے میں۔ ہاں اللہ تعالیٰ

کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ قبل از نبوت بھی کسی نبی سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اس ضمن میں قادیانیوں نے نہایت ہی غلط عقیدہ وضع کر رکھا ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود نے لکھا ہے کہ کوئی شخص عبادت و ریاضت کرتے کرتے نبی کا درجہ پاسکتا ہے۔ بلکہ نبی سے آگے بھی بڑھ سکتا ہے (نعوذ باللہ قادیانیوں کے لٹریچر میں اس قسم کی کفریہ باتیں موجود ہیں مگر افسوس کہ مقام ہے کہ اچھے بھلے بڑے سکھے لوگ بھی ایسی چیزیں کہہ بڑھ کر راہ واہ کرتے ہیں۔ دنیا کا اقتدار، ملازمت، حکومت، وزارت، ممبری وغیرہ کے لیے تو انسان امیدوار بنتا ہے، پھر محنت کرتا ہے انتخاب لڑتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ تب کہ میں جارا سے ممبری کی امید ہوتی ہے پھر وہ وزیر بنتا ہے، وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے یا وزیرِ عظم اور صدر بن جاتا ہے اسی طرح عام ملازمت کا بھی جی حال ہے۔ انسان کسی معمولی عہدے پر فائز ہوتا ہے اور پھر اپنی محنت اور قابلیت کی بنا پر اعلیٰ عہدے تک ترقی کر جاتا ہے مگر نبوت کے لیے ایسا کوئی قانون نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص غایت ہوتی ہے۔ نبی کو اپنی نبوت کا اس وقت علم ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اُس پر وحی نازل فرما کر اُسے آگاہ کرتا ہے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ آپ کو امید نہیں تھی کہ آپ کو نبوت عطا ہو رہی ہے اور آپ پر یہ کتاب نازل ہونے والی ہے بلکہ یہ تو آپ کے پذیرِ درگاہ کی طرف سے خاص رحمت تھی کہ اُس نے آپ کو اس منصب کے لیے منتخب فرمایا اور تمام انبیاء میں آپ کو بلند ترین مقام عطا فرمایا وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ (الاحزاب - ۴۰) آپ کو رسول بنایا اور انبیوں کا خاتم بھی بنادیا۔ آپ نے بعد نبوت کو دروازہ بند ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (البقرہ - ۲۵۳) ہم رسولوں کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرہ - ۲۵۳) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب کے اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ فرمایا کہ جب اللہ نے آپ پر اس قدر احسان فرمایا ہے فَلَا تَكُونَنَّ

کفار سے
عدم تعاون

ظَهِيْرًا لِّلْكَافِرِيْنَ پس نہ ہوں آپ کافروں کے مددگار اور پشت پناہ۔ یہی بات
 موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں سورۃ کی ابتدا میں بیان ہو چکی ہے۔ جب ان کے ہاتھوں
 غیر اِدنی طور پر ایک قبیلے قتل ہو گیا تو وہ اس فعل پر ناراض ہوئے اور اُسے شیطان کا عمل
 قرار دیا۔ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اللہ نے اُن کو معاف بھی کر دیا
 اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا قَالَ رَبِّ بِمَا
 اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنُ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ اَلْقَصَصُ
 پروردگار! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر اس قدر احسان کیا ہے تو میں کبھی بھی مجرموں کا
 مددگار یا پشت پناہ نہیں ہوں گا۔ بلکہ ہمیشہ حق پرستوں کا ساتھ دوں گا۔

شاہ عبدالقادر دیاں پر ایک اور لطیف بات بھی ذکر کرتے ہیں۔ آپ اس
 آیت کہ غمور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھیں کہ انہوں نے
 آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اب آپ کا وہی اپنا ہے جو ایمان در توبہ کو تسلیم کرتے
 آپ کا ساتھ دیکھا۔ اللہ نے عام مومنوں کے لیے بھی یہی اصول بیان فرمایا ہے۔
 وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ (ہود - ۱۱۳)
 اے ایمان والو! ظالموں کی طرف مت مجھو۔ اگر ایسا کرو گے تو ان کی طعن تمہیں بھی جہنم
 چھوئے گی۔ اندازہ مومن کافر صنف ہے کہ وہ کسی کافر ہمشہ کی یا مجرم کا ساتھ نہ دے اور
 نہ ہی ان کا مددگار یا پشت پناہ بنے۔ اللہ نے ایک عام اصول یہ بھی بتا دیا ہے۔
 وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ
 وَالْعُدْوَانِ (المائدہ - ۲) نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کے
 ساتھ تعاون کرو۔ اور گناہ اور تعدی کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔ کوئی امیر، مو
 وزیر، جو، صدر، ہو یا بادشاہ ظلم و زیادتی میں کسی کے مدد و معاون نہ ہو۔ اگر کفر، شرک،
 احماد اور بے دینی میں تعاون کرو گے۔ تو جہنم کے مستحق ٹھہرو گے۔

دوسری بات اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائی کہ
 اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا اَمْرًا مِنْهُمْ وَلَا يَصْطَلِقَ بَعْضُكُمُ
 بَعْضًا يَوْمَ الَّذِيْ تَكْفُرُ اَبْنَاءُ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاٰمِلَاتِهِمْ يَوْمَئِذٍ
 اِلَيْتِ اللّٰهُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْزَلَتْ اٰيٰتُكَ لَمَّا كَفَرُ لَوْ كُنَّ اِلٰهًا لَّا

مدینیت
 پینس

کے بعد ان سے روک نہ دیں مطلب یہ کہ آپ کافروں سے کوئی ایسا معاہدہ نہ کر لیں جو تبلیغ حق کے راستے میں رکاوٹ بن جائے مثلاً سورۃ القسطن میں ہے
 وَذُو لَوْتُذْهِنُ فَيُذْهِنُونَ رَاٰتِ ۹۰ کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مشن میں کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی مخالفت میں کھی کر دیں گے۔ فرمایا دین کے معاملے میں اس قسم کی سودے بازی درست نہیں۔ دین کے اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔
 اس کو مدہانت کہا جاتا ہے کہ کسی لالچ یا دباؤ میں آکر مشن کو ترک کر دیا جائے یا زہمی پیدا کر دی جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کافر لوگ آپ کو دین کی تبلیغ، توحید کی اشاعت یا کفر کی مذمت بیان کرنے کے معاملہ میں سودا بازی کریں کہ تم ان کو چھوڑ دو تو ہم تمہیں فلاں فلاں رعایت دے دیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ آپ اپنے مسلک پر قائم رہیں اور تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔

فرمایا اپنے دین پر استقامت اختیار کرتے ہوئے وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں کہ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ دَلِيلٌ اس کی شریعت کو انور، اس کی کتاب پر ایمان لازماً دشمنوں اور قیامت کے دن کو تسلیم کر دو۔ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور آپ شرک کرنے والوں میں نہ ہوں۔ شرک یہ یوم میں شریک ہونا یا دل سے ان کو اچھا سمجھنا انہی کے ساتھ شامل ہونے والی بات ہے۔ یومین کافرن ہے کہ وہ کفر، شرک اور بدعات سے نفرت کرے، اگرچہ یہ خطاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر پوری نوع انسانی کو سمجھانا مقصود ہے کہ کسی طرح بھی شرک میں ملوث نہ ہوں کہ اللہ نے اس گناہ کی مدد حافی کا بار بار اعلان کیا ہے۔

فرمایا وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ اور نہ پکاریں آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ کو۔ اپنی حالتوں میں غیر اللہ کو پکارنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے خواہ وہ فرشتہ ہو، جن ہو، پیغمبر ہو یا کوئی ولی ہو۔ مافوق الاسباب کسی غیر اللہ کو پکارنا اسے الہ تصور کرنا ہے۔ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عالم اسباب میں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر اس کی حتی الامکان مدد بھی حاصل کر سکتے ہیں مگر

جہاں ظاہری اہل خیمہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی پکارنا روا ہے۔ اگر کسی دوسری ذات کو پکارتے گا تو مشرک بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر مقام پر حاضر و ناظر ہے۔ ہر چیز پر اسی کی قدرت ہے۔ وہی ہر کام کی پکار کو سنتا ہے اور اسی حاجت باری را ہے۔ لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو چاہیئے۔ سورۃ الاعراف میں ذِاِیْ وَاِذْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (آیت - ۲۹) اُسی کو پکارو جس سے مال میں کہ اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔

غیر اللہ کو پکارنا بھی منع ہے اور عبادت کرنا بھی منع ہے۔ عبادت کرنا انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے۔ جو کہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے روا ہے۔ یہ تعظیم اگر جسم کے ساتھ ہو تو نہ ہر جسم کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا۔ کہتے ہیں کہ پکارنا یعنی مجھ کو یا مجھ کو عبادت میں شمار کرنا۔ اسی طرح اسی عبادت میں غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے قربانی دینا یا عذر دینا۔ اس کے اس کی عزت ماننا۔ مال صرف کرنا۔ سب عبادت میں شامل ہے۔ اگر کوئی اللہ کے لیے کسی اور سے بڑے نفع نقصان کی امید رکھتے ہیں۔ تو وہ بھی مشرک اور کافر ہے۔ ہم بھی عبادت ہی۔ وہ اللہ کی مدد سے ہے۔ اللہ کے سوا دل اب کسی دوسرے کا خوف نہ رکھنا۔ کہ فلاح میں ہمیں نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ اسی طرح، سوئی اللہ کسی پر جبر نہ رکھنا بھی روا نہیں۔ تو عمل بھی اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** (آل عمران ۱۲۲) اگر عباد ایمان کو تو اللہ کی ذات پر ہی جبر نہ رکھو کہ سارا کسٹروں سے لے کر فلاح میں ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہذا اس کے سوا کسی کو مست پکارو۔

آگے اللہ نے اس چند روزہ زندگی کی بے ثباتی کا ذکر فرمایا ہے **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ** ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ وجہ کا لفظ معنی ترجمہ ہوتا ہے مگر اس سے ذات ہی مراد لی جاتی ہے۔ ہر چیز ہلاک ہوتی ہے۔ اور بعض دوست منہ میں فرماتے ہیں۔ **وَجْهَهُ** لے بیضاوی میثاق و تفسیر کبیر میثاق (فیاض

سے اللہ کی ذات مراد ہے۔ ہر چیز فانی ہے، یا تو وہ با فعل فنا ہے یا آگے چل کر فنا
ہونے والی ہے، اللہ کے سوا کوئی ذات اور کوئی چیز دائمی نہیں ہے۔ ازل و ابد
ذات صرف ذات خداوند ہے جو حقی اور قیوم ہے اور جس پر کبھی فنا نہیں۔ فرشتوں کو
اللہ نے انسانوں کی نیکوئی سے کھربوں سال پہلے پیدا کیا، مگر ایک ایسا وقت بھی آئے
گا جب اللہ کے مقرب ترین فرشتوں جبرائیل، میکائیل اور عزرائیل پر بھی موت
طاری ہو جائیگی۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی چیز زندہ نہیں رہے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت لویہؓ بہت بڑے شاعر ہوتے
ہیں۔ اُن کا شاعری میں مرتبہ ایسا ہی ہے جیسے ہاں پر غالب، میر تقی میر، حسرت
مومن اور اقبال ہوتے ہیں۔ آپ کے نوے سال تک دور جاہلیت میں گزرا ہے اور پھر
اس کے بعد اسلام لائے، اور مزید تینا بیس سال اسلام کی حالت میں گزرا ہے۔ مسلمان
ہونے کے بعد شاعری تزلزل کر دی تھی۔ کہتے تھے اب مجھے ضرورت ہے کہ وہی کافی ہے
حضور علیہ السلام نے اُن کے متعلق فرمایا: اصدق کلمۃ قالت العرب
قول لبید یعنی عربوں کے ہاں سچا کلمہ اگر کوئی ہے تو وہ لبید کا ہے۔ آپ نے
دنیا کی بے ثباتی کے متعلق کہا ہے یہ

أَرَا كُلَّ شَيْءٍ مَّا خَلَدَ اللَّهُ بَاطِلًا
وَكُلُّ نَعِيمٍ لَّهُ مَحَالَةٌ زَائِلٌ
نَعِيمُكَ فِي الدُّنْيَا عُرُورٌ وَحُسْرَةٌ
وَأَنْتَ عَنْ قَرِيبٍ عَنْ مَقِيلِكَ رَاجِلٌ

خدا کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور دنیا کی ہر نعمت الاحوال زائل ہو جانے والی
ہے، تمہاری دنیا کی نعمتیں باعثِ انوس اور حسرت میں اور تم عنقریب اپنے ٹھکانے
کو جت کر کے جانے والے ہو، گویا انسان کی ہستی کچھ نہیں، سعدی صاحب نے بھی کہا ہے

کس ابقانے دامنِ دُعا مضمون نیست

عابدِ پادشاہی دُعا مضمون نیست

لہ ابن کشیر ص ۳۳ (فیاض)

کسی کے لیے ہمیشگی اور عمدہ مقیم نہیں ہے۔ اے پروردگار! ہمیشہ کی بادشاہی اور عمدہ مقیم صرف تیری ذات کی ہے۔

نظام حیدر آباد کا استاد بیل مانک پوری بڑا عالم اور شاعر بھی تھا۔ وہ کہتا ہے

ہستی ہے عدم میری نظر میں

سوئی ہے یہی ایک عمرِ کسبِ عمر میں

میر تقی میر نے بھی اس مضمون کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔

بود و نقش و نگار سا ہے کچھ

صورتِ اعتبار سا ہے کچھ

یہ فصاحت جسے کہیں ہیں عمر

دیکھو تو ایک انتظارِ سب ہے کچھ

خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کُلُّ

مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ ۞ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۞ (۲۷)

اس جہان کی ہر چیز فانی اور باطل ہے اور باقی رہنے والی صرف اللہ کی ذات جو صاحب

جلال و عظمت ہے۔ فرمایا کہ اَلْحُكْمُ وَالْيَمُّ تَرْجَعُونَ اسی کا حکم ہے

اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ ایک دن آنے والا ہے۔ جب ساری

مخلوق اس کی عدالت میں حاضر ہوگی۔ اور اس دنیا میں کردہ اعمال کا ثمرہ پانے لگی۔

امام ابن جریرؒ
کی توجیہ

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ کُلُّ شَيْءٍ عِندَ هَٰذَا اِلَٰهٍ وَجْهَهُ كَا تَعْلَقُ الْاِنْسَانُ

کے عمل سے بھی ہو سکتا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل فانی اور زائل ہے سوائے اُس عمل کے

جس کا رُخ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہے۔ یعنی جو عمل خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی

کے لیے کیا جائے گا۔ وہی قاضی ہو گیا، وہی مقبول ہو کر اچھا بدلہ پائے گا۔ اور باقی سارے

اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ گویا وجہ سے خدا تعالیٰ کی رضا بھی مراد ہو سکتی ہے

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ذَنْبًا لِّسْتُ مُحْصِيَةً

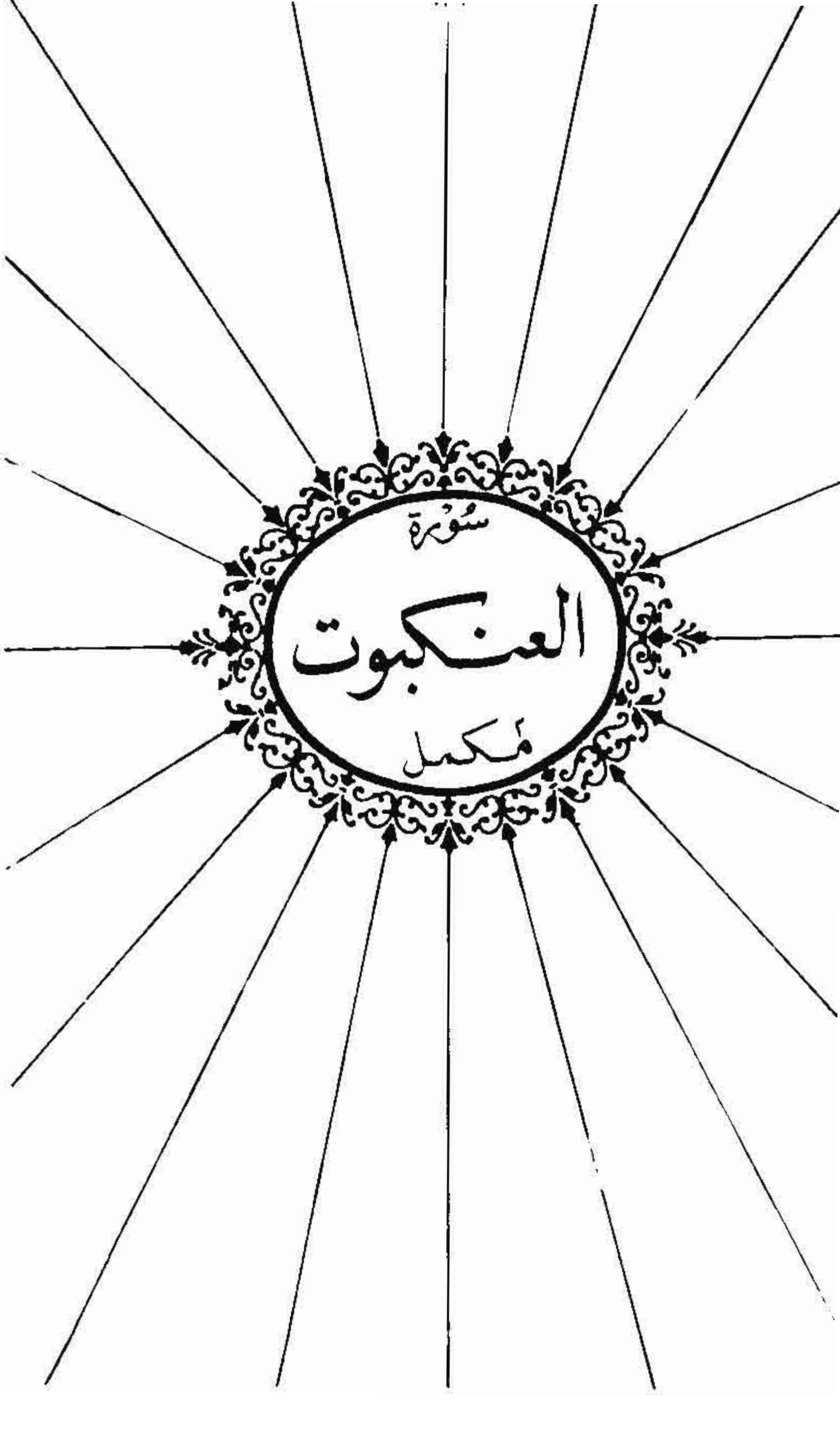
رَبِّ الْعِبَادِ اِلَيْهِ التَّوَجُّهُ وَالْعَمَلُ

لہ طبری مکتبہ ۲۰ ج (فیاض)

میں اللہ تعالیٰ سے اُن گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں کہ جن کو میں شمار کرنے سے بھی عاجز ہوں۔ اے بندوں کے پروردگار! انسان اور اس کے عمل کا رُخ اُنہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عمل خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے گا۔ وہی قبول ہوگا۔ باقی کچھ ہمیں اگرچہ یہ منور بھی بیان کیا جاتا مگر پہلا مفہوم زیادہ راجح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے آپ کو نصیحت کرنے کے لیے کسی ویران مکان یا کھنڈات کی طرف نکل جاتے۔ وہاں کسی کو نے پھوٹے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دیتے، اے مکان اَیْنَ اَھْلُکَ تیرے مکین کہاں گئے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرماتے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْہُہٗ ذَاکَ الْحَکْمُ وَلَیْسَ لَیْسَ جَعُوْنَ اَنْ کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہوتا تھا کہ اتنے عالیشان محلات میں سب سے بڑے باقی نہ رہے۔ اُن کی رہائش کہاں بھی اجڑ گئیں، گویا ہر چیز فنا ہے۔ قبرستان میں جا کر بھی انسان کو یہی نصیحت ہوتی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی قائم و دائم ہے۔

لہ ابن کثیرؒ (فیاض)



سُورَةُ

الْعَنْكَبُوتِ

مَكْمُولٌ

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ قُضِيَ نِسْعٌ قِسْمَتُونَ اَيْتُهُ سَبْعٌ رُكُوعَاتٍ
سورۃ عنكبوت مکی ہے۔ اس کی انتہی ۹ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْم ۱ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتْرَكُوا
أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۲
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكَاذِبِينَ ۳ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۴ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۴
مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۵ وَمَنْ

جَاهِدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ
لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا
يَعْمَلُونَ ⑦

ترجمہ: اَلَمْ ① کیا لوگ کمان کرتے ہیں کہ وہ چھوڑ دیے
جائیں گے اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے
میں اور ان کی آزمائش سنیں کہ جاہلی ② البتہ تحقیق ہم نے آزمائش
میں ڈالا اُن لوگوں کو جو اُن سے پیسے کڑے ہیں پس ضرور
اللہ تعالیٰ ظاہر کرے کہ اُن لوگوں کو جو سچے ہیں اور نظامِ حق سے
گما اُن لوگوں کو جو جھوٹے ہیں ③ کیا کمان کیا ہے اُن لوگوں
نے جو بدیہوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ وہ بچ جائیں گے
ہم سے ؛ بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ④ جو شخص
امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی پس اس کا
مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے ۔ اور وہ سننے والا
اور جاننے والا ہے ⑤ اور جس شخص نے مشقت برداشت
کی بیشک وہ مشقت اٹھاتا ہے اپنے نفس کے لیے بیشک
خدا تعالیٰ غنی ہے تمام جہان والوں سے ⑥ اور وہ لوگ

بِیْئَتَی الرَّجُلِ عَلَى قَدَرِ دِیْنِهِ آدمی کی آزمائش اُس کے دین سے
 مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ دین میں جس قدر بھینچتی ہوگی، آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی
 اس سورۃ مبارکہ میں جہاد اور ہجرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ امدان دونوں چیزوں کو
 اہل ایمان کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کئی سورتوں
 کی طرح توحید، مالت، بعثت بعد موت، جہنم، عمل اور استقامت علی الدین کے
 بارے میں بیان سمجھنے میں۔ سابقہ سورۃ الفصص کی طرح وغیرہ ایمان اور قرآن
 کا ذکر میں مرقبہ بھی آ رہا ہے۔ انسانی سوانح کے یہ تین کبیرہ مختلف طبقات کی نمائندگی
 کرتے ہیں۔ مسند درجہ یکم کی نمائندگی وعنوان کرتا ہے، نوکری کی نمائندگی
 کہ نمائندہ ایمان ہے جب کہ ساری طبقہ کی نمائندگی قرآن کرتا ہے، ماسمٹا ہے۔ یہ تینوں
 طبقات دین کے مخالفین ہیں شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ دین حق کی موجودگی میں ان لوگوں کی
 خواہشات کی تعمیل ممکن نہیں ہوتی، لہذا انبیاء کی تاریخ میں یہی طبقات مخالفت میں
 پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس نے ان کی مثال بھی بیان فرمائی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا بھی حروف مقطعات الکھ سے ہوتی ہے۔
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقاصد یہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ کا اکہم پاک ہے۔
 ل سے مراد لطیف اور لطف ہے جب کہ م سے مراد مجی اور مجاہد ہے۔ مطلب یہ
 یہ ہے کہ خدا تعالیٰ لطیف ہے اور اس کی حسرت لطف یعنی وہ بانی اور باری ہے۔
 ان طرح بزرگی اور عظمت بھی خدا تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ غرضیکہ ان حروف میں یہ اشارہ
 پایا جاتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ اپنا رُخ خدا تعالیٰ
 کی طاعت کی طرف موڑ دے اگر ایسا کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد بانی اور لطف حاصل ہوگا
 اور اگر اٹھا، سب سے ذمہ میں کوئی کرے گا تو نقصان اپنا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ توبہ
 حالت میں بڑی دہش ہے۔ اُس کی عزت و احترام میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں الکھ سورۃ کا عنوان ہے اور وہ اس طرح
 کہ الف سے مراد ابتداء، ل سے لازم اور م سے مطلوب وادب۔ گویا مطلب یہ ہوا
 کہ آزمائش ایک رزمی چیز ہے جو اہل ایمان سے ہر حالت میں مطلوب ہے۔
 لے بجا جبریل علیہ السلام و تفسیر کبیر ص ۱۰۹ (فیاض)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شفیطی نے پیر الہام سے عالم غیبی آنے والے وہ علم
 مراد لیتے ہیں جو اس مادی جہان میں آکر لوگوں کے بُرے اعمال، اخلاق اور عادات سے
 ٹھکراتے ہیں۔ تاہم امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کی تحقیق
 میں نہیں پتہ چلا۔ بنے مباد کہ انسان بک جلتے، لہذا زیادہ سلامتی والی صورت میں
 ہے کہ اللہ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ اَمَّا وَصَدَقَتْ اِنْ حُرُوف
 کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور ان حروف سے جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر
 ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو ہر چیز کا علم
 تو نہیں ہے، چنانچہ ان حروف کے متعلق بھی یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ ہیں ان کا حقیق
 ٹھیک علم نہیں ہے۔ ان کے مفہوم کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ان لوگوں کی
 نرمی آزمائش

ارشاد ہوتا ہے اَحْسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّشْرُوكُوا بِمَا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ
 میں کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے اَنْ يَقُولُوا اَمَّا مَحْضُ اس وجہ سے کہ وہ کہتے
 ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں وَهُمْ لَا يُفْقَهُوْنَ اور وہ آزمائش
 نہیں جائیں گے، فرمایا ایسی بات نہیں ہے کہ کوئی شخص محض زبانی دعوئی ایمان
 کی بدولت آزمائش سے بچ نہیں سکتا۔ ذرا سابقہ اقوام کی طرف نظر دیا کر دیکھو لو۔
 وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ بِمَا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ
 کو بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ظاہر ہے کہ جب سابقہ اقوام آزمائش سے
 نہیں بچ سکیں تو ان کو بھی یہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ ان کی بھی ضرر
 آزمائش ہوگی۔ اور پھر اس کے نتیجے میں فليَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
 صَدَقُوا اللّٰهُ تعالیٰ ضرر ظاہر کرنے کا ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں وَلَيَعْلَمَنَّ
 لَكُذِبٍ اِنَّ اور ان کو بھی ظاہر کرنے کا جو جھوٹے ہیں۔

علم کا عام مفہوم تو جانتا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے لوگوں کو
 ازل سے امتحان بناتا ہے مگر یہاں یہ علم سے مراد ظاہر کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ
 کسی فرد یا قوم کو امتحان میں ڈالتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں متعلقہ فرد یا قوم

کی پہچانی یا محبوب کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی پوزیشن یہ ہے۔ عام لوگوں کو بھی ایک دوسرے کے حق و باطل کا علم ہو جاتا ہے اور ہر شخص جان لیتا ہے کہ فلاں شخص منہ سے یا شرک اور فلاں مخلص۔ اے یا منافق اور فلاں دھوکہ باز ہے یا ایمان دار۔ غرض اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمائش ان کی حیثیت کی وضاحت کے اظہار کے لیے کرتا ہے۔

برائی پر
راز کی گرفت

ارشاد ہوتا ہے أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا کیا گمان کرتے ہیں وہ لوگ جو برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ جائیں گے؟ اکثر لوگ معاد کی طرف سے غافل ہوتے ہیں آخرت کے لیے کچھ تیاری نہیں کرتے حتیٰ وجہ سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بالکل محفوظ بیٹھتے ہیں۔ فرمایا اگر وہ ایسا خیال کرتے ہیں تو سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ تو بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہ بندوں کو ملامت ضرور دیتا ہے بلکہ بالآخر مجرموں کو پکڑ لیتا ہے۔ ہر شخص کی نیت، عمل اور کردار اس کے علم میں ہے۔ لہذا وہ کسی کو جزا یا سزا کے بغیر نہیں چھوڑتا۔

اللہ کے
منصورین

آگے ارشاد ہوتا ہے كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ جو شخص ایسا کہتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی فائن اجل اللہ لذات تو اللہ کا مقدر کردہ وقت تو ضرور آنے والا ہے۔ وہ مل نہیں سکتا۔ رجحانی امید اور خوف دونوں معنوں میں آتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اس کی ملاقات بھی خوف کھاتا ہے۔ دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات یعنی اس کے حضور پیشی نوامیان کا جزو بھی ہے يَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ وَلِقَاءُ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کی ملاقات پر کہ ایک دن ضرور اس کے سامنے حاضر ہونا ہے اور پھر اللہ کے ساتھ المذاقہ گفتگو ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجَمَانٌ یعنی اللہ اور بندہ کے درمیان کوئی ترجمان

بھی نہیں ہوگا۔ سورۃ النمل میں ہے يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تَحِبَادًا
عَنْ نَفْسِهَا آیت ۱۱۱۔ ہر نفس کو اپنی طرف سے خود جواب دینا پڑے گا
 وہاں کوئی وکیل پیش نہیں ہوگا، جو کسی شخص کی ترجمانی کرے تو فرمایا کہ اللہ کا
 مقدر وہ ضرور آنے والا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور اللہ تعالیٰ
 ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک ارادے، عمل اور
 اختلاس کے طالبِ فیصلہ کرے گا۔

مجاہد کی
اہمیت

ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ
 اور جس نے مجاہدہ کیا یعنی محنت و مشقت کی تو بیشک وہ محنت اٹھاتا ہے اپنے
 ہی نفس کے لیے۔ مجاہدہ میں جہاد بالسیف بھی آتا ہے۔ اور خود اپنے نفس سے بھی
 جہاد کرنا پڑتا ہے تاکہ پہلے اپنی اصلاح ہو۔ اُس کے جہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ انسان کبھی
 مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے تو کبھی جان کے ساتھ تبلیغِ حق کے سلسلہ میں زبان اور قلم سے
 جہاد ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا زمانہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ مال، جان اور
 زبان سے جہاد کرو۔ غیہ علموں کے ساتھ بحث و محیص کر کے اسلام کے تعلق آجے
 شکوک و شبہات رفع کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔

جہاد یا مجاہدہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ کوئی شخص جتنی محنت کرے
 اسی قدر اللہ کے قریب ہوگا۔ عبادت و ریاضت کرنے والا مجاہد بعض اوقات
 خود پسندی کا شکار بھی ہو جاتا ہے اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ کسی شخص کو اپنی
 محنت پر مازاں نہیں ہونا چاہیے اور محض کسی چیز کا خالی دعویٰ کر دینا بھی درست
 نہیں جب تک کہ اُس کے ساتھ عمل اور نیکی شامل نہ ہو۔

تو فرمایا جو شخص مشقت اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی ہی ذات کے لیے ایسا کرتا ہے
 اس محنت کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ کیونکہ إِنَّ اللَّهَ كَفِيَ عَنِ الْعَالَمِينَ
 اللہ تعالیٰ تو جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کی عبادت و
 ریاضت اور محنت و مشقت کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ

کو اس کا پچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ہوائی دے ہے بمعیت
کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ لہا مک
کَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ-۲۸۶) انسان کو اچھے اعمال کا فائدہ
بھی پہنچتا ہے اور بُرے اعمال کا خمیازہ بھی اُسی کو سبکتا پڑے گا۔ اگر ساری مخلوق نیک
ہو جائے تو خدا کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا۔ اور سارے کے سارے نادان
ہو جائیں تب بھی اُس کی سلطنت میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ یہ نفع نقصان تو خود
انسان کی اپنی ذات کے ساتھ ہی وابستہ ہے

ایمان اور اعمال
صالحہ کا بدلہ

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَرَوْه
لوگ جو ایمان لائے اور امانوں نے نیک۔ اعمال انجام دیے لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
اس کے بدلے میں ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دُور کر دیں گے یعنی معاف کر
دیں گے۔ جنور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، اور ایک
رمضان سے دوسرے رمضان تک کی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ معاف کرتا رہتا ہے۔
بشرطیکہ انسان کبیرہ گنہگاروں سے بچتا ہے۔ چھوٹی موٹی تقصیریں تو انسان کے اعضاء و جوارح
سے بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیوں کی بدولت از خود معاف فرما دیتا
ہے۔ البتہ کبائر کی معافی تو بہ اوتلافی کے بغیر نہیں ہوتی مطلب یہ ہے ایمان
و نیک اعمال ہی مدد فرماتا ہے۔

فرمایا ایسے لوگوں کی ایک توہم برائیاں دور کر دیں گے وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
أَحْسَنَ الْكَافِئَاتِ لَوْ لَا يَعْمَلُونَ اور دوسری بات یہ ہے کہ تم ان
سے اعمال سے اُن کو بہتر بدلہ عطا کریں گے۔ بتہ بدلے سے مراد یہ ہے کہ برائی
بہتر بدلہ دے گا جو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے بڑھا بھی دیتا ہے۔ یہی بدلہ
اس لیے بھی نیکی سے بہتر ہوگا کہ نیکی کا کام تو ایک محدود وقت میں انجام دیا جاتا ہے
اس کا بدلہ دائمی ہوگا جو ہمیشہ ملتا رہیگا۔ بہر حال سورہ اہل ایمان کی برائیاں اللہ تعالیٰ معاف
کرتا رہتا ہے اور ان کو بہتر بدلہ بھی عطا کرتا ہے یہ اہل ایمان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا فَلَا
جَاهِدَكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
فَلَا تَطْغَهَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَنْبِئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كُنَّا خِلَافَهُمْ فِي
الصَّالِحِينَ ⑨ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا
بِاللَّهِ فَإِذَا أُذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن
رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوَلَيْسَ
اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ⑩
وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ

الْمُنْفِقِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا
اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا
هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَلِيَحْمِلَنَّ أَثْقَالَهُمْ
وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

ترجمہ :- اور ہم نے انکیزی حکم دیا ہے انسان کو اس کے
والدین کے بارے میں اچھا سلوک کرنے کا۔ اور اگر وہ زور
ڈالیں سمجھ پر تاکہ تو شریک بنانے میرے ساتھ اس چیز کو
جس کا تجھے علم نہیں۔ پس نہ بات مان ان دونوں کی۔ میری
طرف ہی تمہارا لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتلا دوں
گا جو کام تم کیا کرتے تھے ۝ اور وہ لوگ جو ایمان
لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے، ہم ضرور داخل کریں
گے ان کو نیک لوگوں کی جماعت میں ۝ اور بعض
لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر
پس جب اس کو تکلیف دی جاتی ہے اللہ کے ہاتھ
میں تو غصہ آتا لوگوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح
اندگر آئے کوئی مدد تیرے پروردگار کی طرف سے تو
وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ تعالیٰ

ابھی طرح نہیں جانتا اس چیز کو جو جہان والوں کے سینوں میں ہے (۱۰) اور البتہ ضرور ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ضرور ظاہر کر دیا منافقوں کو (۱۱) لو کہ اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ تم پریزی کرو ہمارے راستے کی، ہم اٹھائیں گے تمہارے گناہوں کو حالانکہ نہیں ہیں وہ اٹھانے والے گناہوں میں سے کچھ بھی۔ بیشک البتہ وہ محبوب ہونے والے ہیں (۱۲) اور البتہ اٹھائیں گے وہ اپنے بوجھ اور دوست برہمہ جی اپنے بوجھوں کے ساتھ۔ اور ضرور اُن سے پوچھا جب کافیت کے دن اُن باتوں کے بارے میں جن کو وہ اقرار کیا کرتے تھے (۱۳)

رابط آیات

اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع ابتلا بالایمان ہے، یعنی جہاں ایمان ہو گا وہاں آزمائش بھی آئیگی۔ چنانچہ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی وضاحت کی ہے کہ لوگوں کو صرف ایمان کا اقرار کرنے کی بنا پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کی کشتی بھی ہوگی، اور اس امتحان میں کامیابی ہی اُن کی اصل کامیابی کی بنیاد ہوگی، پھر اللہ نے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا ذکر فرمایا اور اس کے بہتر اجر کی نوید سنائی۔ اس ضمن میں اللہ نے صبر و استقامت اور برداشت کی تلقین فرمائی ہے کہ ان چیزوں کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہے۔

والدین سے
حسن سلوک

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے ارشاد ہوتا ہے وَقَرَّبْنَا الْإِنْسَانَ بَعَالِدَ يَدِهِ حُسْنًا اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا تاکید حکم دیا ہے تمام کتب سماویہ اور خاص طور پر قرآن پاک میں بہت کمفادات پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ معاشرے میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہوتا ہے، اُن کی عزت و احترام اور خدمت خاطر کو اللہ تعالیٰ

نے نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہے **وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا** (آیت ۲۳) گویا سابقہ امتوں اور ہماری امت سب کے لیے یہی حکم ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ظاہر ہے کہ والدین ہی کسی شخص کی دنیا میں آمد اور پھر اس کی پرورش کا سبب بنتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کی تربیت میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کھاتے ہیں اور مالی بوجھ اٹھاتے ہیں۔ باپ کی نسبت ماں زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے والدین کا اولاد کے لیے مشقت برداشت کرنا ایک مثال اور نمونہ ہے، لہذا اولاد کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا پورا پورا حق ادا کرے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

شُرکِ باری
کی ممانعت

جہاں اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت گزاری کا حکم دیا، وہاں ایک خاص حکم

یہ بھی دیا **فَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ** اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنا جن کا تجھے علم تک نہیں **فَلَا تَطْعَمْهُمَا** تو پھر تمہیں ان کا یہ حکم سننے کی اجازت نہیں ہے پہلے اللہ نے والدین کے ساتھ مطلق حسن سلوک کا حکم دیا جس میں ان کی اطاعت گزاری پہلے نمبر پر آتی ہے مگر شرک ایک ایسی قبیح بیماری ہے کہ اللہ نے واضح طور پر فرمادیا کہ اگر والدین بھی اس پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانو۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں خدا کی شریک مانی چیزیں نہیں ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر مشرکوں کو کیسے علم ہوا کہ فلاں چیز خدا کے اختیار یا اس کی صفت میں شریک ہے۔ سورۃ یونس میں ہے **قُلْ أَتُشْرِكُونَ** اللہ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (آیت ۱۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا تم خدا تعالیٰ کو وہ چیز بتانا چاہتے ہو جو وہ زمین و آسمان میں نہیں جانتا۔ ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں تو اس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر تمہیں اس کا علم ہے

جسے خدا تعالیٰ پر ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ کتنی بیسودہ بات ہے۔

بہر حال فرمایا کہ والدین اگر شرک کی ترغیب دیں تو ان کی اطاعت نہ کریں۔ البتہ
وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمن - ۱۵) دنیا میں ان کے
 ساتھ معروف اور اچھے طریقے سے پیش آؤ خواہ وہ کافر، مشرک یا بے دین ہی کیوں
 نہ ہوں۔ مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صرف شرک ہی کی ممانعت نہیں ہے
 بلکہ شریعت اور سنت کے خلاف اگر والدین بھی آمادہ کریں تو ان کا حکمانے کی اجازت
 نہیں ہے۔ والدین کسی فرض کو چھڑانا چاہیں یا کسی واجب یا سنت کو ترک کرنے
 کی ترغیب دیں تو وہ واجب الطاعت نہیں ہوں گے۔ البتہ والدین کے حکم پر
 مستحبات کو ترک کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً اگر والدین نفل پڑھنے کی بجائے
 کوئی دوسرا کام کرنے کو کہیں تو پھر نفل چھوڑ کر دوسرا کام کرے۔ ہاں! مسجد میں نماز بہت
 سنت مؤکدہ ہے۔ جو وجہ کے قریب ہے۔ لہذا اسے ترک کرنے کی اجازت نہیں
 ہے۔ اسی طرح بہت کام مکہ اور مباح ہے۔ اس معاملے میں بھی والدین کا حکم
 نہ مانو، ویسے ہر لحاظ سے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

شان نزول

فَرَايَا إِلَهَ مَرَجِعُكُمْ تم سب میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔
فَأَنْبَتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پھر میں تمہیں بتا دوں گا، جو کچھ
 تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور پھر اس عمل اور عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا
 اس آیت کے شان نزول کے متعلق مفسرین کرام مسلم اور نسائی وغیرہ میں آمروہ
 حدیث بیان کرتے ہیں مگر حضرت سعد بن جوفی کے عارف میں ابتداء میں اسلام آنے
 تھے۔ اس وقت ابوسفیانؓ کا خاندان تو اسلام ہر سخت دشمن تھا۔ آپ کی والدہ
 ابوسفیان کی بیٹی تھی جب آپ اسلام لانے تو والدہ سخت ارض ہوئی۔ اُس نے بہ چنپ
 کرشمش کی کہ اُس کو بیٹا ایمان کو ترک کر دے۔ مگر حضرت سعد بن جوفی کا مزہ چکھ چکے تھے
 اور واپس آنے والے نہیں تھے۔ بالآخر ان کی والدہ نے اعلان کر دیا کہ جب تک سعد
 اسلام کو نہیں چھوڑتا، میں نہ کچھ کھاؤں گی، نہ پیوؤں گی اور نہ سانسے میں بیٹھوؤں گی۔ خاندان

لے السورہ النور ۲۴ و خازن ۲۴ و مدارک ۲۴۱ لے السورہ ۱۶۵ و مدارک ۲۵۱ و روح المعانی ج ۳ (۱۱۳)

کے لوگوں نے اُس کی بھوک بڑھال توڑنے کی بڑی کوشش کی مگر اس کے اندر میں
زبردستی کھانا ڈالنے کی کوشش بھی کی مگر وہ نہیں مانتی تھی۔ بعد کو کستی مٹی کو تھکرا
اسلام والہین سے حسن سلوک کا درس دیتا ہے مگر تم میری بات نہیں مانتے۔ آخر تم
نے کون سا اسلام قبول کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے کہ اگر
والہین شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات مٹنے کا حکم نہیں ہے، البتہ ویسے ان کے
ساتھ حسن سلوک جاری رکھو۔ اس قسم کے احکامات اس سورۃ کے علاوہ سورۃ لقمان
سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ حافات اور سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے۔

معاہدین کی
رفاقت

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا اور وہ لوگ جو صدقِ دل سے ایمان
لائے، جن باتوں کو ماننا ضروری ہے، ان کی تصدیق کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ نیک اعمال بھی انجام دیے۔ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کو ایمان پر
ہے۔ اگر ایمان ہو گا تو اعمال کام آئیں گے ورنہ رائیگاں جاؤں گے۔ ایمان سے بغیر
اچھت اچھا نکل ہی بیکار محض ہے۔ تو جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک
اعمال انجام دیے، اللہ نے فرمایا كَانَتْ خَيْرًا لَهُمْ فِي الصَّالِحِينَ، ہم
ضرور ان کو صالحین کے گروہ میں شامل کریں گے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو
اچھے اور نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے
اس کے لیے تو انبیاء بھی دعائیں کرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے
بارگاہ رب العزت میں عرض کیا، اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت
میں تو ہی میرا کارساز ہے تَوْفَنِي مُسْلِمًا قَالِ الْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ ۵
(یوسف - ۱۰۱) مجھے فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی حالت میں وفات دینا اور
نیک لوگوں کی رفاقت نصیب فرمانا، نیک لوگوں کی رفاقت بڑی اعلیٰ چیز ہے
اور اچھی سوسائٹی کامل جانا بڑی سعادت کی بات ہے۔ سورۃ الفجر میں اللہ کا فرمان ہے
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۵ وَادْخُلِي جَنَّتِي (آیت ۲۹-۳۰) پہلے میرے
نیک بندوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ اس کے بعد جنت کا داخلہ ملے گا۔ اور یہ

بوجہ وہ بگاڑا جس نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اس طرح گمراہی اور اضلال کے ذریعہ
 بوجہ اٹھانے پڑیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ خود تو گمراہ ہوا تھا مگر دوسروں کو گمراہ کرنے
 کا سبب بن گیا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت تک جتنے ہی قتل ہوں
 ہوئے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا ایک ایک گناہ تو قاتل کے سر پر پڑے گا اور ایسا
 ہی ایک ایک گناہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قاتل پر بھی پڑے گا جس نے اپنے بھائی
 ہابیل کو قتل کر کے اس فعل شنیع کی بنیاد رکھی۔ قیامت کے دن یہ منظر بھی دیکھنے
 میں آئے گا کہ ایک شخص نیکیوں کے پھاڑے کر بارگاہ رب العزت میں پیش ہو گا مگر
 اُس نے دنیا میں لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی روا رکھی ہوگی، لوگوں کے حقوق غصب
 کیے ہوں گے، مال چھینا ہوگا، قتل کیا ہوگا یا کسی کو تنگ کیا ہوگا۔ ایسے تمام
 مظلوم اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ مولا کریم! ہمیں اس شخص سے براعتی وارپا
 جائے اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس شخص کی نیکیاں ان حقہ ان میں تقسیم دیں۔ پھر تمام
 نیکیاں اس کے کھاتے سے نکل کر دوسروں کو مل جائیں گی۔ پھر ابھی کچھ حقوق باقی
 ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان مظلوموں کے گناہ اس شخص پر ڈال دو جن کا
 حق یہ شخص ادا نہیں کر سکا۔ تو اس طرح اُسے نہ صرف اپنی نیکیوں سے محروم ہونا پڑے
 گا بلکہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خوردہ بدایت یافتہ ہے اور وہ روزہ نہیں رکھتا ہے
 بھی بدایت کا ذریعہ بنا ہے تو ہر بدایت یافتہ کے نیات عمل کا ایک ایک بار اس
 کو بھی ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ روزہ رکھنا
 کیونکہ اپنی اپنی امت کے لیے وہی بدایت کو منع بنا اور امت کے لیے یہ
 کام کا ایک ایک اجر قیامت تک برابر ان کو بھی ملتا ہے۔

فَرَأَىٰ وَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَفَرُوا يَعْتَرُونَ

اور عذاب ان سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ ان کاموں کے متعلق جو وہ
 افتراء کرتے تھے۔ آج یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے۔ یہ محض افتراء

لے ابن کثیر رحمہ اللہ قرطبی رحمہ اللہ ابن کثیر رحمہ اللہ (فیاض)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ
فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا
فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٣﴾
فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً
لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٤﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ
تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ
رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ
وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٦﴾ وَإِذْ

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف پس ٹھہرے وہ اُن کے درمیان ایک ہزار سال سے پچاس سال کم ۔ پھر پھڑا اُن کو مہوفان نے اور وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۳) پس ہم نے نجات دی اُس (نوح) کو اور کشتی والوں کو اور بنایا ہم نے اُس (ارشی) کو نشانی جان والوں کے لیے (۱۵) اور ابراہیم علیہ السلام (کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اُسی سے ڈرو ۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم سمجھ سکتے ہو (۱۶) بیشک تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا بتوں کی اور تم گھمڑتے ہو جھوٹ ۔ بیشک وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ، نہیں مالک وہ تمہارے لیے روزی کے ۔ پس تلاش کرو اللہ کے پاس روزی ۔ اور اُسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو ، اسی کی طرف تم لوٹانے جاؤ گے (۱۷) اور اگر تم جھٹلاؤ ۔ پس جھٹلایا ان اُمتوں نے جو تم سے پہلے گزری ہیں اور نہیں بنے رسول کے فمے مگر پہنچا دینا کھول کر (۱۸) کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ابتدا کرتا ہے مخلوق کی ۔ پھر رہتا ہے اُس کو ۔ بیشک یہ اللہ پر آسان ہے (۱۹) آپ کہہ دیجئے ۔ چلو زبان میں پس دیکھو لینے اللہ نے ابتداء کی مخلوق کی ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اسے جہاں اس کو دوسری اٹھان ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۲۰) سزا دے گا جس کو چاہے ۔ اور رحم کرے گا

عطا ہوں۔ فَلَکَ فِیْہِمَا نَفْسٌ مِّنْہُمَا اِلَّا خَمْسَیْنِ عَامًا
 پھر آپ کے سارے لئے نو سو سال تو رہیں مگر پچیس کی پوریزوں اور چھٹاروں وغیرہ تو نوح علیہ السلام
 کی اتنی عمر تھی کہ تھے تیرہ سو سال۔ پھر عیدن تو اس کے کہتے ہیں ڈوبتے ہیں۔ حالانکہ یہاں
 پر تبلیغ کی مدت سارے نو سو سال کا فریضہ موجود ہے۔ جب اتنا عمر سرگرمی کے باوجود
 قوم نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے یہ بڑھوایا کہ صیغہ میں غلاب بھیج دیا جس میں اہل ایمان
 کے سوا باقی ساری قوم غرق ہو گئی۔ طوفان تھمے۔ بعد نوح علیہ السلام مرتد ہونے والی
 تک اس دنیا میں موجود ہے۔ اور اس طرح آپ کی کل عمر ۹۵۰ + ۶۰ + ۵۰ سال
 بنتی ہے۔

زندگی کی
 ناپائیداری

اکثر لوگ اس چہرہ پر ہوتے ہیں جیسے میں عالم آخر اگر کسی کو عمر نوح بھی
 مل جائے تو بڑھتی بھی پانچ سو سال کی رہتی ہے۔ غرض کہ یہ دنیا میں آتا ہے کہ آخری
 وقت میں جب ملک الموت حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کو اس
 طرح مخاطب کیا یا اَطْوَلُ الْاَیَّامِ اَمْ عُمْرًا کَیْفَ وَجَدْتَ الدُّنْیَا
 اے نبیوں میں سے زیادہ عوام نے شے الٹ کر کہی آپ نے دنیا کو کیا پایا
 تو نوح علیہ السلام نے جواب دیا کَذِبٌ لَّہٗ اَبَیْکَانَ دَخَلْتُ مِنْ
 اَحَدِہِمَا وَخَرَجْتُ مِنْ الْاٰخَرِ یعنی اتنی لمبی عمر پاس کے دروازے
 مجھے ایسا مجھ میں ڈاکہ لگا دیا آپ نے جس کے دروازے میں ایک طرف سے
 سے میں داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا ہوں۔ دنیا کی زندگی کیسے
 اتنی ہی نیست ہے۔ انسانی زندگی ایسا پانی ہے جیسے کہ جس پر کچھ اعتماد نہیں کیا
 جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ایسا ہے تو جہاں میں مثال شرار و کجیہ

دھم سے نہ جانے سستی ناپائیدار دیکھ

زندگی کی بے ثباتی کا یہ نقشہ بھی عجیب ہے۔ ایک دوسرے شاعر

نے کہا ہے۔

لے مدارِ صفا ۲۵۳ (فیاض)

کی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِينَةِ پھر ہم نے بچا لیا نوح علیہ السلام کو اور باقی کشتی والوں کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچانے کی تدبیر بھی خود ہی بتائی تھی وَاصْنَعِ الْفُلَکَ بِاَعْيُنِنَا (مہود۔ ۲۷) اے نوح علیہ السلام! تمہارے تمہارے اور ہماری کشتی تیار کرو۔ اور سارے اہل ایمان کو اس میں سوار کر لو۔ کہتے ہیں کہ یہ ہارنا بہت بڑی ۵۰ فٹ لمبی کشتی تھی جس کی اوپر نیچے بن سزا میں تھیں۔ فرمایا ہم نے اس کشتی کے سواروں کو بچا لیا وَجَعَلْنَهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اس کشتی کو جہان والوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔ یہ کشتی ایک سینہ تھی جس پر چار پر پڑی رہی۔ لوگ صدیوں تک اس کو دیکھ کر عجب بہت حیرت مندی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اس کشتی کا ذکر تاریخ اور کتب کا دیر غاص طور پر قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

اس کشتی کو حضور علیہ السلام کے واقعات سے بھی کسی حد تک مماثلت ہے اسلام کے ابتدائی دور میں جب مشرکین مکہ نے اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ان کی دو جہازیں کشتی پر سوار ہو کر ہی حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ پھر واپسی پر سفر بھی انہوں نے کشتی پر کیا کیونکہ راستے میں مندر پڑتا تھا۔ حدیث میں ان کشتی والوں کا حال بھی آتا ہے کہ ان میں مرد اور عورتیں بھی تھیں اور اللہ نے ان کی حفاظت کشتی پر کی تھی کہ ایک ایک سے دوسرے تک بچاؤ طبعیت پہنچایا۔ اور پھر وہاں سے واپس مدینہ طیبہ کے لیے بھی کشتی استعمال کی۔

ابراہیم علیہ السلام
دوسری قوم

نوح علیہ السلام کے بعد اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے وَإِبْرٰہِیْمَ اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ اُن کا حال بھی ملاحظہ کریں اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ اَعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ فرمایا کفر اور شرک سے باز آ جاؤ کہ یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہو گا۔ تمہاری حالت تو یہ ہے

دینے کے لئے۔ قوم تباہ ہو جائے، ملک غرق ہو جائے مگر ان کو مال ملنا چاہیے
 ان پر قرضہ نہ کرنا علم نہیں کہ روزی تو اللہ نے ہر حالت میں دینی ہے مگر تم غلط ذرائع
 اختیار کر کے اپنے ایمان کو کیوں ضائع کرتے ہو؟ جائز ذرائع اختیار کرو، محنت
 مشقت کرو اور پھر اللہ تعالیٰ سے جائز رزق کا سوال کرو، اللہ تعالیٰ بہت بڑے مالک
 فرمایا اللہ کے نام رزق تلاش کرو وَاعْبُدُوهُ اور عبادت بھی اسی کی کرو
 اس کے سوا عبادت کے رات کوئی نہیں۔ وَأَشْكُرُوا لَهُ اور اس کی عطا کردہ
 نعمت پر اس کا شکر بھی ادا کرو۔ یاد رکھو! لفظ شرک سے بڑھ کر ناشکری کی
 کوئی بات نہیں۔ تم نعمت دہنے والے کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اس کی نعمت کی
 ناشکری کے مرتکب ہو گئے ہو۔ وہ تمہاری حاجت بری میرے رب کے، وہ تو خود مجھ پر
 لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ تو خدا تعالیٰ سے مانگنے والے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ فَرِیْضًا آج تو
 اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو اور میں فنا کروں گا کہتے ہو مَرَّ الْکَلْبِ
تَنْ جَعُونَ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر چاہئے۔ وہ تم سے ایک ایک
 عمل کا حساب لے گا، لہذا قیامت کے دن کی برائی سے بچنے کے لیے آج ہی غلط
 کر لو، اللہ تعالیٰ کی توفیق و قبول کر لو اور اس سے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

فَرِیْضًا وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
 اگر تم اللہ کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتاب کو جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات
 نہیں ہے۔ تم سے پہلے کتنی قوموں نے اپنے اپنے انبیاء کی تحذیر کی اور انہیں طعن
 طرح کی حالانکہ پیغمبروں جس کے نتیجے میں عادی، عمود، قوم لوط، قوم ہود، قوم یونس
 اور کتنی ہی نافرمان اور تباہ ہوئیں، آج بھی اللہ کا قانون وہی ہے۔ اگر تم اللہ کے
 اس آخری رسول کو بھی جھٹلاتے ہو تو یاد رکھو وَمَا عَلَى النَّاسِ مَعَهُ أَنْ يَبْلُغَ
الْمُبَشِّرِينَ کہ ہمارے رسول کے ذمے تو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس کے
 بعد اس پر نیکہ کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ اُس نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے
 اب اگر تم نہیں مانتے تو تمہارا شکر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہو گا بلکہ جیسا کہ

بالآخر سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ اُس کے محاسبہ سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

ان کی
بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَنتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اور تم زمین و آسمان میں خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ کہ تم اُس کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل نہیں سکتے، وہ جب چاہے گا تمہیں پھڑکے گا۔ دنیا میں تو مجرم بعض اوقات قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اُن کو پکڑنے والے عاجز آ جاتے ہیں، مگر اللہ کی عدالت میں ایسی کوئی بات نہیں کہ انات کی ہر چیز اُس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لہذا اس کو کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی یاد رکھو! وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ اس کے بغیر تمہارے لیے نہ کوئی مددگار ہے نہ ایک کامیاب مددگار ہے اور پھر جب پکڑا جائے تو مدد کو بھی کوئی پہنچ نہیں سکتا جو تمہیں چھوڑے۔ آج جن چیزوں پر مجرموں کو سزا ہے جو اگلے جہاں میں وہ سب زائل ہو جائیں گی اور تمہیں کوئی چیز خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔

اللہ کی رحمت
سے مایوس

فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَلِقَاءِهِ ۖ وَهُم لِرِجْنِهِمْ شُرَكَاءُ اور تمام مسائل آ جاتے ہیں، جس نے ان کا انکار کیا اور ملاقات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کیا۔ فرمایا أُولَٰئِكَ يَكْفُرُونَ بِرَحْمَتِي ۖ وَهُم لِرِجْنِهِمْ شُرَكَاءُ ۚ وہ لوگ میری رحمت سے مایوس ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس نے کفر، شرک، بدعت اور معاصی کا ارتکاب کیا اُس نے نہ تو اللہ کی آیتوں کو تسلیم کیا اور نہ ہی بعث الموت کو برحق جانا، ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت حاصل نہیں ہو سکے گی اور وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہی رہیں گے، خدا کی رحمت سے مایوسی بجائے خود کفر ہے۔ گویا انکار کرنے والے خدا کی رحمت سے مایوس ہیں وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

الْفَاحِشَةُ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ
 الْعَالَمِينَ ۝ (۲۸) أَيَّتَكُمْ كَتَّاتُونَ الرَّجَالِ
 وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ
 الْمُنْكَرَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ
 قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
 الصَّادِقِينَ ۝ (۲۹) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ
 الْمُفْسِدِينَ ۝ (۳۰)

ع
۸
۱۵

ترجمہ :- پس نہیں تھا جواب آپ (ابراہیم) کی قوم کی طرف
 سے مگر یہ کہ انہوں نے کہا . اس کو قتل کر دو یا زندہ
 بدر ڈالو . پس نجات دی اُس کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے
 بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو
 ایمان رکھتے ہیں (۲۳) اور کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) بیشک
 بنا لیا ہے تم نے اللہ کے سوا بتوں کو معبود آپس کی دوستی
 کے لیے دنیا کی زندگی میں . پھر قیامت کے دن کفر کریں گے
 بعض تمھارے بعض کے ساتھ . اور لعنت بھیجیں گے بعض
 تمھارے بعض پر . اور ٹھکانا تمھارا دوزخ کی آگ ہوگا . اور
 نہیں ہوگا تمھارے لیے کوئی مددگار (۲۵) پس تصریح کی
 اس (ابراہیم) کی لوط علیہ السلام نے اور کہا (ابراہیم علیہ السلام
 نے) بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے پیسندیدہ
 کی طرف . بیشک وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۲۶)

ابراہیم علیہ السلام
کو زندہ جلا دینے
کی کوشش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ کے درسِ توحید کا کوئی مدلل جواب دینے کی بجائے تشدد پر اتر آئی ہے۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ وَحَرِّقُوهُ

آپ کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا زندہ جلا دو۔ یہاں پر تو تفصیلات نہیں ہیں۔ البتہ سورۃ الانبیاء اور بعض دیگر سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح آپ نے اپنے باپ اور پھر قوم اور خود مرد کے ساتھ مناظرہ کیا، دلائلِ توحید بیان کئے، گمراہ کوئی مدلل جواب دینے سے عاجز آگئے، اور انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ شخص چونکہ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، لہذا ہمیشہ اس کے کہہ ساری قوم کو گمراہ کر دے، اُسے قتل کر دینا چاہیے یا آگ میں زندہ جلا دینا چاہیے۔ چنانچہ بہت سا ایندھن جمع کر کے آگ جلائی گئی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کو منجلیق پر باندھ کر آگ کے وسط میں پھینک دیا گیا۔

پرویز نے ابراہیم علیہ السلام کو بالفعل آگ میں ڈالے جانے کا انکار کیسے جس کی وہ کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکا۔ اس کے برخلاف سورۃ الانبیاء میں ہے کہ اللہ نے فرمایا: قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ۔ آیت - ۶۹ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ عجب ہے کہ اس حکم کی ضرورت بھی پتی جب آپ کو بالفعل آگ میں ڈال دیا گیا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے حکم کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس مقام پر ہے فَاجْلِهِ اللَّهُ مِنَ النَّارِ اللہ نے آپ کو آگ سے بچالیا۔ دشمنوں نے تو آپ کو آگ میں پھینکا ہی دیا تھا مگر سورۃ الانبیاء والے حکم کی ذریعہ اللہ نے آپ کو بچالیا۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ میں پھینکے جانے کے باوجود آگ نے آپ کو ایسا بال بھی نہیں جلا دیا۔ البتہ وہ سی جل گئی تھی جس کے ساتھ آپ کو جکڑ کر آگ میں پھینکا گیا تھا۔

نشانی
قدرت

فَرَايَانًا فِيْ ذَلِكَ لَا يَتْلِفُوْمُ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

فرمایا ان بتوں کی پوجا مَوَدَّةً بَيْنَكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ دنیا کی زندگی میں تمہارے لیے آپس میں دوستی کا ذریعہ ہے۔ مطلب یہ کہ کسی خاص بت قبر یا درخت کی پوجا نہ ہو۔ قدرِ شترک بن باقی ہے اور پھر اسی کی بنا پر تم آپس میں پرستانی بن کر ایک دوسرے محبت کرنے لگتے ہو۔ یہ وقت اسی معبود کے گن گھانے ہو اور اسی پر بیٹھتے اور اسی پر مٹے ہو۔

بعض غلط فہمیاں یہ کہ مَوَدَّةً کا یہ سیسی مفعول کے معنی میں مَوَدُّوۃً ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ تم ان معبودوں کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ یہ سب سے کہہ رہا ہے اپنے معبود کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ مگر سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والہ کی صفت یہ بیان کی ہے۔ وَالَّذِينَ اصْنَوْا شِدَّ حُبًّا لِلَّهِ (آیت ۱۶۵) کہ ان کی شدید ترین محبت اپنے معبودِ برحق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔

فرمایا دنیا میں تو تم ان مجھوٹے معبودوں کی محبت میں مشغول رہو۔ اَلْقِيَمَةُ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ یہاں کی دوستی اُس وقت دشمنی میں بدل جائے گی اور جن معبودوں کی تم عبادت کرتے تھے وہی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ہماری پرستش کرو۔ یہ تو خود اپنی خواہش پر چلتے رہے۔ اپنی حاجت بری کیلئے ہمارے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ہمارا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو؟ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام انکار کر دیں گے اور عرض کریں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کے سامنے وہی بات کی جس کا تم نے مجھے حکم دیا تھا۔ اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ كَيْفَ وَرَبِّكُمْ (آیت ۱۱۰) کہ صرف میرے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

فرمایا قیامت والے دن بتوں کی پوجا کرنے والے نہ صرف ایک دوسرے کے

کے چھ فاصلے پرستی اٹھائیں میں آپ کی قبر ہے، فرمایا میں اپنے رب کے حکم سے
ہجرت کر رہا ہوں اِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ بیشک وہ اللہ تعالیٰ
زبانت، کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی حکم جبروت
سے غالی نہیں ہوتا لہذا میں اسی کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔

بعد کے واقعات سے یہ چلتا ہے کہ ہجرت میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی
حکمت کا فرما تھی۔ آپ نے شام، فلسطین کو اپنا مستقل مستقر چنا اور پھر عمرہ دار
کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے بھی نوازا۔ پہلے اللہ نے حضرت باجہ
کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا کیے اور جیسا کہ اس مقام پر ذکر ہے بعد میں حضرت
کو عبی اولاد دی۔ اللہ نے سو سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی خواہش کو پورا
فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ہم نے
ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق جیسا بنایا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام
نے دو سو سال کی عمر پائی اور آپ کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کو
یعقوب علیہ السلام بھی عطا فرمایا اور دونوں کو نبی بھی بنایا۔ فرمایا وَجَعَلْنَا فِي
ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہم نے نبوت
اور کتاب رکھ دی۔ آپ کے بعد دنیا میں جتنے بھی نبی آئے مَعَ نَبِيِّ آخِرِ الزَّمَانِ سَبَّحُ
سَبَّحَ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی اولاد میں سے تھے فرمایا وَأَنْتِئِنَّهُ أَجْرُهُ فِي
الدُّنْيَا اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا صلہ دنیا میں بھی دیا۔ دنیا میں آپ
کو عزت و اکرام دیا، آپ کی اولاد کو نبوت و رسالت عطا کر کے آپ کو ابوالانبیاء
بنادیا۔ آپ کو دنیا کی امامت عطا فرمائی اور آپ کی امت کو جاری فرمایا اور دوسری
امتوں کو بھی حکم دیا فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اَلْعَمَلُ ۱۴۵
یعنی امت ابراہیمی کی پیروی کرو۔

یہ تو دنیا کے انعامات تھے، فرمایا وَأَنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنْ
الصَّالِحِينَ اور بیشک آپ آخرت میں بھی نیکاروں میں سے ہیں۔ دنیا میں نبی

ہو وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ کہ تم راہ کاٹتے ہو یعنی راستے پر چلتے لوگوں پر راہ کے
 ڈالتے ہو درآن کمال و اسباب لوٹ سیتے ہو۔ راہ کاٹنے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ تم نسل انسانی کی راہ کو رکھتے ہو۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے اللہ نے مرد اور
 عورت کا جوڑا بنایا ہے مگر تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے لگات کر رہتے ہو۔
 اور اس طرح فطری طریقے کو چھوڑ کر نسل انسانی کو منقطع کرنے کی کوشش کرتے
 ہو۔ بعد از مردوں کے اختلاط سے اولاد کہاں پیدا ہوگی اور نسل انسانی کیسے آئے
 بڑھے گی؟ اسی لیے مشیت ربی اور جانوروں کے ساتھ اتفاقات کو بھی معون ہوں
 میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی سے انسان کا دین، اخلاق اور صحت بہا دہوتی ہے۔ اللہ
 نے شہوت رانی کے لیے مشورہ ربی یا شرعی فوائد کو مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ
 تمام ذرائع بہا دہ اور صدام ہیں۔

لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی فاسق و فاجرانی یہ بیان فرمائی وَتَأْتُونَ فِي
 نَادِيكُمْ الْمُسَكَّرَ اور تم اپنی بھری مجلسوں میں برائی کا ارتکاب کرتے
 ہو اور اس حاملہ میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتے۔ غصہ یہ کہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ برائی
 میں اس قدر طاق ہو چکے تھے کہ برائی ان کے نزدیک برائی نہیں رہی تھی۔ لہذا وہ عام
 مجلسوں میں اس کا ارتکاب کرتے تھے جنہو علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ
 قرب قیامت میں لوگ کہ حلوں کی طرح بیانی کے کام کریں گے، پھر جب دنیا میں
 خدا کا نام لینے والا کوئی نہیں رہیگا۔ تو قیامت کا بگل بج جائیگا۔ قوم لوط کے لوگ
 راہ چلتے لوگوں پر آوازے کرتے تھے، ان کو پتہ ملتے تھے، کمانی کھینچ کر رہتے اور
 بد اخلاق کے در سے کام کرتے تھے۔ عام مجلس میں گوز مارتے ہیں حیا محسوس نہیں
 کرتے تھے مگر ہم نے مشرقی لکھتے ہیں کہ وہ گوز مارتے ہیں ایک دوسرے کا متفہم کرتے
 تھے، اور ان کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ہم جنسی کے مرتکب ہوتے تھے۔

عذاب کو
 مطالبہ

جب لوط علیہ السلام نے قوم کو ان قبیح کاموں سے منع فرمایا فَتَمَاكَانَ
 جَوَابَ قَوْمِهِ اَلَا اَنْ قَالُوا ثَلَاثًا بِعَذَابِ اللَّهِ تَوَقُّدًا اِس
 لے کشف مہجہ ۴ (فیض)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا
إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا
كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا فَقَالُوا
نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا
أُمَّرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا آتٰ
جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ
بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ
إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أُمَّرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ
الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ
الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ
شُعَيْبًا ۖ فَقَالَ لِقَوْمٍ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا

بیشک اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں کیا فرشتوں نے
 ہم خوب جانتے ہیں اُنس میں رہنے والوں کو، ہم ضرور
 بچا لیں گے اس درلوٹ کو اور اس کے گھر والوں کو
 سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے
 ہے (۳۲) اور جب اُن کے ہمارے پیچھے ہونے فرشتے
 لوط علیہ السلام کے پاس تو وہ ناخوش ہوئے اور اُن کا دل تنگ
 ہوا اُن کی وجہ سے کہ فرشتوں نے اُسے خوف کیا اور مت
 نکلین ہو، بیشک ہم بچانے میں تھے اور تیرے گھر
 والوں کو، سوائے تیری بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں
 سے ہے (۳۳) تحقیق ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے رہنے
 والوں پر غلاب آسمان کی طرف سے، اس وجہ سے کہ یہ فسق
 کیا کرتے تھے (۳۴) اور البتہ تحقیق ہم نے کہہ دیا اس کو
 ایک کھلی نشانی اُس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے (۳۵)
 اور اسی طرح ہم نے مہین کی طرف اُن کے جانی شعیب علیہ
 السلام کو بھیجا، انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! عبادت
 کرو اللہ کی، اور توقع رہو آخرت کے دن کی، اور نہ چہر
 زمین میں فساد کرتے ہوئے (۳۶) پس جب مدینہ انہوں نے
 اُس (شعیب) کو پس پکڑا ان کو زبردستی سے پس
 ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرنے لگے (۳۷)
 اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے تباہ کیا) اور بیشک رنج
 جو چکی ہیں تمہارے لیے ان کی رہائش گاہ ہیں، اور ضرر کیا
 تھا اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو، پس یہ کہتا
 اُن کو سیدھے راستے سے، اور تمہیں یہ دُک ہو شیار (۳۸)

کے پاس جا کر انہیں اس پیرائے سالی میں بیٹے کی خوشخبری دیں اور عظیم قورہ لوط کی ہلاکت کے لیے ان کی بستی میں جانیں بھرنے کی راہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت تھی کہ ایک طرف پوری قورہ کو تباہ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے جس کی نسل سے عظیم قورہ نبی اسرائیل کو پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات تو سورۃ ہود اور سورۃ حجر اور بعض دوسری سورتوں میں مذکور ہیں تاہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو محض عبرت کی خاطر بیان کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُ إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ
 جب ہمارے بھیجے ہوئے قاصد ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے یہاں پر خوشخبری کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ دوسری سورتوں میں تفصیل موجود ہے کہ قاصد انسانی شکل میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام وغیرہ فرشتے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام ان کو پہچان نہ سکے۔ ان کو ان لوگوں کی صورت میں مہمان سمجھا، کچھ لاف زنج کیا اور اس کا گوشت بھون کر وہ انوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں۔ آخر وہ ماٹوں نے اپنا تعارف خود کر دیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ آپ کو بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ سورہ الحجر میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت کیا قَالَ فَمَا خَصْبُكُمْ اِنَّهَا الْمُرْسَلُونَ آیت ۷۵۔ فرشتہ ابراہیم سے کہہ کر کہنے لگے کہ جو تو انہوں نے کہا قَالُوا اِنَّا مُهْبِكُوكُمْ اَهْلُ هَذِهِ الْقَرْيَةِ کہ ہم مدورہ کی ہستی والوں کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں کیونکہ ان اہلہا كَانُوا ظَالِمِينَ اس ہستی کے بننے والے بڑے ظالم لوگ ہیں اور ان کی ہلاکت کا حکم پہنچا ہے۔

ہستی کی تباہی کی خبر سن کر ابراہیم علیہ السلام پریشان ہو گئے قَالَ اِنْ فِيْهَا لَمَوْطٌ اَوْ رَكْنٌ لِّئَلَّا اس بستی میں تو اللہ ہی اور میرا بھتیجا لوط علیہ السلام بھی ہے، ان کا کیا ہو گا۔ قَالُوا غَنٍّ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا فرشتوں نے کہا کہ ہم

ہیں بڑے حسین و جمیل مہمان آنے ہیں۔ چنانچہ لوگ آپ کے گھر میں آنا شروع ہوئے۔
 کوئی دیواریں پھلانگنے لگے اور بعض نے دروازے توڑ دیے، وہ کہتے تھے کہ ان
 مہمانوں کو ہمارے سپرد کرو، تاکہ ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔ لوط علیہ السلام
 نے ہر خیر سمجھایا، قَالَ يَقُومُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ
 فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَحْزُونِ فِي ضَيْفِي ۚ أَلَيْسَ مِنْكُمْ
 رَجُلٌ رَشِيدٌ؟ (ہود - ۸۷) اے لوگو! یہ میری قوم کی لڑکیاں ہیں تمہارے
 لیے حلال ہیں، خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کو بے آبرو نہ کرو، کیا تم میں کوئی
 بھی شائستہ آدمی نہیں ہے، مگر وہ بد طینت لوگ کہاں ملتے تھے کتنے کئے مکے مکہ
 لَسَافِي بَلْبَتِكَ مِنْ حَقِّهِ وَأَنْتَ لَتَعْلَمُ مَا يُرِيدُ الزُّورُ ۙ (۹۰)
 ہمیں تمہاری لڑکیوں سے کچھ غرض نہیں اور تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔
 لہذا مہمانوں کو ہمارے سپرد کرو۔

فرشتوں کی
طریقے تھیں

جب معاملہ اس حد تک طویل چل گیا تو فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو بازو
 سے پکڑ کر کہا کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ، ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اور قوم کی تباہی پر
 مامور ہیں التذکرہ۔ اور پھر جیسا کہ سورۃ القمر میں موجود ہے فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ
 الْقَمَرَ ۙ (۲۷) جبہ نسل علیہ السلام نے ذرا ہاتھ مارا تو سات حملہ آوروں کی آنکھیں اندھی
 ہو گئیں مگر اس کے باوجود ان کے ذوقِ معصیت میں فرق نہ آیا اور وہ باتوں
 سے ٹٹول ٹٹول کر مہمانوں کو تلاش کرتے رہے۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی پریشانی
 کو دیکھتے ہوئے تسلی دی وَقَالُوا لَا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنْ كُنْ كَمَا
 زَخَرْنَا كَهْلًا وَرَبُّنَا مُنْجِيُكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أَمْرًا تَكُنْتَ
 مِنَ الْغَائِبِينَ ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچالیں گے، ماسوائے تیری
 بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہے۔

قوم کی
ہلاکت

فرشتوں نے آخر کار لوط علیہ السلام کو صاف بتا دیا إِنَّا مُنْزِلُونَ
 عَلَىٰ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

یعنی آپ کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا اور کہنے لگے اے شعیب! ہم نے
 دین میں واپس آجاؤ یہ روزِ روز کی تبلیغ چھوڑ دو ورنہ **لَنُخْرِجَنَّكَ لَشُعَيْبٍ**
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا الاعراف - ۸۶ ہم تمہیں اور
 تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ انہوں نے
 اس طرح کی دیکھی بھی دنی و کولار **هَٰصُصْكَ لِرَجْمِكَ** (ہود - ۹۱) اگر تیری
 برادری کا سختی نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ تمہاری برادری کے نبی
 آدمی ہماری پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا ہم ان کے لحاظ میں تمہارے خلاف
 انتہائی قدم اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔

بِالْآخِرِ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاخْذْ تَهُمُ الرِّجْفَةَ ان فرمانوں کو زلزلے
 نے آپکڑا۔ دوسری جگہ موجود ہے اس قوم پر دو قسم کا عذاب آیا ہے یعنی نیچے
 سے زلزلہ آیا۔ اور اوپر سے سخت چیخ بھی آئی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ
 گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ ایکہ وارے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے۔
 اور آپ ان کی طرف بھی سبوت ہوئے تھے۔ **سُورَةُ الشُّعَرَاءِ** میں ہے **فَلَخَذَهُمُ**
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلُمَةِ (آیت - ۱۸۹) جس میں ان کو سائبان کے عذاب میں پھنسا لیا۔
 سیاہ بادل گھبر کر آئے، لوگوں نے سمجھا کہ اب بارش ہوگئی جب لوگ اُس سائبان نما
 بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اس سے آگ برسنے لگی جس نے سب کو بھسم کر دیا۔
 بہر حال فرمایا کہ مین والوں کو زلزلے نے پکڑ لیا **فَاصْبَحُوا فِي دَرِهِمُ**
جَحِيمٍ میں پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اونڈھے منہ گرنے والے۔ ظاہر ہے کہ
 جب زلزلہ آتا ہے تو لوگوں کے قدم ٹپک نہیں سکتے اور وہ گھٹنوں کے بل اونڈھے
 منہ گرتے ہیں اُس وقت اتنی درشت طاری ہوتی ہے کہ پہاڑ بھی زمین پر پھسل
 جاتے ہیں۔

قوم عاد
 و ثمود

اس کے بعد اللہ نے قوم عاد و ثمود کا ذکر فرمایا ہے۔ **وَعَادَ وَثَمُودَ**
 در قوم عاد و ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ ان کی ہلاکت کی نشانی یہ ہے۔ **وَقَدْ ثَبَّتْنَا**

اور ظالمہ بادشاہ تھا۔ انتہائی درجے کا خورد سرد مغزور تھا۔ اور قیوسس یہ ہے۔
 وَإِنْ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ فَدَأْنَهُ كَمَنْ الْمُسْرِفِينَ آیت ۱۲
 بیشک فرعون زمین میں بڑا فتنہ مٹا یعنی مغزور تھا اور وہ بے نکام لوگوں میں سے تھا اس کا
 وزیر ہامان جو روکر سیسی یعنی نوکر شاہی کا نمونہ تھا۔ یہ نوکر شاہی آج بھی موجود ہے۔ یہ خاص
 ذہنیت اور خاص ڈھب کے لوگ ہوتے ہیں جو حکومت میں ذلیل ہوتے ہیں، تنخواہ میں
 وظیفے، پنشن اور دیگر مراعات حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہ حاکم کو اپنے پیچھے کھینچنے
 پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی من مانی کرتے ہیں۔ قیسر طبعہ سطر یہ دوسرا کاسے
 جسکی مثال قارون کی شکل میں موجود ہے۔ یہ لوگ مال و دولت کو بھی سب کچھ سمجھتے ہیں
 يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (الہمزہ ق ۳) اور گمان کرتے ہیں کہ ان کا مال انہیں
 از دوال بنائے گا۔ سیٹھ قسم لے ان لوگوں کی تجویزیاں دولت سے بھری رہتی ہیں۔
 بکنٹ سیلنس نیمم جو تیسے تجارت پر چیلے بستے ہیں۔ صنعت و تجارت کے
 مالک ہوتے ہیں اور اپنی دولت کو بنا، پر دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی چورہ لہنت
 اور رسومات کو بھی دنیا میں جاری کرنے کی فکر میں بستے ہیں۔ نہ خدا کو مانتے ہیں۔ نہ
 اس کے نبی کو اور نہ دین کو۔ دیکھیں فرعون اور قارون نے کس طرح موسیٰ علیہ السلام
 کی مخالفت کی۔ بہ حال اللہ نے قارون، فرعون اور ہامان کو علی الترتیب سزا دیا
 جابر حکمرانوں اور بیوروکریسی کا نمونہ قرار دیا ہے۔ فرمایا ہم نے ان تینوں کو بھی ہلاک کیا۔
 وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ مَوْسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ ان تینوں یعنی
 قارون، فرعون اور ہامان کے پاس آئے واضح نشانیاں لے کر۔ فَاسْتَكْبَرُوا
 فِي الْأَرْضِ انہوں نے زمین میں تکبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو انکار کر
 دیا وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ اور وہ کہیں کجاگ کر جانے والے نہیں تھے
 اپنے تمام تر وسائل کے باوجود وہ خدا کی گرفت سے آزاد نہیں تھے۔ میر جب
 ان کی سرکشی مد سے بڑھ گئی تو اللہ نے فرمایا فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ
 تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ ان پر عذاب الہی و نزول ہو

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ
 كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا
 وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۚ
 لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا
 يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبِهَا
 لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾
 خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ
 فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے بنائے ہیں اللہ
 کے سوا کبار سے، مکڑی کی مثال ہے جس نے بنایا بیت
 گھر۔ اور بیشب تمام گھروں سے کمزور گھر ہے۔
 مکڑی کا گھر ہوتا ہے اگر ان لوگوں کو سمجھ ہوئی ﴿۴۱﴾
 بیشب اللہ تعالیٰ جانتا ہے جن کو یہ پکارتے ہیں اس
 کے سوا کوئی چیز بھی۔ اور وہ زبردست اور حکمت
 والا ہے ﴿۴۲﴾ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم بیان

تیار کرتے ہیں اور ان میں ہر طرح کی سہولیت دیا کرتے ہیں۔ بحاؤں اور جنگلوں میں رہنے والے لوگ غیمے کا گھر بناتے ہیں۔ جنگلوں میں رہنے والے درندے غاروں اور گسے کھدوں کو گھر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پہلے درختوں

پر اپنے گھونسلے بناتے ہیں اور وہیں اڑے پکھیت ہیں۔ رینگنے والے جانور کیٹ، مگھوڑے، سانپ، بھجور وغیرہ زمین کے اندر گھر بناتے ہیں۔ حیوانیوں کا ذکر سورۃ النمل میں ہو چکا ہے، وہ بھی اپنی جگہوں میں رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان تمام گھروں کا نمونہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبُيُوتُ الْعَنْكَبُوتِ کہ سب سے کمزور گھر مکئی کا گھر یعنی اُس کا جالا ہوتا ہے جو نہ اُسے گرمی سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ تیز ہوا کو برداشت کر سکتا ہے۔ ذرا آندھی یا بارش آئی تو وہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اگر آگ قریب سے بھی گزر جائے تو یہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ بغیر منیہ تمام گھروں میں کمزور ترین گھر مکئی کا جالا ہوتا ہے۔ اور مشرکین کے نظریات بھی یقیناً اتنے ہی کمزور ہوتے ہیں جو غیر اللہ کو اپنا کارسازہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے حاجت براری کرتے ہیں۔ فرمایا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کاش ان لوگوں کو سمجھ ہوتی اور یہ جان سکتے کہ شرک کتنی کمزور چیز ہے جس پر وہ تکیہ ٹھکنے بیٹھے ہیں۔ سورۃ الحج میں اللہ کا فرمان موجود ہے، لوگو! ذرا غور سے سوچو جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں، وہ تو ایسے مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور اتنے بھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے ضَعْفُ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ آیت ۲، کہ مانگنے والا اور جس سے مانگا جا رہا ہے دونوں کمزور ہیں۔ مانگنے والا تو ظاہر ہے کہ وہ اُس چیز سے محروم ہے جس کو طلب کر رہا ہے۔ اور جس سے مانگتا ہے، نہ وہ چیز اُس کے پاس موجود ہے اور نہ وہ اپنے پر قادر ہے، لہذا طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ حقیقت یہ ہے أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا

کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گنہگار چکا ہے کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں وہ روزی کے مالک نہیں ہیں لِنَذَاقُ آبْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ رَأَيْتُمْ (۱) روزی بھی اللہ ہی کے ہاں تلاش کرو۔ زمین و آسمان سے روزی کے تمام اسباب اللہ تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔ مخلوق تو خود روزی کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے متعلق فرمایا کُنَّا يٰ كُتُبُ الطَّعَامِ (المائدہ - ۷۵) کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، جو کھانے کا محتاج ہے وہ الہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب اللہ کے بنی معبود نہیں ہو سکتے تو باقی مخلوق کس شمار میں ہے؟ انسان کھانے پینے کے علاوہ سانس لینے کے لیے ہوا کا محتق ہے۔ چلتے پھرنے کے لیے زمین کا محتاج ہے لوگ بلا وجہ انسانوں کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ کوئی یا علیؑ مدد پکار رہا ہے، کوئی یا حسینؑ سے مدد مانگتا ہے۔ کوئی یا غوث الاعظمؑ کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے۔ کوئی کسی دلی کو پیار رہا ہے کوئی کسی صحابی کو اور کوئی جبرائیل اور میکائیل فرشتوں سے مدد کا طالب ہے۔ جب قیامت کا دن آنے کا تو یہ سب انکار کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ ولا کریم! ہم نے تو تیرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہیں مانا، پھر انہوں نے ہمیں کیسے اپنا کارساز مان لیا؟ ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہمیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا تسمیہ کر لو۔ بہر حال فرمایا کہ ہر قسم کا شرک مکمل ہی کے بدلے کی طرح کمزور ہے۔ اس پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اُن چیزوں کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ مال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ ہر ایک کی حاجت روانی اور مشکل کشائی وہی بخشتا ہے۔ اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ واجب الوجود، خالق، مدبر اور معبود وہی ہے

اس کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں، نہ کوئی نفع نقصان پہنچا سکتا ہے، وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اس کے سامنے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، کمال قدرت اور حکمت کا مالک وہی و مدد لا شریک ہے۔

مثال کی
اہمیت

فرمایا وَلِلَّهِ الْأَمْثَالُ فَضْرٌ بِهَا لِلنَّاسِ یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل اور قرآن پاک میں بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اس مقام پر مگر ہی کے جلسے کی مثال ہے جب کہ سورۃ نمل میں چوہوں کی مثال بیان کی ہے اور سورۃ النمل میں شہد کی مکھیوں کی مثال ہے۔ سورۃ النور میں نور خداوندی کی مثال بیان کی گئی ہے کہیں مکھی، مچھر اور کیڑے سکوڑوں کی مثالیں ہیں کہیں مومن اور کافر کی مثال ہے تو کیوں کو طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ہے۔ الغرض! اللہ نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں امام ترمذی نے کتاب الامثال کے نام پر ایک مستقل باب بیان لیا ہے۔ اور مثال بیان کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ کسی بزرگ مضمون کو انسانی عقل و فہم کے قریب لایا جائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔ آپ فاتح مصر ہیں۔ پہلے کفر میں شدید تھے مگر جب ایمان لے آئے تو اسلام کی ندرکاری میں بھی پیش پیش رہے۔ کلیلہ دمنہ نامی کتاب بہت دالوں نے آج سے دو ہزار دو سو سال قبل لکھی تھی جس کا ترجمہ سنسکرت، فارسی، عربی اور دیگر زبانوں میں ہوا۔ اسمیں گیدر، لومڑی، ہاتھی، سانپ، کچھو وغیرہ کی زبانوں سے بڑی سبق آموز اور حکمت کی باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ یہ بھی جانوروں کی مثالیں ہیں اور ان کے ذریعے کوئی چیز آسانی سے سمجھ سکتے ہیں فرمایا وَمَا يُعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ان مثالوں کو اہل علم اور اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور پھر آگے درسوں کو بھی سمجھا سکتے ہیں، لہذا عام لوگوں کو اہل علم کا اتباع کرنا چاہیئے۔

آگے اللہ نے ارض و سما کا اپنی نشانی کے طور پر ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے تخلیق اس کے

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اللَّهُ تَعَالَى نے آسمانوں اور زمین
 کو تخلیق کی حق کے ساتھ۔ اللہ نے اس کائنات کو بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ
 یہ اس کی حکمت کا ایک نمونہ ہے انسان کی تخلیق بھی عبث نہیں۔ اس کا انجام بھی
 سامنے لے والا ہے فرمایا اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
 اس میں ایمان والوں کے لیے نشانی ہے۔ جو لوگ ایمان اور عقل سے عاری ہیں، وہ
 ان نشانیوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اللہ نے ایمان کے ساتھ ابتداء کا سلسلہ بیان
 فرمایا ہے۔ اور اس کے لیے نیک بندوں کا حال ذکر کیا ہے، اور ساتھ ساتھ مجرموں
 کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ دین اور توحید کے بنیادی مسائل کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کی
 قیامت کو مثال کے ذریعے واضح کیا ہے تاکہ لوگ شرک سے باز آجائیں۔

الْحَجُّ ۲۱
أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ
إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ④۵

ترجمہ :- آپ پڑھ کر سنائیں وہ چیز جو وحی کی
گئی ہے آپ کی طرف کتاب سے اور قائم کریں نماز کو
بیشک نماز رکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور اللہ
کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے
جو کچھ تم کرتے ہو ④۵

گزشتہ آیات میں ایمان کے ابتداء کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے
کفر و شرک کی کمزوری کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اب کتاب الہی کی صداقت اور رسالت
کا ضمنی بیان ہے۔ اس کے بعد توحید اور معاد کا ذکر ہو گا۔ آج کی آیت میں پہلے قرآن
پاک کے متعلق ارشاد ہے۔ أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ آپ
پڑھیں اُس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ کتاب کی صورت میں یعنی قرآن کریم۔ تلاوت
کا معنی پڑھنا ہوتا ہے اور یہ دو محامد کے لیے ہوتا ہے۔ تلاوت کا ایک قصہ حصول ثواب
اور دوسری تسلی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قرآن پاک
کے ایک ایک حرف کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ یہ ایسی
بارگاہت چیز ہے کہ ہر اہل ایمان نماز میں تلاوت قرآن پاک کا پابند ہے۔ نماز کے
علاوہ بھی زبانی طور پر یا قرآن پاک کو کھول کر ناظرہ پڑھنا بھی باعث اجر و ثواب ہے
البتہ دیکھ کر پڑھنے میں زبانی پڑھنے کی نسبت زیادہ ثواب ہوتا ہے
بیعتی شریف کی روایت میں موجود ہے کہ زبانی تلاوت سے ایک ہزار اور دیکھ کر

تلاوت
قرآن پاک

پٹھنے سے دو ہزار نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ باوجود کہ قرآن پاک کو کچھ نا، اس کو کھولنا، اور اوراق کو الٹنا پٹنا اور پھر الفاظ پر نگاہ ڈالنا، یہ سب چیزیں موجب اجر و ثواب ہیں تاہم قرآن پاک کی افضل ترین تلاوت وہ ہے جو دورانِ نماز کی جائے۔

تلاوت کا دوسرا مقصد لوگوں کو تعلیم، وعظ اور نصیحت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ایک فرض منصبی یہ بھی ہے **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِہٖ (الجمعة ۲۰)** کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ لوگوں کو کتاب الہی کی طرف متوجہ کرنا۔ اس کے احکام کی وضاحت کرنا اور ان پر عمل کی ترغیب دینا بڑا عظیم مقصد ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ التَّبٰیِّنَ لِنَسْاِسَ مَا نُنَزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (آیت ۱۴۴)** ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر یعنی قرآن پاک اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ کے لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کریں اور تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔ نیز **فَرٰی اَوْ كَقَدْ وَّصَّلٰنَا لَهُمْ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (القصاص ۱۵)** ہم نے لوگوں کے لیے بلا دیا ہے قول کو تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ مطلب یہ کہ جس طرح پہلی قوموں کی طرف اللہ کا پیغام آتا رہا اسی طرح آخری امت کے پاس اللہ کا قول بصورت قرآن مجیم آپ کا ہے لہذا اب یہ لوگوں کا فرض ہے کہ اس میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں۔ یہ غور و فکر جمعی ہوگا۔ جب کوئی شخص قرآن پاک کو خود پڑھے گا یا کسی دوسرے سے سنے گا تو گو یہ تلاوت کا نام پاک ایک عظیمہ مقصد ہے۔ البتہ تعلیم و تبلیغ کے لیے تلاوت درجہ اول میں آتی ہے جب کہ محض ثواب حاصل کرنے کے لیے پڑھنا درجہ دوم کا عمل ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت کا علم بھی ہو گیا۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو نبوت عطا کر کے اپنے کلام کو پڑھ کر سنانے کا حکم دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک آپ کی ذات باہرکات پر بذریعہ وحی جلی نازل کیا گیا۔

نماز برائے
سے رکھی جاتی ہے

تلاوت قرآن کو نماز کے ساتھ خاص تعلق ہے کہ یہ نماز کا لازمی جزو ہے

لَا آتِيكَ إِلَّا بِمَا نَزَّلْنَا بِهِ مِنَ الْقُرْآنِ فَاقْبَلْهُ مِن رَّبِّكَ إِنَّكَ أَنتَ الْعَاقِلُ
 الْعَقْلُ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بَيْتُكَ نَزَّلَ بِهَا نَزْلًا
 بَرًّا مِّن رَّبِّكَ هَـذَا آيَاتُ الْقُرْآنِ الَّتِي نَزَّلْنَا بِهَا عَلَى نَبِيِّكَ إِنَّكَ
 لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ جیسے سورۃ الکوتر میں فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آیت ۲۰
 آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ نماز، حیاتی اور برائی کے واسطے
 میں رکاوٹ ہے جب کہ روزمرہ مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور
 برائیوں کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا اشکال حضور علیہ السلام کے زمانہ
 میں بھی پیدا ہوا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص اتنا نماز پڑھتا ہے مگر دن
 کو سچری کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: فخرہ نہ کرو، ابھی اس پر پوری طرح
 اثر نہیں ہوا۔ نماز اس کو ضرور برائی سے روکے گی۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی تاثیر
 تو یہی ہے کہ وہ بے حیاتی اور برائی سے روکتی ہے مگر اس کے لیے کچھ شرائط بھی
 ہیں اور اگر وہ شرائط پائی جائیں اور برائیاں بھی نہ ہوں تو پھر یقیناً نماز اپنا اثر ظاہر
 کرے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض درائیاں بعض امراض کے لیے تیرہدفت ہوتی
 ہیں مگر وہ بعض مریضوں پر اثر نہیں کرتیں۔ جس کی وجوہات ہوتی ہیں مثلاً طبع یا بخار
 کے لیے کوئین سو فیصدی علاج ہے لیکن بعض اوقات یہ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ اس کی
 وجہ یہ ہوتی ہے کہ مریض طبع یا کئے علاوہ کسی دوسری بیماری میں بھی مبتلا ہوا ہے۔
 جس کی وجہ سے مریض صحت یاب نہیں ہوتا۔ بعض اوقات صرف طبع یا نہیں بلکہ
 ساتھ کوئی دوسرا بخار بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئین مفید نہیں ہوتی۔

شرائط نماز

غرضیکہ نماز برائیوں سے اُس وقت روکے گی جب وہ پوری شرائط کے ساتھ
 ٹھیک طریقے سے ادا کی جائے گی۔ مثلاً سورۃ الماعون میں ہے: فَتَوَيْلٌ
 لِّلْمُصَلِّينَ ۝۴ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝۵
 ہلاکت اور تباہی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو نماز کے مقصد

سے ہی غافل ہیں نماز محض رزاردی میں پڑھ جاتے ہیں اور اس کی حقیقت سے واقف ہی نہیں یہ تو بالکل ایسے ہی جیسے کوئی شخص کسی کی نقل آتے ہو کہ معیہ نہیں ہو سکتی ۔ نماز کے لیے طہارت بھی شرط ہے جو شخص نماز پڑھتا ہے مگر طہارت کا خیال نہیں رکھتا ، وہ بھی اس شرط کو پورا نہیں کرتا ، لہذا نماز بھی اپنا اثر نہیں رکھتی نماز کے لیے دلجمعی اور سکون کی بھی ضرورت ہے اللہ کا فرمان ہے وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ البقرہ - ۲۳۸ اور خدا تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے ہو ۔ اگر کوئی شخص روزانہ نماز سکون نہیں پڑھتا ، کپڑوں اور باتوں سے کھینچا رہتا ہے ، فضول حرکات کرتا ہے ، نظر کو ہر ادھر اُدھر کرتا ہے تو اس کو نماز کیسے معیہ ہوگی اور وہ اپنی تاثیر کیسے ظاہر کر سکتی حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو نماز میں فضول حرکات کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَ جَوَارِحُهُ اگر اس کے دل میں عاجزی ہوتی تو اس کے اعضا بھی عاجزی کا اظہار کرتے اور اس کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں وغیرہ سکون پکڑتے ۔

اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو تم دیا ۔ وَاقْبِرِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طہ - ۱۴) میری یاد کے لیے نماز قائم کرو ، لیکن اگر انسان نماز کے مقصد و مقصود سے ہی واقف نہیں ، اس طرف بالکل توجہ ہی نہیں ، بلکہ منافق کی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کا کیا اثر ظاہر ہوگا ، حدیث شریف میں منافق کو گمراہی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس کا مالک اس پر بوجہ لادیر ڈنڈا مار دیتا ہے یا اس کے ملتے چارہ ڈال دیتا ہے ، کبھی اس کو باندھ رکھتا ہے اور کبھی کھٹکھٹا چھوڑ دیتا ہے ، مگر گمراہی کو کچھ معلوم نہیں کہ اسے کیوں مارا گیا ، کیوں باندھا گیا اور کیوں چھوڑا گیا ۔ غافل نماز کی بھی یہی مثال ہے جو نہیں جانتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے ، کیوں پڑھ رہا ہے اور کہاں کھڑا ہے ؟ اس کے برخلاف اہل ایمان ان سب چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ اوقات نماز کی پابندی کرتے ہیں ۔ طہارت کا خیال رکھتے ہیں ، خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں مناجات کرتے ہیں تو ان کی نمازوں کا یقیناً اثر ہوتا ہے اور وہ بے حیائی اور برائی سے بچا جاتی ہیں ۔

بوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ عام آدمیوں کی نمازوں میں قبولیت کا حصہ کسی کا دوسرا کسی کا نواں اور کسی کا آٹھواں یا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ وہ بڑا ہی خوش قسمت آدمی ہوتا ہے جس کی آدمی نماز قبول ہو جائے اسی طرح اس کو پھیلانیں تو کسی کا نماز میں تینا نواں حصہ اور کسی کا سواں حصہ مقبول ہوگا۔ وجہ یہی ہے کہ نماز کی شرائط اور مشروع و منصوص مکمل نہیں ہوتا۔ نماز ایک بہترین عبادت ہے مگر اسے عادتاً پڑھا جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں الصلوة اہر العبادات المقربة یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادتوں کی بڑ اور بنیاد نماز ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے جس شخص کی نماز اُسے بے میانی اور برائی سمجھیں بچائی تو ایسے شخص کو قرب الہی کی بجائے کُفر یَزِدُّهُ إِلَّا بَعْدًا دوری ہی نصیب ہوگی کیونکہ اُس نے نماز کو اُس کی رون کے مطابق ادا ہی نہیں کیا۔

نماز کا
اقتضا طبعی

مفسرین کہتے ہیں کہ نماز کا اقتضا طبعی یہ ہے کہ اس کے فرائض و واجبات سنن مستحبات اور تمام ارکان و ہیئات چاہتے ہیں کہ انسان برائی و تائب نہ کرے جو شخص اللہ کے سامنے درست بستر کھڑا ہے، یا رکوع و سجود کی حالت میں ہے۔ قرائت کر رہا ہے یا مناجات اور تسبیحات بیان کر رہا ہے۔ وہ برائی کا کام نہ کیے کرے یا؟ ان ارکان کا تقاضا ہے کہ وہ برائی کی بات نہ کرے۔ اور اگر انسان ان چیزوں کا پورا طریقہ سے خیال نہیں۔ کہے گا تو اسے نماز برائیوں سے کیسے روکے گی؟

شاہ عبدالقادر رومی فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کم از کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حقیقی دیر تک کوئی آدمی نماز کی حالت میں رہتا ہے اتنی دیر تک تو بے حیائی اور برائی سے رکاوٹ بنتی ہے۔ ایسے آدمی سے توقع رکھنی چاہیے کہ بعد میں بھی وہ برائی سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ بے حیائی میں زنا، لواطت، عریانی، باخلقی، کالی گلیچ، فلمی گانے، فوٹو گرافی سب کچھ آتا ہے۔ اور منکر ان چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ جو شریعت اور عقل کے نزدیک بُری ہیں۔ ان میں لڑائی جھگڑا، حق تلفی، ظلم و زیادتی، دھوکہ فریب، ترک فرائض، شریعت کی طرف سے عدم توجہی اللہ

اور اس کے دل کے محرم سے لاپرواہی اور سوات فاسدہ کی تائید وغیرہ شامل ہیں۔ نمازوں سے ترقی رکھنی چاہیے کہ وہ ان تمام غرض اور منکرات سے بچنے کی کوشش کرے۔

ذکر الہی کی
برکات

پھر فرمایا وَلَذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے نماز اللہ کے ذکر ہی کی ایک صورت ہے جس کے قیام کا عمدہ دیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال کو اگر دُجے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سب بڑا درجہ ذکر کا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَا مِنْ شَيْءٍ أَجْزَى مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ اللہ کے عذاب بچانے والی ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ کا فرمان ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (آیت - ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ سورۃ الانفال میں فرمایا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آیت - ۴۵) لوگو! اللہ کو کثرت سے ذکر کیا کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ یہ ساری ذکر ہے جس میں قرآن کی تلاوت، تسبیحات، استغفار اور حمد و ثنا وغیرہ شامل ہیں اور یہ ذکر کی عام صورت ہے۔

اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کو کہ اس کا شکر ادا کرنا قلبی ذکر ہے جس میں حصین کی روایت میں آتا ہے كُلُّ مُطِيعٍ لِلَّهِ وَهُوَ ذَاكِرٌ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ وہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہے، ہر نئی کام انجام دینے والا آدمی ذکر ہے۔ تاہم آسان ذکر زبان سے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانَكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ تو ایسی حالت میں دنیا سے نہت ہو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ ایک موقع پر آپ علیہ السلام سفر میں جا رہے تھے کہ سامنے جہان نامی پہاڑ آیا۔ آپ نے فرمایا مَسِيرٌ وَهَذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفْرِدُونَ لوگو! چلتے جاؤ۔

یہ جان سنا ہے اور غرور لوگ حقیت لے گئے۔ پیار کا ذکر آپ نے اس لیے کیا کہ پیار اور شجر و حجر پر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا حضرت! مفردوں کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا **الذَّاكِرُونَ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ** یعنی اللہ کا شکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ مفرد کا لغوی معنی اپنے آپ کو الگ تھلک اور ہلکا پھلکا کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ کثرت سے ذکر الہی کرنے والے جب پھر اُپر سے گزریں گے تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔ **الغرض! وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ** کا ایک معنی تو یہ ہو گیا کہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے جس کا آگے چل کر بڑا فائدہ ہو گا اور اس کا دورہ مفہوم مفسرین فرمایا۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے ذکر کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے تمہارا ذکر کرنا۔ تمہارے ذکر کی نسبت بہت بڑا ہے۔ حدیث شریف میں آئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پھر جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور وہ لوگوں کے سامنے میرا ذکر کرے تو میں اُن سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا۔ یعنی فرشتوں کی جماعت میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو! میرا یہ بندہ میرا ذکر کرتا رہا ہے۔ بہر حال خدا تعالیٰ ہر بندوں کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ ذکر الہی سے بہتر ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ جو ذکر الہی کرتا ہے خواہ وہ زبان سے کہے یا جوارح سے یا قلب سے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ جو اس کا ذکر کرے گا۔ یعنی اُس کو جو اجر و ثواب عطا کرے گا۔ وہ بندے کی نیکی سے بہر صورت بہتر ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا** اور الانعام۔ ۱۶۱ جو ایک نیکی کرتا ہے اللہ سے کم از کم دس گنا اجر پاتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔ لہذا یہ اجر بندے کے ذکر سے بہر حال بہتر ہے۔

۱۔ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى**

۲۔ ابو داؤد ص ۱۰۰ (فیاض)

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ فِي كُلِّ أَحْيَانٍ ۚ یعنی رسول مقبول علیہ السلام اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے یعنی ان کا کوئی وقت ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا واللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اُس کے علم میں ہے کہ کون غافل ہے اور کون ذاکر ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ کون کس نیت اور ارادے سے ذکر کرتا ہے کس شخص میں خلوص ہے اور کس میں ریاکاری پائی جاتی ہے۔ تمہاری ہر کردگی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق بدلہ دیکھا۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
 أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا
 آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ
 وَالْهِنَا وَالْهَكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ
 مُسْلِمُونَ ﴿٣٦﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
 الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ
 بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا
 يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا كُنْتَ
 تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ
 بِيَمِينِكَ إِذَا لَأَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٣٨﴾
 بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ
 أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٣٩﴾
 وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾
 أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
 يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى
 لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

۲۵۶-

ترجمہ :- اور نہ جھگڑا کرو تم دے اہل ایمان اہل کتاب
 کے ساتھ مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو۔ ہیں مگر وہ جو
 ظالم ہیں اُن میں سے۔ اور کہو تم کہ ایمان لائے ہم اس چیز
 پر جو اتنی گنی ہے ہماری طرف اور جو اتنی گنی ہے۔ تمہاری
 طرف۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اور ہم اُس
 کی ذمہ داری کرنے والے ہیں ﴿۴۶﴾ اور اسی طرح اتنی ہم نے
 آپ کی طرف کتاب۔ پس وہ لوگ کہ جن کو ہم نے کتاب
 دی ہے ایمان رکھتے ہیں اُس پر۔ اور اُن (مشرکین) میں سے
 بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس پر۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری
 آیتوں کا مگر کافر لوگ ﴿۴۷﴾ اور نہیں تھے آپ پڑھتے اس سے
 پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتے تھے اُس کو پہلے دائیں ہاتھ
 سے۔ اُس وقت البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ ﴿۴۸﴾
 مگر یہ تو آیتیں ہیں صاف اُن لوگوں کے سینوں میں جن کو ہم
 دیا گیا ہے۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم
 لوگ ﴿۴۹﴾ اور کہا اُن لوگوں نے کیوں نہیں اتاری جاتیں اس
 پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے۔ آپ کہہ دیجئے بیشک
 نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اور بیشک میں تو کھسوں کر قرآن

واللہ ہوں (۵۰) کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے . کہ بیشک ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف وہ کتاب جو برابر ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے . بیشک اس میں البتہ رحمت اور نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (۵۱)

ربِّ اَیَّات

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ایمان کے ساتھ اتار دیا کہ کیسے اور اس سلسلہ میں بعض انبیاء کی آزمائش کے واقعات بیان کر کے اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ کسی کو بغیر آزمائش کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ پھر اللہ نے شرک کی قہارت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا، پھر توحید کی دعوت دی۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو چیز آپ کی طرف بصورت وحی نازل کی جاتی ہے اس کو پڑھیں اور نماز قائم رکھیں کہ یہ بے حیالی اور برائی سے روکنے والی چیز ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمھاری تمام کارگزاریوں سے واقف ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ مجاہدہ

اہل کتاب اور مشرک لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام پر طرح طرح کے بیودہ اعتراض کرتے تھے۔ پھر نبی کریم علیہ السلام کو اُن کا جواب بھی دینا پڑتا تھا جسکی وجہ سے بحث مباحثہ بعض اوقات طول لکھ جاتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں بعض ہدایت دی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالْحَقِّ هِيَ اَحْسَنُ لِّ اہل ایمان۔ اہل کتاب سے جھگڑانا اگر دیکھ کر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن پاک سے پہلے جو آسمانی کتابیں تورات اور انجیل نازل ہوئیں اُن کو ماننے والے اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ دونوں کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں جن میں ان امتوں کی رہنمائی کے لیے نمیک ٹھیک احکام موجود تھے مگر خود ان کے ماننے والوں نے بعد میں ان کتابوں میں تحریف کر کے ان میں تغیر و تبدل پیدا کر دیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک تک اگرچہ یہ کتابیں اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہی تھیں، پھر بھی ان میں بعض باتیں محفوظ

رہ گئی تھیں اور وہ قرآن پاک سے مطابقت رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں اکثر بحث و تمحیص
 ہوتی رہتی تھی۔ اللہ نے مشرکین کے ساتھ بھی بحث مباحثہ کی اجازت دی ہے۔ مگر
 اُن کے دین کی توجہ اور بنیاد ہی غلط تھی۔ اُن کے پاس کوئی آسمانی کتاب کسی صورت
 میں بھی موجود نہیں تھی۔ البتہ اہل کتاب کے پاس چونکہ آسمانی کتابیں موجود تھیں اگرچہ وہ
 تحریف شدہ تھیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ بحث کرنے میں امتیاط سے
 کام لینے کا حکم دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُن کی کسی صحیح بات کا بھی انکار نہ بیٹھو یا کسی
 غلط بات کو تسلیم کر لو۔

بخاری شریف کی روایت میں آتے کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ تورات
 کا کچھ حصہ پڑھ کر مسلمانوں کو سنانے پر بعض اوقات تسمان اُسے پسند کرتے تھے۔
 اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ
 وَلَا تَكْذِبُوا اِمْ اِہْلَ الْكِتَابِ كِی نہ تو تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ قُفُولُوا
 اَمَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ یوں کہو کہ ہم پر اُس
 چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف سے نازل کی گئی ہے اور جو تمہاری طرف سے نازل کی گئی
 ہے۔ کَبُورُہُ وَالْهَمْنَا وَالْهَکْمُ وَاحِدٌ تھمارا اور ہمارا معبود ایک ہے۔
 وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اور ہم اُس کے فرمانبردار ہیں۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ
 نے اہل ایمان کو حکم دیا قَدْ یَاہْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلَی کَلِمَۃٍ
 سَوَامٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نَشْرِکَ
 بِہُ شَیْئًا (آیت - ۶۴) آپ اہل کتاب سے کہہ دیں کہ آؤ ایک ایسی
 بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے
 سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ بہر حال
 اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اہل کتاب کے ساتھ بحث کرتے وقت نرم رویہ
 اختیار کریں اور اُن کی بات کی نہ تو تصدیق کریں اور نہ تکذیب بلکہ جو اس چیز پر ایمان
 لانے کا اعلان کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اِلَّا الَّذِیْنَ

لہ کُتَابِ مِیْۃ ۴ و معالم التنزیل ص ۱۴۴ (فیاض)

مَا تَعْبُدُونَ (الکھفون - ۱۶) میں اُن باطل معبودوں کی پوجا نہیں کر سکتا۔ جن کی تم کرتے ہو۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکھفون - ۱۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ مشرکوں کے ساتھ تو نقطہ اتحاد موجود ہی نہیں جس پر سب کی نگاہ متحد ہو سکے، لہذا اُن کو رد و لوک جواب دو اور اہل کتاب کے ساتھ نرم رویہ رکھو کہ اُن کے ساتھ قدر مشترک موجود ہے۔

منصف مزاج
اہل کتاب

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ اِیسی طرح ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب۔ یعنی جس طرح اہل کتاب کی طرف توریت اور انجیل نازل کی گئی۔ اِیسی طرح آپ کی طرف قرآن پاک جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے فَالَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُوَ لَوْ كُنْ كَرِهَ لَكُمْ لَسَوْفَ يَأْتِيَنَّكُمْ آيَاتُ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (سورۃ آل عمران میں وضاحت موجود ہے۔ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (آیت - ۱۱۰) اگر وہ سارے ایمان لائے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن میں سے تھوڑے ایمان لائے ہیں جب کہ ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ سے لے کر آج تک اہل کتاب کی اکثریت نافرمان ہی رہی مگر اصل یہ مشرکوں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ البتہ ہر زمانے میں اُن میں سے کچھ لوگ ضرور منصف مزاج پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے حقیقت کو تسلیم کیا ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ کے اطراف میں دس بڑے بڑے یہودی علماء تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر یہ سارے کے سارے ایمان لے آئیں تو دُنیا زمین پر کوئی یہودی ایمان قبول کیے بغیر نہ ہے۔ مگر ان دس علماء میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان کی دولت سے شرف نہ ہوئے جب کہ باقی نو اپنی ضد اور غنادی پہ ہی اڑے رہے۔ بعد کے دور میں بھی بعض لوگ ایمان مستبول کرتے رہے ہیں۔

مکہ و تنور یہ کے زمانہ میں محمدؐ لکڑہ کو لمبہ بہت بڑا بیڑہ تھا جس نے میان قبول کیا ۔
اس تمہ علق شاہی خاندان سے تھا۔ اس کے اسلام لانے سے انگریز ٹرکے سیخ پا ہوئے
تھے مگر وہ مرد مومن جمع اپنے چالیس ساتھیوں کے ایمان پر ڈٹا رہا ۔

جنگ عظیم کے دوران ، ہارڈ یو کہ کھتال کو انگریز نے ہاسوسی کے لیے ترکی
بھیجا ۔ وہ سات سال ، شیخ الاسلام کی مجلس میں بیٹھا تو اللہ نے اُس کو دل پیشہ
دیا اور مسلمان ہو گیا ۔ اُس نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کو بڑا مستند ترجمہ کیا ہے
جسے آبادکن میں انگریزی اخبار کا ایڈیٹر بھی رہا ۔ حال ہی میں فرانس کے ایک بڑے
فلسفی نے ایمان قبول کیا ہے ۔ جرمنی کا یو یو لڈ یودی تھا ۔ کہیں ہٹلر کے ساتھ سفر
میں جا رہا تھا ۔ راستے میں کھانے کا وقت ہوا تو بڑے نے کھانا لیا ، بسم اللہ کہہ کر دسترخوان
پر چا اور اپنے ہم سفر کو بھی دعوت دی ۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور کھانے کے
بعد اکھڑ لکڑ کہا تو اس شخص پر اس کا بڑا اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گیا ۔ بڑا عالم فاضل آدمی تھا
محمدؐ سزاوار کھا ، اب بھی کہیں یورپ میں زندگی کے دن گننا رہا ہے ، اسلام لانے
کے بعد اُس نے کئی کتابیں بھی لکھیں ، ان میں اسلام چورستے پڑ

(ISLAM AT THE CROSS ROAD اور شاہ اولیٰ) ROAD TO MAKKAH)

مشہور تصنیفات ہیں ۔ بہ حال نصف مزاج لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں جو
حقیقت کو تسلیم کر سیتے ہیں مگر اہل کتاب کی غالب اکثریت ہمیشہ غفلت رہے گی
ہی رہی ہے ۔

منصف
نہیں

فرمایا وَمَنْ هُوَ لَا يَمُنْ يَوْمَئِذٍ بِإِيمَانٍ اور ان میں سے یعنی مشرکین میں
سے بھی بعض ایسے ہیں جو ایمان قبول کرتے ہیں ۔ چنانچہ جاپان کا پروفیسر شہ
تھا ۔ اُس کے ہاتھ قرآن کا نسخہ آیا ۔ اس نے بظہر عین محالہ کیا تو اللہ نے کامیاب
دن اور وہ مسلمان ہو گیا ۔ دو سال تک مصر رہا ۔ عربی زبان سیکھی اور اسلامی لٹریچر کو

لے ، وہ فروری ۱۹۹۲ء میں کسی عجلہ وفات پا گیا ہے ۔

سزیدہ مطالعہ کیا۔ وہ خود کہا کہ آیتوں کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا، بلکہ خوش قسمتی سے مجھے قرآن پاک نہ آگیا، اُس کو پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ قرآن سچا ہے اور اس کا لایا ہوا اسلام سچا ہے۔ باقی سارے ادیان غلط ہیں۔ جاپانی اکثر مشرک یا بدعت ہیں مگر اللہ نے اس شخص کو ایمان کی دولت سے نوازا۔ ہندوؤں اور صابیوں میں سے بھی بعض اوقات منصف مزاج مل آتے ہیں جو اسلام کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں مشرکین عرب میں سے بھی بعض لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ایمان سے آتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ اور نہیں انکار کرتے آیتوں کا مگر، فرماں لول جو بڑے ضدی اور بہت دھرم مورتے ہیں۔ دگر نہ جن میں قبولیت حق کا تصور اساجذبیہ موجود نہ ہے۔ وہ ایمان قبول کر لیتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی روایت
کی صداقت کی دلیل

فرمایا ہے پیغمبر آخر الزمان! آپ کی صداقت کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔
وَمَا كُنْتُمْ تَشْكُرُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ كَرِهَ آدَمُ أَنْ يَتْلُوهُ تَوَلَّى سَافِرًا فَهَبْهُ لَهُ
پہلے تو کتاب نہیں پڑھتے تھے وَلَا تَخْطَلُهُ بِحَمِيْنَةٍ اور نہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر آپ پہلے سے پڑھ لکھے مورتے۔
إِذَا لَوْ تَابَ الْبَطْلُونُ۔ تو یہ باطل پرست لوگ شک کرتے کہ یہ تو پہچان بھاری ہے۔ کہیں پرانی کتابوں سے مضامین اخذ کرتے ہیں سنا رہتا ہے، مگر آپ نے تو کبھی پڑھا اور نہ لکھا، نہ کسی سکول کا کچھ بیگنے نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ لے لیا، اس کے باوجود آپ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب پڑھتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے علوم و معارف کے معجزہ جلاتے ہیں۔ یہی تو آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے کہ اُمی مورتے کے باوجود اللہ نے آپ کی زبان پر قرآن کو جاری فرمایا۔
ریاست اگر آپ پڑھ لکھے مورتے تو یہ لوگ آپ پر شک کر سکتے تھے مگر اب قرآن کے پاس شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔

قرآن پاک
کی حفاظت

فَرِيضٌ هُوَ أَلَيْتُ كِبِيْنَتٍ فِي صُذُوْرِ الذِّیْنِ
اور تُوَالِ الْعِلْمِ بلکہ یہ تو واضح آیتیں ہیں جو اہل علم لوگوں کے سینوں میں محفوظ

ہیں۔ یہ بھی اس کتاب کے برحق ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے کہ پوری کی پوری کتاب حفاظت سینوں میں بند کر دی ہے ہمارے اندازہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ایک ارب کی آبادی میں ایک کروڑ حفاظ ضرور موجود ہیں۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ تو یاد ہے۔ جو وہ نماز میں پڑھتے ہیں۔ اس کے برخلاف یورپ و نصاریٰ میں سے تو ارسطو یا انجیل کا ایک بھی حافظ آپ کو نہیں ملے گا۔ کیا یہ کتاب اللہ کے برحق ہونے کی کھلی دلیل نہیں ہے؟ ایک زمانے میں انگریزوں نے اس کتاب پاک کو ختم کرنے کا منصوبہ بنانا چاہا۔ مگر انہیں علحدہ ہی معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی کتاب ہے جسے کبھی مٹایا نہیں جاسکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث قدسی میں اللہ کا فرمان ہے نَزَّلْتُ إِلَيْكَ كِتَابًا تَقْرَأُ مِنْهُ نَاسِمًا وَيَقْظَانِ میں نے آپ کی طرف ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس کو آپ بحالت نیند بھی پڑھتے ہیں اور بیداری میں بھی ایسی کتاب ہے کہ جس کو نہ آگ بجھا سکتی ہے اور نہ پانی دھو سکتا ہے اگر کسی وقت اس کے تمام نسخے بھی نالغ ہو جائیں تو حافظ صاحبان اسے پھر سے تیار کر لیں گے۔ جہاں تک ینند کے دوران قرآن پاک کی تلاوت کا تعلق ہے تو ایسے واقعات بھی سننے میں آتے رہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ کے ایک استاد نے بکھلے کہ میں نے خواب میں احمد سے لیکر وانس تک پورا قرآن پاک حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھا۔ جسے آپ علیہ السلام نے سماعت فرمایا۔ تو دنیا میں ایسے خوش قسمت لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے ینند کی حالت میں قرآن بھی پڑھا اور حضور علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ بہر حال مسند مایا کہ یہ واضح آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ اور نہیں انہار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم لوگ جو اسے زیادہ بہتر اور ضدی سمجھتے ہیں اور اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اللہ نے اس کتاب کو درمشرکین کے لیے انصاف لوگوں کا شکر بھی کیا ہے۔

معجزہ
مطالعہ

آگے مشرکین کو ایک اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا ہے۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَاتُ رَبِّهِ قُلْ هِيَ مَعِيَ شَنْخِشُ رَبِّهِ تَعَالَى کی طرف سے نازل کیا گیا نہیں اتنی باتیں، مشرکین چاہتے تھے کہ نبی علیہ السلام ہماری مرضی کے مطابق معجزات ظاہر کریں تو پھر ہم ایمان لائیں گے۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ فَأْتِ بِكُم دِينَ كَمَا تَشَاءُونَ أَمْ تَكْفُرُونَ کہ اس کے پاس ہیں پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ تمہاری خواہش پر جب چاہے کوئی معجزہ پیش کرے۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہتا ہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔

جہاں تک نبی کی ذات کا تعلق ہے تو آپ کہہ دیں وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ کہ میں تو رسول کہہ ڈرانے والا ہوں۔ میں تو اللہ کا پیغام سناتا ہوں اور برے انجام سے ڈراتا ہوں یعنی میرا کام انداز و ہشیر ہے۔ نشانیاں ظاہر نہ نہیں اور نہ فرمائش پوری کرنا میرے اختیار میں ہے۔ سورۃ المؤمن میں صراحت موجود ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (آیت ۷۸) کسی نبی اور رسول کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی معجزہ پیش کرے جسے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے، وہ کبھی فرمائش پوری کر دیتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔

فرمایا اَفَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ كَیَا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنانی جا رہی ہے، اور یہ نازل بھی ایسی ہی پر ہوئی ہے جو بالکل اُمی ہے۔ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةٌ لِّمَنۢ یَّشْكُ اس میں رحمت ہے۔

رحمتِ برائیت پر چمنے کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو اختیار کرے گا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا۔ وَذِكْرٰی لِّتَقُوْا مِّنۡ مَّوَدِّعٍ اور یہ کتاب نصیحت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اس کے برعکس جو منافق اور منافقہ کے کامیاب ہیں جو ہٹ دھرمی کا مشاہرہ کرتے ہوئے اس کتاب الہی کو انکار کرتے ہیں۔ ان کے لیے

قرآن مجید
رحمت اور
نصیحت

کچھ نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ جو انصاف پسند ہیں
 بہر حال یہ مسترآنِ پاک اہل ایمان کے لیے نصیحت اور رحمت
 کا ذریعہ ہے۔

قَدْ كَفَى بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ج
 يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
 الْخَاسِرُونَ ٥٢ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ
 وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ
 وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ٥٣
 يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ
 لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ٥٤ يَوْمَ يَغْشَاهُمْ
 الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ
 وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ٥٥
 يُعَذِّبُ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ
 فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ٥٦ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
 الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ٥٧ وَالَّذِينَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ
الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
وَلَنُدْخِلَنَّهُمْ فِيْهَا نِعَمًا اَجْرُ الْعَمِلٰى ۝۵۸
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَّبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر) کافی بت اللہ تعالیٰ
میرے درمیان اور تمھارے درمیان گواہ ۔ جانتا ہے وہ جو
آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے ۔ اور وہ لوگ جو باطل
پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی ذات کے ساتھ کفر کرتے
ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں ۝۵۷ اور
آپ سے جلدی مانگتے ہیں یہ لوگ عذاب کو ۔ اور اگر
نہ ہوتا ایک مقررہ وقت تو البتہ پہنچتا ان کے پاس
عذاب ۔ اور ضرور آئیگا ان کے پاس اچانک ۔ اور ان کو
خبر بھی نہ ہوگی ۝۵۸ جلدی صلب کرتے ہیں آپ سے
عذاب کو حالانکہ دوزخ گھیرنے والی ہے کفر کرنے
والوں کو ۝۵۹ جس دن کہ ڈھانچے لگے گا ان کو عذاب
اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے بھی ۔ اور فرمائے گا
وہ چھٹو جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے ۝۵۵ ایمانداروں
سے فرماتا ہے : اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو ۔
بیشک میری زمین وسیع ہے ۔ پس خاص میری ہی
عبادت کرو ۝۵۶ ہر ایک نفس چکھنے والا ہے موت
کوٹھڑا ۔ پھر ہماری طرف ہی تم سب لوٹائے جاؤ گے ۝۵۷

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے ،
 ہم ضرور ان کو ٹھکانا دیں گے جنت کے بالاخانوں میں ۔
 جہنم میں ان کے سامنے نہریں ، ہمیشہ بہنے والے ہوں گے
 ان میں ۔ اچھا ہے بدلہ مل کر نہ والوں کا (۵۸) وہ جنہوں
 نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (۵۹)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کا شعوہ کیا تھا جو ایمان
 لانے کی بجائے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے تھے ۔ اللہ نے اپنے نبی سے
 فرمایا کہ آپ صاف صاف کہہ دیں کہ میرا کام تو کھول کر ڈرنا ہے ، نشانیاں پیش کرنا
 میرے اختیار میں نہیں ہے ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ جب
 چاہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ اس سے بڑی نشانی اور معجزہ
 کیا ہو گا کہ ایک اُمّی آدمی ایسی عظیم الشان کتاب پڑھ کر سناتا ہے جس نے نہ کوئی
 کتاب پڑھی ہے اور نہ کھنسیکھا ہے ۔ یہ کتاب ایسے علوم و معارف پر مشتمل ہے
 جس کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا ۔

رسالت پر
 شہادت دینا

اللہ نے فرمایا کہ اگر انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں تو قُلْ كَفَى
 بِاللّٰهِ بَيِّنٰتٍ وَ بَيِّنَتُكُمْ شَهِيدًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میرے
 اور تمہارے درمیان شری گواہ کافی ہے ۔ طلب یہ کہ اگر تمہیں میری رسالت
 پر شک ہے اور طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے ہو اور میری تصدیق کرنے کی
 بجائے تکذیب کرتے ہو تو میں اُسے اللہ تعالیٰ کی گواہی پر چھوڑتا ہوں کیونکہ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو وہ خوب
 جانتا ہے ۔ وہ میری رسالت سے بھی واقف ہے اور تمہاری مخالفت اور کفر میری
 سے بھی واقف ہے ۔ جو کچھ تم زبان پر لاتے ہو اُس سے بھی واقف ہے اور جو
 دل میں رکھتے ہو اُس کو بھی جانتا ہے ۔ لہذا میں اپنے اور تمہارے درمیان فیصلے
 کے لیے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں وہ جو بھی فیصلہ کرے مجھے منظور ہے اور تم بھی

اس کو مستبول کر لو۔

فرمایا تم لوگ حق شناسی سے اجتناب کرتے ہو مگر یاد رکھو! وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ جو لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یہ بڑے بد بخت لوگ ہیں جو جھوٹی باتوں کو تو مانتے ہیں مگر خدا کی وحدانیت، اُس کی قوی اور غیبوں کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، ان کے حصے میں ہمیشہ کی ناکامی آتی ہے۔

عذاب کا مطالبہ

فرمایا یہ لوگ تعصب اور عناد کی وجہ سے وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو ہم پر کوئی عذاب بھیج دے۔ أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءُ كَمَا رَعِمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا (یعنی اسرائیلی ۹۲) یا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی گرا دے۔ يَا فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنْ سَّمَاءٍ (الانفال ۲۲) ہم پر آسمان سے پتھر برسائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَ هُمُ الْعَذَابُ اور اگر یہ وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر فوراً عذاب آجاتا اور یہ خدا کی گرفت میں آجاتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر امت اور قوم کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (الاعراف ۲۴) پھر جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو ایک سینٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا، فوراً گرفت شروع ہو جاتی ہے۔

فرمایا یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب طلب کرتے ہیں وَيَاٰتِيَنَّهُمْ بَغْثَةٌ یہ یقیناً ان کے پاس اپنا ایک آجئے گا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ورنہ ان میں پتہ بھی نہیں ہو گا۔ اسی طرح موت بھی اپنا ایک آجاتی ہے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا مگر انانِ موت سے ہیکل نہ ہوتا ہے۔ اسی طرح

اقوام کو شکست بھی اپنا ہمہ ہی آجاتی ہے۔ اللہ نے فرعونوں کو سزا دی تو وہ موت بھی نہیں
سکتے تھے کہ اتنی جلد ہی سائے کے سائے غرق ہو جائیں گے۔ جب سے والوں کا وقت
پورا ہو گیا تو حضور علیہ السلام دس ہزار۔ قدسیوں کی جماعت کے ساتھ عازمِ منہ ہوئے
جب کہ وہ بالکل بے خبر تھے مٹی کے ٹکمانوں کی جہنم میں نظر آنے پہنچ گئی۔ اب سب
والوں کو علم ہوا کہ ان کی سزا کا وقت آ گیا ہے۔ خیبر کے یودی بھی اسی طرح اپنا ہمہ
گرفت میں آئے۔ وہ بھی سویرے حربِ محول اپنے نو ذرے اور بیچے وغیرہ
کے کمر اپنے کھیتوں کی طرف کام پر جا رہے تھے کہ اچانک نہانی لشکر ان کے سزا
پر پہنچ گیا۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ موت کا اور سزا کا ایک وقت مقرر ہے جب
وہ آجاتا ہے تو پھر ڈھیل نہیں ملتی اور کام تمام ہو جاتا ہے۔ فرمایا یہ لوگ عذاب ماننے
میں تگر وہ اپنے وقت پر اچانک آجائے گا۔

کفار کی
جہنم رسیدی

پھر فرمایا يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب طلب
کرتے ہیں۔ انہیں بیان کیا جائے کہ وہ عذاب آکر پہنچاؤں جہنم کی محیطہ
بِالْكُفْرِ اور بیشک بنمہ کافروں کو نصیر نے والی ہے بس مرنے کی دیر ہے۔ فوراً
جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ اس دن ان کی حالت یہ ہوگی يَوْمَ يُعْشَبُ الْعَذَابُ
مِنْ قَوْفِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ رُءُوسِهِمْ کہ اوپر سے جی اور پاؤں
کے نیچے سے بھی ان کو اللہ کا عذاب ڈھانپ لے گا۔ ہر طرف آگ کے شعلے جھڑک
رہے ہوں گے جس طرح آج یہ لوگ کفر، شرک اور معاصی میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ایمان
اور توحید سے دور ہیں۔ اسی طرح غاب ان کو ہر طرف سے نصیر لے گا۔ اور اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہوگا۔ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اب اپنے اعمال کا سزا
چکھو۔ یہ تمہاری کارکردگی کے بدلے میں تمہیں سزا دی جا رہی ہے۔ بخاری شریف کی
روایت میں مانعین زکوٰۃ کے متعلق آتا ہے کہ ان کا مال قیامت والے دن سانپ بن کر
ان کے گھٹے میں لٹک جائیگا اور انہیں کھائے گا اور وہ بول کر کہے گا أَنَا كُنْتُ لَكَ
أَنَا مَالُكَ میں تیرا مال اور غزانہ ہوں جسے تو سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا۔ اور اس میں سے

اللہ اور بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا تھا۔ وہ شخص ایسے چلانے کا میکر اب اس کا بچہ فائدہ نہیں ہو گا۔

ہجرت کا

دوسری طرف ایمان والوں کو تسلی بھی دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لِیَعْبَادِیَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَسَیْرَ اَیْمَانِہُمْ بِذِہِہِ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ لِّیَعْبَادِیَ
 زَمِیْنِ کَثِرَۃٍ فَاِیَّآیَ فَلْیَعْبُدُوْا لِہِ خَالِصِیْنَ یَہِیْ ہِیْ عِبَادَتِہِ کَرُوْا۔ اگر تمہیں کفار
 مکے کی زمین میں رہنے نہیں دیتے تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ دین میں ہجرت تو بھی
 بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ ساری زمین اللہ کی ہے، اگر کسی عرقے کے لوگ اللہ کی
 عبادت میں رکاوٹ بنتے ہیں تو اس سر زمین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ۔ جہاں تم
 آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود ہو سکو۔ دین اور آخرت کی خاطر
 وطن کو چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترک وطن بڑا مشکل مرحلہ ہے۔
 لوگوں کو اپنے وطن کے ساتھ انس ہوتا ہے، اُن کی زمین، مکان، دکان، گھر بار، ہر
 چیز سے پیار ہوتا ہے۔ انسان کی رشتہ داری اور بہداری ہوتی ہے، پیار دوست ہوتے
 ہیں۔ آپ وہاں موافق ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کو خیر آباد کہہ کر دوسری جگہ چلے جانا
 جہاں یہ چیزیں فوری طور پر میسر نہیں آتیں، ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ مکے کے مسلمان
 جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کو بھی مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ
 بیمار ہونے لگے۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ ہوا اکر یہ! جس طرح ان کو مکہ محبوب
 اور موافق تھا، اسی طرح مدینہ کو بھی بنائے۔ الْفُضْلُ اَللّٰہُ تَعَالٰی نے اس آیت کے ذریعے
 ہجرت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

ہجرت کی
وضاحت

جب کافر لوگ مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیں۔ اُن کا غلبہ اتنا شدید ہو کہ
 مسلمان شعائر اسلام بھی ادا نہ کر سکیں، نہ اذان دے سکیں، نہ نماز باجماعت ادا کر سکیں
 تو ایسی حالت میں ہجرت فرض عین ہو جاتی ہے۔ مکے میں یہی حالت پیش آئے
 تھے جب اللہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا۔ مولانا شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ہجرت دو وجہ سے فرض ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے

کہ کوئی اہل ایمان اپنے دین اور ایمان کی حفاظت نہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ایسی جگہ سے چلا جائے جسٹور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہؓ نے اس وجہ کی بنا پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایسے حالات میں جو شخص ہجرت کی استطاعت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتا، اُس کی سزا جہنم ہے جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: **قَالُوا لَيْتَ مَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ رَأَيْتَ** ۹۰، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر ہجرت اُس وقت بھی فرض ہو جاتی ہے جب کسی مقام پر اُس کے لیے رزق حلال حاصل کرنا محال ہو جائے یا وہ گناہ سے نہ بچ سکے۔ ہجرت کی فرضیت کے یہ دو مقامات ہیں۔

موت کا
پر دانہ

فرمایا: **كُلُّ نَفْسٍ ذَا نَفْسٍ ذَا بَقَّةٍ الْمَوْتِ** ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر نبیؐ ہر کو موت کو پیالہ پینا ہے **ثُمَّ إِلَيْنَا تَرْجَعُونَ** ہر پھر تم سب ہماری ہی طرف لوٹے جاؤ گے۔ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہو کر اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ لہذا دنیا میں ایسا عمل اختیار کرو جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو اور جس کی وجہ سے اللہ کی گرفت سے بچ جاؤ۔ دنیا میں ایمان اور توحید کے بعد نیک اعمال انجام دو۔ کفر و شرک اور معاصی سے بچ جاؤ تو خدا کی نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مستفید ہونے والے بن جاؤ گے۔

اہل ایمان
کے لیے
نعمات

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بعض نعمات کا ذکر کیا ہے۔ **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ ایمان سے مراد صحیح عقیدہ توحید ہے اور اچھے اعمال میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، قربانی اور صدقہ خیرات وغیرہ امور ہیں۔ فرمایا: **لَا تُزَكُّوا** لوگوں کو گناہوں سے پاک نہ کہو۔ **الْجَنَّةِ عُرْفًا** جہنم سے جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ حدیث شریف میں بالا خانوں کی بڑی حدیف آئی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی دیواریں ایسی ٹٹاف ہوں گی کہ اندر کی چیز باہر سے اور باہر کی چیز اندر سے صاف نظر آئے گی۔ ایک دیواری آدی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی خدمت میں غرض کیا کہ یہ بالا خانے کن لوگوں کو ملیں گے، تو آپ نے فرمایا
 لِمَنْ أَرَادَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ - وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى
 وَانْتَسُ نِيَامٌ یہ ان لوگوں کو ملے ہوں گے جو محتاجوں کو کھانا کھلائیں گے
 نفلی روزے رکھیں گے، خوش اخلاق سے کلام کریں گے اور ایسے وقت میں
 نماز پڑھیں گے جب لوگ سو رہے ہوں گے دنیا سے ایسے بالا خانے ہوں گے تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ خُلْدِيَّتُكَ
فِيهَا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یعنی وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔
نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ یہ عمل کرنے والوں کا نہایت ہی اچھا بدلہ ہوگا۔ ہر
 عامل کا عمل نتیجہ خیز ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرے گی بشرطیکہ
 اس کی تہ میں ایمان اور اخلاص موجود ہو۔

صبر توکل

فرمایا یہ ان عاملین کا تذکرہ ہے الَّذِينَ صَبَرُوا جنہوں نے ہر قسم
 کی تکالیف کو برداشت کر کے صبر کا مظاہرہ کیا، مخالفین کی ایذا میں جھیلیں، وطن
 سے ہجرت کی اور دیگر مصائب برداشت کیے۔ اللہ کی توحید، خدا کا ذکر، اس کی
 نعمتوں کا شکر اور نماز کی طرح صبر بھی ہمارے دین کا بہت بڑا اصول ہے۔ صبر
 مصیبت کے وقت بھی کرنا پڑتا ہے اور عبادت کے وقت بھی صبر کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ انسانی خواہشات اور رسومات باطلہ کے ترک کرنے میں بھی صبر
 کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص صبر نہیں کرتا وہ ناکام ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ آخرت کے انعام ان لوگوں کا حصہ ہیں جنہوں نے صبر کیا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ اور جنہوں نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا۔ جن کو
 یقین ہے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہی قادر مطلق اور علیم کل ہے
 وہی وحدہ لا شریک ہے اور نیکی کا بدلہ دینے والا بھی وہی ہے جو لوگ دنیا کی زندگی
 میں اپنی کوشش کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتے رہیں ان کو
 جنت میں یقیناً اعلیٰ درجات حاصل ہوں گے۔

وَكَايْنٍ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۚ وَاللَّهُ
يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑥۰
وَلَمَّا سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ
فَإِنِّي يُؤَفِّكُون ⑥۱ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَن يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑥۲ وَلَمَّا سَأَلْتَهُم
مِّنْ نَّزْلِ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاحِيَا بِهِ الْاَرْضَ
مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ
لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ⑥۳

پہلے

ترجمہ :- اور بہت سے زمین میں چلنے پھرنے
والے جانور ہیں کہ نہیں اٹھاتے وہ اپنی روزی خود
اٹھ ہی اُن کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی ۔ اور
وہی ہے سننے والا اور جاننے والا ⑥۰ اور اگر آپ
رنگ سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو

اور زمین کو ، اور کس نے مسخر کیا ہے سورج کو
 اور چاند کو تو یقیناً کہیں گے یہ لوگ کہ اللہ تعالیٰ نے
 پھر کدھر یہ لوگ پھیرے جاتے ہیں (۶۱) اللہ ہی کثرت
 کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں
 سے ، اور تنگ کرتا ہے اس کے لیے جس کے لیے
 چاہے ، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۶۲)
 اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے امارا ہے آسمان
 کی طرف سے پانی ، پھر زندہ کیا ہے اس کے ساتھ درخت ،
 زمین کو بعد اس کے مردہ ہو جانے کے تو یقیناً کہیں گے
 یہ لوگ کہ اللہ تعالیٰ نے ۔ آپ کہہ دیجئے ، سب
 تعریف اللہ کے لیے ہے ، بلکہ ان میں سے اکثر سمجھ نہیں
 سکتے (۶۳)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر ہے ۔ اس ضمن
 میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی مثالیں بھی بیان فرمائیں کہ اُس نے اپنے جلیل القدر بندوں
 کو کس طرح آزمائش میں ڈالا ، پھر کفر و شرک کا رد کیا ، نبوت و رسالت پر حقہ زمین کے
 اعتراضات کے جوابات دیے ، پھر ابتلا ہی کے ضمن میں ہجرت کا مقام بیان فرمایا
 اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ جب کفار اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ کر دیں اور انہیں
 دینی شعار بھی ادا نہ کرنے دیں تو مؤخر الذکر کا فرض ہو جاتا ہے کہ ایسی جگہ کو چھوڑ کر دوسری
 جگہ ہجرت کر جائے کیونکہ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے ، منہ احمد کی روایت میں حضرت
 زبیر بن العوامؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلْبِلَادُ لِلْبِلَادِ
 اللہ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللہ فَمُحِثٌ مَا كَسَبْتَ خَيْرًا فَاَقْرَبُ
 یعنی شہ بھی اللہ کے ہیں اور بندے بھی انہی کے ہیں ، لہذا جہاں تمہیں بہتری نصیب ہو وہاں جا
 کر قیام کرو ۔ یعنی اگر کسی مقام پر کفار کا سخت غلبہ ہے تو دوسری جگہ چلے جاؤ ۔

اس کے علاوہ اللہ نے اہل ایمان کے اچھے انجام کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ بھی کہ ہر نفس پر موت وارد ہونے والی ہے اور سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر اہل ایمان اپنا وطن، برادری، کاروبار، مکان، دکان وغیرہ چھوڑ کر ہجرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں عالیشان محل عطا فرمائے گا۔ جو کہ اعمال حسنہ انجام دینے والوں کا صلہ ہے۔ ایسے ایمان والے کہ جن کا خاصہ صبر علی المصائب اور توکل علی اللہ ہوتا ہے۔

عذری سانی
کی ذمہ داری

ہجرت کے نتیجے کے طور پر انسانی ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ جب آدمی اپنا گھر، بار، عزیز و اقارب، کاروبار چھوڑ کر چلا جائے گا، تو اس کی گزراوقات کیسے ہوگی؟ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے۔ روزی سانی کا اصول بیان کر دیا۔
ارْشَادُہٗ جَوَابٌ وَكَأَيُّنْ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا زَمِنَ
 یہ چلنے پھرنے والے بہت سے جانور ہیں جو رزق کو اپنی پشتوں پر نہیں اٹھائے پھرتے۔ بلکہ اللہ یرْزُقُہَا وَاَيَّاكُمْ اللہ ہی رزق پہنچاتا ہے۔ اُن جانوروں کو بھی اور تمہیں بھی۔ رزق سانی کا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کاروبار، ملازمت، کھیتی باڑی یا محنت مزدوری وغیرہ سے روزی ملتی ہے حالانکہ وسائل رزق تو اللہ کے پاس ہیں۔ وہ اسباب پیدا کرتا ہے تو انسان کی محنت بھی کارآمد ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو اپنی پوری جدوجہد کے باوجود انسان روزی کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ سورۃ الذریت میں ہے۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ آیت ۲۲۔ تمہاری روزی کا حکم آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اُسی کے مطابق تمہاری ذریت کا سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح موت کا پروانہ بھی اُپر ہی سے آتا ہے۔ گویا روزی اور موت انسان کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے۔ سورۃ الذریت میں ہی مزید ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينُ (آیت ۵۸) بیشک اللہ تعالیٰ ہی رزق اور مضبوط قوت کا مالک ہے۔ جو لوگ رزق کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں یا اس پر حرص کرتے ہیں۔ اُن کا نظریہ غلط ہے۔ خواہش کے مطابق کسی کو روزی نہیں ملتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ

کا انتظام ہے کہ وہ حکومت کے مطابق جس کو جتنی روزی چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
 ابن ابی حاتم کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ امام بخاریؒ اور بعض دیگر مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ
 کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک
 باغ میں داخل ہوا۔ آپ نے اس باغ میں سے کھجوریں تناول فرمائی، شروع کیں اور مجھے بھی کھانے
 کی دعوت دی۔ میں نے عرض کیا کہ اَشْتَمِیْ حضرت! مجھے تو بھوک نہیں ہے۔ آپ
 نے فرمایا اَلِیْکِیْ اَشْتَمِیْ کہ مجھے تو اس وقت کھانے کی خواہش ہے کیونکہ آج چوتھا
 دن ہے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ پھر فرمایا اے ابن عمرؓ! اگر میں اللہ تعالیٰ سے
 ڈا کر دوں تو وہ مجھے قیصر و کسری سے زیادہ فزائے عطا کرے، مگر میں یہ نہیں چاہتا۔ میں
 تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ اَشْبَعُ یَوْمًا وَّ اَجْوَعُ یَوْمًا کہ ایک دن
 پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب کھانے کو مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ
 کا شکر ادا کروں گا اور نہیں ملے گا تو صبر کروں گا کہ اس پر مجھے اجر ملے گا۔ فرمایا، اُس
 وقت کیا حال ہوگا جب لوگ سال بھر کے لیے اناج وغیرہ ذخیرہ کر کے رکھیں گے۔
 یعنی لوگوں کو یقین آنا کہ ضرور ہو جائے گا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم اُسی بات میں تھے
 کہ اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اِذْ فَرَأٰی وَکَیَّانَ مَرْتَبًا وَاٰیَکُمْ
 اِسی بنا پر عام حالات میں اناج وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی پسندیدہ نہیں ہے
 البتہ اگر اناج کے صنایع ہو جانے کو خطرہ ہو تو ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ
 نے اپنے زمانے میں ایسا کیا تھا۔ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ لَا
 یَدَّخِرُ شَیْئًا لِّغَدٍ یعنی حضور علیہ السلام کوئی چیز کل کے لیے ذخیرہ بنا کر
 نہیں رکھتے تھے۔ البتہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب خیبر یا فدک کی زمین کی پیداوار
 کا اناج آتا تو حضور علیہ السلام اپنی ازواج مطہرات میں سال بھر کا غلہ تقسیم فرماتے۔ مئی میں
 فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات اپنا اپنا حصہ وصول کر لیں مگر وہ اسے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھیں
 تھیں۔ بلکہ فی سبیل اللہ خرین کر دیتیں اور خود خدایہ توکل کر کے گذر اوقات کرتیں۔
 حضرت سیبان فارسیؓ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ اپنی گزشتہ روزی کے دوران بیت المال سے

ذخیرہ اندوزی
کامند

ذہیفہ تو وصول کر لیتے مگر ملتے کا سارا اندر کے راستے میں ضیاع کر دیتے اور خود محنت مشقت کی کمانی سے گزر اوقات کھاتے۔ چنانچہ امام سفیان ابن عیینہ کا قول ہے کہ تمام مخلوق میں انسانوں، حیوانوں اور چڑھوں کے سوا کوئی مخلوق ذخیرہ اندوزی نہیں کرتی۔ اس بیماری کا آغاز انسانوں میں یودیوں سے ہوا اور انہوں نے دنیا میں باقی لوگوں کو بھی اسی ترغیب دی۔ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عام لوگوں کو غلے کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ **الْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ** یعنی ذخیرہ اندوز ملعون ہے جو شخص اس لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تاکہ غلے کی مصنوعی قلت پیدا کر کے اس کے ذمہ بڑھائے جائیں اور مناسب وقت پر زیادہ قیمت وصول کی جائے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا **وَالْجَالِبُ مَرْزُوقٌ** جو شخص بھینچ کر اس منڈی میں لاتا ہے تاکہ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق خریداری کر سکیں اور غلے کی قلت پیدا نہ ہو تو فرمایا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ مزید روزی دینا بہت اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی روایت ترمذی اور ابن ماجہ شریف میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ يَغْدُوَ أَجْمًا صَاوِمًا وَمَكْرُوحًا بِطَانًا** اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح روزی پہنچاتا ہے جس طرح پرندہ صبح کو خالی پیٹ گسٹوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ آخر وہ بھی تو اللہ کے بھروسے پر ہی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ کونسا ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں حضور علیہ السلام کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں **مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ** لوگو! میں نے ہر وہ چیز جو تمہیں جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرتی ہے۔ وہ تمہیں بتا دی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو تمہیں جنت

سے دور اور دوزخ کے قریب کرتی ہے، اُس سے تمہیں منع کر دیا ہے۔ پھر
 فرمایا اَلَا اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنْ لِّنَفْسِ كُنْ
 تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا۔ سنو! جبرائیل علیہ السلام نے
 میرے جی میں یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی جاندار اُس وقت تک موت سے
 بکنا نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے حصے کا رزق مکمل طور پر حاصل نہیں کر لیتا۔ حضور علیہ السلام
 کا فرمان ہے کہ جب کسی انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو فرشتے اپنے جہڑوں میں درج کر دیتے
 ہیں کہ مَا رِزْقُهُ مَا اَجَلُهُ مَا عَمَلُهُ شَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ اس شخص کو روزی
 کتنی ملے گی، اس کی عمر کتنی ہوگی اور عملی طور پر یہ بہشت ہوگا یا خوش بخت۔ اسی لیے حضور علیہ السلام
 نے فرمایا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاجْعَلُوا فِيْ الطَّلَبِ سُنُوْا الشَّرْعَ اور روزی اچھے راستے سے تلاش کرو۔ اور اگر کسی وقت روزی کے حصول میں آخر
 ہو جائے تو گنہگاروں کے ذریعے اُسے تلاش نہ کرنے لگو کیونکہ لَا يَذْرَاكَ مَا
 عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَلْعَتِهِ الشَّرْعِ اس جو چیز ہے وہ اُس کی اطاعت سے ہی
 حاصل کی جاسکتی ہے، بحیثیت کے ساتھ وہ چیز حاصل نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال ہر انسان
 بلکہ ہر جاندار کی روزی تو اللہ کے ہاں مقرب ہے لہذا اُسے اُسکی تلاش میں ناجائز ذرائع
 اختیار نہیں کرنے چاہئیں۔

خاندانی
منصوبہ بندی

یہ آیت کریمہ خاندانی منصوبہ بندی کے نظریہ کو بھی باطل قرار دیتی ہے جس کا
 مقصد یہ ہے کہ انسانی آبادی کو بڑھنے سے روکا جائے، ایسی رو میں استعمال کی جائے
 یا نس بندی کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جو کہ مانع حمل ہو آجکل یہ ساری منصوبہ بندی اقوام متحدہ
 کے زیر نگرانی ہو رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں خوراک کی قلت ہے اور اگر آبادی بڑھے
 گی تو بھوکوں لگی۔ یہ نظریہ دنیا میں ایک انگریز ماہموس نے قائم کیا تھا کہ خاندانی منصوبہ
 کے ذریعے آبادی پر کنٹرول کیا جائے اور اس طرح خوراک کا مسئلہ حل کیا جائے۔ نزول قرآن
 کے زمانہ میں عرب کے لوگ بھی قتل اور لڑکے مرتکب ہوتے تھے، اُن کے پیش نظر دو وجوہات
 تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ بچیوں کو محض اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ وہ لڑے عام

سمجھتے تھے کہ کوئی ان کا داماد بنے۔ اور دوسری وجہ یہی معاشی فتنی کرنے کے زیادہ ہوں گے تو ان کی روزی کہاں سے آئیگی اس نظریہ کے برخلاف اللہ نے محمد دیا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْدَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (یعنی اسرئیل ۳۱) اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ انکو روزی پہنچے گی اور تمہیں بھی روزی پہنچا تو ہمسے زربست تم کیوں فتنہ کرتے ہو؟ یاں فرمایا کہ کتنے جاندار ہیں جو اپنی روزی اپنی پشتوں پر نہیں لارے پھرتے بلکہ انہیں اور تمہیں سب کو ہم ہی روزی پہنچاتے ہیں۔

اعمل بات یہ ہے کہ جانداروں کے لیے روزی کی کمی نہیں بلکہ ہر پرہیزگار انسان اپنے رزق کی تقسیم غلط طریقے سے کر رہا ہے۔ اگر خوراک کی تقسیم کا نظام درست ہو جائے تو کوئی آدمی بھوکا نہ رہے۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ صاحب ثروت لوگ دن میں چند چھپرے کھاتے ہیں جب کہ دوسروں کو ایک وقت کا کھانا بھی باقی نہ رہتا۔ اگر یہی لوگ صرف دو وقت کھائیں اور باقی چار وقت کا کھانا دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ دیں تو لوگوں میں فاقہ کشی کی نسبت نہ آئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عمومی حکمت کا تقاضا ہے کہ نسل انسانی کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا جائے جیسے فرمایا هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَالْيَهُ تَحْشُرُونَ (الملک ۲۴) خدا تعالیٰ کی ذات ربی ہے جو تمہیں زمین میں پھیلاتا ہے اور تمہیں تم سب اُس کی طرف اکٹھے کیے جائے گے اس کے برخلاف جب اس زمانے کے بڑے بڑے منصوبہ ساز آبادی کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں تو اس سے مزید مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ترقی یافتہ ملکوں میں فاقہ کشی نہیں ہوتی اور کیا وہاں کوئی بیمار نہیں ہے؟ یہ سائل محض غریب ممالک میں نہیں ہیں کہ ان میں خاندانی منصوبہ بندی کو رائج کیا جائے بلکہ یہ سائل تو ترقی یافتہ ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں مگر وہاں ایسی کوئی چالانک نہیں کی جاتی۔

تقسیم رزق
کی حکمت

الغرض! تقسیم رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور وہ اسے خاص حکمت کے تحت تقسیم کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی کو بھوکوں مارنا چاہے

تر پھر دنیا میں کون ہے جو ایک دن بھی پنچا سکے۔ روزی کی کھومیش تقسیم کی اللہ نے
 یہ مکت بھی بیان فرمادی ہے وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا
 فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ
 يَعْلَمُ خَبِيرٌ بِصُدُورِ الْأَشْيَاءِ (الشوریٰ - ۲۷) اگر اللہ تعالیٰ سب کے لیے
 روزی کے دروازے بیاں کٹا دے دیتا تو لوگ سرکشی پر اتر آتے۔ وہ تو ہر ایک
 کی روزی اپنے انداز سے کے مطابق نازل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات
 سے اچھی طرح باخبر ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے۔ ان کی مصلحت کے مطابق ان
 کو روزی پنچاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مصلحت کے مطابق جہاں روزی کی
 ضرورت ہوتی ہے تو پھر وہاں کسی کی منصب پر بندگی کا منہ نہیں کرتی بلکہ وَيَرْزُقْهُ
 مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق - ۲) وہ ضرورت مند کی ضرورت ایسی جگہ
 سے پوری کر دیتا ہے جو اس کے دھرم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ
 کوئی پرندہ اپنے منہ میں دانہ اٹھا لے اپنے گھونسلے کی طرف جارہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے
 اس کے منہ سے دانہ کرا کر گندی نالی میں موجود ایک معذّر کپڑے کے منہ میں ڈال
 دیا جو بچہ چارہ کھانے کے لیے کہیں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ طاقتور
 سے چھین کر کمزوروں کو بھی دے دیتا ہے مگر یہ اس کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے
 وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے
 اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

در تہ

فَرِیَاقٍ لِّہُمْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 اَکَرِیٰنَ شُرَکَکَیْنِ سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
 وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا ہے لَیَقُولَنَّ اللَّهُ
 تو یہ لوگ ہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق اور مدبّر ہے۔ فرمایا اگر اس
 چیز کو تسلیم کرتے ہو فَافْیُوفَکُمْ اَنْ تَقُولَ کہ پھر یہ کہ صریح جانتے
 ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے اور اس کے ساتھ

شریک کیوں بناتے ہو؟

فَرَّأَى اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ
لَهُ الشَّرْعَ الْعَالِي هُوَ زَرْقُ كَثَادٍ كَرْتَابٍ لَيْسَ بِنَدْوٍ مِثْلَ هُوَ كَيْسَ بِهَيْتٍ . اور
رِزْقُ تَنَكٍ كَرْدِيَتَابٍ هُوَ لَيْسَ بِهَيْتَابٍ . یہ تو اس کی مرضی اور حکمت پر قنون
ہے . اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ بِشَكِّ الشَّرْعَ الْعَالِي ہر چیز کو جاننے والا
ہے . وہ اپنے علم کے مطابق ہی تمام فیصلے کرتا ہے . پھر فرمایا : وَكَيْسَ
سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اَلَا اَنْتُمْ اَنْتُمْ
کہ آسمان کی طرف سے پانی کون نازل کرتا ہے فَأَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مَرْتًا
بَعْدَ مَوْتِهَا پھر اس پانی کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی بخشا ہے .
اس میں سبزہ ، اناج ، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں . لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ اس کا جواب
بھی ہی دیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے . مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ
کو اس قدر قُدْرَتِ مطلق سمجھتے ہو تو پھر شرک کے کیوں مرتکب ہوتے ہو ؟
ذہاب کفر اور شرک کرنے کی بجائے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ يَوْمَ كَرِهَ
تَعْمَلُغِيثِ الشَّرْعَ الْعَالِي کی ذات کے لیے ہی ہیں . وہی خالق ہے ، وہی مسببِ باب
ہے . جب پانی برسانے اور روزی پہنچانے والا وہی ہے تو معبودِ بَاقِ بھی وہی ہے
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ بَلْ مَحِيْثَتِ يَرْتَابُ کہ مشرکوں کی
اکثریت اللہ کی عطا کردہ عقل کو برائے باز میں لاتی جس کی وجہ سے سوچنے سمجھنے سے
عاری اور شرک کی مرتکب ہوتی ہے .

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ وَلَعِبٌ
وَرِئٌّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا
يَعْلَمُونَ ﴿٦٤﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِّ دَعَوُا اللَّهَ
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا بَلَغَ مِنْهُمْ الْجُمُوعَ
الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا
آتَيْنَهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر دل کا بھلا اور
کھیل۔ اور بیشک آخرت کا گمہ البتہ ہمیشہ زندہ رہنے کا مقام
ہے اگر ان لوگوں کو کچھ ہوتی ﴿۶۴﴾ پس جب یہ سوار ہوتے
ہیں کشتی پر تو پچھتے ہیں اللہ کو خاص اُس کی اعانت کا عقیدہ
رکھتے ہوئے۔ پس جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے غشی
کی طرف تر اچانک وہ شرک کرتے ہیں ﴿۶۵﴾ تاکہ وہ کفر
کریں اُس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے اور
تاکہ وہ فائدہ اٹھالیں۔ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿۶۶﴾

ابتلا اور آزمائش کے ذکر اور اس کی مثالیں بیان کرنے کے بعد اللہ

نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا کہ واضح دلائل کی موجودگی میں اُن کا توحید سے انکار
اور کفر و شرک پر اصرار ٹہی نہ پڑتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کے متعلق فرمایا

بطایات

کہ سب کا روزی ریاں وہی ہے۔ پھر ارض و سما کی تخلیق اور جس وقت کی تسخیر کے متعلق فرمایا کہ یہ سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے۔ یہ چیزیں تو محض اسباب ہیں و مگر نہ حقیقی روزی ریاں تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کسی کی روزی کشادہ کر دیتا ہے اور کسی کی تنگ کر دیتا ہے۔ پھر اللہ نے بارش کے نزول کی طرف توجہ دلائی کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کر خشک زمین کو زندہ کرنا بھی اُسی کا کام ہے فرمایا اس بات کو سب کا ذرا و شرک بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ کی وحدانیت کو نہیں مانتے بلکہ اُسکے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ اب اللہ تعالیٰ نے توحید کے انکار کے اسباب میں سے دنیا کی زندگی، اُس کی زینت اور چل پل کا ذکر کر کے فرمایا کہ اسی میں مبتلا ہو کر اکثر لوگ ایمان اور توحید کو اختیار کرنے کی بجائے کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فرمایا وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی سگر جی کا سہانا اور کھیل تماشا۔ ان اس چند روزہ عارضی دنیا کی رنگینوں میں کھو کر دائمی زندگی کو قبول جاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بچوں کے کھیل کو کہا جاتا ہے جب کہ لعب نوجوانوں کے کھیل پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال دنیا کی زندگی کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہے۔ کھیل محض ایک بناوٹی ڈرامہ ہوتا ہے جس میں حقیقت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ڈرامہ میں کام کرنے والے کردار محض وقتی طور پر اپنا اپنا کردار پیش کرتے ہیں اور جب کھیل ختم ہوتا ہے تو پھر نہ وہ بادشاہ بادشاہ ہوتا ہے اور نہ مجرم حقیقت میں مجرم ہوتا ہے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس کھیل تماشے کی سرپرستی خود حکومتیں کر رہی ہیں۔ ان کے لیے وزارتیں قائم کی جاتی ہیں، فنڈز مختص کئے جلتے ہیں مگر حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے، جو بھی یہ زندگی ختم ہوتی ہے تو کھیل ختم ہو جاتا ہے، مگر انسان میں کہ اسی میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جلتے ہیں۔

اس دنیا کی بے ثباتی کو حکما، ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اپنے انداز کے مطابق

لے تعمیر مارک لسنفی ۲۶۳ (فیاض)

دنیا ایک
کھیل تماشا

دنیا کی
بے ثباتی

بیان کیست چنانچہ سوا ما جانای فرماتے ہیں۔

دلائل تہکے دریں کائنات مجازی

کنی مانند طفلان خاک بازی

اے دل! تڑپا کہ اس مجازی عمل میں بچوں کی طرح خالص کھیتا ہے گا، بچے
مٹی کے یزیت کے گھروندے بنا کر کھیلنے لیا اور پھر باتے وقت پاؤں کی ٹھوکر
سے انہیں تڑپھوڑھیتے ہیں۔ دنیا کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔

حافظ شیرازی صاحب بھی فرماتے ہیں۔

مراد در منزل جانان چہ امن و عیش چوں بہر دم

جرس فریاد می دارد کہ بر بندہ محمل با

اس منزل جانان میں عیش و آرام کیسے حاصل ہو سکتا ہے جب کہ گھنٹی بج رہی ہے اور
ہر وقت غبار کیا جا رہا ہے کہ کجاوے کس اور غصہ ریب کو ق کرنا ہے، مطلب یہ کہ
اس عارضی زندگی کے غم کے لیے ہر آن جھکنا اور دنیا کا انتظار رہنا ہے۔ تو ایسی
دنیا کی بے ثباتی پر وگ غور کیوں نہیں کرتے؟

تأمل فی الوجود بعین قدر

تری دنیا جمیلة کالخیال

اگر غور کی آنکھ سے دیکھو تو اس جمینی دنیا کو خیال سے زیادہ نہیں پائیں گے، مطلب
یہ کہ زمین و خیال یہی ہوتا ہے تو کتنی دیر قائم رہتا ہے؟ بس جلد ہی ہی زائل ہو جاتا ہے
دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی ہر چیز عین فنا ہو جانے والی ہے۔ وَیَسْبِقُ
وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن - ۲۷) اور خدا کے بزرگ و برتر
کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

اقبال نے بھی کہا ہے۔

آیا ہے تو جہاں میں مثال شرر و کج

دور سے نہ جانے ہستی ناپائیدار کج

انہی ایک شعلہ یا چنگاری کی مانند ہے جو کہ ذرا سی دیر کے لیے بجھ چکا ہے اور پھر
ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کی حیثیت اس شعلے سے زیادہ نہیں ہے۔

شیخ سعدی نے بھی بڑے پیار سے انداز میں بات کی ہے۔

۵ جہاں ہر آب نہاد سہیت و زندگی برباد

اے من عدم آں کہ دل برو نہ نداد

جہاں کو تو اللہ نے پانی پر رکھا ہے اور انسانی زندگی کی بنیاد ہوا پر قائم ہے، جب تک
سانس آتا رہتا ہے چلتی رہتی ہے۔ اور جو بنی سانس یعنی ہوا پر گئی۔ یہ زندگی بھی ختم ہو
گئی یہ اتنی ناپائیدار ہے۔ چہ فرماتے ہیں۔

۶ کس بقائے دائم و عدم مقیم نیست

بقائے دائم و عدم مقیم تست

کسی ذات کے لیے بقائے دائم اور عدم قائم نہیں ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات
کے کہ وہی قائم و دائم ہے اور اسی کا عہد مقیم ہے۔

۷ کہ بانہ سے ہونے چلنے کو یاں سب یار بھیجے ہیں

بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ہر روز مشاہدہ میں آتا ہے کہ کوئی آج جا رہا ہے تو کوئی کل۔ کوئی صبح گیا اور کوئی شام۔ زندگی
اتنی ناپائیدار چیز ہے کہ ایک سینہ ہ بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے دنیا کو
کھیل تماشا قرار دیا اور اس کی بے ثباتی کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آخرت کا اند

فرمایا دنیا کی بے ثباتی کے مقابل میں وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِمْ

لِحَيَوَانِ الْآخِرَةِ کہ گھر ہی مستقل قرار کا وہ حیات ہے، دنیا تو محض موب و لعب

ہے۔ اگر اس عارضی زندگی کی پرہیزی کو کسی ایسے کام میں لگائے گا تو آخرت کی ہمیشہ کی

زندگی ایسی ہو جائے گی اور نہ ختمائے کے موا کچھ حاصل نہیں ہوگی۔ سورۃ اعلیٰ میں

اللہ کا ارشاد ہے بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةُ

خَيْرٌ وَبَلَقَ ﴿١٧﴾ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت ہی بہتر اور

دیر پائے لہذا اسی کی طرف دھیان دینا چاہیئے اور اُسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اللہ نے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا۔ جو کچھ یہاں بونے دیے آگے جا کر کاٹو گے لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے تو پھر کہو کہ یہاں بونے کے کام میں کاش کہ تم لغو، شرک اور معصیت کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور توحید کا راستہ اختیار کرتے اور پھر دانی زندگی میں بہتری حاصل کرتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا شرعہ بیان فرمایا ہے۔ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ یعنی جب وہ کسی بحری راستے سے عازم سفر ہوتے ہیں اور ان کی کشتی یا جہاز طوفان میں گھر جاتا ہے، کسی دوسرے حادثے کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ تو پھر خاص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اعتقاد رکھ کر مدد کے لیے صرف اُسی کو پکارتے ہیں۔ یہاں پر دین سے مراد اطاعت ہے۔ اس وقت اُن کا ایمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا اس میں بہت بھگت دینے والا کوئی نہیں ہے۔ جب بحمدروں میں طوفان آتے ہیں تو ایک لاکھ ٹن وزنی جہاز بھی بحمدروں کی لہروں پر تھکنے کی طرح تیرتا پھرتا ہے۔ پندرہ بیس سال پہلے دارہ نامی جہاز ڈوبا تھا جس میں بارہ سو آدمی سوار تھے مگر صرف اڑھائی سو کے قریب بچائے جاتے۔ بچ گئے والوں نے جہاز کی غرقابی کا جو منظر دیکھا اُس قیامت صغریٰ کو وہی جانتے ہیں۔ غریبہ ایسے مشکل وقت میں بعض لوگ صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم طائی کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب کشتی طوفان میں پھنس گئی تو ملاحوں نے کہا کہ اب صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ اس موقع پر کوئی دوسری جہتی کچھ نہیں کر سکتی۔ اسی بات سے عدی کے دل پر چوٹ لگی اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اگر خوشی پر پہنچ گیا تو فوراً جا کر اپنا ہاتھ بغیر اسلام کے ہاتھ میں دے دوں گا۔

توحید اور توحید
میں شرک
کا خطرہ

البتہ بعض شدید قسم کے شرک ایسے بھی ہوتے ہیں جو بھنور میں پھنس کر بھی اللہ کی بجائے پیروں فقیروں کو پکارتے ہیں اور اُن کے نام ہی کی دہائی دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس قسم کے غم سے سنے ہوں گے یا بہاد الحق بیڑا دھک تا بہ نامہ طور پر

بڑے سے بڑا مشرک بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور مثل وقت میں اُنکی
کو پہچانتا ہے۔ فَلَمَّا بَلَغْنَا الْحَبْلَ الْبَرَّ پھر جب اللہ تعالیٰ اُن
کو طوفان سے بچا لیتا ہے اور خشکی کی طرف لے جاتا ہے إِذَا هُمْ
يُشْرِكُونَ تو یہ لوگ پھر مشرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمینیں چڑھتی ہیں۔ نذر نیاز
ہفت ہے، کبھی داتا صاحب کی قبر پر حاضری دی جاتی ہے، کبھی خواجہ صاحب کے ہاں
اور کبھی کسی دوسرے قبرستان کے ہاں گویا طوفان سے بچانے والے یہی ہیں جس
اللہ نے انہیں موت کی آغوش سے بچایا اس کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔

انجملہ کو

اللہ نے فرمایا، یہ اس وجہ سے ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
تاکہ وہ انکار کر دیں اُس چیز کا جو ہم نے انہیں دی ہے بطلب یہ کہ اللہ نے اُن کی
جان بچائی، اُن کو بحفاظت خشکی تک پہنچایا مگر وہ لوگ اللہ کے اس احسان کی قدری
کرتے ہیں اور احسان فراموشی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے
غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور چڑھاتے چڑھاتے ہیں، اور دوسری وجہ یہ ہے
وَلِيَتَمَنَّوْا تاکہ وہ فائدہ اٹھالیں اس چیز سے جو اللہ نے اُن کو عطا کی ہے
مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ لِيَكْفُرُوا اور لِيَتَمَنَّوْا کا لام لام بہتہ
ہے۔ یعنی اِن کے کفر اور نذر و نیاز اٹھانے کا سبب یہ ہوگا۔ کہ وہ سزا کے مستحق نظر
ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ لام اسر ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ چاہئے کہ یہ کفر کریں اور فائدہ
اٹھالیں یعنی اگر یہ اسی طرف جانا چاہتے ہیں تو پھر چلے جائیں۔ اس قسم کا طرزِ تہنیت
دعید کے لیے ہوتا ہے يَا اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (حکم سجدہ ۱۰۰)
جو تمھارا جی چاہتا ہے کر لو۔ ہم حساب لے لیں گے، آخر ہمارے پاس ہی آتا ہے۔
یہ دعید ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ لام عاقبت ہے۔ یعنی یہ لوگ کفر کرتے ہیں اور
اللہ کی نعمت کی ناقہ دی کرتے ہیں اور شکر یہ ادا نہیں کرتے تو اس کا انجاس یہ
ہوگا کہ ہماری عطا کردہ چیزوں کے ناشکر ہو جائیں گے۔ اور اس دنیا کے اُل متاع
سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے جو کہ بالکل عارضی چیز ہے۔ سورۃ زمر میں ہے وَلَقَدْ

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِمَّا آمِنَّا وَيُحْتَطَفُ
 النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ
 وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۖ (۶۸) وَمَنْ أَظْلَمُ
 مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ
 لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
 لِّلْكَافِرِينَ ۖ (۶۹) وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
 سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۖ (۷۰)

۶۸

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
 نے بنایا ہے حرم کو اس کی جگہ ۔ اور اُچھلے
 جاتے ہیں لوگ اُن کے ارد گرد سے ۔ کیا یہ باطل پر
 یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے
 ہیں ؟ (۶۸) اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ
 پر افتراء باندھتا ہے جھوٹ ۔ یا جھٹلے وہ بھی بات کو
 جب وہ اُس کے پاس آجائے ۔ کیا نہیں ہے جہنم
 ٹھکانا کفر کرنے والوں کا ؟ (۶۹) اور وہ لوگ جنہوں
 نے مجاہدہ کیا ہمارے لیے ، ہم ضرور راہنمائی کریں گے
 ان کی اپنے رستوں کی طرف ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ

البتہ نیچے کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۹)

ربط آیت

سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر کیا ہے اور اس پر مثالیں بیان کی ہیں۔ پھر کفر اور شرک کی تردید کی ہے اور توحید و رسالت کے اثبات کا ذکر کیا ہے اب آخر میں ایک تر اللہ کی نعمت یاد دہانی گئی ہے کہ اہل مکہ کو اللہ نے امن جیسی عظیم نعمت عطا کی اور اس کے ساتھ مشرکوں کو وعید بھی سنائی ہے۔ سورۃ کی آخری آیت میں مجاہدے کا مضمون بیان کیا ہے جبکہ سورۃ کی ابتدا میں وَمَنْ جَاهَدَ فَلَنَمَاجَاهِدَ لِنَفْسِهِ میں کیا گیا تھا۔ مجاہدہ بھی آزمائش ہی کی ایک صورت ہے۔

قریش مکہ
پر احسان

نیز دل قرآن کے زمانے میں مسزین عرب میں سال جہ میں ارمہ بخت ہامنی کے ہوتے تھے۔ اس دوران قافلوں پر حملے ہوتے، لوٹ مار ہوتی، قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان آٹھ ماہ میں سارے راستے پر خطر ہوتے تھے، کوئی قافلہ بحفاظت سفر نہیں کر سکتا تھا جس کی وجہ سے کاروبار غنیمت ہو کر رہ جاتا تھا۔ البتہ سال کے باقی چار مہینے حرمت کے نیچے کھلتے تھے جن میں بہت حد تک پھینک دیے جاتے تھے، کوئی کسی سے تعزین نہیں کرتا تھا۔ تجارتی قافلے جگہ جگہ اپنا سفر جاری رکھتے تھے، گویا اس دوران میں ہر قسم کا سفر پرہن ہوتا تھا۔ بدتہ قریش مکہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ بیت اللہ شریف کی نزولیت کی وجہ سے ان کے لیے سارا سال پر امن ہوتا تھا۔ ان کے تجارتی اور دیگر قافلے بلا روک ٹوک جہاں چاہتے سفر کرتے اور ان کے راستے میں کوئی مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ یہی دو احسان ہے جو اللہ نے سورۃ الفقیہ میں بھی بیان کیا ہے کہ ان کے تجارتی قافلے مکہ مکرمہ میں تمام کی طرف جاتے تھے اور مکہ مکرمہ میں کایاں گزرتے تھے مگر ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی تھی۔ لوگ ان کا ادب احترام کرتے تھے۔ اس مہتمم پر بھی اسی احسان کا تذکرہ فرمایا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حُرْمًا اَمِنًا کیا قریش مکہ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم پاک کو امن کا خطہ بنا دیا ہے اور اسی وجہ سے

حرم کے متولی قریش بھی مامون ہو گئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے برخلاف انیس حمل امن و امان حاصل ہے اور یہ جہاں چاہیں بلا روک ٹوک جاسکتے ہیں بظاہر ہے کہ حرم کو پُر امن خطہ کسی لائٹ سنات یا غری نے تو نہیں بنایا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے تخلیق ارضی کے زمینے سے ہی اسے امن والا خطہ بنا دیا تھا۔ اسی علاقے میں جنگِ جہل ممنوع قرار دی گئی اور ہر گناہ کے لیے دوسری سزا مقرر کی گئی جس کی وجہ سے قریش کو مکمل طور پر امن حاصل ہو گیا۔

حرم پاک کے علاوہ باقی عرب کی حالت یہ تھی وَیَتَخَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ کہ قریش کے ارد گرد کے علاقوں سے لوگ اچانک ایسے جاتے تھے۔
 وہاں کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ تھی۔ ہمیشہ فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یہی احسان یا دولا یا اور فرمایا کہ بیت اللہ شریف کے پروردگار کی عبادت کرو اَلَّذِي اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَامَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (قریش ۴) جس نے انہیں بھوک میں روزی اور خوف میں امن عطا فرمایا۔ یہ محض اللہ کے گھر کی برکت تھی کہ لوگوں کے دلوں میں متولیانِ کعبہ کی عزت و احترام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تعمیرِ کعبہ کے وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی تھی۔
فَلَجَعَلَ اَقْبَدَهُ مِنْ النَّاسِ تَهْوِي اِلَيْهِمْ وَارْزُقُهُمْ مِنْ الشَّعَائِرِ لَعَلَّهُمْ لَيْشْكُرُوْنَ (ابراہیم ۳۷) اے مولا کریم! لوگوں کے دلوں کو بیت اللہ شریف کی طرف مائل کر دے اور یہاں کے رہنے والوں کو بھیلوں کی روزی عطا فرما تاکہ یہ تیرا شکر یہ ادا کریں۔ الغرض! اللہ نے قریش کو امن و امان اور روزی و رسانی کا احسان یا دولا کر فرمایا کہ اس احسان کے بے میں ان کو چلبیسے تھا کہ وہ شرک نہ کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرتے۔ اس کے برخلاف ان لوگوں نے اللہ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور اہل ایمان کو ایذا رسانی پر تیل گئے۔
 قریش کے اس قبیح عتیدہ و کمر دراز کی بنا پر اللہ نے فرمایا **اَفَبِالبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ** کیا یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں؟ **وَبِإِعْمَالِهِ اللّٰهُ يَكْفُرُونَ** اور اللہ تعالیٰ

کی عطا کردہ نعمت کی امانت نہ کرتے ہیں، قریش مکہ کا تو خاص طور پر فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرتے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے مگر پیغمبر آخر الزماں کو تکالیف پہنچتے ہیں یہی لوگ پیش پیش تھے جو ان کی باخقی کی عداوت سے ۔

سے
بڑا عالم

فرمایا وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اُس سے
بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے جو شخص خدا کا شریک ٹھہرتا ہے ۔ وہ اس پر افتراء باندھتا ہے کیونکہ وہ تو وہی وہی شریک ہے ۔ خدا کا شریک بننے کا مطلب یہ ہے اَمْ تَتَّبِعُونَہٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ
درالرحہ - ۲۲ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز سے خبر دے سکتے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا ۔ اس قسم کا خیال بذات خود غلط کی بات ہے ۔ اسی لیے فرمایا کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے ۔ ذہیان عالم کی ایک عداوت تو یہ ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اور دوسری یہ آؤ کَذِبَ بِالْحَقِّ
کَمَاجَاوِزَہٗ یا جب کوئی حق بات اس سے پاس آ جائے تو وہ اس کو جھٹلادیتا ہے یہ بھی اُس کے بڑا ظالم ہونے کی نشانی ہے ۔ جب خدا کا پیغمبر اللہ تعالیٰ کو پیغام دیتا ہے تو وہی اللہ کی بات کرتا ہے تو یہ شخص اُس کی تکذیب کرتا ہے ۔ لہذا یہ سب سے بڑا ظالم ہے ۔ کوئی سلیمہ الفصرت اسٹراور اس سے رسول کی بات کو جھٹلنے کی عزت نہیں کر سکتا ۔ فَرَّاجِزْشَخْصٍ مَّيْ بَاتٍ كَوْجَهْدِہٖ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ
مَشْوٰی لَدٰكُفِرِیْنِ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے ؟ لیکن ایسے لوگ جہنم کا ٹھکانہ نہیں گے ۔

مجاہد کی
مختلف
تفسیریں

مجاہد بھی آزمائش میں کی ایک صورت ہے ۔ اس لیے اُمی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کرنے والوں کو تسلی دی ہے ۔ اِشْدَدُّوْا بَہٗ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا
فِیْنَا کُنْہُمْ یَتَّخِذُ سُبُلَنَا اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لیے مجاہدہ کیا ہم ضرور ان کی اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کریں گے ۔ مجاہدہ جہاد کے
اورہ سے ہے جس کا معنی اپنی پوری طاقت اور باطنی قوت کو دشمن کے مقابلے میں

صرف کرنا ہے۔ جہاد کی ایک صورت جہاد بالسیف ہے یعنی تعمار کے ساتھ میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنا۔ جنگ عام حالات میں تو فرض کفایہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ اس میں بہ وقت شریک ہوتے ہیں اور مکی سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں جب کہ باقی لوگ اپنے گھروں میں رہ کر باقی امور زندگی از قسم کاروبار، محنت مزدوری، بصیقتی باڑی اور ملازمت وغیرہ انجام دیتے ہیں۔ البتہ جب دشمن کے خلاف بالفعل جنگ شروع ہو جائے تو پھر یہ ہر مسلمان پر فرض عین ہو جاتی ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں ایسی جنگ میں شریک ہو جاتا ہے۔

مجاہد کی ایک صورت حصول علم بھی ہے کہ یہ بھی محنت و مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ امام بخاری فرماتے ہیں إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ عام لوگوں کا توجہی دستور ہے، البتہ نبیاء و علیہم السلام کو وحی کے ذریعے علم کھایا جاتا ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اُسے دوسروں تک پہنچانا یعنی تبلیغ دین کا کام انجام دینا بھی بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ یہ بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگ معمول کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ البتہ اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ کسی بستی، علاقے یا خطے میں دین پہنچانے والا کوئی نہ ہو، تو جس شخص کو اس بات کا علم ہو جسے کہ فرد مکہ پر دین حق کی تلافی پانی باقی ہے تو اس پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ دین کا پیغام دین تک پہنچانے پر نہ گنہگار ہوگا۔

قلم بھی جہاد کا ایک ذریعہ ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں مصنفین نے دین اسلام کی آئینہ و تشریح میں لاکھوں کتابیں لکھی ہیں۔ قرآن پاک اور سنت رسول کی تشریح و توضیح کی سب سے جو کچھ بہت بڑا کام ہے۔ اگر کوئی شخص نیت صادقہ کے ساتھ دین اسلام کے دفاع میں ایک مضمون شائع کرے تو گویا جہاد میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف محض تفریح طبع کے لیے مجسوسے سچے منہ میں لکھنا ہے سود میں۔ آج کل صحافی حقیقی خبر کی بجائے بناؤی خبریں شائع کرتے ہیں۔ اس زمانے میں خبر بنائی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں

ذرائع بلاغ پر یہودیوں کی مجاہد داری ہے اور وہ اپنی مرضی کی خبریں بنتے ہیں اور پھر انہیں اپنے مفاد کے لیے دنیا بھر میں شائع کرواتے ہیں۔ ایسی خبروں کا کچھ اعتبار نہیں اگر نیت صحیح ہو اور حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہو تو صحافت کا پیشہ بھی مجاہد کا حصہ بن سکتا ہے۔ اور یہ قلم کا مجاہد تصور ہوگا۔ سورۃ العلق میں ہے اَلَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ الشُّرْكَ ذَاتِ وَہ ہے جس نے انسان کو قلم سے ذریعہ علم سکھایا۔

آج کل کی بنیادی خبروں کی طرح انگریز کا جاری کردہ قانون شہادت بھی بنیادی ہے الشُّرْكَاءُ تَرٰہ ہے وَاَقِيْمُوا الشَّہَادَةَ لِلّٰہ یعنی الشُّرْكَاءُ ضَلُّوْا یہ گواہی ٹھیک ٹھیک دو، مگر موجودہ قانون شہادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے گواہی بنانی پڑتی ہے۔ عدالت میں پیش ہونے سے پہلے دکیل اور پولیس سے گواہ کو پڑھاتے ہیں کہ اس طرح گواہی دینا اور یوں نہ کہنا وہ نہ کیس خراب ہو جائے گا۔

ابو داؤد اور سند احمد میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَالنَّفْسِ كُمْ وَعَنْفُسِكُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں، زبانوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ زبان کے ذریعے تقریر کرتا ہے، غیر اقوام کے شوک و شبہات دور کرتا ہے، اسلام کی تشریح و تبلیغ کرتا ہے تو یہ جہاد باللسان ہے، اور کوئی شخص مال رکھتا ہے مگر جہاد فی طور پر کمزور ہے یا تقریر و بیان پر ملکہ نہیں رکھتا تو وہ مال کے ذریعے جہاد میں شریک ہو سکتا ہے اور جو شخص زجران اور صحت مند ہے وہ براہ راست میدان جنگ میں تلوار کے ساتھ جہاد کرے گا۔ غرضیکہ جہاد ہر مسلمان پر کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے اور کبھی فرض عین۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لینے کا پابند ہے اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے مجاہد کیا۔ ہم ضرور ان کی اپنے استوں کی طرف راہنمائی کریں گے، یعنی اُن کے لیے راستے واضح کر دیں گے۔ یہاں پر مُبِیْلًا جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح مجاہد مختلف قسم کے ہیں، اسی طرح ہمارے راستے بھی مختلف قسم کے ہیں جس مجاہد میں خلوص نیت کا فرق ہوگا اس کیلئے راستے بھی واضح ہو جائیگا جس پر چل کر انسان منزل مقصود تک

پیش جانے ہ۔

پیارے
دین

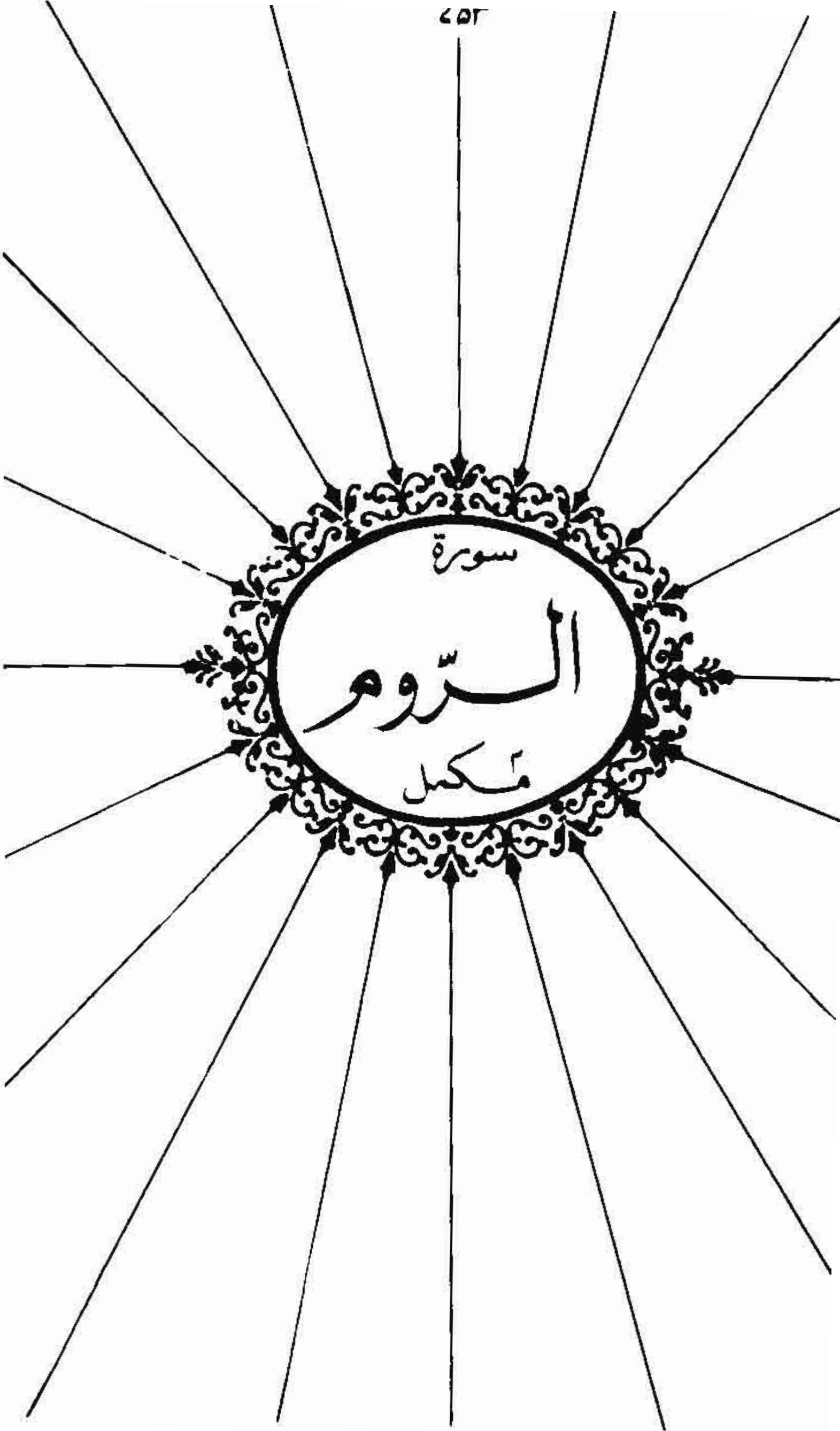
مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اعدائے دین پارہیں ہیں سے دو ظاہری اور دو
باطنی ہیں جن کے ساتھ مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔ ظاہری دشمنوں میں کافر اور منافق ہیں۔
اللہ نے فرمایا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (التوبہ - ۳۴) یعنی کافروں
اور منافقوں کے خلاف جہاد کرو۔ کافروں کے ساتھ جہاد تو ظہار کے ذریعے ہوتا ہے
جبکہ منافقوں کے ساتھ نہ ان سے جہاد کرنا چاہیے تاکہ ان کے نفاق کو لوگوں
کے سامنے ظاہر نہ کر کے ان کو ذلیل و رسوا کیا جاسکے۔ اور لوگ ان کے نفاق سے
بچ سکیں۔

باطنی دشمنوں میں ایک شیطان ہے جو نظر نہیں آتا اور یوسوسہ رُفِیْ
صُدُّوْہِ النَّاسِ (اناس - ۵) لوگوں کے دلوں میں دوسرا انداز کر کے
انہیں بڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ لوگوں کے بڑے اعمال کو مذہبی کام کے دکھاتا ہے تاکہ
لوگ اسی بڑائی میں پھنسے رہیں اور راہِ راست کی طرف نہ آسکیں۔ اس کے بعد دوسرا
باطنی دشمن خود انسان کا نفس امارہ ہے جو انسان کو بڑائی کی طرف سے ہٹاتا ہے۔ ان سب
اعداء کے خلاف جہاد کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ کوئی شخص جس بھی صورت میں مجاہد
کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے سستہ واضح کرتا چلا جائے گا اور اس کا صحیح نتیجہ سامنے
آئے گا۔

میکرو
کے لیے
محبت
ابھی

فَدَّیْہِ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ تعالیٰ البتہ سچی کمر خیزوں
کے ساتھ ہے۔ جو شخص سچی کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نصرت
اُس کے شامل حال ہوتی ہے۔ البتہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ انسان واقعی سچی کی
طرف راغب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ غلط کام کر رہا ہو مگر سمجھتا ہے جو کہ وہ سچی کا کام نہ
رہا ہے۔ تمام اہل برکت کا یہی حال ہے کہ وہ رواجِ تہذیب و عادت کو دیکھتے ہیں اور
سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑی سچی کا کام کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی
تائید و حمایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور

مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرتا ہے، وہی نیکی انجام دینے والا ہے۔ اور
 اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔



سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ هِيَ سِتُّونَ آيَةً قَسَمْتُ كُتُبَاتِ
سورة روم مکی ہے ۔ اس کی ساٹھ آیتیں اور چھ رکعات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑی مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

الَّذِينَ غَلِبَتِ الرُّومُ ۝۲ فِيْ اَدْنٰى الْاَرْضِ
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳
فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۗ هٰذَا لِلَّذِيْ اَمَرُ مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ بَعْدُ ۗ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴
بِنَصْرِ اللَّهِ ۗ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعَدَ اللَّهُ ۗ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶
يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

ترجمہ: القرآن ① مغلوب ہو گئے رومی ② قرب
 فی سرزمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب
 غالب آئیں گے ③ چند سالوں میں - اللہ کے اختیار
 میں ہے معاملہ پختہ ہوئی اور بعد میں بھی - اور اس دن
 خوش ہوں گے ایمان نے ④ اللہ کی مدد سے -
 وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہ زبردست اور
 رحم کرنے والا ہے ⑤ یہ اللہ کا وعدہ ہے - اللہ نہیں
 خلاف کرتا اپنے وعدے کا - لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ⑥
 جانتے ہیں وہ ظاہری دنیا کی زندگی کو - اور وہ آخرت سے
 غافل ہیں ⑦

نامہ اور
 کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الروم ہے جو اس کی دوسری آیت میں آمد لفظ
 روم سے اخذ کیا گیا ہے مفسرین کے مطابق یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ الشقاق کے
 بعد نازل ہوئی - اس سورۃ مبارکہ کی ساٹھ آیات ہیں اور یہ چھ رکوع پر مشتمل ہے - اس
 میں ۸۱۹ الفاظ اور ۲۵۲ حروف ہیں یہ سورۃ طوالت کے لحاظ سے درمیانی
 سورتوں میں شمار ہوتی ہے

روم
 سلطنت

روم ایک سلطنت کا نام تھا جسے نزول قرآن کے زمانہ میں رومۃ الکبریٰ ہی
 کہتے تھے، بالکل اسی طرح کچھ عرصہ پہلے تک برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ
 کہا جاتا تھا اس سلطنت کا اصل مرکز
 GREAT BRITAIN
 تراکمی میں تھا مگر بعد میں اس کا ایک حصہ الگ ہو کر جدید روم کہلا گیا جس کا خلافت
 استنبول (قسطنطنیہ) تھا اور اس کے ماتحت شام فلسطین اور ایشیائے کوچک کے
 دیگر علاقے تھے - اس سلطنت کا بارشاہ بہ قل عیسائی مذہب رکھتا تھا جسے
 حضور علیہ السلام نے شہر میں دعوت نامہ اسلام بھیجا تھا -

بعد کے دور میں لفظ روم عیسائیوں کے لیے مخصوص ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے

والروم ذوات القرون اذا هلك قرن خلفه قرن آخر
 رومی یعنی عیسائی لوگ قرناً بعد قرن دنیا میں موجود رہیں گے، جب ایک گروہ ختم ہو جائے
 گا تو دوسرا آجائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا۔ چنانچہ یہ لوگ
 آج تک دنیا میں بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک چلے آئے ہیں مسیح علیہ السلام کے نزول
 کے بعد ساری زمین غیر مذہب سے پاک ہو جائے گی۔ اور دنیا میں صرف اسلام
 ہی باقی رہ جائے گا۔

دو عظیم
 حکومتیں

نزول قرآن کے زمانہ میں دنیا پر دو بڑی زبردست سلطنتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔
 ایک ایرانیوں کی حکومت کسریٰ جس کے زیرِ نگیں تقریباً آدمی دنیا بشمول ہندوستان
 کی مختلف ریاستیں، چین، روس وغیرہ تھی۔ اگر کوئی ملاقاتی بادشاہ بھی تھا تو وہ بھی
 کسریٰ کا باج گزار تھا۔ دوسری آدمی دنیا قیصر روم کے ماتحت تھی۔ اس میں یورپ،
 افریقہ، مصر وغیرہ شامل تھے اس زمانے میں قیصر اور کسریٰ کی حیثیت دنیا میں اسی
 طرح تسلیم کی جاتی تھی جس طرح آج کے زمانے میں امریکا اور روس دو بڑی سلطنتیں
 ہیں اور دنیا کے بیشتر ممالک، سیاسی، اقتصادی یا معاشرتی لحاظ سے کسی نہ کسی طرح
 ان دو کے دستِ نگر میں۔ بہر حال اُس زمانے میں رومی عیسائی تھے۔ جب کہ
 ایرانی مجوسی تھے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دہلوی اپنی معرکہ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں
 لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ ان دونوں بڑی سلطنتوں کو ختم کر دیا جائے۔
 چنانچہ اُس نے عرب کے خطے میں اپنے نبی امی کو مبعوث فرمایا جو نہ رومیوں کے ساتھ
 ملے تھے اور نہ ایرانیوں کے ساتھ۔ اللہ نے آپ کی ذات کے ذریعے ان دو بڑی
 حکومتوں کو مٹا دیا جنہوں نے دنیا پر ظالم ڈھائے تھے۔ یہ عظیم سلطنتیں حضور علیہ السلام
 کے صحابہؓ کے ہاتھوں اپنے اقتدار کو پہنچیں۔ چنانچہ جنگ یرموک میں عیسائیوں کی کمر
 ٹوٹ گئی اور فارس کی جنگ میں ایرانی مجوسیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔
 یہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ہوا۔

سعدت
سے نفع
پیشین گوئی

حضور علیہ السلام کی نبوت کو چھ سال گزر چکے تھے جب یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی یا لوں
بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورۃ ہجرت مدینہ سے چھ سال قبل نازل ہوئی۔ مسلمانوں کی ایک
جماعت کفار کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ اسی زمانے میں
رومی اور ایرانی آپس میں برسرِ پیکار تھے، مختلف مقامات پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ رومی
عیسائی آپس میں یعقوبی، نستوری، و غیرہ کئی فرقوں میں تقسیم ہو کر لڑتے جھگڑتے رہتے تھے
عیسائیوں کے اندرونی خلفشار سے مجوسیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہوں نے
یکبارگی حملہ کر کے رومیوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے قسطنطنیہ
پر حملہ کر کے وہاں کے عیسائیوں کو بھی مجبوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان حالات میں یہ
سورۃ الہدٰی نازل ہوئی جس میں واضح کیا گیا کہ رومی مغلوب ہو چکے ہیں لیکن ساتھ یہ پیشین گوئی
بھی کہ دی کہ چند ہی سالوں میں یہ دوبارہ غالب آجائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ
پیشین گوئی نو سال کے عرصہ میں پوری کر دی۔

پیشین گوئی
پر شرط

اُس زمانے میں مکے کے مشرکوں کو ایرانی مجوسیوں کے ساتھ دلی ہمہ روی تھی۔
کیونکہ دونوں فرقے مشرک تھے۔ آدمی مسلمانوں کو بالطبع روم کے عیسائیوں کے ساتھ
زیادہ مناسب سمجھتا تھا کہ وہ بھی اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کو تمام انبیاء پر ایمان تھا۔
جب رومی مغلوب ہو گئے تو مسلمانوں کو ذہنی طور پر تکلیف پہنچی کیونکہ وہ ایک عہد
تک ان کے ہمہ روی تھے۔ دوسری طرف مکے کے مشرک خوشیاں مناتے تھے کہ ان
کی پارٹی غالب آئی تھی اور اسی ضمن میں وہ مسلمانوں کا مسخرہ اڑاتے اور دل آزاری کرتے کہ
دیکھو جس طرح رومی عیسائی مغلوب ہو گئے ہیں اسی طرح تم بھی مغلوب ہی رہو گے اور
تمہارے غلام کی حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔

اسی دوران میں جب اس سورۃ کے ذریعے پیشین گوئی کی گئی کہ رومی غنقریب
دوبارہ غالب آجائیں گے تو مشرک نفسی اڑاتے تھے کہ دیکھو مسلمان کیسی
فضول امیدیں لگانے بیٹھے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں اور مشرکوں کا بحث سادہ جہی
ہوتا رہتا۔ چنانچہ ایلے ہی ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ابی بن خلف مشرک

کہ روح المعانی ص ۲۱۱ و ابن کثیر ص ۲۱۱ و خازن ص ۲۱۱ (فیاض)

کے درمیان جب بحث، نے ہول پکڑا تو دونوں نے درمیان ایک شرط طے پاگئی کہ اگر رومی چارپانچ سال کے اندر اندر دوبارہ غالب آگئے تو ابی بن خلف دس اونٹ حضرت ابوجہ صدیقؓ کو دیکھا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر حضرت صدیقؓ دس فریق کو دس اونٹ دیں گے۔ جب اس شرط کا تذکرہ حضرت عبداللہ کے سامنے کیا گیا۔ تو آپ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ بضعہ اطلاق تین سے نو تک کی گنتی پر ہوتا ہے اور اگر وہ ان بضعہ میں سے مادہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نو سال کے عرصہ میں عیسائی اپنا کھویا ہوا دار دوبارہ حاصل کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کی طرف سے چارپانچ سال کی مدت کا تعین درست نہیں، اسے نو سال تک بڑھا دیا جائے گا تاکہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ حضرت صدیقؓ نے اس ضمن میں ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی اور شرط میں اس حد تک ترمیم کر دی گئی کہ جس میں پیش کی مدت نو سال ہوگی اور شرط کی مقدار دس اونٹ کی بجائے سواونٹ ہوگی۔

پیش کی گئی
کی جیل

اس شرط کے تقصیر سے چند سال بعد ۶۲۲ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور اُدھر قبصرِ مدینہ قسطنطنیہ کے ایرانی حکم سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں پر پہلے شامیوں سے سخت مایوس ہو کر افریقہ کی طرف ہجرت کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اسے ایک تدبیر موعجہ ہرقت سمجھا جانتا تھا کہ ایرانیوں کی بحری طاقت کمزور ہے۔ اس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کی پشت سے بحری ہزمت کے ذریعے حملے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس نے اچانک حملہ کر کے ایرانیوں کے قدم اکھاڑ دیے پھر دس سال آذربائیجان میں گھس کر ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بھاڑی اور اس طرح رومی ایرانیوں پر دوبارہ غالب آگئے اسی زمانے میں یعنی ۶۲۷ء میں سمائزوں کو میدانِ بدر میں کفار کے خلاف عظیم فتح حاصل ہوئی، اور اس طرح قرآن پاک کی دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ اُدھر عیسائیوں کو فتح نصیب ہوئی تو اُدھر مسلمان کفار پر غالب آگئے۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء کا یہ پس منظر ہے۔

کہ ششہ سورۃ العنکبوت میں ایمان کے ساتھ ابتلا کا ذکر تھا۔ نیز اس میں بنیادی عقائد توحید، رسالت، قیامت اور شکر کسب کے رد کا بیان تھا۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی بنیادی عقائد میں ذکر ہے۔ یہاں پر ترمیم کے عقلی اور نقالی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ نبوت، رسالت پر اعتراضات کے جوابات میں۔ محاسبہ اور نیکو عمل کا ذکر ہے۔ پچھلی سورۃ میں ابتلا کا ذکر تھا اس سورۃ میں جہانوں کے لیے بشارت سے کہ ثابت قدمی کی صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے گا۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں بہت سے حقوق کا ذکر بھی ہے۔

حروف
مقطعات

اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات **اَللّٰم** ① سے کی گئی ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے بعض اسمائے پاک کی طرف اشارہ ہے جیسے **اَللّٰہ** سے **اَللّٰہ** سے **اَللّٰہ** یعنی نیکو نیتیں یا **اَسْمَہ** اسم لطیف یا **طہ** جس کا معنی مہربانی اور شفقت ہوتا ہے۔ اور **م** سے مراد علیم ہے تو اس طرح ان حروف کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں نہایت ہی مہربان ہے جن کا انجام اچھا ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ **م** سے مراد الوہیت ہے جب کہ **ل** سے مراد اللہ کی **اَللّٰہ** یعنی نعتیں ہیں اور **م** سے مراد ملک یا بادشاہی ہے۔ مطلب یہ ہو کہ الوہیت بھی خدا تعالیٰ کی ہے اور انعامات اور بادشاہی بھی اُسی کے فیضان سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ **اَللّٰہ** سے **اَللّٰہ** سے جبریل علیہ السلام اور **م** سے محمد مرہم ہیں۔ یہ قرآن مجید کی حقانیت و مسندت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ آخری کتاب جبریل علیہ السلام کے توسط سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔

امام شاد ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے شفقی طور پر بتایا ہے کہ **اَللّٰہ** سے عالم مجرب کا وہ غیب مراد ہے جو اس مادی جہان میں آکر متعین ہو رہا ہے اور لوگوں کے بُرے اعمال و اذواق کے ساتھ مترادف ہے۔ اس کے ذریعے **لہ** ابن کثیر ص ۱۲۱ **لہ** ابن کثیر ص ۱۲۱ **لہ** ابن کثیر ص ۱۲۱ **لہ** ابن کثیر ص ۱۲۱

لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اس سے انبیاء علیہم السلام کے مقامات کا بھی پتہ
 چلتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ درغیب مجرہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ ل تعین پر
 دلالت کرتا ہے اور م سے مراد مادہ (MATTER) ہے مقصد یہ ہے
 کہ عالم غیب جو قانون، تشریح یا تحقیق اکثر متعین ہوتی ہے وہ لوگوں کے عادات،
 علوم اور سنسکرتی کے ساتھ ٹکراتی رہتی ہے گویا اس کا تصادم برے اعمال و اخلاق
 اور فساد اردوں سے ہوتا رہتا ہے۔ تو اس سورۃ مبارکہ میں انہی چیزوں کا ذکر ہو گا۔
 گویا السّ سورۃ کی سرخی (HEADING) ہے اور اس کی تفصیلات
 سورۃ میں موجود ہیں۔

تاہم امام جلال الدین سیوطی اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ
 بیان کردہ معانی و مطالب میں سے کوئی بھی یقینی معنی نہیں ہے۔ مفسرین کرام یہ
 معانی محض تقریب فہم کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے اذہان کو قرآن کریم
 کے قریب لایا جاسکے۔ البتہ زیادہ سلامتی والا راستہ یہ ہے کہ ان حروف کے بارے
 میں یہی نظریہ قائم کیا جائے کہ اللّٰہ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ اِنْ حُرُوف سے
 جو بھی مراد ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جو بھی
 اللہ کی مراد ہے وہ بہ حق ہے ہمیں اس کی کمرہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے
 سے گمراہی میں پرنے کا احتمال ہے۔

ارشاد ہوتا ہے غُلِبَتِ الرُّومُ رومی عیسائی مغلوب ہو گئے فی اَفْئِ
 الْاَرْضِ قریب کی سرزمین میں۔ اس سے سرزمین عرب مراد ہے کہ شام و فلسطین
 اور ایشیائے کوچک وغیرہ کے علاقے عرب سے قریب تھے۔ جہاں پر عیسائی
 مغلوب اور مجبوس غالب آگئے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اللہ نے یہ پیشین گوئی بھی
 فرمادی وَهُمْ مِّنْ اَبَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَعْبُونَ اور یہ رومی
 مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر غالب آجائیں گے۔ فی بضع سنین
 اور ان کو دوبارہ غالب چند سالوں میں حاصل ہو جائے گا۔ بضع کا اطلاق تین سے نو

رومیوں کا
 زوال و عروج

بہک کے امداد پہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ نو سال کے اندر اندر رومی اپنا وقار دوبارہ حاصل کر لیتے۔
اُدھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی بشارت سنائی لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ اَبَعْدُ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سارا معاملہ ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔ مختار
 مطلق وہی ہے۔ ہر چیز پر تصرف اُسی کا ہے۔ ان دنیاوی بادشاہوں کو تو عروج و زوال
 ہوتا رہتا ہے مگر اللہ کی ذات ہی ہے جس کو کبھی زوال نہیں اور دنیا کی تمام اونچی
 نیچ اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے جب اُسی مشیت ہوتی ہے تو کسی قوم کو عروج
 حاصل ہو جاتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو وہی قوم قعر مذلت میں جا گرتی ہے۔
 فرمایا رومی چند سالوں میں دوبارہ غالب آجائیں گے وَيَوْمَئِذٍ يُفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ
 اور اُس دن اہل ایمان بھی خوش ہو جائیں گے۔ کس طرح؟ يَنْصُرُ اللّٰہُ اللّٰہَ اللہ تعالیٰ
 کی مدد سے۔ اللہ کی یہ مدد مسلمانوں کو میدانِ بدر میں مشرکین مکہ کے خلاف حاصل ہوئی۔
 اُدھر رومی ایرانیوں پر غالب آئے اور اُدھر مسلمانوں نے کافروں کو شکست فاش دے
 دی اور اس طرح یہ دونوں پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں یعنی رومی بھی غالب آ گئے اور
 اہل ایمان بھی خوش ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب رومیوں کو ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل
 ہوئی تو اُس وقت شاہ ہرقل محسوس تھا۔ اس نے نذرمان رکھی تھی کہ شام و فلسطین پر
 دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی صورت میں وہ پیدل چل کر بیت المقدس کی زیارت
 کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی یہ سنت پوری کی۔

فرمایا يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔
وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وہ کمال قدرت کا مالک
 اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ
 اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے لَا يَخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہُ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے
 کا خلاف نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے پورا کرتا ہے۔ وَلَٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں۔ دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے اس
 پیشین گوئی کو کس طرح حروف بکرت پورا کیا۔ اس سے قرآن مجید اور پیغمبر اسلام

کی صداقت بھی واضح ہوتی ہے

فرد معاش
اور غیر معاش

آئے ارشاد ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی حالت یہ ہے يَعْلَمُونَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کہ وہ دنیا کے ظاہری نشیب و فراز کو
ترخوب بانٹتے ہیں۔ لوگ معاشیات، سیاسیات، تناسس، ٹیکنالوجی، صنعت
حرکت وغیرہ سے ترخوب واقف ہیں اور ان معاملات سے متعلق بڑے بڑے دعوے
بھی کرتے ہیں۔ پرانی اقوام عادی اور شہر وغیرہ کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا: وَكَاذِبُوا
مُسْتَبْصِرِينَ (العنکبوت: ۳۸) بڑے سوچ سمجھ بوجھ والے لوگ تھے۔ دنیا کے اعتبار
سے بڑے کامیاب لوگ تھے اور آج بھی ہیں۔ مگر فرمایا: وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ
هُمْ غَافِلُونَ یہ لوگ آخرت کی زندگی سے بالکل غافل ہیں۔ انہیں مرنے
کے بعد عالم برزخ، عالم حشر اور عالم آخرت کا کچھ علم نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ
لوگ عقل معاش میں تو طاق ہیں مگر عقل معاد سے بالکل خالی ہیں۔ آج بڑے بڑے فابریک
میں رہ رہ کر ان دنیا میں موجود ہیں جو ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں مگر آخرت
کے انجام سے بے خبر ہیں۔ وہ اس دائمی زندگی کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتے جس کی
وجہ سے سرسبز نعمان میں جا رہے ہیں۔ اس کے برخلاف اہل ایمان دنیاوی لحاظ سے
اگر کمزور بھی ہوں مگر ان کا آخرت کے متعلق عقیدہ صحیح ہے اور سچی ان کی دائمی فدا
کا ذریعہ ہے یہ اللہ کے نزدیک یقیناً کامیاب ہوں گے۔ جب کہ کافر مشرک، ملوث،
نکبیہ جہنم کے کمزور، تہمت بن کر رہیں گے کیونکہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں ہے

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مِمَّا خَلَقَ
 اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا
 بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ
 النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ⑧
 أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا
 كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
 كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُحُورًا وَآثَارُوا الْأَرْضَ
 وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ
 رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُظِلَّهِمُ
 لِيُظِلَّهِمُ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ
 يَظْلِمُونَ ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
 آسَاءُوا السُّوْءَى أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا
 بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ⑩

ترجمہ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا اپنے نفسوں میں ۔
 نہیں پتہ کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں ، زمین اور جو کچھ اُن کے
 درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت کے
 لیے ۔ اور بیشک لوگوں میں ت بہت سے ایسے ہیں جو
 اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں ۸ کیا یہ
 لوگ نہیں چلے پھرے زمین میں کہ دیکھتے کیسے ہوا انجام
 اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں ۔ وہ ان سے زیادہ
 طاقت والے تھے ۔ انہوں نے زمین کو جوتا اور آباد کیا زیادہ
 اُس سے جو انہوں نے آباد کیا ہے ۔ اور آئے اُن کے
 پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر ۔ پس نہیں اللہ تعالیٰ
 کہ اُن پر ظلم کرے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم
 کرتے تھے ۹ پھر جن لوگوں نے برائیاں کیں ان کا
 انجام بُرا ہوا ۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو
 جھٹلایا ۔ اور وہ اُن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ۱۰

بطایات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تیشین کوئی فرمائی تھی کہ
 مغلوب رومی عیسائی چند سالوں میں دوبارہ غالب آجائیں گے ۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی
 نورسال کے اندر اندر پوری ہو گئی ۔ ادھر عیسائیوں نے اپنے مقدس مقامات مجوسیوں
 سے واکذا کر لیے اور ادھر اللہ نے ہر کے میدان میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح
 عطا فرمائی ۔ اس پیشین گوئی پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ابی بن خلف کے درمیان
 ایک ایک سوانح کی شرط بھی لگ چکی تھی ۔ عیسائیوں کے دوبارہ غلبے پر حضرت
 صدیقؓ شرط توجیت چکے مگر ابی بن خلف میدان بدر میں مار گیا ۔ روایات میں
 آتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے سوانح ابی بن خلف کے رشتہ داروں سے مہول
 کیے تھے ۔

قمار بازی
کامند

جب اس بات کا تذکرہ حضور علیہ السلام کے سامنے ہوا کہ حضرت صدیق بنے شرط کے سوانٹ وصول کر بیٹے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ تمہارے لیے جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ قمار بازی سے حاصل ہونے میں۔ لہذا ان کو صدقہ کر دو۔ واضح ہے کہ قمار بازی کی ممانعت کا حکم ۲۷ میں سورۃ البقرہ میں جنگ بد کے بعد نازل ہوا تھا۔ اس سے فقہانے کرام یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس شرط یا جوئے کا مال موجود ہو تو اس کے لیے اب بھی حکم ہے کہ وہ مال اس کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کرے اور اگر مالک فوت ہو چکا ہے تو اس کے وارثوں کو پہنچایا جائے۔ اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں نہ ہو تو پھر یہ مال صدقہ کر دیا جائے۔ اس صدقہ سے ثواب حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ ایسے ناجائز مال کے وجہ سے پچھا مطلب ہو۔ اگر ثواب کی نیت سے صدقہ کر چکا۔ تو خطوبے کہ اس پر کفر لازم آجائے۔ اس صدقہ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگ جانے تو وہ فوراً دھو لیتا ہے اور اس دھونے میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ نجاست سے چھٹکارا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح ناجائز مال کے صدقہ سے اس سے گلو خلاصی مراد ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے اس سے لیک دوسرا مسئلہ بھی نکالا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں کسی عربی کافر کے ساتھ اس قسم کے ناجائز معاملات بھی کیے جاسکتے ہیں جس طرح جنگ کے دوران عربی کافر سے مال غنیمت حاصل کرنا جائز ہے اسی طرح اس سے سود بھی لیا جاسکتا ہے یا اس کے کسی دیگر مال پر حبس قبضہ کیا جاسکتا ہے برخلاف اس کے ذی کافر کا مال، جان اور عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ جس طرح کسی مسلمان کی۔ اسی طرح کسی معاہدہ کافر جس کے ساتھ بعض شرائط پر صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو، کا مال بھی غصب نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ وہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیقؓ نے ابی بن خلف کے ساتھ شرط لگائی تھی۔ اس وقت قمار بازی کی حرمت نہیں آئی تھی، لہذا وہ کسی حد تک جائز تھی، مگر اب جب کہ اس کی صراحت کے ساتھ ممانعت آچکی ہے، اب کسی عربی کافر کے ساتھ بھی ایسا معاہدہ کرنا درست نہیں۔ یہ قمار بازی

سے جو کہ قطعی علامت ہے۔

گم شدہ درس میں انفارمیشن کے لیے سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی حالت سے توجہ نہ دے۔ اور ان کے اندر سے جو چیزیں ان کے معاملہ میں بالکل غائب ہیں، جس کی وجہ سے قیامت کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ طعن کے طور پر یہ بھیجتے تھے۔

مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (الملک ۱۵) اگر تم وقوع قیامت کے وعدے میں سچے ہو تو بتاؤ۔ وعدہ کب پورا ہوگا یعنی قیامت کب برپا ہوگی کہتے تھے تمہارا بعث بعد الموت کا فلسفہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اِیْذَا مِثْنًا وَاَكْتٰ تُرْكِبًا وَاَعْظَمًا اِنَّا الْمَبْعُوْثُوْنَ (الواقعه ۷۵)۔

جب ہم سر کر رہی اور ٹہریاں موجا ہوں گے تو کیا ہم چہر اٹھائے جانیں گے؟ یہ بھی کہتے تھے اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخْرَةً (النشأت ۱۱) جب ہم ری ٹہریاں ممبر ہوں گے تو کیا ہمیں گے یعنی ان میں مادہ حیات باقی نہیں ہے۔ تو کیا چہر بھی ہم دوبارہ اٹھائے جانیں گے؟ ایسے ہی لوگوں نے اللہ نے روزیائے کمال کے لیے لوگ آخرت سے بے خبری میں ور نہ وقوع قیامت اور محاسب اعمال کا اس طرح انکار کرتے ارشاد ہوتا ہے

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ لَیْ اَنۡزِلَ اٰیٰتٍ فِیْ سَمٰوٰتٍ وَّاَرْضٍ وَّاَنۡزِلَ مَآءً مِّنۡ سَّمَآءٍ فَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّرۡسَبُوْنَ (الاحقاف ۲۱)۔

غور و فکر نہیں کیا؟ انسان کی جان اس کے قریب ترین چیز سے اگر یہ اسی میں غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی قدرت کے ساتھ اس کے جسم میں جان ڈالی ہے جس کا سلسلہ سانس یعنی ہوا کے ساتھ قائم کیا ہے۔ سب یہ سانس چلتا رہتا ہے۔ انسان زندہ سلامتی سے رہتا ہے اور جو سانس کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو انسان کا جسم بھی بیکار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی یہی ایک بہت بڑی نشانی ہے جس طرح ہر نفس کے لیے اللہ نے حیات اور موت کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ اسی سے جمیع عالم کے لیے بھی ایسا ہی نظام قائم کیا ہے۔ جب تک اس کی مشیت سے یہ نظام چلتا رہے گا۔ پھر جب اس کا وقت پورا ہو جائے گا تو یہ سارا نظام درجہ بدرجہ اس کی

سورۃ الزاریات میں بھی اللہ نے انسان کی توجہ اُس کے نفس کی طرف دلائی ہے جس پر فرمایا
 وَفِیْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (آیت ۲۱) تمہارے نفسوں
 میں تمہارے کئی بات و نشان ہیں جو وہیں کیا تم ان کو نہیں دیکھتے یعنی ان میں غور و فکر
 نہیں کرتے اگر ذرا بھی غور کرتے تو تمہیں قیامت بعید نظر نہ آتی عقلی اور نقلی ہر دو طریقوں
 سے ثابت ہو رہا ہے کہ وقت قیامت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور وہ اگر کسی

جزائے
 عمل

پھر فرمایا مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا مَکَالًا
 بِالْحَقِّ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کو نہیں پیدا کیا ستر
 حق کے ساتھ یہاں پر حق سے مداخلت ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت
 کی شاہکار ہے۔ اللہ نے کسی چیز کو بے جا محض پیدا نہیں فرمایا بلکہ قیامت کو اس کم
 نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔ انسان کو اللہ نے مکلف پیدا کیا ہے اور قیامت کے
 دن اس کا محاسبہ ہوگا اور پھر جانے عمل کا فیصلہ ہوگا۔ سورۃ القیامۃ میں فرمایا
 اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّشْرَلَ سُدًى (آیت ۳۶) کیا انسان گمان کرتا
 ہے کہ اُسے کو نہی چھوڑ دیا جائے گا۔ نہیں بلکہ اللہ نے اُسے قانون کا پابند بنایا ہے اُس
 کی زندگی کا ایسا خاص مقصد ہے جسکی تکمیل اُسے کرنا ہے۔ لہذا اگر انسان اپنے آپ
 میں ہی غور کرے تو اُسے قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے

فرمایا آیت ۱۰۰ بات تو یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنی خاص حکمت اور معلومت کے
 تحت پیدا کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے وَاجَلِ مُسَئِیْہِ سَاعَاتِہِ (آیت ۱۰۰)
 مقررہ وقت تک کے یہ ہے۔ سورۃ الطلاق میں فرمایا قَدْ جَعَلَ اللَّهُ
 لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (آیت ۲) اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر
 کر رکھا ہے۔ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح
 اقوام و ملکی اجتماع کی زندگی کا وقت بھی مقرر ہے۔ پھر نوجوانی کا زمانہ کے لیے وقت
 مقرر ہے۔ جب وہ پورا ہو جائے گا تو سارا نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور پھر اگلے جہان
 کے لیے نیا نظام قیام لایا جائے گا۔ دیکھتے ہیں عدم پر پتہ تک انگریزوں کو

دنیا میں کس قدر عروج حاصل تھا انکی سلطنت اتنی وسیع تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مگر جب اس کا وقت پورا ہو گیا تو آج وہی برطانیہ غلطی ایک جزیرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اُن کے ہم زبان دیگر چھوٹے چھوٹے جزیرے اور لینڈ وغیرہ بھی باقی ہو چکے ہیں۔ اب امریکہ کو دنیا بھر میں بالادستی حاصل ہے۔ روس اس کے ہم طاقت بنتی مگر اُس کا سورج بھی غروب ہو رہا ہے۔ یہاں پر ستر برس قبل کیونسٹ نظام آیا مگر آج وہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔ اب دیکھئے امریکی عروج کب تک باقی ہے اور نئی کونسی اقوام ابھرنے والی ہیں۔ غرضیکہ ہر فرد، جماعت، ملک و قوم کے عروج و زوال کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق چل رہا ہے۔

تر فرمایا ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر ہے وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ مگر بہت سے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی محاسبہ نہیں ہے اور نہ کوئی جزا اور سزا کا تصور، وہ لوگ اسی دنیا کی زندگی کو اول و آخر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اللہ نے انسان کو عقل و شعور سے کمزیر پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اپنی پیدائش پر ہی غور کرے تو بعثت بعد الموت کا مسئلہ اس کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آغاز یعنی پیدائش سے واقف ہے تو پھر وہ انجام کا کیوں انکار کرتا ہے۔ جس ذات نے اُسے پیدا کیا ہے۔ وہی اُسے انجام تک بھی پہنچائے گا، لہذا انسان کو جتنے عمل سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہر انسان کو جان لینا چاہیے۔ وَإِنْ كُلُّ لَمَّا جَمِيعٌ لَّدُنْيَا مُحْضَرُونَ (سین ۲۲) تمام کے تمام لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (آل عمران - ۲۰) اُس دن ہر شخص اپنے اعمال کو موجود پایگا۔ پوری زندگی کا اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا جس کا جواب دینا پڑے گا اور پھر جزائے عمل کے متعلق فیصلے ہوں گے۔

فَرِأَيْتُمْ أَكُفِّرُ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَمْ يَخِشُونَ الْيَوْمَ الْآخِرَ الَّذِي يَأْتِيهِمُ فِيهِ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

پہلی قزوں
کا انجام

چلے پھرے فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
 تاکر دیکھتے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ کَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ
 قُوَّةً رُوہِ قوت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ یہ نزولِ قرآن کے زمانہ کے کافروں کو
 تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم کس غرور کا شکار ہو تم سے پہلے لوگ تو قہ سے بھی زیادہ طاقتور
 تھے۔ وَأَثَارُ وَالْأَمْثَلِ انمول نے زمین میں مل جایا کہ کھیتی باڑی کی اور اس سے
 فائدہ اٹھایا۔ اِثاق اور نہ وغیرہ میں وسیع پیمانے پر کاشتکاری ہوتی تھی اور لوگ خوشحال
 تھے۔ زمین کے اندر بھی معدنیات تھیں جنہیں ملاحقات فرمایا اُن لوگوں نے زمین
 میں کاشنہ روکی وَغَمَرُواهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُواهَا اور اسے آباد
 کیا زیادہ اس سے جو امنوں نے ایلو کیا۔ وہ بھی تمدن لوگ تھے۔ بڑے
 خوشحال تھے۔ تمہیں تو اُن کا عشرِ عشر بھی حاصل نہیں۔ دنیا میں فرعون کی کلمہ لائی۔ تادیب
 مسموم، گندھارا، بڑی، موسیٰ، عیسیٰ، عظیم ہند میں گزروں میں عاد اور ثمود جیسی بڑی
 بڑی قومیں صفحہ ہستی پر ابھری ہیں مگر آج اُن کے صرف کھنڈرات ہی نظر آتے ہیں۔ ان
 کی کھدائی کے دوران برآمد ہونے والی اشیاء سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ کسی کیسی نعمت
 بھری کرتے تھے۔ اُن کی بڑی بڑی نقش و نگار والی عمارت کے نمونے دیکھ کر ان دنوں
 رہ جاتا ہے۔ قوم عاد کی عمارتوں کے نمونے لڑیاں ہزار برس تک قائم رہے۔ اب یہ
 آج بھی موجود ہیں جن میں کچھ پختہ ہیں۔ دزنی پختہ استعمال ہونے میں سمجھ میں نہیں آتی کہ
 اُس زمانے میں اتنے دزنی پختہ ہوں کہ کس طرح اس قدر بندوق تپتی ہو یا حالانکہ ان کے
 پاس جدید دور کی ٹیسٹری بھی نہیں تھی۔ اس زمانے میں لاشوں کو محفوظ کرنے کا رواج ہی
 تھا۔ آج تو کچھ عرصہ کے لیے لاش کو شیشے کے کبس میں بند کر کے توڑنا AIR
 TIGHT کر دیا جاتا ہے مگر اس زمانے میں لاش کو کھلے رکھ کر اس پر ایسا
 مسالہ لگایا جاتا تھا کہ ہزاروں سال محفوظ رہتی تھی۔

فرمایا کہ یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھیرے کہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھتے
 جو ان کی نسبت بڑے شاذ و نادر تھے۔ وَتَخْتَمُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

فِرْدِہِیْن (الشعراء - ۱۳۹) اور چاروں کو تراش تراش کر سہنے کے لیے
 کھد بناتے تھے۔ جو کہ پتھریں اور پتھر آرائش ہوتے تھے اُن کے بنائے ہوئے مینار
 اور بڑے بڑے کتبہ آنی جی سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں برصغیر میں قریب زمانے
 کی بنی ہوئی بہت سی عمارتیں ہیں جیسے تاج محل آگرہ۔ لال قلعہ دہلی۔ شاہی مسجد اور قلعہ لاہور
 مقبرہ جہانگیر اور نور جہاں۔ یہ عمارتیں آج بھی یادگار کے طور پر موجود ہیں فرمایا: جب
 تم سے زیادہ طاقتور اور زیادہ کامیاب قومیں نہ رہیں تو تم کو بھی بقاء حاصل نہیں ہے۔ لہذا
 اپنی پیدائش میں غور کر کے اپنے انجام کی فکر کر لو۔

زمین کی
آبادی

اس آیت میں زمین کی آباد کاری کا اصول بھی موجود ہے۔ حکومت
 کا فرض ہے کہ وہ زمین کو بے آباد نہ رہنے دے بلکہ اس کی آباد کاری کے لیے قعدہ لگائے
 اگر کوئی مالک اپنی زمین کو آباد نہیں کرتا تو اس سے زمین لے کر کسی کاشتکار کو دے
 دی جائے تاکہ اُسے آباد کر کے اُس سے فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ بعض ائمہ کا یہ قول ہے
 ہیں کہ زمین کی آباد کاری حکومت کی اجازت سے کرنی چاہیے تاکہ بعد کے آباد کار
 کا حق فائق ہے، تاہم حکومت کی اجازت کے بغیر بھی زمین کو آباد کیا جاسکتا ہے۔
 حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص نے بنجر زمین کو آباد کیا اُسے اس کا حق حاصل
 ہو جائے گا۔

حزبِ علی

فَرِیْدًا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ پس اُن کے رسول ان
 کے پاس واضح نشانیاں اور معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا جس کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور وہ عذاب میں مبتلا ہوئے اللہ نے فرمایا کہ
 ان کو عیسیت میں گرفتار رکھ کر کہنی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی کی ہے
 حقیقت یہ ہے فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ تو ان پر ظلم نہیں
 کرنا چاہتا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ وہ خود ہی اپنی جہالت
 پر ظلم کرتے تھے جس کی پاداش میں وہ عذاب الہی میں مبتلا ہوئے۔ سورۃ ق میں اللہ کا قول
 ہے فَمَا أَنَا بِظَالِمِ الْعَالَمِينَ (آیت - ۲۹) میں تو اپنے بندوں پر زیادتی نہیں

کرتا۔ میں تو تیرے اور عادل ہوں۔ البتہ لوگوں کو جہانے عمل سے دوچار کرتا ہوں۔ چنانچہ
مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں آدمی
یہ جو کچھ تو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اس کا ہی اعمال کو یہ بتائے ہے
اسی کئے ہوئے اعمال میں جن کو ہم نے شمار کر رکھا ہے۔ اگر ان میں کوئی اچھی چیز پائے
تو میرا شکر یہ ادا کرے اور اگر کوئی منہ پھیرے تو اس کے لیے اپنی سی باتوں کو بھست
کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ خود انسان ہیں جو برائی کا ارتکاب کر کے
اپنے لیے ملامت کا سامان پیدا کرتے ہیں

فَمَا تَرَكُوا كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا وَالسَّوْءَىٰ پھر
برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا انجام بُرا ہی ہوا۔ جن لوگوں نے دنیا میں اُفد، شرک
کیا، لوگوں کی حق تلفی کی اور ان پر مظالم ڈھائے، ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا انجام بُرا
ہی ہوگا۔ انہوں نے دنیا میں بھی عبرتناک سزا پائی اور آگے تو ہمیشہ کی سزا ان کی منتظر ہے
بہر حال ان کا یہ بُرا انجام اس لیے ہوا اُن کے کذب و اباحت اللہ کے انہوں نے
اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات میں تمام دلائل، احکامات، معجزات اور تعلیمات آجائی
میں اللہ کے نبی اُن کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، انہیں معجزات دکھاتے تھے مگر
انہوں نے ایک نہ مانی اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر نہ صرف انکار کرتے تھے بلکہ
كَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ اُن کے ساتھ ہٹا اور مذاق کرتے تھے۔ اللہ کی
طرف سے جو بھی حکم آتا اس کا اور اہل ایمان کا تمسخر اڑاتے۔ فرمایا کیا ان شرکین نے دنیا
میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان جیسے پتلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟

اللَّهُ يَبْدُوهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ
 تُرْجَعُونَ ⑪ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
 الْمُجْرِمُونَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ
 شَفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كُفْرِينَ ⑬ وَ يَوْمَ
 تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِّدُ يَتَفَرَّقُونَ ⑭
 فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ⑮ وَأَمَّا
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ
 الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑯
 فَسُبْحَنَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ
 تُصْبِحُونَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ⑱
 يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمِجْيِ الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ ١٩

۱۹

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ ہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر وہ اس کو لوٹائیگا پھر اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے ۝ ۱۱ اور جس دن برپا ہو گی قیامت مایوس ہو جائیں گے مجرم لوگ ۝ ۱۲ اور نہیں ہوں گے اُن کے لیے اُن کے شرکیوں میں سے کوئی سفارشی ۔ اور وہ اپنے شرکیوں کا انکار کرنے والے ہوں گے ۝ ۱۳ اور جس دن برپا ہو گی قیامت ، اُس دن یہ جدا جدا ہونگے ۝ ۱۴ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے ، وہ باغوں کے اندر خوش کئے جائیں گے ۝ ۱۵ اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ، اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ، اور آخرت کی ملاقات کو ، پس یہ لوگ عذاب میں دیکھ کر حاضر کیے جائیں گے ۝ ۱۶ پس پاکی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت تم صبح کرتے ہو ۝ ۱۷ اور اُسی کے لیے تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں ، اور پکھلے پھل اور جس وقت تم دوپہر گزارتے ہو ۝ ۱۸ وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ۔ اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد ، اور اسی طرح تم نکلے جاؤ گے ۝ ۱۹

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے غلبہ کی پیشین گوئی

بطائیت

فرمانی اور پھر کفر اور شرک کی قباحت بیان کی جسکے قیامت اور ان کے انجام کا خاص طور پر ذکر کیا پھر برائی کرنے والوں کے بڑے انتخاب کا بھی ذکر کیا کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور ان کے ساتھ ٹٹھکتے ہیں اب ان کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کا ذکر فرمایا ہے اور شہود کیا ہے کہ لوگ اس میں غور نہیں کرتے وگرنہ یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے بلکہ اس کے نونے و زمرہ مشابہ ہیں آتے رہتے ہیں۔

وقوع قیامت
کی عقلی دلیل

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ يَبْدُو الْخَلْقَ ابتداء میں اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق کو پیدا کرتا ہے ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر وہی اس کا اعادہ بھی کرے گا یعنی ایک دفعہ فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ بظاہر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ جب انسان مٹی میں مل جاتا ہے، اس کا گوشت پوست اور ہڈی پھیل جاتی ہیں رہے گی، تو پھر وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے گذشتہ درس میں بھی عرض کیا تھا کہ کافروں کی اعتراض کرتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو تو آج تک دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ مگر جب ہم مٹی میں رمل مل جائیں گے اور ماری ہڈیاں بوسیدہ اور بوجھ بھری ہو جائیں گی تو پھر کیسے نبی اٹھیں گے۔ اللہ نے اس کا ہی جواب دیا ہے کہ جس خالق نے تمہیں پہلی دفعہ بغیر نمونے کے پیدا کر دیا تھا، کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر مطلق ہے اور هُوَ الْخَالِقُ الْعَلِيمُ رئیس۔ ۱۔ وہ سب کو خبر دے گا دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی نازل آئیگی اور ہر شخص کو اس کی کارگزاری کا اچھا برا بدلہ مل کرے گا۔ فرمایا وہ خدا تعالیٰ ہے جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا، وہی اعادہ بھی کرے گا۔ ثُمَّ إِلَيْهِ تَرْجَعُونَ پھر تم سب اسی کی طرف لوٹنے جاؤ گے جب قیامت برپا ہوگی تو تم سب کو زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں جمع کرے گا۔

مجرموں کی
دیر

پھر قیامت کا کچھ سال ذکر کیا ہے وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ جس دن قیامت برپا ہوگی يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ اس دن مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے وہ اپنے بڑے انجام سے مایوس ہو جائیں گے اور جانیں گے کہ سب عذاب الہی

سے بچنے کی کوئی صورت یہ انہیں ہوگی۔ انہیں معاً خیال آنے لگا کہ ہم نے دنیا میں بت سے شریک بنائے تھے اور اُمید رکھتے بیٹھے تھے کہ وہ آج کے دن ہماری سفارش کر کے چھڑا دیں گے، مگر اللہ نے فرمایا کہ ان کی یہ حسرت دل میں ہی رو ہانے کی کیونکہ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ اَآج اُن کے شرکیوں میں سے کوئی سفارشی نظر نہیں آنے لگا جو آگے بڑھ کر اللہ کے ہاں اُن کی سفارش کرے۔ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ اور وہ اپنے شرکیوں کا انکار کرنے والے ہونگے پھر قیامت کے دن ایک ایسا موقع بھی آنے لگا کہ مشرک لوگ خود اپنے شرک کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام - ۲۳) بعد اہم تو شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ سمجھیں گے کہ اس طرح شرک کا انکار کر کے مؤخذے سے بچ جائیں گے مگر اُس دن کوئی چیز چھپی نہیں ہے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ كَيَوْمَ تُنْبِئُ السَّاعِیْنَ (الطّٰارق - ۹) اُس دن تمام ازل کھول دیے جائیں گے۔ انسان کے خلاف شجر و حجر، زمین کے نطفے، فشتے حتیٰ کہ اُس کے اپنے اعضا و جوارح بھی بطور گواہ کھڑے ہو جائیں گے اُس کی ساری کارگزاری ظاہر ہو کر ثابت ہو جائیگی اور پھر اُسے اپنے کیے کی سزا پانا ہوگی۔

نیک اور بُرے

ارشاد ہوتا ہے وَكَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ فَمَنْ دَانَ قِيَامَتِ بَرِّا ہوگی
 كَيَوْمَ يَذَّتَقَرُّ قَوْنُ اُس دن سب لوگ جدا جدا ہوں گے مطلب
 یہ کہ مومن اور کافر، مشرک اور مؤمن، منافق اور مخلص، نیک اور بد سب الگ الگ
 گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے اپنے مہل و طرف جانے لگا۔ اور
 پھر ہر گروہ میں سے نیکی اور بدی کے معیار کے حساب سے مزید گروہ بندی ہوگی۔
 نیک لوگ اپنی نیکی کے اخلاص کی بنا پر علیحدہ علیحدہ گروہوں میں بٹ جائیں گے اور
 'بہرہ' لوگ اپنے جہم کی نوعیت کے اعتبار سے مزید گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے
 مثال کے طور پر سو فبر کے بھرموں کی علیحدہ قطار ہوگی اور نوے فبر الزول کی علیحدہ
 علی الزوال القیاس۔ آج تو سب نیک و بد دنیا کے معاشرت میں کیے جاتے ہیں۔ ایک

دوسرے کی شاد غمی اور رسم و رواج میں شریک ہوتے ہیں مگر قیامت والے دن یہی لوگ اپنی سب ابدی کی نیست کے مطابق جہاد اگمہ جوں میں بٹ جائیں گے۔

میں ہوں کے
یہ انعام

پھر کیا ہوگا؟ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا اور وہ لوگ جو ایمان لانے پہنچے
نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا کہ سید جبریل و ملائکہ ہے۔ اس کے علاوہ نبی کی رسالت
پر یقین کیا۔ اللہ کے فرشتوں کا یوں، اور بعثت بعد الموت پر ایمان لانے۔

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال میں ارکانِ اربعہ،
نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سرفہرست ہیں۔ جس نے ان فرائض کو ادا کیا، حقوق اللہ
اور حقوق العباد کی پابندی کی۔ فَمَا لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ کہ
ایسے لوگوں کو باغ میں خوش کیا جائے گا۔ روضہ کا معنی باغ یا مین یا جنت ہے۔
نیچو کاروں کو ایسے باغات میں جگہ ملے گی جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ محض
باغ نہیں ہوں گے بلکہ جنت عذنی رہائشی باغات ہوں گے جن میں سب سے
کے لیے عالیشان مکانات ہوں گے جن میں ہر طرح کی آسائش حاصل ہوگی۔ یہ
اُن کی نیکی اور ایمان کا صلہ ہوگا۔ ان انعامات کی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ کبھی واپس
نہیں لیے جائیں گے اور نہ ان باغات سے نکلے جانے کا کوئی خطرہ ہوگا۔ وہاں نہ
موت کا ڈر ہوگا، نہ تحلیل، پریشانی یا حوادث کا۔ دنیا میں تو اکثر نشیب و فراز
آتے رہتے ہیں مگر آخرت کے انعامات میں کچھ کمی واقع نہیں ہوگی۔

کفار کی پستی

اس کے برخلاف وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کا ارتکاب
کیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا۔ اُن کے انبیاء، ملائکہ، کتب اور تقویر پر
ایمان نہ رکھا۔ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی ضدِ اللہ
کی طرف سے آنے والے دلائل، معجزات اور احکام کی تکذیب کی وَلِقَاءُ
الْآخِرَةِ اور آخرت کی ملاقات یعنی وقوعِ قیامت اور حُضْرُونَا کو بھی جھٹلایا
ایسے لوگوں کے تعلق فَمَا وَلِيْلَكَ فِي الْعَذَابِ محضرون کہ وہ
عذاب میں جکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے۔ فرشتے ان کو گرفتار کر کے اللہ

کی بارگاہ میں پیش کریں گے حکم ہوگا۔ خُذُوهُ فَنُكَلِّهِ (الحاقہ ۲۰) پھر اور
کھے میں طوق پنادو اور پھر ستر ستر کنو می زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دو۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے۔ كَمَا بَدَأْنَا
أَوَّلَ خَلْقٍ ثَبِيرُهُ وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّا كُنَّا فَعِلِينَ (الانبیاء ۱۰۴) جسٹن
ہم نے پہلی دفعہ لوگوں کو یہ کیا۔ اسی طرح دوبارہ بھی اٹھائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے
اور ہم ضرور ایسا کریں گے

خدا تعالیٰ
سب سے
اوقات

فَرَأَىٰ فَسُبْحَنَ اللَّهِ حِينَ تَسْجُدُ ۖ وَإِن لَّيِّنَ الشُّرَكَاءُ بِمَا يَرَىٰ
نہ شام کرتے ہو۔ وَحِينَ تَصْبِحُونَ اور جب کہ تم صبح کرتے ہو۔ وَلَكِنَّ
الْحَمْدُ لِلَّهِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ
ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور اسی کی تسبیح بیان کرو وَعِشْيَا وَحِينَ
تُظْهِرُونَ تَكْفِيلًا پھر بھی اور جب کہ تم دوپہر گزارتے ہو مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ جس تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا ہے وہ دل سے بھی ہونی چاہیے اور زبان سے
بھی۔ انسان کے اعضا و جوارح جی اس تسبیح میں شامل ہونے چاہئیں۔

وقت صلوٰۃ
نہ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کی
طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نافع ابن ارق خارج نے
نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
اس آیت کریمہ میں تَسْجُدَ سے مراد مغرب تَصْبِحُونَ سے فجر
عِشْيَا سے عصر اور تُظْهِرُونَ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ چار نمازیں تو یہ ہو
گئیں اور پانچویں نماز کی نماز کے متعلق سورۃ نور کی آیت ۵۱۰ تلاوت فرمائی جس میں وَمِنْ
بَعْدِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ تصریح کے ساتھ ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ میں پانچ
نہوں کو بھی تین اوقات میں صلوٰۃ میں آنے سے منع کر دیا گیا ہے جو کہ یہ ہیں۔ فجر
پہلے دوپہر کو آرام کے وقت اور عشاء کے بعد اس طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ
نے اس خارج کے سامنے پانچوں نمازوں کا ذکر کر دیا۔ آپ ہی سے یہ قول بھی مستخرج ہے

لے خازن ص ۲۰ طبعی ص ۱۱ (فیاض)

کہ تُمْسُونَ میں مغرب اور عشاء دو دنوں نمازوں کی طرف اشارہ ہے اور باقی تین نمازوں کا ذکر تَصْبِحُونَ، عِشَاءً اور تَطْهَرُونَ میں آگیا ہے۔ نمازوں کے اوقات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں بھی موجود ہے اَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ (آیت ۸) یعنی نماز قائم کریں سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کی نماز کہ جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا جاتا ہے اور جو فرشتوں کی حاضرگی کا وقت ہوتا ہے۔ اس آیت سے متعلق بھی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورج ڈھلنے میں ظہر عصر اور مغرب کی نمازیں آتی ہیں جب کہ راستہ کی تاریکی سے عشاء کی نماز ہے اور پانچویں نماز فجر کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

ان اوقات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان اوقات میں نعمت کے اظہار کا زیادہ موقع ہوتا ہے اور ان میں لذات قدرت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ رات اور دن کی تبدیلی یعنی طلوع و غروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت لذات قدرت۔ اچھی طرح واضح ہوتے ہیں اس لیے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ہمارے ملک کے بعض گمراہ فرقے نماز کے چھ گناہ اوقات کو تسلیم نہیں کرتے ان میں محمد قسم کے چکڑاوی اور پرویزی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض تین نمازوں کے قائل ہیں اور بعض صرف ایک یا کتنا کہتے ہیں۔ محکمہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضور علیہ السلامؐ کے صحابہ کرامؓ نے آیات قرآنی سے پانچوں نمازیں مبادلہ میں

اکلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا انسان بتلایا ہے يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے وَ يُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے مثلاً زمین مردہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے جاندار چیزوں کو نکالتا ہے مائڈ مردہ ہوتا ہے مگر اس سے زندہ چیز نکالتا ہے۔ انسان مردہ منویہ ایک ہے ان قطرہ ہوتا ہے جس سے انسان جیسی شرف المخلوقات پیدا ہوتی

بعثت
بعد الموت

ہے۔ ایک کافر کی مثال مردہ کی ہے مگر اللہ تعالیٰ چاہے تو البرزخ میں سے علامۃ حیا زندہ
یعنی صاحب ایان ان پیداکردے۔ آرزو بت فروش اور پکا کاذب تھا مگر اللہ نے
اُس سے ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو پیدا فرمایا۔ اس کے برعکس مرغی زندہ
ہوتی ہے۔ اس سے مردہ انداز پیدا ہوتا ہے۔ بہا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ
بڑا نیک اور ایماندار ہے مگر اولاد نامناسب نکلتی ہے جو کہ مردہ کے مشابہ ہے۔ بعض
دہریے بن جاتے ہیں اور بعض مزاہت کو قبول کر لیتے ہیں۔ زمین بالکل خشک یعنی
مردہ ہوتی ہے۔ اُس کی نشوونما کی کوئی علامت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ بارش برسا کہ
اُس کو زندہ کردیتا ہے اور پھر اُس سے پھل، پھول اور فصل پیدا ہوتے ہیں جن سے
لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَيُخْرِجُ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا الشَّيْءَ
الَّذِي كَرِهَ لَهَا وَكَذَلِكَ نَخْرِجُكُم مِّنْ الْأَرْضِ تَارَةً أُخْرَىٰ
وہ اپنے خزانے اگلے لگتی ہے۔ اُس میں میرا ہی آجاتی ہے اور
قیامت کے دن ہم بھی اسی طرح زمین سے زندہ ہونے کے واسطے کہ جس طرح تم
روزمرہ زندگی میں مہمان سے زندہ ہوتے دیکھتے ہو۔ اسی طرح قیامت کو اللہ تعالیٰ
تمہیں بھی دوبارہ زندہ کرے اپنے سامنے لاکھڑا کرے اور پھر حساب کتاب اور
جنم کے عمل کی منزل آتی جس سے ہر شخص کو گناہ پڑے گا۔

الروم ۳۰
آیت ۲۰، ۲۳

اتلما اوی ۲۱
درس چہارم

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ②۰ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُتَفَكَّرُونَ ②۱ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَبَائِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ②۲ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِفَافُكُمْ مِنْ فُضُولِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ②۳

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم انسان ہو کہ زمین میں منتشر ہو ②۰ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے

تمھارے نفوس میں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور بنانی ہے اُس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۲۱) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور تمھاری زبانوں کا مختلف ہونا اور تمھارے رنگوں کا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم سیکھتے ہیں (۲۲) اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے تمھارا سونا رات کے وقت اور دن کے وقت۔ اور تمھارا تلاش کرنا اُس کے فضل سے۔ بیشک اس میں الہیہ نشانیاں ہیں ان کے لیے جو سنتے ہیں (۲۳)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور کفار کا حال اور ان کا انجام بیان فرمایا۔ پھر مجرموں کی گرفتاری اور اللہ تعالیٰ کے حضور پابند سلاسل پیشی کا ذکر فرمایا۔ اللہ نے ان اوقات کا ذکر کیا۔ جن میں تجریدِ نعمت ہوتی ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں اللہ کی تسبیح اور عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ کی قدرت کا تذکرہ ہوا کہ وہ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور اس میں شاہد ہے کہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں اور توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ ساتھ ساتھ قیامت اور بعثت بعد الموت پر بھی دلیل بنتی ہے کہ جس طرح یہاں پر اللہ تعالیٰ مردہ چیز سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اسی طرح قیامت کو مردہ زمین سے مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔

نشانیاں

آج کی آیات میں بعض دیگر نشاناتِ قدرت کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ يَخْلُقُ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ يُخَلِّقُ الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ
 خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ أَنْتُمْ كَافِرُونَ
 تخلیق مٹی سے ہوئی تھی جو کہ ایک بے جان چیز ہے۔ دنیا میں اولین انسان اور پھر
 حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام
 کی ہے خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران۔ ۵۹) اللہ نے آپ کو مٹی سے
 پیدا کیا۔ یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اولین تخلیق مٹی
 سے کی۔ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ پھر تم انسان ہو جو زمین
 میں منتشر ہوتے ہو یعنی پھیل جاتے ہو۔ دیکھو یہ اللہ کا کمال قدرت ہے کہ کہاں تھیں
 مٹی اور کہاں اشرف المخلوقات انسان۔ جس طرح اللہ نے انسان کو پہلی دفعہ مٹی سے
 تخلیق کیا، اسی طرح وہ اُسے دوبارہ بھی مٹی سے ہی اٹھائے گا۔ جب تم پہلی تخلیق کو تسلیم
 کرتے ہو تو دوبارہ زندگی کو تسلیم کرنے میں کوئی سادہ مانع ہے۔

میرے حق میں مالک نے یہ احسان کیا

خاکِ ناپسیر تھا سو مجھے انسان کیا

بہر حال اللہ نے توحید، وقوع قیامت اور بعثت بعد الموت پر یہ عقلی دلیل پیش
 کر دی ہے۔

انسان کو اسی لیے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی مقرب ترین
 مخلوق فرشتوں سے بھی جہتِ مقام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاک میں وہ کمالات و بعیت
 کر دیے ہیں جو دوسرے عناصر میں نہیں پائے جلتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ
 نے فرشتے کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے مقوڑی مقوڑی مٹی اکٹھی کی جائے۔ اس مٹی کے
 خمیر سے آدم علیہ السلام کا جسم بنایا گیا اور پھر اللہ نے اُس میں اپنی طرف سے روح پھونکی
 جس طرح روئے زمین کے مختلف خطوں میں کہیں کی مٹی سُرخ ہے اور کہیں کی سیاہ
 کہیں کی سخت اور کہیں کی بھر پوری، اسی طرح اللہ نے مختلف خطوں کے لوگوں کو
 بھی مختلف الانواع بنایا ہے، کوئی گوار ہے اور کوئی کالا، کوئی سُرخ ہے اور کوئی زرد

سی طرح اُن کی طبائع بھی مختلف ہیں۔ کوئی سخت طبیعت ہے تو کوئی نرم مزاج۔ یہ اُس مٹی کا اثر ہے جو انسان کی تخلیق میں داخل ہے۔

انسان
جوڑا

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یٰہٰی اُس کی نشانیوں میں سے ہے۔
 اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لَّعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ
 میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے۔ مائے کے مائے مرد یا ساری کی ساری عورتیں
 ہی پیدا نہیں کیں۔ مگر ہر صنف کے لیے اُس کا جوڑا بنایا۔ سورۃ النسا کی ابتدائی آیت
 میں فرمایا اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا
 کیا وَخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا (آیت ۱۰) اور پھر اُسی میں سے اُس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر اس
 جوڑے میں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلادیا۔ نظام
 ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر انہی سے حضرت خوا کو پیدا
 کر کے اُن کا جوڑا بنا دیا جن کے اختلاط سے پوری نوع انسانی وجود میں آئی۔ تو گویا مرد
 اور عورت دونوں کی جنس ایک ہی ہے البتہ ان کی صنف الگ الگ ہے تاکہ
 ان کا دائرہ کار صحیح ہے اور مقصد تخلیق پورا ہوتا ہے۔ لَسْتَ کُنُوْا اِلَیْہَا
 تاکہ تم اُن کے پاس سکون پکڑو۔ عورت اور مرد میں اللہ نے ایسی کشش رکھی ہے
 کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے باعث سکون ہیں۔ سورۃ البقرہ میں ہے۔
 هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّہُنَّ (آیت ۱۸۰)
 عورتیں تمہارے لیے بنزلہ لباس کے ہیں۔ اور تم ان کے لیے ہو گویا عورتوں کی
 پردہ پوشی تمہارے ذریعہ ہے اور تمہاری پردہ پوشی اُن کے ذریعہ ہے جس طرح
 لباس جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے تمہارے درمیان بھی اتصال کا
 سلسلہ قائم کیا ہے۔ انسانی زندگی میں طرح طرح کے حوادث پیش آتے ہیں۔ ان
 کو غم، پریشانی اور اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں زمین ہی ایک دوسرے
 کے غمگسار اور ذریعہ تسکین بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرمایا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

اللہ نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی کا جذبہ بھی پیدا کر دیا۔ یہاں بیوی کے درمیان قریب ترین دوستی اور مہربانی کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر اپنے دل میں طلب پیدا ہوئی ہے تو یہ محبت ہوگی اور اگر طلب دوسری صنف کی طرف سے ہے تو رحمت اور مہربانی کا ظہور ہوگا، اور پھر اس محبت اور مہربانی کے بندہ بہ کثرت ہی ایک دوست کا ملاپ ہوگا جو کہ ذریعہ اولاد ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے زمین کے درمیان محبت، دوستی، اور رحمت کا رشتہ قائم کر کے نسل انسانی کی بقا کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

غور و فکر
کی دعوت

ان تمام چیزوں کے متعلق فرمایا اللہ فی ذلک لآیت لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُونَ کہ اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اللہ نے انسان کی ترجمہ اس کی پیدائش کی طرف دلائی ہے کہ دیکھو! ابتدائی طور پر تمھیں مٹی سے تخلیق کیا۔ پھر آگے قطرہ آب سے نسل انسانی کو چلایا۔ اس قطرہ آب میں جی مٹی کا اثر موجود ہے کیونکہ انسان کی ساری خوراک مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتنی بڑی نشانی ہے کہ انسان جیسی باکمال ہستی کو ایسے ناپاک قطرہ سے پیدا کیا کہ اگر جسم یا کپڑے کو لگ جلتے تو دھونے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ پھر مرد و زن میں محبت و الفت کی کشش پیدا کر کے نسل انسانی کے آگے چلانے کا بندوبست کیا۔ ان چیزوں میں غور کرنے سے اللہ کی وحدانیت اور فوقیت کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ اللہ نے بار بار غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اَفَلَا یَتَذَكَّرُونَ ۱۲۳ الْقُرْآنَ اَمْرٌ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا (محمد - ۱۲۳) یہ لوگ قرآن پاں میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پٹے ہوئے ہیں؟ اس کے باوجود جو شخص دھیان ہی نہیں کرتا اس کے لیے کوئی چیز نشانی نہیں بن سکتی، اور نہ ہی وہ اس کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔

ارض و سما
کی تخلیق

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کا تذکرہ کیا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ارض و سما کی تخلیق بھی اُس کی

اور ہم سے اتنے بڑی زمین اور بڑا کرفضا میں مہم کر دیا اور یہ
متعلق اللہ تعالیٰ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِصْرًا وَالْاَنْبَاءَ اَنْبَاءًا مِّنْ
تَرْجُمٍ اَنْبَاءًا وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۱)
اور ہم نے آپ پر سات مضبوط آسمان بنائے ہیں۔ عجل اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی کوئی
چیزوں اور ان پہ کر سکتا ہے یا نہ! تخلیق ہے اور اس کی وہاں یہ اور قدرت
کی دلیل ہے

زبان
اختلاف

پہ فریاد و اختلاف اَلْسِنَتِكُمْ تَمَارِی زَبَانٍ ہفت زبان بھی
اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ان کے مختلف خطوں میں اولاد اور
مزاروں بولیاں بولتی ہے۔ ایک مخاطب انداز کے مطابق دنیا میں نو سو سے زائد
مزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہ بھی قدرت کا بارو کردہ نظام ہے کہ جس طرح پہلی
لسیں ختم ہوتی جاتی ہیں اور نئی لسیں آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح بعض پرانی بولیاں بھی
ختم ہو جاتی ہیں۔ انہی نئی زبانیں ایجاد ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے اردو زبان آج سے آٹھ سو
سال پہلے دنیا میں نہیں بولی جاتی تھی۔ اسی برصغیر میں مختلف اقوام کے اختلاط
سے اس زبان نے جنم لیا اور اب یہ اتنی وسیع پہنچ ہے کہ اس میں علوم سے
ذخیرے موجود ہیں اور دنیا پر کم و بیش ایک ارب انسان یہ زبان بولتے ہیں
اسی طرح اٹھارہ عربی، فارسی، فرانسیسی، ہندی، چینی، بھارتی زبانیں ہیں۔
ان بڑی زبانوں کے علاوہ ہر علاقے کی چھوٹی چھوٹی اپنی زبانیں ہیں جیسے ہمارے
ہاں سرکاری پنجابی، پیر پانی، پوٹھوہاری، سرہادی، ہندی، کشمیری، پشتو اور ہمدرد
زبانیں ہیں اسی طرح۔ مگر ان کی علاقائی زبانیں ہیں۔ ان سب کو اس کی جگہ تو
شمارے باہر ہو جائیں۔ ہمارے ہمسایہ ملک۔ ہندوستان میں چودہ زبانیں تو سرکاری
پہلے میں اور ان کے علاوہ علاقائی زبانیں تو ہزار ہیں۔ ہر حال زبان کا اختلاف
کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مختلف زبانوں کے لوگ آپس میں ملے ہیں تہذیب و خیال
و تہذیب اور پھر ترقی کی نئی نئی راہیں ملتی ہیں۔ آج انگریزی دنیا کی اول و چہلی زبان

ہے جسے ساری دنیا میں بولا اور سمجھا جاتا ہے مگر آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس زبان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

دنیا میں عربی زبان کو سب پر افضلیت حاصل ہے۔ یہ مختصہ ہونے کے باوجود انتہائی ترقی یافتہ زبان ہے۔ اس کے حروف مختصر اور قواعد سادہ و سلیس ہیں۔ انگریزی زبان میں اس لحاظ سے طوالت پائی جاتی ہے کہ اس زبان میں بہت سے حروف زائد ہوتے ہیں جو بولنے میں نہیں آتے۔ پھر اس کے بعض حروف مختلف آوازیں دیتے ہیں۔ کسی لفظ میں حرف ت (ج) کی آواز دیتی ہے۔ جب کہ کسی دوسرے لفظ میں یہی حرف س کی آواز دیتا ہے۔ کیوں TION شن بنانا ہے اور کیوں SION یہی آواز دیتا ہے۔ کیوں CH بچ کا آواز دیتا ہے اور کیوں کہ عربی زبان میں ایسا تفاوت نہیں پایا جاتا۔ بعد ہر لفظ کے اپنے بچے اور ہر حرف کی مستقل آواز ہے۔ مگر افسر کے مطابق اس کے الفاظ بنتے چلتے ہیں اور کیوں بھی مسلمہ اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ بہر حال ہر خطے کی اپنی اپنی زبان ہے اور کسی زبان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہر زبان کا ماحول، اس کے علوم اور اس کی شاعری کے اپنے اپنے اسلوب ہوتے ہیں جب مختلف زبانیں ملتی ہیں تو اسی سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر پوری دنیا میں ایک ہی زبان بولی جاتی تو تمدن اتنی ترقی نہ کر سکتا۔

فرمایا جس طرح تمہاری زبانیں مختلف ہیں اسی طرح وَالْوَاوِیۡنَ کُم مِّنۡہُمۡ رُکُۡمَ بھی مختلف ہیں۔ اللہ نے زمین کے مختلف خطوں میں مختلف رنگ کے لوگ پیدا کئے ہیں۔ گریہ مالک کے بیٹے وائے لوگوں کا رنگ عام طور پر کالا ہوتا ہے۔ جب کہ سرد علاقوں کے لوگ سفید۔ ہم کے ہوتے ہیں۔ بعض گندمی رنگ کے انسان ہیں اور بعض زرد اور سرخ رنگ کے ہیں۔ یہ سائے کے سائے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ لہذا رنگ کی بنا پر کسی شخص کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس طرح اللہ نے رنگ مختلف بنائے ہیں اسی طرح شکل و صورت بھی مختلف ہے۔ انسان کے چہرے کا طول عرض کتنا ہوگا مگر آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے اربوں لوگوں میں سے کسی

بچوں کا
اختلاف

ایک کی شکل و صورت بھی ہو مگر دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا نشانہ ہے۔ اگر کوئی انسان اپنے ہاتھ سے مختلف شکل و صورت کی تصویریں بنانا چاہے تو سوچا جس تک جانے کے بعد عاجز آجائے گا۔ کہ اب کیسی شکل بناؤں جو پہلی شکلوں سے مختلف ہو، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے کہ کسی ایک انسان کی شکل دوسرے میں ملتی۔ اسی طرح ہر آدمی کی آواز بھی مختلف ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بغیر دیکھے محض آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ اللہ نے ہر انسان کا کلام ایک۔ مابنائی ہے مگر ہر لکھ کی آواز مختلف ہے۔ یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ فَرَأَىٰ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ اس میں نشانیاں تو ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جاہل لوگ نہ تو ان کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

غینہ ذریعہ
آرام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مِّنَا مُکْمٌ بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ رات اور دن کے وقت تمہاری غینہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلَ اللَّیْلَ سَکَنًا رات کو سکون کا باعث بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ طبعی نظام کے تحت تمام انسان اور جانور رات کے وقت آرام کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی تحلیل شدہ قوتیں بحال ہو جائیں اور وہ اگلے دن کے کام کے لیے دوبارہ تازہ ہو جائیں۔ دن کے وقت ان ان تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اپنی معاش کے لیے کام کرنا۔ ملازمت۔ کھیتی باڑی یا محنت مزدوری کرتے ہیں تاہم اگر کوئی شخص کسی اشتغال کی وجہ سے رات کو نہیں سو سکتا تو وہ دن کو بھی سو سکتا ہے۔ موجودہ زمانے میں کام کا دن اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ بعض کام متواتر چوبیس گھنٹے کرنا پڑتے ہیں۔ اگرچہ اب کام کا بیشتر حصہ مشینوں نے سنبھال لیا ہے مگر مشینوں کی دیکھ بھال کے لیے بھی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا کتنی ہی صنعتیں ہیں جن میں دن رات کام ہوتا

ہے۔ ماسلات ہمارے اندر چھپتے ہیں۔ لہذا جو لوگ اپنی ڈیوٹی رات کے وقت انجام دیتے ہیں، وہ دن کو آرام کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے یہاں پر یہ فرمایا ہے کہ رات اور دن کو تمہارے لیے فائدہ کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ بہر حال بہر حال رات کے لیے فائدہ ضروری ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اگر کسی شخص کو روزانہ فائدہ نہ آئے تو اس کا دماغ ہی خراب ہو جائے۔ تو فائدہ میں بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔

رزق حلال
کی تلاش

فَرِيًّا وَابْتَغُوا كَسْرًا مِّنْ فَضْلِهِ تَلَّشْ رِزْقٍ حَلَالٍ هِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی
کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ کے فضل میں سرفراست رزق حلال ہے انسان
دن رات کے کسی حصہ میں اپنے حالات کے مطابق روزی کے لیے کام نہ کرے
یہ جو ان کے لیے رزق کا سبب بنتا ہے۔ یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے۔
حتیٰ کہ جمعہ کے دن یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کی ادائیگی کی تاکید کی ہے۔ وہاں
فیر معاش کا بھی حکم دیا ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا
فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (المجمعة - ۱۰) جب نماز ختم ہو جائے
تو رزق حلال کی تلاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ یہودیوں کے دن ہفتہ کا دن
صرف عبادت کے لیے مخصوص تھا اور اس میں کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاسکتا تھا
مگر اہل ایمان کو اللہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہو کر اپنے کاروبار میں
لگ جاؤ۔ بہر حال دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جس طرح فائدہ اور آرام ضروری ہے
اسی طرح روزی کی تلاش بھی ضروری ہے۔ اور یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ
اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس ضمن میں دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ ایک
اقترب ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کے لیے اس کا قرب حاصل
کھے۔ اور دوسری چیز ارتفاق ہے یعنی زندہ بننے کے لیے ضروریات زندگی میں
کرنا۔ اہل ایمان آدمی کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ سورۃ الفتح میں صحابہ کرام
کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

(آیت ۲۹) وہ اللہ کا فضل یعنی رزق حلال کی جستجو بھی کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی
 یعنی ثواب حاصل کرنے کے لیے بھی بڑا بڑا کام کرتے ہیں مگر عام اہل دنیا
 بطریقہ یہ سے کہ وہ فخر معاش میں اقتدار کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور آخرت سے
 غافل ہو جاتے ہیں

فَرِیْضًا فَرِیْضًا ذَٰلِكَ رَافِعٌ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُونَ اس میں ان
 لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں جس طرح آنکھیں ذرا نفع غلم میں سے ہیں اسی
 طرح انسان بہ نوروں سے سُن کر بھی بہت سا غلم حاصل کرتا ہے۔ اور ائمہ کوئی شخص سنتے
 سے ہی عاریتے تو کسی چیز میں غور و فکر کیسے کرتا؟ اسی لیے فرمایا کہ مذکورہ چیزوں
 میں سنتے اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا
وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ
السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ
دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٤﴾
وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ
قَانِتُونَ ﴿٢٥﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾

ترجمہ :- اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ
بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی خوف اور اُمید کے
ساتھ ۔ اور اتارتا ہے آسمان کی طرف سے پانی پس زندہ
کرتا ہے اس کے ساتھ زمین کو اُس کے مردہ ہونے

کے بعد بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (۲۴) اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ قلم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب وہ بلائے کھاتھیں بلا زمین سے تو اچانک تم نکلو گے (۲۵) اور اُس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اُسی کے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں (۲۶) اور وہی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے مخلوق کو اور پھر اس کو لوٹائے گا، اور یہ آسان ہے اُس پر، اور اسی کے لیے ہے صفت بلند آسمان میں اور زمین میں، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۲۷) اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وقوع قیامت کی دلیل بنتی ہیں اب اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ آيَاتِهِ اور یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا کہ وہ دکھاتا ہے تم کو بجلی خوف اور اُمید سے۔ یہ آسمانی بجلی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان ہو جانے کا خوف بھی آتا ہے اور نزولِ رحمت کی اُمید بھی ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ مسافروں کے لیے غٹ خوف ہوتی ہے کہ بجلی ان کے اوپر نہ آکرے۔ جب کسی مقام پر بجلی گمردنی ہے تو سخت نقصان ہوتا ہے۔ کہیں آگ لگ جاتی ہے اور کبھی انسان اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابھی گزشتہ سہفتے کی بات ہے کہ دو آدمی کنیتوں میں کہو کہہ رہے تھے۔ جب بجلی چمکی تو وہ ہباگ کہ درخت کے نیچے چلے گئے۔ مگر ان پر بجلی گمردی اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح سیاح کوٹ کو واقعہ ہے کہ در نیچے سکوں باجے تھے۔ جب طوفان باد باران اٹھا تو انہوں نے کسی چھت کی نیچے

لے طلبہ ہی سہ ہیں (فیاض)

قدرتی بجلی
الطور نشانی

پناہ پکڑی مگر بجلی تری اور دونوں پیچے ہلاک ہو گئے، تو اسے تباہی ہو گئی تھی۔
مسافروں کے لیے خوف اور مقیم لوگوں کے لیے امید ہوتی ہے کہ بارش برسے گی تو
کھیت لگایا جائے گا اور پھل، پنوں اور اناج پیدا ہوگا، بعض فرشتے ہیں کہ خوف
اس بات پر بھی ہو سکتا ہے کہ چھپنے والی بجلی بارش سے خالی نہ ہو اور بارش نہ
کی امید بھی ہوتی ہے بغرضیکہ بجلی میں خوف اور امید دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔

یہ تو قدرتی بھی ہے ذکر تھا۔ تاہم جو بجلی ہم مضرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں
یہ انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے۔ اب سبھی ہا استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ
اگر قسوری کی دیر کے لیے ہی بند ہو جائے تو نظام زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔
سب بجلی سے بڑے بڑے کام یہاں سے ہیں۔ دیو سہیل مشینوں کا چلانا، بجلی سے
ذریعے مکین ہوا اس سے بڑے بڑے کام کا خاتمہ چلتے ہیں اور ضروریات زندگی
کی کھنوں چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ اگر بجلی نہ ہو تو عام استعمال کی چیزوں کی تیاری
میں بڑی قلت آئے اور چیزیں بہت زیادہ مہنگی ہو جائیں۔ شہر کی زندگی میں روشنی
سے بے بجلی کا استعمال ایک فیاض ضرورت بن گیا ہے۔ پرانے زمانے میں
سڑی کے تیل کے لمپے روشن ہوتے تھے مگر اب تو ریاضت بھی بجلی سے
روشن ہو چکے ہیں ابھی بڑی بڑی ٹورب وین بجلی سے چلتے ہیں۔ ذرا
تواصلات میں بھی بجلی کا استعمال عام ہے بغرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں
جہاں بجلی کی ضرورت نہ ہو۔

آج کے انہی دور میں ہر کام انہی صلاحیت چل کر کرنے کی کوشش ہے۔
اس کا زیادہ تر انحصار بجلی پر ہے۔ ابھی حال ہی میں ریڈیو، ٹیلی ویژن
حضاری پیدا ہوئی تو اس سے ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں مشینوں
پر ہے ہیں کہ انہی اثرات سے حفاظت کیسے ممکن ہو کسی زمانے میں سرعت
رفتاری کو بجلی سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ فلاں واقعہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ
رونا ہوا۔ شاعر لوگ بھی تیز رفتاری کے لیے ہوا یا بجلی کی اصطلاح استعمال
لے طبیعت صحت (فیاض)

مصنوعی
بجلی

کرتے تھے رشادِ فایں گھوڑا ہوا کی طرح تیز رفتار سے یا وہ بجلی کی سی تیزی سے
 کود جاتا ہے: بجلی کی رفتار سینکڑوں میل فی سیکنڈ ہے جب کہ روشنی اس سے
 بھی تیز ہے اور ایک لاکھ چھیپسی سزاریل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے۔
 بہر حال مصنوعی بجلی سے بھی بڑے مفید کام لیے جلتے ہیں۔ آج کل اس میں زلزل
 چیزیں یعنی خوف اور امید پائی جاتی ہیں۔ جب بجلی کا کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے
 جانی یا مالی نقصان ہو جاتا ہے تو اس سے خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب یہ مفید کام انجام
 دیتی ہے تو یہ اس کا امید کا پہلو ہے۔ گھوڑنی دیر کے لیے بھی بجلی منقطع ہو جاتی ہے۔ تو
 زندگی کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کارخانے بند ہو کر کارکن بیکار بیٹھ جاتے
 ہیں۔ گھروں، دفاتروں، دکانوں میں دن کے وقت بھی تاریکی چھا جاتی ہے۔
 بجلی قدرتی ہو یا مصنوعی یہ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔

واٹر لیس
یا لاسٹن

موجودہ زمانے کی ایجاد واٹر لیس یا لاسٹن بھی اسی قبیل سے ہے پیغامِ رسانی
 کا یہ بھی تیز ترین ذریعہ ہے۔ دورانِ جنگ جب دیگر ذرائع مواصلات منقطع ہو جاتے
 ہیں تو یہ رسانی کے لیے بھی ذریعہ کام آتا ہے اور نظام ہے کہ دورانِ جنگ مختلف
 محاذوں پر کمرے کے ساتھ رابطہ کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو
 محاذ پر موجود سپاہیوں کو کمک اور گولہ بارود پہنچایا جاسکتا ہے، نہ ان کو ہر وقت
 ہدایت دی جاسکتی ہے اور نہ ان کے لیے خوراک کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ واٹر لیس
 کی آوازیں فضا میں موجود ایقظ نامی مادہ کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ
 منتقل ہوتی ہیں جب اسیر میں یہ سسٹم دریافت ہوا تو مصری شاعر حافظ ابوالہیتم نے
 کہا تھا۔

وَتَحْذَرُوا مَوْجَ الْآثَرِ بَوْنِدًا
 حَيْنَ خَلَعُوا أَنَّ السُّبُوقَ كَسَالِي

تم نے ایقظ کی موجوں کو اس وقت پیغامِ رسانی کا ذریعہ بنا لیا جب خیال کیا کہ اس
 کے مقابلے میں بجلی سست رفتار ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کہ وہ آسمان کی طرف سے پانی نازل فرماتا ہے، یعنی بارش ہوتی ہے فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ حَرًّا مَوْتَهَا چہ اس پانی کے ذریعے مردہ اور خشک زمین کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو زمین میں روئیہ گی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں جس سے پھل، پھول، اناج پیدا ہوتا ہے اور جانوروں کے لیے گھاس پھوس اُلتہے، ہر جاندار کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الامیاد - ۳۰) ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے۔ نہ صرف انسان اور جانور پانی کے محتاج ہیں بلکہ اس کے بغیر نباتات کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان اور جانوروں کی خوراک کے لیے درختوں، پھلوں اور اناج کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک پانی نہ ہو۔ یہ چیزیں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق انسانی جسم میں دوڑنے والے خون کا اتنی فیصد حصہ پانی ہے اور باقی تیس فیصد ہی میں غذائی چیزیں اور معدنیات ہوتی ہیں۔ اللہ نے پانی کو ایسی غذیہ چیز بنالیا ہے کہ یہ خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے پانی ہی سے غسل کر کے لوگ اپنا جسم پاک کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کپڑے، برتن اور دوسری استعمال کی چیزیں صاف کرتے ہیں جس قدر وسیع پیمانے پر پانی کی ضرورت ہے۔ اللہ نے اس کے ذخائر بھی اتنے ہی وسیع پیدا کر دیے ہیں۔ زمین پر جگہ جگہ دریا، نہریں اور ندیاں چلا دی ہیں جو انسانوں، جانوروں اور کھڑے مکھڑوں کے لیے پینے اور کاشتکاری کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے زمین کے اندر بھی پانی کے وسیع ذخائر بند کر دیے ہیں جنہیں کنوئیں اور ٹیوب ویل کے ذریعے نکال کر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرمایا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ بیشک اس میں نشانیاں ہیں مگر اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اُس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیے اتنی کمرآمد چیزیں پیدا کی ہے۔ اگر انسان ذرا بھی عقل کو بڑھائے، لائے تو یہ نشانی دیکھ کر

اے اللہ کی وحدانیت اور وقوع قیامت پر یقین آ سکتا ہے۔ مگر جو شخص عقل کو استعمال ہی نہ کرے، اس کے لیے یہ نشانیاں بھی کچھ مفید نہیں ہوتیں۔

نظام کائنات

آکے اللہ نے وسیع تر نظام کائنات کو نشانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایشاد
 یَوْمَ هُمْ مِنَ الْآيَاتِ یہ بھی اسی نشانیوں میں سے ہے اَنْ تَقُوْمَ
 السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهِ کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم
 ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اسی نے ایک نظام کے تحت ان
 کو کام میں رکھا ہے۔ چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب اللہ کی مخلوق
 ہیں صُلَّٰتُ یَجْرِیْ لَا جَلَٰ جَلٍ مُّسَمًّی (الرعد ۲۰) سب کے سب اپنے
 اپنے مدار میں ایک مقررہ مدت کے لیے رواں دواں ہیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یُحِیْطُ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تَزُولَا (فاطر ۴۱) ان متحرک چیزوں کو گرنے
 یا بکرا جانے سے اللہ ہی نے روک رکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت
 آجائے گا تو سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر قائم
 نہیں رہے گی۔ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ
 اَرَابَیْمٍ (ہم ۴۹) دن اس میں اور آسمان کی جگہ نئے زمین و آسمان قائم کیے جائیں گے۔
 اس واقعہ کو طامۃ النبیؐ (بڑا ہنگامہ) کا نام دیا گیا ہے۔ اس وقت قیامت برپا
 ہو جائے گی تَحٰوِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَةُ یَوْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی کی طرف سے جس سب
 کو بلاوا آئیگا۔ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ اور تم اچانک نکل پڑو گے۔ یہ بلاوا
 صورِ اسرافیل کے ذریعے ہو گا اور تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے
 اپنی منزل کی طرف جائیں گے۔

سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق زمین، آسمان اور تمام کتبے قانون کشش ثقل
 کے مطابق اپنے اپنے راستوں پر چل رہے ہیں اور یہ آپس میں ٹکراتے نہیں۔ یہیں یہ تسلیم کرنے
 میں کوئی ہک نہیں مگر سوال یہ ہے کہ کشش ثقل کا قانون کس نے یہ کیا ہے؟ آخر وہ
 بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ پھر جب وہ چاہتا ہے تو وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلی

تبدیلیاں بھی لاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ معمول کے خلاف چاند کو تین بار مدت
گرمی کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ غرض یہ سائنس پر کائنات خدا تعالیٰ
کی کائنات پر کردہ ہے اور بالآخر سرسبز زندہ عالم کے حکم کی طرف ہی رجعت ہے۔
شاذ و اناج و لکہ مکت فی السموات والا مریض و اسی کے
یہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی خداوند قدس کی پیدا
کردہ ہے۔ اسی کے قاب میں ہے اور اسی کے تصرف میں ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے
اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر فرمایا اَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ
(النحل - ۱۷) کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہیں؟ خالق نہ۔ ایک
ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ اور نظام ہے کہ مخلوق عاجز ہے اور جو عاجز ہے وہ
اللہ نہیں سوسلما۔ اللہ نے مجازہ طور پر انسان کو بعض چیزوں کو مامک بنایا ہے،
مثلاً وہ اس عاجز اور مجازی کیفیت پر غور نہ کرے کہ اس کے ساتھ شرک کرنے سے تمہیں
حقیقت یہ ہے کہ ساری مخلوق عاجز ہے اور اس کی ہر چیز پر کچھ اختیار نہیں ہے۔
انصرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے یَدَبُ الْأُمُورِ
السَّامَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَدِ ۝ ۵۰ آسمان کی بندہوں سے ہے
کر زمین کی پستیوں اور ہر چیز کی تدبیر ہی کرتا ہے کُلُّ لَہُ قِسْطٌ
اور ہر چیز اسی کی اطاعت ہے۔ اگر اے فرشتے تو سر وقت خدا تعالیٰ کے مطیع ہیں۔
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ
(التحکم - ۶۰) وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ اللہ کی تعمیل کرتے ہیں انسانوں
اور جنوں سے بھی خدا کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور بعض لوگ سرکش
بھی کرتے ہیں۔ اللہ کے حویلی حکم کے سامنے وہ بھی مجبور ہوتے ہیں۔
کائناتوں کو یا سحت اور نہ رستی ہے، ان کے سامنے ساری مخلوق عاجز ہے اور
انہیں ظوفا و دہما ان قوانین کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ ہر حال یہ سب دلائل قدرت
ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ اور توحید قیامت سمجھ میں آتی ہے۔

ابتدائی تخلیق
اور اعادہ

اِنَّ اَزْوَاجًا وَهُوَ الَّذِي يَبْدُوُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
خدا کی ذات، وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور اس کا اسی دور بھی وہی کرب
اُس نے ارض و سما کی تخلیق سے کوڑھڑوں سال پہلے مزاحہ کو پیدا کیا۔ چنانچہ ارض و سما
کو پیدا فرمایا، جنات کو پیدا کیا، پھر زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آخر میں اولین انسان
حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ غرضیکہ ہر چیز کی ابتدا انہی نے ہی اور قیامت
کو دوبارہ بھی وہی اُٹھے گا۔ بعض لوگ بعثت بعد الموت کا انکار کرتے ہیں
بہر مذہب و ملت کا یہ کہہ کر اپنی ابتدائی پیدائش کو استر تعالیٰ ہی کی طرف منسوب
کرتے ہیں۔ چنانچہ دہریوں کو محسوس کرنا باقی سب اس کے قائل ہیں۔ جب ابتدائی
تخلیق کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر دوسری زندگی کا کیوں انکار کرتے ہیں جس
خدا تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کیا، کیا دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لئے مشکل ہو گا؟
فرمایا: وَهُوَ اَكْمُنُ عَلَيْهِ یہ بھی اس کے لئے ہلکا آسان ہے
اُس کے نعم کی انتہا نہ ہوگی اور ہر چیز دوبارہ ماننے والے کی حقیقت
یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلی بار پیدا ہونے کے تخلیق آئے دوبارہ اعادہ کرنے سے
مشکل ہو سکتا ہے، مگر جسے پہلی تخلیق پر کوئی دقت پیش نہیں آئی۔
اُس کے لئے دوبارہ تخلیق کرنے میں کوئی دشواری پیش آئے گی؟
وہ کمال قدرت کا مالک ہے وہ جس طرح چاہے کسی چیز میں قصہ در
کرے، اُس نے راستے میں کوئی مشکل عامل نہیں ہوتی

شانِ نبوت

اِنَّ الشَّامِتَ اَلَى صِفَتِ الْوَسْمَةِ وَكَهْمُ الْمَشْأَلِ الْاَعْلٰی
فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَسَمَاوِیْنِ اُسی کی ذات
اور شان بلند ہے۔ یہاں پر مثل سے مراد صفت اور شان سے بمثل اور
مثل میں فرق ہے کسی کی پیروی مثل سے مراد اس کی نوع اور جوہر
میں شراکت ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا: لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ اور الشَّامِتُ

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اور جہاں شرک کا رد فرمایا، وہاں ہے فَلَا تَضُرُّوْا
 بِاللّٰهِ اَلْاَمْثَالَ (النحل - ۱۰۴) اللہ کے سامنے ایسی مثالیں بیان نہ کرو کیونکہ اُس کا کوئی
 شریک نہیں ہے۔ وہ ہر حیثیت سے پاک اور منزہ ہے۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ
 کی مثال کی نفی کی گئی ہے مگر آیت زیر درس میں مثال کا اثبات پایا جاتا ہے۔ اصل
 بات یہ ہے کہ مثل کا معنی کسی چیز میں "فی الجملہ شراکت" ہوتا ہے۔ اگر ظاہری طور پر
 کسی صفت میں شراکت ہے تو یہ مثل ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا جیسے
 فَرِیَآ مِثْلُ نُوْرِهِ کَمِشْکُوْۃٍ (النور - ۳۵) اللہ کے نور کی مثال قندیل
 کی ہے۔ تاہم جوہر اور نوع میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وَلِلّٰهِ الْمِثْلُ الْاَعْلٰی کا مطلب
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان زمین و آسمان میں بلند ہے۔ اور اس بلند
 صفت سے مراد کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اہم ماکت بھی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
 کی صفت یہ ہے کہ وہی معبود برحق ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ آسمانوں
 میں بھی وہی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان نے
 میری تکذیب کی ہے اور یہ اُس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ نیز انسان نے مجھے
 گالی دی ہے اور یہ اُس کے لیے مناسب نہیں تھا۔ پھر فرمایا کہ میری تکذیب یہ ہے
 کہ انسان یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا نہیں کرے گا۔ گویا جزائے عمل کا انکار کر
 دے۔ اور گالی یہ ہے کہ انسان کہے اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے
 مَا نَكُنُّ اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ
 وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں وحدہ لا شریک ہوں۔ بے نیاز
 ہوں جس نے نہ کوئی جہا اور نہ وہ جنم کیا اور نہ ہی اُس کا کوئی ہمسر ہے۔ نبیائوں
 کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے، حالانکہ یہ افتراء ہے۔ اگر
 اس سے حقیقی بیٹا ہو تو وہ جنسیت پر دلالت کرے گا اور اس سے ادیت

ثابت ہوگی اور ایسا عقیدہ رکھنا خدا تعالیٰ کی توہین ہے۔ خدا تعالیٰ کا مجازی بیٹا بھی مراد نہیں
 لیا جاسکتا کہ اس سے کسی کو اختیارات کی تفویض ثابت ہوتی ہے۔ جیسے عیسائیوں کا
 عقیدہ ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ لوگوں کی مرادیں پوری
 کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اللہ کے کسی کو اختیار نہیں دیا بلکہ وہ ہر کام براہ راست
 خود کرتا ہے۔ اس حدیث میں تکذیب اور گالی کا یہی مطلب ہے۔

فرمایا اُس کی محنت اور شانِ ارض و سما میں بلند ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے
 اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ کمال قدرت
 کا مالک اور حکمت والا ہے۔ اس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حاصل نہیں ہو
 سکتی۔ اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے اگرچہ وہ انسانوں کے ادراک سے
 باہر ہو۔

اتل ما اوحى ٢١

الروم ٣

بِسْمِ شَم ٦

آيت ٢١ - ٢٢

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ
 لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ
 شُرَكَاءَ فِي مَارَزَقْنَكُمْ فَانْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ
 تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ
 نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ
 اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ بِغَيْرِ
 عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا
 لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ
 لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
 النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ
 الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
 لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُبَيِّنِينَ إِلَيْهِ وَالْقَوَّةُ
 وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ

الْمُشْرِكِينَ ۝۳۱۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ
وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُونَ ۝۳۲۝

ترجمہ :- بیان کی ہے راستہ نے تمھارے لیے مثال
تمھارے نفسوں سے کیا ہے تمھارے لیے ، اُن میں سے جن
کے مالک تمھارے رہنے والے ہیں ، کوئی شرک اُس پہنچ
میں جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے ، پس تم سب
اُس میں برابر ہو جاؤ۔ تم خوف کھاتے ہو اُن سے جیسا
کہ ایک راستہ سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم تفصیل
سے بیان کرتے ہیں آیات ان لوگوں کے لیے جو عقل
نہیں دیتے ہیں ۝۲۸۝ مگر پیروی کی ہے ، اُن لوگوں نے جنہوں
نے ظلم کیا ہے ، اپنی خواہشات کی بغیر علم کے ، پس کون
ہدایت دیکھا اُس کو جسے اللہ گمراہ کر دے اور نہیں ہے
اُن کے لیے کوئی بھی مددگار ۝۲۹۝ پس قانع کریں آپ
اپنے پیروں کو دین کے لیے حقیقت بن کر یہ اللہ کی
فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو بنایا ہے ، نہیں تبدیلی
اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ، یہ مضبوط دین ہے ، مگر اللہ لوگ
نہیں جانتے ۝۳۰۝ رجوع رکھنے والے ہو اُس (اللہ) کی
طرف اور ڈرو اُس سے ، اور قانع کرو نماز کو ، اور نہ ہو
شرک کرنے والوں میں سے ۝۳۱۝ اُن لوگوں میں سے جنہوں
نے تفریق ڈالی اپنے دین میں اور گروہ درگروہ ہو گئے ۔
ہر ایک گروہ اپنے پاس موجود چیز سے خوش ہو رہا ہے ۝۳۲۝

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کو ذکر کیا۔ جو
 اُس کی وحدانیت اور وقوع قیامت کی دلیل بنتی ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا کہ اللہ کی
 صفت بلند ہے جس کے ساتھ کوئی چیز مماثلت نہیں رکھتی۔ اب آں کی پہلی
 آیت میں اللہ نے شرک کی قیامت کو سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان کی ہے
 ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اللہ نے تمہارے
 لیے تمہارے نفسوں میں سے ہی ایک مثال بیان کی ہے۔ یعنی یہ مثال خود تمہارے
 افراد اور سوسائٹی میں پائی جاتی ہے، اور وہ یہ ہے۔ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ
مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ
 کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی ایسا ہے جو ہماری عطا کردہ روزی میں تمہارا شریک
 ہو فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ اور پھر تم اُس چیز میں برابر ہو جاؤ۔ مطلب
 یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارے زر خریدہ غلام تمہارے مال و دولت میں برابر
 کے ہوتے درجن جانیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی جائیداد میں اپنے غلام کی شراکت
 کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ نہ بایں صرف مال میں شراکت تاکہ ہی بہت
 محدود نہیں بلکہ خَافُوْهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ
 تم اُن غلاموں سے بھی اُسی طرح خوف کھاؤ جس طرح تم آزاد ایک دوسرے
 سے ڈرتے ہو۔ آزاد لوگوں کا تو آپس میں جھگڑا بھی ہو سکتا ہے، کہیں ایک
 دوسرے کا مال غصب کر لیا تو خوف پیدا ہو گیا، کہیں جائیداد کا تنازعہ ہو گیا
 ایک دوسرے کے مافقہ لڑائی بھڑائی کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا ڈر ہو جاتا
 مگر غلام تو بیچارے ملوک ہوتے ہیں، اُن سے ڈرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ وہ
 تو ہر حالت میں اطاعت گزار اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے حقیقی ملوک
 نہیں بلکہ مجازی ملوک ہیں۔ جب تم ان غلاموں کو کسی صورت میں بھی اپنے برابر
 تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر اُس خداوند قدوس کے ساتھ کیسے شریک
 ٹھہرتے ہو، جو ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات با اس کی عبادت میں کوئی فرشتہ، جن یا انسانوں میں
 نبی، ولی، چیر یا ہرگز کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے مثال کے ذریعے یہ بات
 سمجھا دی ہے۔ **كَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ**
 اسی طرح ہم تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں مگر صاحب عقل لوگوں کے
 لیے۔ یہ مثال اسی شخص کے لیے مفید ہو سکتی ہے جو اپنی عقل کو بڑھے۔ مگر سوچتے
 کہ جب ایک مجازی خادم اپنے مجازی آقا کا ہمسر نہیں ہو سکتا تو حقیقتی مملوک اپنے حقیقی
 مالک کا کیسے شریک ہو سکتا ہے؟

غلامی کا
 رواج

نزدول قرآن کے زمانہ میں پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں
 اور غلام بنالیا جاتا تھا۔ پھر وہ مختلف ممالک میں بکتے بکتے لہیں گے کہیں پہنچ جاتے
 تھے، اور اس طرح غلامی کا یہ نظام پوری دنیا میں پھیل چکا تھا۔ آقا اپنے غلاموں کے
 سخت مشقت دیتے تھے اور ان پر مطالبہ کرتے تھے مگر ان کا کوئی پرسان حال
 نہیں تھا۔ جب اسلام آیا تو اس نے غلامی کے رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، بلکہ
 اس میں اصلاحات احوال کا حکم دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ غلام بھی تمھارے بھائی
 ہیں۔ یہ کسی وجہ سے تمھارے ہاتھوں میں آئے ہیں۔ ان پر ظلم نہ کرو۔ آخر یہ بھی انسان
 تو ہیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ اپنے غلاموں کو بھی دلیا ہی لباس، خوراک اور رہائش
 دیا کرو جیسا خوراک استعمال کرتے ہو۔ ان کی اچھی تربیت کرو۔ اسلام نے غلاموں
 کی آزادی کی ترغیب دی اور اُسے بہت بڑی نیکی قرار دیا۔ بعض جلیات کے لغزش
 کے لیے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا۔ غرضیکہ اسلام نے اس نظام کو فی الفور ختم
 نہ کیا کیونکہ معیشت کا زیادہ تر دار و مدار انہی غلاموں کے ہاتھوں میں تھا۔ البتہ اس
 رواج کے تدریج خاتمہ کے لیے عملی اقدام کیے۔ چنانچہ آج دنیا کے کسی گوشے
 میں بھی انفرادی غلامی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

خواہشات
 کا اتباع

اگرچہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرانے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل
 موجود نہیں تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم قرار دے کر شرک کرنے

کی وجہ یہ بیان فرمانی ہے بِکَلِّ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ
بَغَيْرِ عِلْمٍ کہ ان ظالموں یعنی شرکاء نے شرک کے اتباع کے لیے اپنی خواہشات
 کی پیروی کی ہے اور وہ بھی بغیر علم ہے۔ یعنی خواہشات نفسانی سے اتباع ہے۔ یہ
 بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ وہ اس قدر بہت دھرم لوگ ہیں کہ اس سے باز
 نہیں آتے۔ اللہ نے فرمایا فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ
 مگر اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ جب کوئی شخص
 اپنی ضد، بے انصافی اور زیادتی کی بناء پر توحید خداوندی کو تسلیم نہیں کرتا، تو پھر اللہ تعالیٰ
 بھی اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور جدھر وہ جانا چاہتا ہے اُس جگہ کی توفیق دے دیتا ہے
 تو فرمایا ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون راہِ راست پر لے سکتا ہے؟ پھر جب لوگ اس
 تعزیرات میں گمراہ پڑتے ہیں وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرٍ تو پھر ان کو
 کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ آج یہ لوگ جن شرکاء کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں، ان سے
 حمایت والی اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے ہیں۔ قیامت والے دن ان کے
 کسی بہانہ نہیں آئیں گے اور وہ لوگ پر یہ سب یا رومہ دکھا کر رو جائیں گے، وہ ان کی مدد
 کرنے کی بجائے ان کے خداوت بیان دیں گے۔

دین کی
طرف توجہ

شرک کی قباحت بیان کرنے کے بعد جاء الى الدين کی تلقین فرمانی ہے
 ارشاد ہوتا ہے فَاقِمُ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا چہرے کو دین
 کی طرف قائم کر دین حنیف بن کر۔ چونکہ چہرہ انسانی جسم و اسم تین حصے ہیں جس میں
 تمام حواس ظاہرہ اور باطنہ مشمولہ آئیں، کون عقل اور دماغ پسٹ جاتے ہیں۔
 اس لیے چہرہ بول کر اس سے ذاتِ مادی جاتی ہے اور حنیف کا معنی ہے ہر طرف
 سے کٹ کر صرف ایک طرف لٹنے والا۔ تو جملے کا مطلب یہ ہوا کہ کفر، شرک،
 نفاق اور اسحاق وغیرہ سے ہٹ کر صرف دینِ خالص کی طرف متوجہ ہوں۔
 امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو شخص نماز کے وقت، خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے
 خدا تعالیٰ کی توحید کو مانتا ہے، فریضہ حج ادا کرتا ہے اور نعتہ گمراہانہ ہے، وہ حنیف

سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ضعیف تھے۔ مَا كَانَ رَابِلٌ هَيْئَةً
يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آل عمران - ۶۲) ابراہیم علیہ السلام
نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بد ضعیف اور مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔
اللہ نے تمام لوگوں کو بھی ضعیف بنے کا حکم دیا ہے حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ
یہ (الحج - ۲۱) سائے کے سائے ضعیف یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف
اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں جہاں اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے نہ
ہو۔ وَافْطَرَّتْ اللَّهُ الْحَيُّ فَطَرَّ النَّاسَ عَلَيْهَا يَهْتَدُونَ فِطْرَتَ
اللَّهِ الَّتِي لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
بِأَكْثَرِ دِينٍ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ الْدِينِ الْقَائِمُ
مِثْلُ مَعْجُونَةٍ يَنْسَخُ عَنْ أَكْثَرِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فطرت کا
مفہوم

بعض کہتے ہیں کہ اس مقام پر فطرت سے مراد اسلام ہے۔ یہ اللہ کا دین
اسلام ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہیے۔ تاہم غصہ بن کر امر کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے
کہ فطرت سے مراد وہ صلاحیت اور استعداد ہے جس کی بنا پر انسان نیکی یا بدی کو
انتخاب کرتا ہے۔ اللہ نے ہر انسان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت رکھ دی کُلُّ
مَوْلُودٍ يُفْطَرُ عَلَى الْفِطْرَةِ الْبِرِّهِ فِي فِطْرَتِهِ عَنِ حَقِّ قَبُولِ كَرْنِ
کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان میں یہ استعداد ودیعت
نہ کرتا تو اسے ایمان لانے کی دعوت ہی نہ دی جاتی کیونکہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ - ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استعداد سے
زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ گویا اس فطری امر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی مگر بعد میں لوگ خود
اس صلاحیت کو خراب کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی فطرت سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ مگر بعد
میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ جس مذہب پر وہ خود مومن ہو
لے رہے ہیں وہی مذہب اس کے لیے صحیح ہے۔

۱۔ درمختار جلد ۱ ص ۲۵۵ و ۲۵۶ (فیض)

راستے پر بچے کو بھی ڈال دیتے ہیں۔ ابوہریرہ اور ذہبی نے یہ حدیث روایت کی ہے۔
انہوں نے دنیا کی رنگینوں میں پھنس کر خود اس کو غلاب کر لیا۔

دوبندہ
تین نجات
اشیا

امام ابن جریر نے روایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کہیں جا
ئے تھے کہ راستے میں حضرت عاذ بن میثمؓ ہوئے۔ آپ نے حضرت عاذؓ سے
پوچھا مَا قَوْلُكُمْ هَذِهِ الْأُمَّةُ یعنی اس امت کا دوسرا کیا ہے جس پر
دستی قائم ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کہ امت کا قوام تین چیزوں پر ہے، اور
فَرَّيَا هَؤُلَاءِ مُنْجِيَاتٍ تین چیزیں نجات دلائے والی ہیں۔ فرمایا پہلی چیز
اخلاص ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ آیا ہے وَأَدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
(الزمر - ۶۹) اللہ کو پکارو مخلص اُسی کے اطاعت گزار بن کر۔ گویا تم
میں اخلاص ہونا چاہتے کیونکہ تمہارا اخلاص بوجہ وہاں شرک اور انفاق نہیں ہوگا۔ یہ اخلاص
فطرت میں داخل ہے اور ہر انسان میں پایا جانا چاہئے۔

فرمایا دوسری نجات دوبندہ چہ نماز ہے جس پر ملت کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے اللہ
کے ساتھ تعلق کی درستگی نماز ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز اللہ اور اس کے
رسول کے احکام کی اطاعت ہے۔ ان عرصت عصمت ہے جس کے ذریعے انسان کفر
شرک، انفاق، اکاد اور معاصی سے محفوظ رہ جاتا ہے۔ تو فرمایا ان تین چیزوں پر
امت کا قوام یعنی ڈھانچہ قائم ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ
کی تشریح

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار تعلقات ایسی ہیں جو سارے
غیروں کی شریعت میں نہیں اور وہ تین آخری شریعت میں بھی ضروری ہیں۔ ۱۔ طہارت
یعنی پاکیزگی (۲) اخبات یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار (۳) ساحت
یعنی خورد غرضی اور خفیس چیزوں سے بچنا (۴) عدالت یعنی عدل و انصاف۔ ان چاروں
چیزوں سے جو کہ کب کیفیت انسان میں پیدا ہوتی ہے اُسی کو فطرت کہا جاتا ہے
پھر فرمایا اس فطرت کے راستے میں تین حجاب رکھ کر بننے ہیں۔

(۱) حجاب طہارۃ کہ انسان دنیا کی مادیت میں ہی ڈوب کر رہ جائے اور آخرت

لے طہری صیغہ ۲۱ لے حجۃ اللہ باللہ صیغہ ۲۲ و ہجرات صیغہ ۲۳ (فیاض)

کا خیال دل سے نکل جائے۔

۲۱۔ حجابِ رحمہ یعنی انسان، حوال کے رحم و رانی میں ہی چپس جائے۔ اور

حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۲۱) حجابِ سو معرفت یعنی خدا کی پہچان تو مگر غلط طریقے سے، اس کی وجہ سے

انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے یا یہ تشبیہ میں۔ اگر خدا تعالیٰ کی نسبت خاصہ بندہ میں مانی جائے تو یہ شرک ہو گیا، مثلاً انداز ہی عالم الغیب اور فلاں بزرگ زنی جی عالم حبیب ہے۔ اور اگر نبوت کی صفات خدا میں تسلیم کی جائے تو یہ تشبیہ ہے مثلاً بندہ حسب اولاد ہے تو اللہ کی بھی اولاد تسلیم کی جائے۔

الغرض! یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی اصل فطرتِ سلیمہ کو ظاہر نہیں ہوتی دیتیں۔ جو شخص ان حجابات سے بچ گیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت عام طور پر حجابِ طبع میں مبتلا رہتی ہے، اگر اس سے بچ جائیں تو لوگ حجابِ رحمہ میں آس جاتے ہیں۔ اور اگر وہ آگے نہ چلیں تو حجابِ سو معرفت میں چپس کر رہ جاتے ہیں۔ پھر نہ تو اللہ کی صحیح پہچان ہوتی ہے اور نہ وہ شرک اور تشبیہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور ان کی ساری عمر گمراہی میں گزر جاتی ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ضعیف بن کر اپنے چمکے کو دین کے لیے قائل کریں۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو بنایا ہے اور اللہ کی پیدا کردہ چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہ مضبوط دین ہے جس کے اصول اہل ہر زمان و مکان کے لیے ہر آدمی کے لیے مگر لوگوں کی اکثریت لاعلمی کی وجہ سے ان اصول و ضوابط کے خلاف ہی چلتی ہے۔

فرہادین کے لیے چہرے کو قائم کریں مُنِيبِينَ اِلَيْهِ اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جوش کرنے لگے ہو۔ وَاتَّقُوهُ اسی سے ڈرتے ہوئے اِنَّ صِفَتِ تَقْوٰی يَدُكَ۔ وَاَقِمُوا الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کرو۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور شرک کرنے والوں میں نہ ہو یہ شرک

کی تردید نہی ہوئی کہ یہ فطری مالت کے خلاف ہے۔

فرقہ بندی

آگے فرقہ بندی کی مذمت بیان کی گئی ہے مَنْ الذِّينَ فَارَّقُوا دِيْنَهُمْ
 اُن لوگوں میں سے بھی نہ ہوں جنہوں نے دین میں تفریق پیدا کی۔ جب کسی اصول دین
 میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ایک نیا فرقہ بنہ لیتا ہے۔ البتہ فرقہ عادت دین کے اختلافات
 منسہ نہیں بلکہ باعث رحمت ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ممالک میں کوئی اصولی
 اختلاف نہیں بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہیں۔ اصول دین کا اختلاف
 یہ ہے کہ توحید، رسالت یا قیامت کے متعلق اختلاف کیا جائے۔ جو ان پر ایمان نہیں
 رکھتا وہ کافر یا منافق ہو گیا۔

جن لوگوں نے اصول دین میں غلط راستہ اختیار کیا وَكَاَنُوا شَرِيعًا اور
 آروہ در کربہ تقسیم ہو کر جنہی بن گئے اُن کی مالت یہ ہے كُلُّ حِزْبٍ بِمَا
لَدَيْهِمْ قَرِحٌ حَوْكٌ اُن میں سے ہر گروہ اپنے اپنے عقیدہ میں محکم اور خوش
 ہے اور سمجھتا ہے کہ وہی صحیح راستہ پر ہے۔ اسکا علی فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ
 خدا تعالیٰ امام میں حلول فرما گیا ہے گویا امام کو الوہیت کے درجے پہنچا دیا۔ افضیول
 نے بھی اپنے امام کو محصور قرار دیدیا اور قادیانیوں نے نبوت کے متعلق اپنے عقیدہ
 کو منسج کر لیا اور کافو منہ ہے۔ بعض فرشتوں کا انکار کر کے کماہ ہوئے اور بعض نے
 غلط تائیل کر کے فرائض کا انکار کیا اور علیحدہ فرقہ بن گئے۔ یہ سب جنہی فرقے ہیں۔
 اللہ نے ان کی مذمت بیان کی ہے اور حکم دیا ہے کہ ضعیف بن کر اپنے پیروں سے
 دین کے لیے قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھو۔ اُس سے ڈرتے رہو۔
 نماز قائم کرو۔ اور شرکین میں سے نہ بن جاؤ۔ فرقہ بندی سے بچتے رہو اور کوئی غلط
 راستہ اختیار نہ کرو کہ کامیابی کا مہر اسی چیز پر ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ
رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُونَ ③٣ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
فَتَسْتَعِزُّوا وَقَدْ فُتِنْتُمْ فَأُولَئِكَ
أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ③٥ وَإِذَا
أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا
وَإِنْ تُصْبِهِمْ سَيِّئَةٌ يَمَّاءَ قَدَمَتْ
أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ③٦
أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ③٧

ترجمہ :- اور جب پہنچتی ہے ان کو کوئی تکلیف
 تو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ، اسی کی طرف رجوع
 رکھنے والے ہوتے ہیں ، پھر جب وہ ان کو چھٹاتا
 ہے اپنی طرف سے مہربانی کا مزہ تو اچانک ایک
 گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے
 لگتا ہے (۲۳) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کفر
 کرتے ہیں اُس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی
 ہے ۔ پس فائدہ اٹھا لو ، عنقریب تم جان لو گے (۲۴)
 کیا ہم نے اُناری ہے ان پر کوئی دلیل ۔ پس وہ
 بول ہی ہے اس چیز کے بارے میں جس کے ساتھ
 یہ اُس کے ساتھ شرک بناتے ہیں (۲۵) اور جب
 ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو مہربانی کا مزہ تو خوش ہو
 جاتے ہیں اس کے ساتھ ۔ اور اگر پہنچتی ہے اُن کو
 کوئی برائی اُس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے
 بھیجا ہے ، تو اچانک وہ مایوس ہو جاتے ہیں (۲۶) کیا
 انہوں نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کٹاؤ کرتا
 ہے رزق جس کے لیے چاہے ، اور تنگ کر دیتا
 ہے جس کے لیے چاہے ، بیشک اس میں الہیہ
 نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۲۷)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کا ذکر فرمایا تھا نیز یہ
 کہ توحید ایک فطری پسیرت ۔ ہر مولود اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اس میں
 توحید خداوندی کو تسلیم کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ۔ اسی لیے اللہ نے
 فرمایا ہے کہ اُسی کی طرف رجوع کرو اور اُسی سے ڈرو ۔ نیز فرمایا کہ نماز قائم کرو

ربط آیت

اور شرکوں میں سے نہ ہو۔ شرک خلافِ فطرت چیز سے یہ عقل اور نقل دونوں کینڈاوت
ہے۔ جب عقائد بگڑ گئے ہیں تو فسق پیدا ہوتے ہیں اور یہ فسق اپنے اپنے غتیہ
پر خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ صرف وہی راہِ راست پر ہے۔ یہ سب کراہی
ہے۔ تو حید کرمانا ہی فطری اس ہے۔

توحید کی
دلیل

اس کی دلیلِ اشرے یہ بیان فرمائی ہے وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ شُرٌّ
جب کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے دَعُوا رَبَّهُمْ فَنَنْبِئِينَ رَبَّيْهِ
تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع رکھنے والے ہوتے ہیں مطلب
یہ کہ تکلیف کے وقت انسان لازمی طور پر خاص الشکر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
اور تکلیف کے ازالے کے لیے اُسی کے آگے دست بدعا ہوتے ہیں ظاہر
ہے کہ جب تمام مادی وسائل ختم ہو جاتے ہیں تو اُس وقت الشکر کی طرف رجوع
کرتا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے بغیر کوئی چارہ کر نہیں۔ وہ وعدہ لا شریک
ہے۔ اگر فوقِ الاسباب کوئی اور بھی مشکل کٹا ہوتا تو لوگ اُس کی طرف رجوع کرتے
لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

فَرَأَوْهُ مُتَوَلِّيًا إِذَا فُتِحَتْ مِنْهُ رَحْمَةٌ پھر جب ہم لوگوں

کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مذاکچھا تے ہیں یعنی ان کی تکلیف دور کر دیتے ہیں۔
ان کے فقر کو غنی میں تبدیل کر دیتے ہیں بیماری کی بجائے صحت عطا کرتے ہیں
ثلثت کو فتح اور تنزل کو ترقی میں بدل دیتے ہیں وَإِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ
بِئْسَ يَشْرِكُ كُفْرًا تو اچانک اُن میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار
کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ تکلیف کے وقت ان کا بخت یقین
ہوتا ہے کہ اس کو الہ کے سوا کوئی نہیں بٹا سکتا۔ مگر جب وہ مشکل کو حل کر دیتے
ہے تو اُسے دوسروں کے نام منسوب کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اور
اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ الہ کی بجائے غیروں کو درو نیاز دینے لگتے ہیں
کہ بھی وہی وہی چڑھا لے چڑھاتے ہیں اور کبھی زندہ کے آگے مرنا زخم کر دیتے

ہیں کہ اُس کی حسرت تکلیف دہ رہتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر شخص تو
 اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے مگر لوگ اُسے ساروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ
 فلاں شخص نے جسے ہر شے ہوئی۔ یہ کفرانِ نعمت ہے اور یہی شر ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ کہ جو کچھ ہم نے
 اُن کو عطا کیا ہے اُس کی ناشکری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کو غیروں کی
 طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا فَتَسْمَعُوا پس آج تو تم اس نعمت
 سے فائدہ اٹھاؤ۔ دنیا کی زندگی میں عیش و آرام کر لو اور بجتے رہو کہ ہم تمہیک راستے
 پر رہا ہے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں
 تمہارے فطرت کے خلاف کون کیا تمہاری حالت بتلاتی ہے کہ یہ پریشانی کے وقت
 خالص خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور گمراہ گمراہی سے دعائیں مانگتے
 تھے مگر جب وہ پریشانی دُور ہو گئی تو عبادت اور نذر و نیاز دوسروں کی ہونے لگی۔
 یاد رکھو! حلیف کے رفع ہونے پر یا نعمت کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر
 ادا کرنا چاہیے اور اُسی کی خوشنودی کے لیے اُسی کی نذر و نیاز ہونی چاہیے۔ مرنے
 پر غلطہ نہ کیا جس کا نتیجہ عنقریب سامنے آنے والا ہے۔ جو بڑی سورت آنے کی مقام پر
 ہٹ جائیں گے۔ اور تمہاری ساری کارگزاری سامنے آجائے گی مگر تم اس وقت کا کفِ مہربانی
 مانا کسی کو نہ آئے۔

شکر کی بات

اُسے اللہ نے شکر کے قرب فرمایا إِنَّا أَنزَلْنَاهُ عَلَيْنَا مَلَكًا
 کیا ہم نے اُن کی طرف شکر کی کوئی دلیل نازل کی ہے؟ کیا کسی کتاب میں لکھا ہے کہ
 کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی، ولی، بزرگ یا صاحبِ قبر کو کوئی امتیاز دیدیا ہے کہ وہ لوگوں
 کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو کوئی امتیاز
 نہیں دیا۔ وہ ہر چیز کی تدبیر خود کرتا ہے۔ اس کا کوئی معاون و مددگار نہیں۔
يَكْدِبُونَ الْأُمَمَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (الہود) آسمانوں کی بندگیوں سے
 کہ زمین کی پستیوں تک ہر چیز کو انشاءِ حق کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے کسی مخلوق

کہ اختیار نہیں دیا کہ نادان کہہ دے کہ یہ حق ہے فرشتے بھی عیسیٰ کے حکم کے پابند تھے ہیں اور وہ یہی کہہ کر تے ہیں کہ تم انہیں حکم دیتا ہے۔ فرمایا کیا ان کے پاس کوئی دلیل ہے
فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ جو انہیں بول کہ خدا کے ساتھ شریک کرنا بتلاقی ہے؛ فرمایا اللہ نے ایسی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ بلکہ یہ
 از خود شرک کے مرتکب ہو کر اپنے لیے جہنم کا سامان بنا کر رہے ہیں۔

خوشی اور
 مایوسی

اب اللہ نے ان لوگوں کی دوسری حالت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا أَذَقْنَا
النَّاسَ رَحْمَةً جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھتے ہیں یعنی ان پر اللہ کی
 کرم کی بارش کرتے ہیں، انہیں دل و دوست بھرت اور خوشی کی عطا فرماتے ہیں فِرْحُونًا
يَهْتَفُونَ اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہیں وَاللَّهُ لَصَبُغُهُمْ سَيِّئًا
 لیکن جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ بھی بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ
 اس وجہ سے کہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کہانی ہوتی ہے۔ یعنی ان کے اپنے برے کرتوتوں
 کی وجہ سے جب وہ گرفتار مصیبت ہوتے ہیں کہ در بدر میں نقصان ہو جاتا ہے، قحط آتی
 واقع ہو جاتی ہے، بیماری، حق مو جاتی ہے یا کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ تو راجہ پاک و دانا امید ہو جاتے ہیں، اور پھر خدا کا شکر دہانے لگتے ہیں
 کہ اس نے زیادتی کی ہے، مگر جب اسودہ حالی آتی ہے تو اسے خدا کا اللہ سمجھنے
 کی بجائے اپنے غم و غنہ اور غفل و دانش کو نتیجہ قرار دیتے ہیں، بہر حال فرمایا کہ شرک
 لوگ تو حلیف میں مایوس ہو کر پیچھے جاتے ہیں مگر اہل ایمان کے متعلق حضور علیہ السلام
 کا فرمان یہ ہے لَا يَقْضِي اللَّهُ الْقَصْفَ إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ
 اگر تعاقب ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ ان کے حق میں بہتری ہوتا ہے اور
 ان کا یہ ایمان ہوتا ہے چنانچہ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّةٌ شُكْرًا جب میرے
 کسی شخص کو رحمت نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف
 پہنچتی ہے، تو صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وَكَانَ خَيْرًا لَّهُ اور یہ بھی اس کے
 حق میں بہتری ہوتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے رزق کی کثادگی اور تنگی کا فلسفہ بیان فرمایا ہے أَوَلَمْ يَرَوْا
كَيْفَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
 کہ اللہ تعالیٰ کثادہ کرتا ہے رزق جس کی چاہتا ہے وَيَقْدِرُ اور تنگ کر دیتا ہے
 رزق جس کے لیے چاہتا ہے۔ رزق کی وسعت اور تنگی میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا
 بلکہ یہ مشیتِ الہیہ پر موقوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق رزق کا فیصلہ
 کرتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے اس کی حکمت بھی بیان کر دی ہے وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ
الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ
مَا يَكْفِيهِمْ (الشوریہ - ۲۶) اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے سب کے لیے رزق کے
 دروازے کثادہ کر دیتا تو وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق
 روزی نازل کرتا ہے۔ اس کی صلاحیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ ہی
 بہتر جانتا ہے کہ کسی شخص کے حق میں کتنی روزی بہتر ہے اور اس سے زیادہ خود انہی کے
 کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بعض نامہجاردوں اور بیوقوفوں کی روزی بہت
 زیادہ وسیع کر دیتا ہے جب کہ بعض عقلمند اور ہنرمند بھی تنگی میں زندگی بسر کرتے
 ہیں۔ اس کی حکمت کو وہی بہتر جانتا ہے اور اُس کا تذکرہ قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوتا ہے
 توحید کے اثبات اور شرک کی قبا حست کی جو جو باتیں بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ
 کی صفات۔ اس کے اختیار اور تدبیر کا جو بھی مسئلہ ذکر ہوا ہے۔ مندرجہ بالا باتیں
فَ ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ اس میں نشانیاں
 ہیں مگر اُن لوگوں کے لیے جو ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ اہل ایمان بخوبی سمجھ سکتے
 ہیں کہ اللہ کا فرمانِ برحق ہے۔ البتہ مشرک، کافر اور منافق وغیرہ شک و شبہات میں
 پھنسے رہتے ہیں۔ وہ تسلیم کرنے کی بجائے اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں غرض
 انسانوں کو اپنی فطری حالت ہی اختیار کرنی چاہیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا
 اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ ہر قسم کے اختیارات اُس کے پاس ہیں اُس نے کسی
 دوسرے کو یہ اختیارات تفویض نہیں کیے ہر چیز کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور کفر اور شرک جہاں

فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ
السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ
اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا
اتَّيْتُمْ مِّنْ رَّبٍّ لَّا يَرْبُوْا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا اتَّيْتُمْ مِّنْ
زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمْيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ
هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِثْلَ
ذَٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحَنَہٗ وَتَعَالَى
عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾

۸۱۵

ترجمہ :- پس نے دو قرابتدار کو اس کا حق
اور مسکین کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان لوگوں کے
لیے جو چاہتے ہیں اللہ کی رضا اور یہی لوگ ہیں جن کو
پس نے (۳۸) اور جو تم دیتے ہو سود کے عوض

تاکہ بڑھے وہ لوگوں کے مالوں میں . پس وہ نہیں
 بڑھتا اللہ کے نزدیک . اور جو دیتے ہو تم زکوٰۃ ، ارادہ
 کرتے ہو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کا . پس یہی لوگ
 ہیں جو اپنے اجر کو دگن کرنے والے ہیں (۳۹) اللہ کی
 ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ، پھر وہ
 تمہیں روزی دیتا ہے . پھر وہ موت طاری کرتا ہے پھر
 وہ تم کو زندہ کرے گا . کیا ہے تمہارے شریحوں میں سے
 کوئی جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرتا ہو ؟ پاک ہے اس
 کی ذات اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اُمس کے
 ساتھ شریک بناتے ہیں (۴۰)

بہ آیات

بکچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت اور قیامت کا ملبہ بیان فرمایا
 اور دین فطرت کو اختیار کرنے کا حکم دیا . اللہ نے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اُسی
 سے ڈرنے کی بھی تلقین کی . اقامت نماز کا تاکید احکم دیا اور فرمایا کہ مشرکوں میں سے نہ
 بنو جو زیادتی خدا میں خرابی پیدا کر کے گمراہی میں گمراہ ہو گئے حالانکہ ہر گمراہ باطل عقیدے
 پر تھا . پھر اللہ نے انسانوں کی عام حالت بھی بیان فرمائی کہ جب ان کو کوئی تکلیف
 پہنچتی ہے تو ان میں فطری جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سامنے گمراہ بن کر دعا مانگ
 کرتے ہیں . پھر جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے تو اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے
 ہیں اور اللہ کے سوا دوسروں کی نذر ، نیاز دینے لگتے ہیں اور قبروں پر چڑھا دے
 چڑھانا شروع کر دیتے ہیں . وہ اپنی آسائش ، آسودہ مالی اور کامیابی کو خدا کی بجائے
 دوسروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں . فرمایا یہ کفران نعمت ہے . جس کا نتیجہ انہیں
 عذرا ب جگتنا پڑے گا .

اللہ نے یہ حقیقت بھی بیان فرمائی کہ جب ہم لوگوں پر کوئی مصائبی کرتے
 ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ

ہاتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں ان کے حق میں نہ ہیں۔ پہلی حالت میں وہ اترنے لگتے ہیں۔ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ دوسری حالت ان کے لیے مایوسی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے حق میں دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔ جب بسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کا دامن تمام لیتا ہے۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے۔ رزق تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراہمی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور صلاحیت کے ساتھ ہے، اس لیے کسی انسانی ہمتہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

قرآن کا حق

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ روزی کا کنٹرول صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مال کو خرچ کرنے میں بخل نہ کرے بلکہ اس مال میں سے تمام حقداروں کے حقوق ادا کرے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ نے سب سے پہلے قرابتدار کے حق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ فَإِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ قَرَابَتًا کو اس کا حق ادا کرو۔ یہ صیغہ توجہ مخاطب کا ہے اور اس سے بظاہر منظور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہی مراد ہے۔ لیکن عام فہم میں فہم ہوتے ہیں کہ یہ حکم تمام اہل ایمان کے لیے ہے کہ اگر اللہ نے انہیں رزق میں وسعت، دولت اور وہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ قرابت داروں میں سب سے پہلے ذی القربین آتے ہیں، اور یہ وہ عزیز ہیں جن کا وراثت میں حصہ اللہ نے قرآن پاک میں مقرر کر دیا ہے پھر عصبائت میں جو کسی شخص کے قریبی رشتے دار ہوتے ہیں اور تیسرے نمبر پر ذی القربین یعنی دور کے رشتہ دار ہیں۔ جیسے بھانجا، ماموں یا ان کی اولاد وغیرہ۔

ان رشتہ داروں کے حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک واجب اور دوسرے مستحب۔ واجبات میں والدین کی خدمت سے پہلے درجہ میں آتی ہے۔ اگر وہ محتاج ہیں تو ان کی مالی معاونت کی جائے اور ان کی دیگر ضروریات و خیال رکھا جائے۔ اسی

طرح اولاد کا بھی والدین پر حق ہے۔ جب تک اولاد چھوٹی ہے اس کی ساری ذمہ داری والدین پر آتی ہے۔ ان کی اچھی تربیت، لکھانی پڑھانی، ہنر سنی وغیرہ۔ پھر جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو وہ خود ذمہ دار بن جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ و فراتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور اس کے رشتہ دار محتاج ہیں تو اس پر واجب ہے کہ اپنے غریب قرابتداروں کو خرچہ دے۔ امام احمد سے بھی ایسے ہی منقول ہے اور اگر والدین یا دوسرے رشتہ دار صاحب استطاعت ہیں تو ان کی مالی خدمت ضروری نہیں ہوگی۔ البتہ ان کو جسمانی طور پر راحت پہنچانا۔ والدین کی سبھی چاہی کرنا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی بات ماننا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ مستحبات میں داخل ہے۔

نادر اور
سفر کا حق

قرابت داروں کے حقوق کے بعد فرمایا وَالْمَسْكِينُ اور نادر کا حق بھی ادا کرو تمہارے مال میں اللہ نے اس کا حق بھی لکھا ہے۔ **فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لَكُمْ مِنَ الْعَمَلِ وَالْمَحْرُورُ** (المعارج، ۲۴، ۲۵) سوا کی اور نادر کو اس سے محروم نہ رکھو بلکہ ان کا حق بھی ادا کرو۔ پھر فرمایا **وَابْنُ السَّبِيلِ** تمہارے مالوں میں مسافروں کا بھی حق ہے۔ دوران سفر ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں کہ کسی مسافر کا مال ضائع ہو جائے، جیب کٹ جائے یا کوئی دوسری پریشانی لاحق ہو جائے۔ ایسا مسافر اگرچہ اپنے گھر میں صاحب مال ہو مگر جن حالات میں اُسے اعانت کی ضرورت پڑی ہے، اُس حالت میں صاحب نیثیت لوگوں پر اُس کی مدد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے مسافر کا حق زکوٰۃ میں بھی رکھا، **فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُعِيذُونَ وَجْهَ اللَّهِ فِي الْاَوَّلِ** کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ایسے صاحب مال حضرات جنہیں آخرت پر یقین ہے اور دنیا کی کامیابی کے لیے انہیں اللہ کی رضا کی ضرورت ہے، ان پر ضروری ہے کہ مذکورہ حقوق ادا کریں اور اس معاملہ میں غفلت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اگر انسانوں نے یہ حقوق ادا کر دیے **وَاُولَٰئِكَ**

هُمْ الْمُفْلِحُونَ تو سی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ انہیں دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور آخرت کی کامیابی تو بہ حال دائمی ہے جو انہیں یسر آنے کی۔

سود کی
بابت

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں سود کی قباحت اور زکوٰۃ کی برکات کا ذکر کر لیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًّا اَوْ حَوْثُمٍ سُدِّدَ طَرِيقُكُمْ فَلَائِكُمْ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِیَّامٌ اَلْسُنُكُمْ نَدِیْكُمْ نِیْسٌ بڑھتا۔ سو قدرم
مکی ہے اور مکی زندگی میں سود کی حرمت نازل ہوئی تھی بلکہ یہ حرمت ہجرت کے دوسرے سال سورۃ بقرہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ یہاں جو سود کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ سود مراد نہیں جو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ اس سے مزدور زیادتی ہے جو کسی مین دین کے معاملہ میں وصول کی جانے مثلاً ایک شخص دوسرے آدمی کو اس نیت کے ساتھ کوئی تحفہ پیش کرتا ہے کہ کسی ایسے ہی موقع پر وہ اس سے بہتر تحفہ وصول کر لیا، تو یہ چیز اگرچہ سود میں داخل نہیں مگر سہائت کے خلاف ہے جس کو ناپسند کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ تھوڑی چیز کے زیادہ کی توقع کرنا یا جیسی نیک خصلت کے خلاف ہے۔ ایسی توقع سے حرص، لالچ اور کینہی کا ظہار ہوتا ہے۔ سورۃ المدثر میں بھی اللہ کا فرہان ہے وَلَا تَعْمُنْ تَسْمِعُ تَكْبُرُ (آیت ۶) زیادہ معاوضہ حاصل کرنے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو، ہمارے ہاں یہ شادی کے موقع پر نوتا یا نونہرا کی رسم پائی جاتی ہے۔ صاحب خانہ کو اس کے عزیز واقارب، یار و دوست اور محلہ والے کچھ رقم بطور نونہرا ادا کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ نیت یہ ہوتی ہے کہ جب ہمارے ہاں ایسی تقریب ہوگی تو ہم اس سے زیادہ وصول کریں گے۔ چنانچہ اسی نظریہ کے پیش نظر اہل خانہ وصول شدہ رقم کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتے ہیں تاکہ آئندہ سے ٹوٹانے میں آسانی ہے۔ پھر بھی دیکھنے میں آیا کہ اگر کوئی شخص وصول کردہ رقم سے زیادہ ادا نہیں کر پاتا تو قابل ملامت گردانا جاتا ہے۔ یہی کہینہ پن ہے۔ اگر کسی تقریب پر کسی کو بہرہ پیش

کیا ہے تو اس سے زیادہ وصول کرنے کی نیت نہیں ہونی چاہیے بلکہ صحیح یہ ہے کہ تخفیف نہ ہو اس پر کیا ہوتا ہے جو بے لوث ادا کی جائے اور واپس لینے کی نیت نہ ہو اگر کوئی شخص کسی موقع پر اس کو بھی کوئی تخفیف پیش کرے آج تو خواہ وہ کچھ ہی ہو اس کے دل میں میل نہیں ہونا چاہیے اور تخفیف کو بخوشی قبول کر لینا چاہیے۔

حدیث شریف ہے آج کہ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرتا تو آپ اس کا بدلہ عطا کرتے اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے کہ بدیہ کا بدلہ دیا جائے۔ اگر مادی بدلہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو اس سے دعا ہی کر دو۔ **حَبَلُكَ اللَّهُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الشَّرِّ** یعنی تیرے بدلہ عطا فرمائے۔ اس قسم کا بدلہ اس کو بدلہ حسب توفیق ہے مگر یہ نیت کہ اگر اس سے زیادہ ہی لوں گا تو ایسا نہ فعلط رحم سے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ جو تم سودے کے طور پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو۔ اللہ کے نزدیک تو ایسا اضافہ نہیں ہوتا یعنی ایسے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔

نہیں ہونی

آگے فرمایا **وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ** جو کچھ تم زکوٰۃ کی صورت میں دیتے ہو **تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ** اور اس سے تمہیں رضائے الہی مطلوب ہوتی ہے۔ **فَمَا قَوْلُكُمْ هُمْ الْمُضْطَرُّونَ** ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے اجر و ثواب کو دن چوگنا کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں پاکیزگی اور اخلاص کے ساتھ فی سبیل اللہ دی جائے وہ اللہ کے نزدیک بڑھتی رہتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص غلو سے نیت کرے ساتھ لہجور ایک دن اللہ کے راستے میں خرچ کرے تا جب اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی دے حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ لہجور کا دامن پاز کے برابر ہو جائے گا۔ گویا متعلقہ شخص کو محدود سے نکلے گا۔ اتنا بڑا اجر حاصل ہو گا۔ اللہ کے راستے میں نہی کا کلمہ ازلہ اجر تو اس گناہ سے اس سے گناہ تک جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیت اور غلو کے مطابق اس کو دسوں کمزوروں میں سے ایک بدلہ عطا فرمائے۔ زکوٰۃ میں برکت کا یہی مضمون ہے۔

زکوٰۃ میں برکت

موت اور زندگی

المتوعلیٰ نے اپنی وحدانیت کے سلسلے میں یہ دو الیاس اللہ الذی
 خَلَقَكُمْ اَشْرَکَ ذَاتِ وَه سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ المتوعلیٰ سے کوئی پیدا
 کرنے والا نہیں اس کا جلیج سے هَلْ مِنْ خَالِقٍ اَبَدَیْنِ اللہ انظر ۲
 الیاس کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے ہرگز نہیں۔ اس سے وہ کوئی خالق سے اور
 کوئی رزق۔ فرمایا اس نے تمہیں پیدا کیا ثُمَّ رَزَقَكُمْ نَسْر میں روزی بھی
 بہم پہنچائی۔ رزق کی تفسیر بھی کاہما اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کوئی
 کوئی نہیں دیا کہ وہ روزی تقسم کرے۔ گزشتہ سورۃ میں مذکور ہے۔ وَكَأَيِّنْ
 مِنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا فَلَئِنْ رَزَقْنَاهَا وَآيَاكُمْ
 (العنکبوت - ۶۰) بت سے جانور میں جو اپنی روزی اپنی پشتوں پر نہیں اٹھائے چرتے
 المتوعلیٰ ان کو روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی۔ یہ تمہید کی بات تمہاری بارسی سے منہ
 میں سناؤں و عمری فرقے کا عقیدہ ہے کہ پیدا کرنے والا تھا مٹے والا اور موت نیست
 والے مختلف خدا میں یہ بالکل باطل عقیدہ ہے اللہ نے اس آیت میں واضح
 کر دیا ہے کہ پیدا کرنے والا روزی رساں، مٹانے والا اور زندہ کرنے والا ایک ہی
 و ہمدہ لا شریک سے

امام احمد نے اپنی مسند میں یہ بیان کیا ہے کہ محمد
 رسول اللہ حضور علیہ السلام خدمت میں حاضر ہونے سے وقت آپ کوئی چیز بنا سے
 تھے یہ مست کر کے تھے۔ حالانکہ کہ کبھی میں کہ حضور علیہ السلام بہت باہر سے
 بحرف کا ہوتے ہوتے آتے۔ اپنا جو تاہر مست کر لیتے۔ کپڑے ہمو لیتے۔ یہ حال
 آپ اسی قسم کا ہوتا کہ ہم کہتے تھے تو اس وقت آپ فرمایا کہ رزق کے معانی میں
 کبھی مایوس نہ ہونا۔ جب اللہ ان پیدا ہوتا ہے تو وہ شرف رکھتا ہے۔ یہ
 ہوتا ہے جو بالکل بے نیاز ہوتا ہے۔ چہرہ اس کے بت دنیا میں لباس خوراک مکان
 غرض کہ ہر چیز دنیا کے لئے لہذا جب اس کے لئے ہر چیز حرکت ہے۔ اس کو ہر
 سے مایوس نہ ہونا۔

فرمایا وہی تمہیں پیدا کرتا ہے اور روزی دیتا ہے۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ
 وہی تم پر موت بھی طاری کرتا ہے ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر قیامت کو وہی تمہیں
 اور زندہ کرے گا۔ یہ چاروں صفات یعنی پیدائش، روزی، موت اور زندگی اللہ تعالیٰ
 کے لیے خاص ہیں۔ اس نے کسی دوسری ذات کو اختیار نہیں دیا کہ ان معاملات میں تصرف
 کر سکے۔ وہ مددہ لا شریک ہے۔ لہذا شرک سے بچ جاؤ۔

درس چہم

فرمایا جب تمام امور کو انجام دینے والا صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ هَلْ مِنْ
شَرِّكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ تو کیا تمہارے شر میں
 میں سے کوئی ہے جو ان امور کو انجام دے سکے؟ تمہارے جعلی مشکل کشا اور حاجت روا
 یقیناً یہ کام نہیں کر سکتے۔ جب یہ بات ہے تو پھر ان کو خدا کی صفات میں کیوں شریک
 کرتے ہو؟ اور ان کو تندر و نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ فرمایا سُبْحَنَهُ اللہ تعالیٰ
 کی ذات پاک ہے وَلَعَلَّيْكُمْ كُفْرًا اور بندے ان چیزوں سے
 جن کو یہ خدا کا شریک بنا ہے میں۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی ذات میں شریک ہے۔ نہ عباد
 میں اور نہ صفت میں۔ وہ بے نیاز ہے اور تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اس لیے
 انہی کے باوجود بھی خدا کا شریک نہیں کہتی ممانعت کی بات ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ
 أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي
 عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا
 فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ
 عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ
 مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
 الْقَدِيمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ
 مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ
 فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
 فَلَا نَفْسَ فِيهِ يَمَهِّدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ
 إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾

ترجمہ :- پھیل گیا ہے فساد خشکی اور تیزی میں اس

کے وجہ سے جو انسانوں کے ہاتھوں نے کیا ہے ۔ تاکہ

چکھانے (اللہ تعالیٰ) انہی کو بعض ان جہنم کا بدلہ جو انہوں
 نے کیے ہیں، شاید کہ یہ لوگ واپس پلٹ جائیں (۴۱) اے
 پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ چلو زمین میں اور جیو کہ کیا ہوا
 انجام ان لوگوں کو جو اس سے پہلے تھے ان میں سے
 اکثر شرک کہنوالے تھے (۴۲) پس قائم کریں آپ اپنے
 رب کو دینِ قیم کے لیے قبل اس کے کہ آجائے وہ دن
 جس کو کوئی نہ نہیں سکتا اللہ کی طرف سے۔ اس دن وہ
 جدا جدا ہو جائیں گے (۴۳) جس نے کفر کیا، پس اسی پر
 اس کے کفر کا بدلہ ہوگا، اور جس نے اچھا عمل کیا پس
 یہ لوگ اپنے نفسوں کے لیے ہی تمہید باندھ رہے ہیں (۴۴)
 تاکہ بدلہ لے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے
 جنہوں نے اچھے کام کیے اپنے فضل سے، بیشک وہ
 نہیں پسند کرتا کفر کرنے والوں کو (۴۵)

رابطہ آیات

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تہذیب اور توحید کے دلائل بیان
 فرمائے، اور سابقہ ساتھ قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا، اللہ نے واضح فرمایا کہ
 تمام اسباب پر اسی کا تصرف ہے اور رزق کی تسخیر اور کثرت دینی، ان سے ہوتے
 ہیں۔ وہی ازمانوں کو زندگی بخشتا، روزی دیتا اور موت طاری کرتا ہے، اور
 پھر قیامت کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا اللہ نے شہود بیان کیا کہ جب یہ سب کچھ
 اللہ کے اختیار میں ہے تو پھر لوگ شرک سے باز کیوں نہیں آتے اور اللہ کی دینی
 ہوئی روزی میں نخل کیوں کرتے ہیں؟

بحد درجہ
 فساد و ظلم

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی
 ہے کہ بسا اوقات اوروں کی مافوقانیوں اور باغیوں کی جسبے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے
 پھر اللہ نے دنیا میں آنے والے حوادث، اور عذاب کے اسباب کا ذکر فرمایا۔

ارشاد ہوتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خُشْيٌ اور تری میں فساد پھیل گیا ہے بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ان لوگوں کے ہاتھوں کی کھائی کی وجہ سے اور اس میں اللہ کی حکمت یہ ہے لِيَذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا تاکہ ان لوگوں کے بعض کاموں پر بدلہ دیا جائے۔ یعنی لوگوں کی ہر اعمالیوں کی یا تو انہیں سزا دی جائے۔ یا کم از کم تنبیہ کی جائے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں یعنی ہر اعمالیوں سے باز آجائیں۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس فساد سے مراد قحط سالی، کثرتِ اموات اور وباؤں وغیرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فساد سے مراد جنگیں ہیں جو بڑی تباہی پھیلاتی ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کے نزول کے وقت قیسرِ رومی کے درمیان جنگ ہو رہی تھی جس کا ذکر سورۃ ۹ کی ابتدائی آیات میں ہو چکا ہے۔ اس وقت بحرِ رومی قتل کا بازار گرم تھا، ذیقین ایک درخت پر چڑھ کر حملے کر رہے تھے جس کے نتیجے میں کثرت سے موتیں واقع ہو رہی تھیں، چنانچہ مالک ہوسے تھے فصلِ تباہ ہوئے تھے اور مکاناتِ منہر سوئے تھے موجودہ ایسی درختوں کی جنگیں تو مزید خطرناک ہیں۔ اب تو وسیع پیمانے پر مہاروی ہوتی ہے، ترقی کو لہرہ لہی کھینچ رہی ہیں، ٹینک آگ برساتے ہیں، کیمیائی اور ایٹمی ہتھیار استعمال ہوتے ہیں جس سے لاکھوں نفوس آج دنیا میں موت کی آغوش میں چمے بستے ہیں، شہر اور بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، فیروز آباد تباہ اور نصیحت ویران ہو جاتے ہیں ایسے ہی واقعات کے متعلق فرمایا کہ خُشْيٌ در تری میں فساد برپا ہو چکا ہے۔

عالمی مہلکی
فنا ہے

اللہ نے فرمایا ہے کہ نہ لورہ تباہی و بربادی عام طور پر انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ جنگ چھڑ جائے یا کوئی دوسرا حادثہ از قسۃ الزلزلہ، طوفان یا کوئی اور آفت آجائے اس میں کسی نہ کسی طور پر ان کی ہاتھوں کا دخل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں مطلقاً ان کی دخل میں ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ ان کی ہر اعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے سورۃ الشوریٰ میں فرمایا وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا

۱۔ بیضاوی ص ۲۲۲ و مظہری ص ۲۲۸ و مدارک ص ۲۲۸ ۲۔ جمل ص ۲۹۹ (فیاض)

كَبَّتْ أَيْدِيكُمْ وَ يَغْفُوا عَنْتْ كَثِيرٌ (آیت ۳۰۰) تمہیں
جو بھی مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے گناہوں کی کمائی ہوتی ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سب
سی باتوں میں درگزر بھی فرماتا ہے۔

اعمالِ بد میں سرسفرست کفر اور شرک ہے، یہی ساری برائیوں کی جڑ بنیاد اور
یہی فساد فی الارض ہے۔ امام ابو العالیہ جو تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں عَنْ
عَصَى اللَّهِ فِي الْأَرْضِ فَقَدْ أَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ يَنْبَغِي
شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اس نے گویا زمین میں فساد پھیلایا یا فساد
کے تعلق بھی سورۃ بقرہ میں موجود ہے لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
(آیت - ۱۱) زمین میں نفاق کے بیج بکریہ فساد نہ برپا کرو۔ حضرت ثعلبہ علیہ السلام
نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ
إِمْلَاحِهَا (الاعراف - ۸۵) زمین کی درستگی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلادو۔ وہ
لوگ تجارت میں خرابی کرتے تھے، عین دین میں دھنڈی مارتے اور لوگوں کے حقوق غصب
کرتے تھے، راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور اللہ کے نبی کو تبلیغ سے روکتے تھے
یہ سب فساد فی الارض کی تعریف میں آتا ہے۔

جس شخص نے زمین میں معصیت کا ارتکاب کیا، وہ بھی فساد فی الارض کا
مہ تکب شمار ہوگا کیونکہ صلاح الارض بِالطَّلَاعِ زمین کی درستگی
اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے اور نافرمانی باعثِ فساد ہوتی ہے اسی لیے بزرگان
دین کا قول ہے اللَّهُمَّ انْقُلْنِي مِنْ ذِلِّ الْمَعْصِيَةِ إِلَى
عِزِّ الطَّاعَةِ اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت
کی عزت تک پہنچا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اخلاص بالشرائع یعنی قوانین الہیہ کی
خلافت و ریزی ہی فساد فی الارض ہے۔ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام نے صلاح
فی الارض کے ضمن میں فرمایا لَعَلَّكُمْ يُقَامَرُ فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ
أَهْلِهَا مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا یعنی زمین پر

اللہ کی ایک حد جاری کر دینا اہل علاقہ کے لیے چالیس دن کی اُس مسلسل بارش سے زیادہ بہتر ہے جو فصلوں کے لیے مفید ہو۔ امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں الْحُدُودُ زَوَاجِرٌ حد و دکا اجرا باعث تنبیہ ہوتا ہے کسی ایک مجرم پر حد جاری ہوتی ہے تو دوسروں کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ بُرائی سے باز آجاتے ہیں۔

نیک
کی تربیت

بخاری، مسلم اور موطا امام مالک میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: إِنَّ الْفَاحِشَ إِذَا مَاتَ يَسْتَرِجُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالْذَوَابُّ جب کوئی فاسق فاجر آدمی مر جاتا ہے تو بندے، شجر، درخت اور جانور اُس سے راحت پاتے ہیں کیونکہ اس گنہگار آدمی کے گناہوں کا ان اشیاء پر منفی اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے رزق میں کمی آتی ہے۔ جب فرعون عرق ہوا تو اللہ نے فرمایا فَنَمَّا بِكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَالرَّعَانُ اُن پر نہ زمین، نہ آسمان، نہ آبی پانی اور نہ محاورہ صادق آیا۔ جس کم و جہاں پاک دیگر ظالم قوموں کے متعلق بھی اللہ کا فرمان ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام - ۴۵) اللہ نے ظالم قوم کی جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین کو ان ظالموں سے پاک کر دیا۔ بہر حال جب کوئی فاسق، فاجر، ناجائز آدمی مر جاتا ہے تو زمین کی چیزیں اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اس بد بخت کی نحوست سے بچ گئیں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی اہل ایمان نیک آدمی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو آسمان کے وہ دروازے روکتے ہیں جہاں سے اُس شخص کے اعمال اُپر پہنچا کر تے تھے۔ اور وہ دروازے بھی روکتے ہیں جہاں سے اُس کی روزی کا حکم آتا تھا امام ابن کثیرؒ نے ابن زیاد کی گورنری کے زمانے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی شخص کو ایک تحصیل میں جس میں کھجور کی گٹھلی جتنے موٹے موٹے گندم کے دانے تھے۔ اُس تحصیل پر لکھا تھا کہ یہ اُس زمانے کی پیداوار ہے جب زمین پر عدل و انصاف کا در در در

تھا۔ گویا عدل و انصاف کی اتنی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ وافر غلہ پیدا کرتا تھا۔ اسی طرح جمع حدیث میں آتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر کفر ٹھکر مٹ جائے گا۔ دنیا میں نیکی اور اطاعت کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت زمین اپنی تمام برکات کو اگلے لے گی۔ اور انار کا ایک دانہ سینکڑوں آدمیوں کی خوراک کے لیے کافی ہوگا۔ اس وقت فتنہ ختم ہو جائے گا اور لوگ امن و سکون اور اتفاق و اتحاد کی زندگی بسر کریں۔

مصائب کی وجوہات

مصائب و آلام دو درجہ سے آتے ہیں۔ یا تو ان سے ذریعے افرات و فریب اور قوموں کی ہلاکت مقصود ہوتی ہے اور یا پھر نہیں تنبیہ کرنا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ افرائی سے باز آجائیں اور اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں۔ قرآن پاک میں ان دونوں اسباب کا ذکر موجود ہے۔ دیکھئے مصائب قرآنیہ پر جو آئے ہیں حالانکہ وہ لوگ جو پاک ہوتے ہیں۔ ان کو مصائب کے ذریعے ابتلا میں ڈالا جاتا ہے تاکہ ان کے درجات بلند ہوں۔ ان کو نیکیت حاصل ہو۔ اور ان کے نفوس پاک ہو۔ عام انسانوں کو بھی تکالیف آتی ہیں تو ان کے بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ بہ کار آدمیوں کو سزا دینا یا تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے مگر ملک آدمیوں کے لیے تکالیف ان کے ثواب میں اضافہ اور جنہوں نے جہالت کے لیے آتی ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کسی بیمار آدمی کو کڑوی دوائی ملا کر کھجوا دیا جاتا ہے کہ اس سے تھیں تعیف دینا مقصود نہیں بلکہ اس کا نتیجہ صحت ہی میں اچھا ہوگا۔ یا اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ اسل یا کھارہ ہو جائے اور اس کے اثرات جسم کے درست حصول میں بھی پھیلے کا خطرہ ہو تو ڈاکٹر اس مفلوجہ حصہ کو کھٹ پھینکے ہیں ہی مصلحت دیکھتے ہیں کیونکہ اس کا کٹ جانا ہی آدمی کے حق میں بہتر ہوتا ہے

شاہ صاحب کی محنت میں یہ بات مستلزم ہے کہ انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ بعض اوقات بدلے کو کچھ حصہ دینا میں بھی مل جاتا ہے سزا اس سے زیادہ حصہ آخر میں ہی ملے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت کو تقاضا ہے کہ اسے عمل کی جزا یا سزا ملنی چاہیے اور اس کی آپ نے جو وجوہات لے آئی ہیں مکشیں ص ۴۴ (فیاض)

ان کی میں پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت حکمت اور ہیبت کی کشش کا حامل ہے جو ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہیبت مغلوب ہو کر حکمت غالب آجائے۔ اب اگر اس کے برخلاف جوہر تو وہ فطرت کے خلاف ہو گا۔ اور اس کیلئے انسان کو منظر ملنی چاہئے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملاذِ اعلیٰ کے فرشتوں کی دعائیں اور بددعائیں بھی الہی جزا و سزا کا سبب بنتی ہیں اور یہ دوسری وجہ ہے۔ جب کوئی شخص بد عمل انجام دیتا ہے تو ملاذِ اعلیٰ کے فرشتوں سے شعائیں نکلتی ہیں جو اس شخص پر بھی رتی ہیں اور اوپر بھی جاتی ہیں اور پھر ان کا انسان کے حق میں اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی بُرے فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو فرشتوں سے شعائیں بھی ہیں۔ یہ شعائیں بھی متعلقہ شخص پر پڑتی ہیں اور اوپر کی طرف بھی جاتی ہیں۔ اس طرح گویا فرشتوں کی دعائیں اور بددعائیں بھی جزا یا سزا کا سبب بنتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جزا و سزا کی قیسی دہ یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ شرائع کا تقاضا ہے کہ انسان ان کی پابندی کریں۔ اب اگر وہ ان قوانین کی پابندی کرتے ہیں تو جزا و سزا کے حق دار بننا چاہئیں۔ اور جو واقعی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء کو مبعوث فرما کر حلال حرام اور جائز ناجائز کو واضح کر دیا ہے۔ اب جو شخص اچھا کام کرے وہ اچھے بدلے کا حقدار ہے اور جو حرام اور ناجائز کو اختیار کرے یا معصیت کا ارتکاب کرے وہ اُسے سزا ملنی چاہئے۔ یہ چار چیزیں جزائے عمل کا سبب ہیں۔

درسِ عبرت

ارشادِ ہوتا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ ہیں سِيرُوا فِي الْاَرْضِ
زمین میں چل پھر کر دیکھو، فَرَأَيْتُمْ دِيَارَ يَاسَجَ كَرُوا اور پھر فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ لیکن
يَا دُرُكُو كَانْ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ اُن کی الترتیت مشرک تھی۔ ظہرت
کہ تمام بانیوں میں شرک اور کفر سرِ فرست میں۔ اللہ کا فرہن ہے اِنَّ الشِّرْكَ
لظُلْمٌ عَظِيْمٌ القمان ۱۳۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

(البقرہ - ۲۵۴) جس طرح پہلے زمانے کے لوگ کافر اور مشرک تھے۔ اسی طرح آج بھی اکثریت اپنی کی ہے۔ آج دنیا کی کل آبادی کا صرف پانچواں حصہ اہل ایمان ہیں۔ جب کہ باقی چار حصے کفر و شرک ہی میں مبتلا ہیں۔ خواہ وہ یہودی ہیں یا عیسائی، اصنامی بت پرست ہیں یا رسوی بت پرست، رومی ہیں یا چینی یا دہریے سب کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ پہلے لوگوں کی اکثریت مشرکوں کی تھی اور ایسے لوگوں کا انجام آپ دنیا میں مل چکر دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کس کس قسم کے عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کیا۔ آج ان کی اُجڑی ہوئی بقیوں کے کھنڈرات دیکھنے والوں کے لیے درس عبرت بنے ہوئے ہیں۔

دین پرستی

آگے ہر انسان کے لیے حکم ہو رہا ہے **فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ** اپنے رخ کو دینِ قیَم کے لیے قائم کریں یعنی اپنی توجہ خالص دینِ اسلام کی طرف مرکوز کر دیں کیونکہ کفر اور شرک کا انجام آپ دیکھ چکے ہیں۔ اسی دین و **ذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ** (البینۃ - ۵) پسندیدہ دین ہے جس کے اصول و ضوابط اہل میں اور جو ہر زمان و مکان اور ہر قوم و ملت کے لیے موزوں ہے۔ یہ قوانین اللہ تعالیٰ نے جو عظیم و جبر ہے اپنے بندوں کی مصلحت کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ لہذا ان کی پابندی ہی فلاح ہے۔

آپ اپنا رخ اسی دین کی طرف قائم رکھیں **مَنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُ يَوْمُهُ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنْ اللَّهِ** پیشتر اس کے کہ وہ دن آجائے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جسے کوئی رد نہیں سکے گا۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے جو اپنے مقرر وقت پر آجائے گا۔ اور جسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ اس دن محابے کی منزل آنے گی اور پھر ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ مل کرے گا۔ فرمایا وہ ایسا دن ہوگا **يَوْمَ يَذَّكَّرُ عَنْهُمْ** جس دن ہر لوگ جدا جدا ہو جائیں گے ہر طرح کے مجرم اپنے اپنے جے کے مطابق علیحدہ علیحدہ گروہ یا قطار میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اسی طرح اطاعت اور نیکوئی والے اپنے اپنے درجے کی نیکی کے مطابق الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں

گئے۔ اس وقت دنیا میں تو نیک و بد سب مخلوط ہیں مگر قیامت والے دن ان کی الگ الگ ٹریاں بن جائیں گی۔ پھر اس کے بعد مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس شخص نے اس دنیا میں کفر کا ارتکاب کیا ہوگا، اُس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اُس دن وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ اور اعمال بد کا نتیجہ جھلٹتا ہوگا۔

وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا جس نے دنیا میں نیک اعمال انجام دیے ہونگے فَلَا نَفْسٍ لَهُمْ يَمُودُونَ پس یہ لوگ اپنے نفسوں کے لیے تمہید اٹھا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان اور نیکی والے لوگ اس دنیا میں اپنے لیے ابدی آرام و راحت کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ رَبِّ اجْنِبْنِي الْذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو بدلہ دے اپنی خاص مہربانی سے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو محض اپنے اعمال پر ہی بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ رہنا چاہیے بلکہ اصل چیز اللہ کی مہربانی ہے۔ اس کا فضل شامل حال ہوگا تو کامیابی حاصل ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ فَسَرَّيَا يَادُ كُفْرَانَهُ لَا يَجِبُ الْكُفْرُ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس دنیا میں کامیاب امریکہ، روس، جرمنی اور فرانس جیسی بڑی بڑی سلطنتیں اللہ کے ہاں بھی محبوب ہیں۔ ایسے کافر و مشرک تو اللہ کے ہاں بغرض ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ اُن کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آ پہنچے گا تو ان کو گرفت میں لے لے گا۔ سورة الزمر میں ہے وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَاهُ لَكُمْ (آیت ۷۷) اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر تم ایمان لے ساتھ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اسی لیے کفر اور شرک کی تردید ہو رہی ہے اور دینِ قیم یعنی دینِ توحید کو اختیار کرنے کی تلقین ہے۔

اتل ما اوصى ٢١
درس دهم ١٠

لرزم ٣٠
آیت ٢٩ ٢٠

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ
وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ
بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٧﴾ اللَّهُ الَّذِي
يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ
بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿٣٨﴾
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
مِّنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿٣٩﴾

ترجمہ :- اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ چلاتا ہے ہواؤں کو جو تختوں پر سے اُڑتی ہوتی ہیں ۔ اور تاکہ چکوائے تمہیں اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں بہار اُس کے حکم سے اور تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل سے ۔ اور تاکہ تم شہر ادا کرو (۴۶) اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا آپ سے اپنے رسولوں کو اُن کی قوموں کی طرف ۔ پس آئے وہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر ۔ پھر انتقام لیا ہم نے اُن لوگوں سے جو کذب گار تھے اور ہم پر حق ہے مدد کرنا ایمان والوں کی (۴۷) اللہ کی ذات وہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو ۔ پھر وہ اُٹھاتی ہیں بادلوں کو ۔ پھر پھیلاتا ہے اُس کو فتنہ میں جس طرح چاہے ، اور بناتا اُس کو تہہ برتر ۔ پس دیکھئے گا تو بارش کو کہ نکلتی ہے اُس کے درمیان سے ۔ پس جب پہنچاتا ہے وہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں (۴۸) اور اگرچہ وہ تھے ، قبل اُس سے کہ اُن پر بارش اُتری جاتی ، البتہ ناامید ہونے والے (۴۹)

وہ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دینِ فیم کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ بھروسہ میں لوگوں کے کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے فساد برپا ہو چکا ہے اللہ نے بعض انسانی اعمال پر کابلہ دنیا میں دیا ہے اور تنبیہ کی ہے تاکہ لوگ باز جائیں پھر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی فضیلت کا ذکر فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کفر کو بھی پسند نہیں کرتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور کفر و شرک کی تردید فرمائی ہے ۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بعض نشانیوں کو تذکرہ فرمایا ہے
ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ يُّسَلِّدَ الرِّياحَ مُبَشِّرَاتٍ بِاللّٰهِ تَعَالٰی
کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ خوشخبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ ان
ہواؤں سے سرد وہ خوشگوار ہوائیں ہیں جو بارش کی آمد سے پہلے چلتی ہیں اور جن سے
بارانِ رحمت کے نزول کی امید پیدا ہوتی ہے۔ بارش کے ظاہری اسباب کے متعلق
سائنسدان کہتے ہیں کہ سمندر کی فضا گرم ہوتی ہے تو اس سے بخارات اٹھتے ہیں
جن میں پانی ہوتا ہے۔ پھر جہاں اللہ کی مشیت ہوتی ہے۔ ان بادلوں کو ہلک کر
اُدھر لے جاتا ہے۔ اور بارش کا نزول ہوتا ہے۔ بہر حال ظاہری اسباب کے علاوہ اہل
بات یہ ہے کہ جب اور جس جگہ کے لیے حکم خداوندی ہوتا ہے، اُس مقام پر اتنی
ہی بارش برجاتی ہے۔ جتنی مشیتِ ایزدی میں مقرر ہوتی ہے تو یہ بارش والی ہواؤں
کا چلنا اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کے دلائل میں سے ہے۔

قرآن پاک میں ہواؤں کے لیے چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامت ہیں۔ وہ نام یہ ہیں۔
(۱) مُبَشِّرَاتٍ یعنی خوشخبری سنانے والی (۲) نَشِیْرَاتٍ (اٹھانے والی)
(۳) مُرْسَلَاتٍ (پھوٹی ہوئی)، (۴) ذُرِّیَّاتٍ زُکُودٍ غبار اڑانے والی۔ اسی طرح
ہواؤں کے چار نام ایسے ہیں جن سے بہتہ چلتا ہے کہ یہ رحمت کی علامت ہیں اور سزا
کے طور پر چلائی جاتی ہیں۔

(۱) عَقِیْبِہ یعنی بانجھ یہ ہوا قومِ مادر پر چلی تھی۔

(۲) صُرُّ صُحُور یعنی تند و تیز ہوا جو جنگلوں اور صحراؤں میں چلتی ہے۔

(۳) عَارِصِف یعنی تیز آنندھی جو درختوں کو اکھاڑ دیتی ہے اور مکان گرا دیتی ہے۔

(۴) قَاصِفَاتٍ یعنی توڑنے والی۔ جب سمندروں میں چلتی ہیں تو جہازوں کے
تختے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔

فرمایا کہ خوشخبری لینے والی ہواؤں کا ایک مقصد اللہ کے نزدیک یہ بھی ہے

وَلِيُذِيقَكُمْ مِّن رَّحْمَتِهِۦ لَمَّا كَرِهَ لَكُمْ صَوْلَاتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَتِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُهْتَدُونَ

جب یہ ہوائیں چلتی ہیں اور بارانِ رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی ہوتی ہے۔ سمندروں میں بارانی کشتیوں کے چلنے کا انحصار موافق ہواؤں پر ہی ہوتا ہے۔ جب یہ چلتی ہیں تو مسافر اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں اور یہ بھی اُس کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے آجکل تو بڑے بڑے جہاز بحاب یا نیل سے چلتے ہیں۔ لاکھوں ٹن وزنی جہازوں کے لیے بھی موافق ہوائیں بڑی مضیعت ثابت ہوتی ہیں اور جہاز کی رفتار قدرے تیز ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر مہوائیں ناموافق ہوں تو بڑی دقت پیش آتی ہے اور جہازوں کی رفتار بالکل سست پڑ جاتی ہے یا انہیں روکنا پڑتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ ہواؤں کا چلنا بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔

تلاشِ خلق

فرمایا ہواؤں کا یہ فائدہ بھی ہے وَلِيَتَجَرَّيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ تاکہ کشتیاں اللہ کے حکم سے چلیں۔ جیسا کہ پچھلے عرض کیا کشتیوں اور جہازوں کے چلنے کا دار و مدار بہت حد تک ہواؤں پر ہے۔ اور پھر اس نقل و حمل کے ذریعے وَلِيَتَسَّغُوا مِنْ فَضْلِهِ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ اللہ کے فضل میں بہت سی چیزیں آتی ہیں جن میں سرفہرست رزقِ حلال ہے۔ لوگ کشتیوں کے ذریعے اور بڑے بڑے جہازوں کے ذریعے مال ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر کے تجارت کرتے ہیں اور اس طرح اپنے لیے روزی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں فضل ارتفاق کی طرف اشارہ ہے یعنی اچھے طریقے سے زندگی بسر کرنا۔ چنانچہ جب کوئی شخص محنت کر کے رزقِ حلال حاصل کرتا ہے تو اس کی زندگی خوشگوار طریقے سے بسر ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ارتفاق کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعۃ میں ہے وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ دَآئِمًا۔ جب انسان سے فارغ ہو جاوے تو زمین میں پھیل جاوے اور اللہ کا فضل یعنی رزقِ حلال تلاش کرے۔

اس کے علاوہ دوسری چیز اقتراب معنی اللہ قرب ہے جسے قرآن یہ عنوان
 کہنا ضروری ہے جیسے حضور علیہ السلام کے سوا کونسا کے متعلق فرمایا یَبْتَغُونَكَ
 فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (الفتح - ۵) کہ وہ اللہ کا فضل یعنی رزق
 حلال اور اسی رضا و تائید کرتے ہیں۔ جب تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق
 انجام دیے جائیں گے تو اس کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ درہم سے اللہ کا
 قرب حاصل ہوگا۔

اللہ شکر

فرمایا ہواؤں کے چلنے سے ایک مقصود یہ بھی ہے وَلَعَلَّكُمْ
 تَشْكُرُونَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دیکھو اس نے ہوائیں پیدا کر تمہاری
 زیست کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں۔ سامان کی سب سے زیادہ نقل و حمل آج
 بھی بھری رستوں سے ہوتی ہے اور ایک ملک کی چیزیں دوسرے ملک
 میں پہنچ کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتی ہیں جس سے زندگی خوشحال ہوسکتی ہے۔
 اس لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا شکر ادا کرے۔ اور شکر یہ
 کہ اولین اظہار اس طرح ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے بھل نہ
 کرے۔ فضول خرچی اور حرام کے راستے میں اپنے رزق کو ضائع نہ کرے۔ مالک حقیقی
 کو پہچان کر اس کی توحید پر ایمان لائے اور مال و دولت کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے
 کے مطابق خرچ کرے۔ اگر مال کو غلط راستے پر خرچ کر لیا، حرام کاموں میں لگانے کا،
 عیاشی اور فحاشی کا سامان کر لیا۔ یا رسوماتِ بد اور بدعات میں ضائع کر لیا تو یہ اللہ تعالیٰ
 کی ناشکری ہوگی۔ اللہ نے ہواؤں کو پیدا کر قحط سے لیے زیست کا سامان پیدا کیا۔ تو اب
 اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو۔

مہاجرین سے
 انتقام

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ
 ابنتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول ان کی اپنی قوم کی طرف فجاءہم
 بِالْبَيِّنَاتِ پھر وہ آئے اپنی قوم کی طرف واضح ثبوتوں سے کہ۔ بینات میں معجزات
 و دلائل، احکام، مسائل اور شرائع سب شامل ہیں اللہ کے نبی لوگوں کی رہنمائی کے لیے

یہی چیزیں پیش کرتے ہیں۔ تم لوگوں کی الشریعت نے ان کا انکار کیا۔ اور یہ کہ آیت میں گنہگار ہے كَانَ أَكْثَرُكُمْ مُشْرِكِينَ ان کی الشریعت شرک میں ہی مبتلا رہی اور ایمان نہ لائی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہزاروں نے میں ایمان لائی، مشرک اور کفر الشریعت میں سے ہیں۔ بس کہ اعلیٰ غلت گزار لوگوں کی تعداد کم ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو سبوت فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوموں کو الٹ کر پھینکا۔ مہینچا، معجز جب وہ ایمان نہ لائے بلکہ الٹا الٹ کر کے رسولوں کی تکذیب کی، انہیں بادلوں کا من اور جھوٹا کہا تو الٹ کر فرمایا فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُهُمْ پھر ہم نے ان بھڑوں سے انتقام لیا۔ انہوں نے انکار کیا تو سزا کے مستحق تھے۔ شریعت الٰہی نے مذکورہ انتقام بھی تو دنیا میں ہی لیا جیسے قوم عاد، قوم مود، قوم لوط، قوم لوط اور قوم ابلیس کو دنیا میں ہی تباہ و برباد کر دیا۔ اور مکمل طور پر آخرت میں ہی انتقام لیا جائے گا۔ جب انہیں ان کی کارگزاری کی پوری پوری سزا ملے گی۔

نصرت الٰہی

فرمایا بھڑوں سے تو ہم نے انتقام لیا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ اور یوں ان کی مدد کرنا ہم پر حق ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ نے ہر اوقات ایمان کی مدد فرمائی اور ان کو کافروں اور مشرکوں پر غلبہ عطا فرمایا، ان کو سزا سے بچایا اور ان کے دین اور صداقت کو دنیا میں واضح کیا۔ مؤمنوں کی مدد کی یہ بھی ایک صورت ہے۔

فقہائے کرام نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کس طرح حق ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ بندوں کا اللہ پر کوئی حق نہیں، بلکہ صرف اللہ کا حق بندوں پر ہے۔ اس لیے یہ اصحاب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو اپنی دنیا میں "حق فلاں" نہیں کہنا چاہیے لَا تَفْهَمُ لِحَقِّ الْمَخْلُوقِ عَلَى الْخَالِقِ کیونکہ مخلوق کا کوئی حق خالق پر ثابت نہیں رہتا۔ البتہ خالق کا حق بندوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان لائیں، اس کی توحید کو تسلیم کریں، اس کے انبیاء پر ایمان لائیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ گمراہ فرقوں میں معتزلہ ایک ایسا فرقہ ہے جو ہر چیز کو مخلوق

کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو چیز عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اترے
اُس کی الٹی سیدھی تاویل کر لیتے ہیں۔ اسی لیے ان لوگوں نے عذابِ قبر کا انکار کیا ہے
اور معجزات میں کئی قسم کی تاویلیں کی ہیں۔ بہر حال معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو چیز بندوں
کے حق میں اچھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سو فیصد ہی
باطل ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ دعائیں حق کا لفظ استعمال نہ کیا جائے
کہ اس سے معتزلہ جیسے گمراہ فرقے کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں حق کا لفظ در مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمے رکھے ہیں۔ ایک تو
یہی ہے نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اللہ نے ایمان والوں کی مدد اپنے ذمے
لے رکھی ہے۔ اور دوسری جگہ سورۃ یونس میں ہے۔ جہاں فرمایا حَقًّا عَلَيْنَا
نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ (آیت ۱۰۳) یعنی ایمان والوں کو نجات دینا ہمارے
ذمے حق ہے۔ اس سلسلہ میں محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ حق دو قسم کے ہیں
ایک وجوبی یعنی لازمی حق ہے جو کہ مخلوق میں سے کسی کا بھی اللہ پر نہیں ہے۔ البتہ دوسرا
حق اللہ کے فضل و کرم کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم
سے بعض چیزیں اپنے ذمے لازم قرار دے رکھی ہیں کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔
چنانچہ مذکورہ دلوں حق یعنی مومنوں کی مدد اور ان کی نجات کے حقوق اللہ نے خود
اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمے رکھے ہیں، ورنہ فی الواقعہ مخلوق میں سے کسی
کا حق اللہ پر لازم نہیں آتا۔ اس بات کا ثبوت حدیث شریف میں بھی متا ہے صحیحین
کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور علیہ السلام کے پیچھے خیمہ پر سوار تھے۔
اس دوران میں آپ نے فرمایا اے معاذؓ! اَتَذَرِي مَا حَقَّ اللّٰهُ عَلَى
الْعِبَادِ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ
اور اس کا رسول ہی بتراہتے ہیں فرمایا حَقَّ اللّٰهُ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ
يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ

وہ اُس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا: معاذ اللہ! کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا الشریک کیا حق ہے؟ انہوں نے پھر عرض کیا، کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ لَا يُعَذِّبُ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا یعنی بندوں کا الشریک یہ ہے کہ اگر وہ شرک کا ارتکاب نہ کریں تو اللہ انہیں عذاب سے بچا دے۔ بایں ہمہ اللہ نے یہ حق اپنے فضل و کرم سے اپنے فیے لے رکھا ہے وگرنہ خالق پر مخلوق کی کوئی چیز ضروری نہیں۔ آیت زبور میں نصرتِ مومنین کا جو حق اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ بھی اُس کے فضل و کرم سے ہے اور اس طرح یہ بھی مومنوں کا لازمی حق نہیں بنتا۔

الغرض! معتزلہ کے عقیدے کے مطابق دُعا میں حق کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر اس حق سے فضل و کرم والا حق مراد ہو تو پھر حق فلاں کہنا جائز ہے جیسا کہ شیخ سعدی کے کلام میں بھی موجود ہے۔

الہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اے اللہ! حضور علیہ السلام کے اہل بیت کے طفیل یعنی اُن کے حق کی وجہ سے میرا خاتمہ ایمان پر کر دے۔ دوسرا لفظ طفیل بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی وسیلہ ہے۔ اسی طرح سجاد کا لفظ بھی انہی معنوں میں آتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؑ نے اپنے کتبوبات میں بکرمیت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اُن کے وسیلہ سے ہمارا خاتمہ بالا ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری پریشانیوں کو دور فرمائے اور ہماری مرادوں کو پورا کرے، ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر وسیلہ سے بھی وہی وسیلہ مراد لینا چاہیے جو مشروع ہے۔ مشرک لوگ وسیلہ سے مراد لیتے ہیں کہ جن کے وسیلے سے دُعا کی جا رہی ہے۔ وہ ضرور ہی ہماری مراد پوری کر دیں گے۔ چاہے خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض۔ اس قسم کا وسیلہ باطل ہے۔ البتہ اگر یوں کہا جائے کہ مولا کریم! تیرا فلاں

بندہ نیک آدمی اور عبادت گزار تھا۔ ہمیں اُس سے محبت ہے۔ اُس نے ہمیں صحیح راستہ بتلایا۔ لہذا اُس کی برکت، اس کے طفیل یا اُس کے وسیلے سے ہماری دُعا قبول فرما تو ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں، علمائے دیرینہ اس وسیلہ کے قائل ہیں، ہاں اس طریقے سے دُعا مانگنا ضروری ہی نہیں کہ اس کے بغیر قبول ہی نہیں ہوگی۔

بارش ذریعہ
سست

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے فَتَنفِثُ سَحَابًا پھر وہ ہوائیں، بادلوں کو اٹھاتی ہیں فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ پھر پھیلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو فضا میں جس طرح چاہتا ہے وَيَجْعَلُ السَّحَابَ اور بنا دیتا ہے اُس کو تھرتھرتے فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے نکلتی ہے یعنی خدا کے حمد سے بارش پڑنے لگتی ہے فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ پھر جب چاہتا ہے، بارش پڑنے

بندوں میں سے جس کو چاہے۔ یعنی جس علاقے میں بارش برسا، مقصود ہوا، وہاں بارش ہونے لگتی ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ تو اچانک وہاں کے لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی باران رحمت ہو رہی ہے، زمین سرسبز ہوگی۔ پھل پھول اور اناج پیدا ہوگا جس سے انسان اور جانور متغذی ہوں گے۔ لہذا وہ خوش ہو جاتے ہیں وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْرِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مَنَّ قَبْلَهُ كَمَا نَزَّلْنَا مِنْ قَبْرِ أَنْ يُنْزَلَ ہو چکے ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی ہوگی اور انسان اور جانور غوراک سے محروم ہو جائیں گے، لیکن خدا تعالیٰ کی مہربانی سے بارش ہو جاتی ہے تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ اب ان کی امید بڑھانے والی ہے۔

فَانْظُرْ إِلَىٰ أَثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيٍ

الْمَوْتِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾
وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِجَالًا مُّصَفَّرًا لَّا ظُلُمًا

مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿٥١﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ

الْمَوْتِ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا

وَلَّوْا مُدِيرِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعَمَىٰ

عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾

۵۰ تا ۵۳

ترجمہ :- پس دیکھو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف
کہ کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے
کے بعد ، بیشک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے ،
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم
بھیج دیں تو ، پس یہ دیکھیں اُس (کھیت) کو زرد تو
اہستہ ہو جائیں گے اس کے بعد ہاشم گزار ﴿۵۱﴾ پس بیشک
آپ نہیں سنا کہ مردوں کو اور نہیں سنا کہ مردوں کو

کو پکار جب کہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں (۵۲) اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو اُن کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے مگر اُن کو جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیاتوں پر۔ پس وہ فرمانبرداروں کو کرنے والے ہیں (۵۳)

ربط آیت

مردہ سے
زندہ

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا اور ساتھ ساتھ اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں بیان فرمائیں جو اثبات توحید اور وقوع قیامت کی دلیل بنتی ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو چلائے، فضا میں بادل اٹھتے ہیں اور پھر اُن سے بارش برسا کر اپنی مخلوق کو خوش کرتا ہے اگرچہ لوگ قبل از بارش مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ پھل، پھول اور انج پیدا ہوتے ہیں جو ان لوگوں اور جانوروں کے لیے خوراک بنتے ہیں اور اسی لیے یہ اُن کے لیے راحت کا سامان ہوتا ہے اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَانْظُرْ إِلَىٰ اثْرِ رَحْمَتِ اللَّهِ پس دیکھو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف کیف يَخْرُجُ الْإِبْرَٰضَ بَعْدَ مَوْتِهَِا کہ وہ کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے خشک ہو جانے کے بعد۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَمَعْمٰی الْمَوْفِقِ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنا ہے یہی مشاہدہ اس بات کی علامت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرتا ہے، وہی مرنے کے بعد ان لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کوئی شے اُس کے اختیار سے باہر نہیں ہے۔

اسی سے قیاس کیا جاسکتا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردہ دلوں کو انبیاء مبعوث فرما کر اور اپنی کتابیں نازل فرما کر اُن کے لیے ہدایت کا سامان پیدا کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَلْخَبِّئْنَاهُ والا انعام ۱۲۳ جو شخص مردہ تھا یعنی جس کا دل ہدایت سے محروم تھا، کفر، شرک

میں مبتلا تھا، ہمہ تن اُس کو ایمان کی دولت دے کر زندہ کر دیا۔ کافروں اور مشرکوں کے دل مردہ ہوتے ہیں۔ جب کہ ایمان اور توحید سے دلوں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا آدمی زندہ ہے اور جو اس سے غافل ہے وہ مردہ ہے یعنی اس کا دل مردہ ہے۔

شکر گزار
اور ایمان

انسان کی شکر گزاری کے متعلق فرمایا: وَلَٰكِنْ أَرْسَلْنَا رِجَالًا فَرَأَوْهُ مُصْفًّىٰ
اور اگر ہم ایسی بڑا چلا دیں جس سے کمیت زر و پُر جائیں یعنی سوکھ جائیں لَظَلُّوا مِنْ
بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ تو اس کے بعد انسان ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ پتہ بیان
ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خوشخبری لانے والی موازن کر چلا تا ہے، فتنہ میں بدل
بلند ہوتے ہیں اور پھر جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے، بارانِ رحمت نازل ہوتا ہے
تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اللہ تعالیٰ خشک ہوائیں چلا دے
جس سے لوگوں کے کمیت خشک اور فصل ویران ہو جائیں تو انسان ناشکری کرنے
لگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان کے پیش نظر اس کا اپنا مفاد ہوتا ہے اگر وہ حامل
ہو گیا تو راضی ہو گیا۔ ورنہ ناراض۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے پیش نظر ہمیشہ اللہ تعالیٰ
کی خوشنودی ہونی چاہیے کہ وہ کن کاموں پر خوش ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کیسے
سے کوئی آزمائش آجائے جو انسان کے لیے غیر مفید ہو تو بھی اُسے اللہ کا شکر ہی
ادا کرنا چاہیے اور کسی وقت بھی ناشکری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

کفار کی
ساتھ
سے خبر دینی

اگے ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَسْمِعُ الْمَوْتُ بَشَكَّآپ نہیں سن
سکتے مردوں کو وَلَا تَسْمِعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُّوْا مُدْبِرِينَ
ورنہ آپ بہروں کو پکارنا سن سکتے ہیں جب کہ وہ پشت پھیر کر جاتے ہوں۔ وَمَا
أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَى عَنْ صَلَاتِهِمْ اور آپ اندھوں کو بھی
ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لاسکتے۔ اِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ
يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ آپ تو صرف انہی کو سن
سکتے ہیں، جو ہماری آیتوں پہ ایمان رکھتے ہیں اور فرمانبردارانِ کامل ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لوگوں! تم نے اپنے آپ کو اللہ کے رسول کے
 اندھیروں سے نکال کر نورِ اسلام کی طرف لانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہو۔ اس
 کے باوجود جب لوگ آپ کی بات کو سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تو آپ سخت
 رنجیدہ ہوتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ مردوں اور مرد
 کو سنانا یا اندھوں کو راہِ ہدایت کی طرف لانا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ کی
 بات تو وہ شخص سنے گا جو باری آیتوں پر ایمان لائے اور جملے احکام کی اطاعت
 کرتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں، بہروں اور اندھوں سے
 تشبیہ دی ہے جس طرح یہ لوگ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ وہ اہلِ قدرت
 کا مشابہہ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی آیات سورۃ نمل اور سورۃ نمل میں بھی کثرت سے آئی ہیں اور
 آگے سورۃ فاطر اور زمر میں بھی آ رہی ہیں۔ ان میں مذکور مردوں سے مراد حقیقی
 مردے نہیں بلکہ کافر اور مشرک ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان پر آیاتِ الہی
 کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ گویا اس سننے سے وہ سننا نہ رہے۔ جو کافر اور مشرکوں کے
 لیے مفید ہو، وگرنہ ان کے محض سننے سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ کفار و مشرکین
 سننے سمجھنے اور دیکھنے سمجھنے سے محروم ہیں۔ مگر احکامِ الہی کو سن کر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس
 لیے فرمایا کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے یعنی راہِ ہدایت پر نہیں لاسکتے جیسا کہ فرمایا
 اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي
 مَنْ يَّشَاءُ وَالْقَصَصُ: ۵۶ جسے آپ پسند کریں اسے ہدایت نہیں دے
 سکتے بلکہ ہدایت اُس کو ملتی ہے جس کو اللہ چاہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، قاضی شاد اللہ پانی پتی اور امام بیضاوی نے بھی
 اس آیت سے یہی اخذ کیا ہے کہ جس طرح حقیقی مردے کسی کی بات سن کر مستغنیہ نہیں
 ہو سکتے اسی طرح کافروں اور مشرکوں پر بھی اللہ کے نبی کی بات نہ سننے کے برابر
 ہے۔ اگر حقیقی مردوں کو سارا قرآن بھی سنایا جائے تو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائیں گے
 کیونکہ وہ دارِ العمل سے دارِ الجہاں پہنچ چکے ہیں۔ اسی طرح کافروں اور مشرکوں کے تعلق
 سے بیان القرآن ص ۱۱۱ ۲۵۴ مظلومی ص ۱۱۱ ۲۵۴ بیضاوی ص ۱۱۱ ۲۵۴ (بیاض)

بھی فرمایا کہ آپ ان کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔

سماع موتی
پر اختلاف

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ تحقیقی طور سے جو قبروں میں دفن ہو چکے ہیں کیا وہ بھی زندوں کی بات سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بھی دو حصے ہیں یعنی عام مرد اور انبیاء علیہم السلام۔ جہاں تک عام مردوں کا تعلق ہے، یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے اختلافی چلا آیا ہے۔ بعض سماع موتی کے قائل ہیں اور بعض نے انکار کیا۔ بہت آجہدہ نصوص دونوں باب میں موجود ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سماع موتی کا انکار کرتی ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اس کے قائل ہیں۔ محدثین میں سے امام بخاریؒ نے سماع موتی کا باب "باب المیت یسمع قرع نعال" یعنی جب لوگ مرنے کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو سہرا ان کے جوتوں کی چاپ سنتے ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ سے روایت بھی منقول ہے کہ جب کوئی شخص قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو اگر صاحب قبر اس شخص کو دنیا میں پہچانتا تھا۔ تو دعا اور سلام کے وقت بھی پہچانتا ہے۔ نیز وہ دعا کو کی دعا اور سلام کو سلام سے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ مگر فرمایا قرآن کی آواز کو نہیں سن سکتے۔ چنانچہ اسی اختلاف کے پیش نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ جو اختلاف صحابہ کرامؓ کے زمانے سے چلا آیا ہے۔ اس کے بارے میں اب کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ایسے مسائل کو اپنی نگاہ پر ہٹے دو۔ کوئی شخص جس پر کوئی اختیار کرے گا۔ وہ درست ہوگا۔ لہذا کسی شخص کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی عظیم قرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ کسی مرد کو زندہ کر دے یا نہ کرے۔ یہ قدرت خفا میں نہیں کہ کسی مرد کو بات سنوا سکے۔ اللہ جانتا ہے کہ سب کچھ ہو سکتا ہے اسی طرح آپ نہ بیروں کو سنا سکتے ہیں اور نہ اندھوں کو دکھ سکتے ہیں خصوصاً جب کہ وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ رکھتے ہوں۔ لہذا آپ ان کافروں اور مشرکوں کے متعلق دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ تبلیغ حق کا کام جاری رکھیں۔ آپ

قسم کا مدار
عرف پر

کی بات وہی سننے کا جو جاری آیتوں پر یقین رکھتا ہے اور اطاعت گزار ہے۔
 سماعِ موتی سے فصلے کر ام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی
 دوسرے کے متعلق قسم اٹھائے کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا اور وہ مر جاتا
 ہے۔ پھر اگر اس نے مرنے کے بعد اسے کسی معاملہ میں مخاطب کیا تو اس کی قسم بھی
 نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم کا مدار عرفِ عام پر ہوتا ہے۔ کسی شخص کی دوسرا آدمی سے
 بات نہ کرنے کی قسم عرفِ عام میں اس کی زندگی تک ہی محدود سمجھی جاتی ہے اور
 اگر اس نے مرنے کے بعد بات کی ہے تو وہ حادثہ نہیں ہوگا۔ بعض فقہانے قسم
 نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ لی ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ وہ شخص سننے سے عاری ہو چکا ہے۔
 لہذا اسے بات کرنے پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی قسم ٹوٹے گی۔ بہر حال صحیح بات یہی
 ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے نہ کہ سماع یا عدم سماع پر۔ عرف کی دوسری مثال اس
 طرح ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فرش پر نہیں لیٹوں گا۔ مگر وہ زمین پر لیٹ جاتا
 ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ عرفِ عام میں فرش سے مراد خالی زمین نہیں بلکہ
 بستر ہوتا ہے جس میں دری، چادر، گدا وغیرہ شامل ہو۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص گوشت
 نہ کھانے کی قسم اٹھا کر مچھلی کا گوشت کھائے تو بھی حانت نہیں ہوگا۔ کیونکہ عرف میں
 گوشت کا اطلاق گلے بغیر، جگر، دغیرہ کے گوشت پر ہوتا ہے حالانکہ خود اللہ تعالیٰ
 نے مچھلی کو لحماً طہیٰ ثیاً (ماطرہ ۱۲) یعنی تازہ گوشت فرمایا ہے۔ اس کی مثال
 بھی دی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ سری کا گوشت نہیں کھائے گا
 اور پھر حیریا کے سر کا گوشت کھائے تو بھی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ سری کا اطلاق عربہ
 میں جانوروں کے سر پر ہوتا ہے نہ کہ پرندوں کے سر پر۔ الغرض قسم کا مدار عرف پر مبنی ہوتا
 ہے اور اسے عدم سماع موتی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

انبیاء کا سماع

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ عام مردوں کے سماع کے متعلق تو صحابہ کرامؓ
 کے زمانے سے اختلاف چلا آرہا ہے لہذا ہمیں اس مسئلہ میں زیادہ کمر یہ کرنے کی ضرورت
 نہیں ہے۔ البتہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے سماع کا مسئلہ متفق علیہ ہے۔

امت کے تمام فرقہ اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے ہیں صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَاسِیًا اُبَلِّغْتُهُ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے قریب صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے میں اُس کو خود سُنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے تو فرشتے اسے پہنچا دیتے ہیں۔ یہ حدیث اگرچہ غریب ہے مگر سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ تاہم اس زمانے میں عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی بھی نہیں سنتے۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ اگر انبیاء کے سماع کو تسلیم کر لیا جائے تو لوگ اُن سے استمداد کو جائز تصور کر کے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ قیاس درست نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص نبی کو مشکل کشا اور حاجت رزا سمجھ کر پکارتا ہے تو وہ شرک ہے خواہ نبی کی زندگی میں پکارا جائے یا وفات کے بعد۔ لہذا ان دو مسائل کو آپس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے جو شخص نبی کی قبر کے قریب جا کر سلام پیش کرے اُسے شفاعت کی درخواست بھی کرنی چاہیے کہ آپ اُس کے حق میں اس کے حضور سفارش کریں کہ میرا خاتمہ ایساں پڑے اور آپ کی امت میں میرا حشر ہو بہر حال انبیاء کے سماع میں عام طور پر کسی کا اختلاف نہیں حتیٰ کہ جماعت المجددین کے پیشوا سیدنا زحیر حسین دہلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام قریب سے صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

آج سے تقریباً چھیالیس سال پہلے اہل بدعت کے پیشوا مولوی احمد رضا خاں نے علمائے حق کے متعلق جب کفر کا فتویٰ دیا تھا تو مولانا خلیل احمد صاحب نے "المبہنہ" مرتب کیا تھا جس میں انہوں نے چھبیس مسائل بیان کیے تھے جو بیہ یولیوں کے فتویٰ کا جواب تھا۔ اس پر علمائے دیوبند کے علاوہ مصر، اور شام وغیرہ کے مستند علمائے دستخط بھی موجود ہیں۔ ان مسائل میں حیات النبی کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ علمائے دیوبند قائل ہیں کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جو صلوٰۃ و سلام قریب سے پڑھا جائے،

اُس کو سنتے ہیں۔

عمرہ مدبول
کام سنا

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دنیا کا کوئی ہم عمر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ البتہ جو کام انسان خود اسبابِ عادیہ کے دائرے میں رو کر کرتا ہے۔ وہ ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور جو عام حالات کے برخلاف غیر معمولی طریقے سے انجام پاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ارادہ کر لے کہ وہ دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے تو وہ قاتل کہلاتا ہے اور اگر ایک مسمیٰ کنکریاں پھینکنے سے دشمن کا سارا لشکر ہی ہلاک ہو جائے تو یہ امر کا فعل شمار ہوگا۔ کیونکہ یہ اسبابِ عادیہ کے تحت نہیں آتا۔ اس کی مناسبت خود اللہ تعالیٰ نے کر دی اور فرمایا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰیكَ (الانفال ۷۷) کنکریوں کی مسمیٰ آپ نے نہیں پھینچی تھی اے پیغمبر! بلکہ اللہ نے پھینچی۔ بالکل اسی طرح فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی شَيْئًا قَدْ خَلَتْ مِنْ حَتْمِهَا (الحجرات ۲۱) تو اسے نہ سنا دے گا کیونکہ یہ چیز اسبابِ ظاہرہ کے خلاف ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا علم سے تمہاری کوئی بات مردے کو سنائے تو اس سے کوئی یمن انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جن باتوں کا سماع غیر معمولی طریقے سے نصوح کے ذریعے ثابت ہے۔ ہم اُس سماع کے قائل ہیں۔ بعض قیاس کی بناء پر دوسری چیزوں کو سماع کے تحت نہیں لائے جتنے مثلاً نص سے ثابت ہے کہ مردہ دفن کے جانے والوں کے جوتروں کی چاپ سنتا ہے تو اس کو تو تسلیم کریں گے مگر اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔ بعض صحیح احادیث سے سلام کو سننے اور اس کا جواب دینے کا بھی ذکر آتا ہے مگر فرمایا تم ان کی آواز کو نہیں سن سکتے۔ قبرستان میں جا کر سنون طریقے پر کہا جاتا ہے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا هَلَالُ الْقُبُورِ۔ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارُ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَاِنَّا اِنْشَاءُ اللّٰهِ بِكُمْ لَلْاَحْيٰوْنَ اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اے مسلمان قوم کے گھر والو! تم پر سلام ہو۔ اور ہم بھی عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسا ہی

۱۔ ابن کثیر ص ۳۹۳ (فیاض)

سے جیسے زندوں سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کے منہ کھلا جائیں تو یہ تو فیضِ کمال والی بات ہوگی کہ پختہ دلوں کی طرف سننے کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو۔ انہیں اس طرف سے خطاب کیا جائے۔ خطاب کہ یہ طریقہ بتا رہا ہے کہ سماج کی کوئی صورت ضرور ہے اگرچہ وہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسا شعور ضرور رکھا ہے جس کے ذریعے وہ سنتے ہیں خواہ ایک خاص حد تک ہی ہو۔

عذابِ قبر

یونس لکوں نے سماج کا انہار کر کے عذابِ قبر کا بھی انہار کیا ہے حالانکہ یہ نصوص سے ثابت ہے۔ یہ بات بھی سمجھئے کہ عذابِ روت اور جسمِ دونوں کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ صرف روح کے ساتھ۔ اگر روح جسم سے ہر سے تب بھی اس کا عکس جسم پر پڑتا ہے جس سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سورج اگرچہ ہماری زمین سے کروڑوں میل دور ہے مگر اس کی روشنی اور حرارت کا اثر ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر ان کا سارا جسم کھل سڑ جائے تب بھی کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہتا ہے جسے ہوا یا سٹر کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ نہایت شریفین میں آتا ہے کہ عام مردوں کے احساں کھل سڑ جاتے ہیں مگر دُشمن کی ہوا کچھ نہ کچھ حصہ در باقی رہتا ہے اور اسی سے قیامت کو انسان کو ڈھانچہ دو بارہ کھٹے آپ جلے گا۔ ہر حال مہور فقہاء اور میٹین اس بات کے قائل ہیں کہ عالمِ برزخ میں عذابِ قبر روت اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حرفِ آخر

ہر حال ان آیات میں جس سماج کی نفی کی گئی ہے وہ ایسا سماج ہے جو ضعیف ہو، غلبہ یہ کہ آپ مردوں کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ فرمایا جس طرح بہرہ اور اندھا سماعت اور بے مارت سے مستغنیہ نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر جب کوئی توحید بھی نہ کرے اور پشت پھیر کر چلا جائے تو ایسے شخص کو سماعت کہہ کیا فائدہ ہوگا؟ اسی طرح کھنڈ و شہرین کی ممشال بہروں اور اندھوں جیسی ہے، یہ لوگ بھی ہدایت سے مستغنیہ نہیں ہو سکتے۔

اس سے تو دہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو ایمان رکھتے ہیں ۔ اور
 ہماری فرمائندہ رازق کرتے ہیں ۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ
 مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ
 بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ⑤۴ وَلَيَوْمَ تَقُومُ
 السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا
 غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذِبَتْ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ⑤۵
 وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَإِذِمْانَ لَقَدْ
 لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ
 فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ ⑤۶ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ
 ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ⑤۷

ترجمہ: اللہ کی ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا
 کمزوری کے پھر اس نے بنائی کمزوری کے بعد قوت، پھر بنائی قوت
 کے بعد پھر کمزوری اور بڑھاپا۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور
 وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے ⑤۴

وہ جس دن بہرہ ہو گی قیمت تو قسم کی نہیں گے مجرم
 کہ نہیں ٹھہرتے وہ سوائے ایک گھڑی سے، اسی طریقے
 سے وہ پھیرتے بہتے تھے (۵۵) اور کہیں گے وہ لوگ
 جن کو علم اور ایمان دیا گیا ہے اب تو تحقیق ٹھہرتے ہو تو تم اللہ
 کی کتاب میں بعثت کے دن تک، پس یہ بعثت کو دن
 ہے، لیکن تم نہیں جانتے تھے (۵۶) پس اس دن نہیں فائدہ
 دیکھا اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ان کو غدر پیش کرنا
 اور نہ اُن کو موقع دیا جائے گا کہ وہ رخصتی کر سکیں (۵۷)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نافر و شرک کی تردید کے ساتھ اپنے رشتہ
 دین حق کی طرف پھیرنے کا حکم دیا، اہل ایمان اور کفار کا انجام بیان فرمایا اور پھر
 قدرت کے عقلی اور نقلی وسائل پیش کیے۔ ہواؤں کا چرنا، سمندروں میں نشی رانی
 فضا میں بادلوں کا پھیلنا اور بارش برسا، اور اس کے ذریعے خشک زمین کو سرسبز بنانا
 سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، پھر اللہ نے انسانوں کے
 متعلق فرمایا کہ وہ ہدایت کی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بعد وہ توفیروں میں پستے
 ہوئے مردوں کی مانند ہیں جنہیں کتنا بھی دقت و نصیحت کیا جائے، وہ مستغنی نہیں ہو
 سکتے۔ اس کی مثال بہرہ اور اندھا آدمی ہے کہ وہ بھی سننے اور دیکھنے کی صلاحیت
 سے محروم ہونے کی وجہ سے اچھی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح کفار
 بھی ایمان اور نبی کی بات سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد خوف ہدایت، ان لوگوں
 کو نصیب ہوئی ہے جو اس کے طلبکار ہوتے ہیں۔

انسانی زندگی
 کے تین دور

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق اور اس پر نبیوں کے تین مختلف دور
 کو تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ**
 اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزوری سے یعنی تمہیں کمزوری کی حالت
 میں پیدا فرمایا، انسان کی ابتدائی تخلیق تو مٹی سے ہوئی اور اس کے بعد نوبت انسانی کے بقا

۱۰ سلسلہ حقیر و آست بنوا۔ اللہ تعالیٰ خدایک عظیم ہے اور وہ قیامت تک انسانوں کو پیدا کرتا ہے۔ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے **لَمْ يَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ الْمَرَاتِ ۲۰** کہ ہم نے تمہیں تیسرے درجہ کے پانی سے پیدا نہیں کیا۔ سورۃ النازعات میں فرمایا **فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ ۵ خَلَقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ ۶** انسان دیکھے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اُسے اچھے دلی پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پرشت اور سینے کی مٹیوں کے درمیان سے نکلتا ہے مطلب یہ کہ انسان کی پیشکش ایک نہایت ہی نادر چیز ہوتی ہے۔

اس کمزور انسان کے بعد فرمایا **ثُمَّ جَعَلْ مِنْ مَّ بَعْدَ ضَعِيفٍ قُوَّةً** پھر تمہیں قوت پیدا کر دی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک انسان نسبتاً کمزور حالت میں جاتا ہے۔ پھر جب شباب کو پہنچتا ہے تو اس میں قوت آجاتی ہے۔ یہی زمانہ انسان کے لیے قیمتی سڑیہ ہوتا ہے۔ جوانی میں انسان کی ساری قوتیں جسم کے کمرہ کر رہی ہیں۔ وہ بہتر سوچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے۔ محنت مشقت کمرے اپنے لیے آسودہ حالی کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔ گویا اس بہترین دور میں وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہتر طور پر کمرہ کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہاری بچپن کی کمزوری کو ہم نے طاقت میں بدل دیا۔

فرمایا **ثُمَّ جَعَلْ مِنْ مَّ بَعْدَ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً** پھر اللہ نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کو طاری کر دیا۔ جب جوانی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان پر بڑھاپا طاری کر دیتا ہے۔ اُس کے بال سفید اور اعضا کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں بہترین خوراک بھی انسان کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ تنزل کی طرف ہی مائل رہتا ہے۔ مگر پانچ ماہ کمزور ہو جاتا ہے جس میں جسم میں طاقت نہیں رہتی۔ آنکھوں کی بینائی اور کانوں کی سماعت جانے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ انسان کو ذہن بھی مائل ہو جاتا ہے۔ مگر کمزور ہو کر یادداشت باقی نہیں رہتی۔ سورۃ المؤمنین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو جس کا دیکھنے سے پہلے ہی موت

دے دیتا ہے یعنی بعض بچپن میں اور بعض جوانی کے عالم میں فوت ہو جاتے ہیں اور بعض بچپن کی حالت میں اپنی ملک عدم ہوتے ہیں۔

بعض بزرگوارین دین فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کی کھلی زندگی ساڑھے سال فطرت کی جائے تو اس کی حقیقی زندگی سینکڑوں سال ہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان نے آدمی زندگی یعنی سینکڑوں سال تو سو کر گزار دیے۔ ابتدائی دس سال بچپن کے کیس کو دے میں بھل گئے اور باقی اصل زندگی سینکڑوں سال ہی رہ جاتی ہے جو انسانی زندگی کا بہترین عرصہ ہو سکتا ہے۔ اگر اس عرصہ میں انسان نے کوئی نئی کامیابی تو اس نے اپنی دینی زندگی کے لیے راحت کا سامان پیدا کر لیا۔ اور اگر یہ مدت کیس کو دے، انحراف، شرک، بدعات اور رسوائی کے سلسلہ میں گزرتی رہی تو پھر اس کی یہ زندگی بھی ضائع ہو گئی اور اگلی زندگی تو ہمیشہ کے لیے خراب ہو گئی اور ایسا شخص ہمیشہ کے لیے نقصان میں پڑ گیا۔

دین اسلام
کے ادوار

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی میں مختلف دور آتے ہیں، اسی طرح قومی اور ملی زندگی کے بھی ادوار ہوتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے زندگی میں مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور یہ ابتدائی ضعیف کا زمانہ تھا۔ پھر مدنی زندگی میں اللہ نے مسلمانوں کو قوت بخشی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس سال کے قلیل عرصہ میں نصرت دنیا مسلمانوں کے لیے نہیں آچھی تھی اس کے بعد پھر انحطاط کا دور شروع ہوا جو ملی زندگی میں جڑ سے پھٹنے کے مترادف ہے۔ مسلمان قوم ہمیشہ مجموعی ہر جگہ کمزور رہے اگرچہ تعداد بہت زیادہ ہے مگر دینی قوت عقود جو مٹی ہے۔ اس انحطاط کے اسباب میں اہل اسلام کا انتشار، نظام خلوت سے محرومی، ملکیت اور زمین شریک، اتحادی طاقتوں یعنی عیسائیت، یہودیت اور ہریت کا دور دورہ، شرک کی جہالت، باغدادی، غریبی، فحاشی اور شیطان کا اغوار وغیرہ شامل ہیں۔ خواص ان حالات میں ہمیشہ متفکر رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس پستی سے اٹھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ قومی دلی شعور رکھنے

کرنفہ اولیٰ اور نفہ ثانیہ کے درمیانی عرصہ پر محمول کرتے ہیں کہ یہ قسور عرصہ ہفتہ سے زیادہ
پر بھی کم و بیش پچیس سال کا عرصہ ہو گا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کی دنیاوی زندگی میں اس قدر احوال
تک بھی محیط ہوتی ہے اور عالمہ برزخ میں تو یہاں بھی بہت سستی میں۔ ان حالات
میں گھنٹی بہر زندگی کا دعویٰ کیا تو محض فیسوٹ ہے۔ یہ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ انسان
برزخ کی زندگی میں تو بے پروا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے جو فی قبر میں منجز حیر سوال کرتے
ہیں تو انہیں راضی کہتا ہے **هَآهَآ لَا اَدْرِ عِلْمَ اَنْفُسِ اِنِّیْ اَسْأَلُ** اس کے
متعلق کچھ نہیں جانتا۔ البتہ حشر میں بعض موانع ایسے بھی آئیں گے کہ لوگ اپنی گرفتوں
سے گریز نہیں کر سکتے بلکہ سب کے لئے بے پروا ہوں گے **وَاللّٰہُ رَبُّنَا مَا
ہُمْ اَشْیَکُ مَشْرِکِیْن** (انعام ۲۳) بعد ہم تو شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ مگر
اُن کا انکار یہ کہ یہ غیہ نہیں ہو گا۔ البتہ کہ فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص زبان سے
نعم بیانی کرے **یَا تَرَالْیَوْمَ تَخْتَلِمُ عَلَیْ اَنْفُسِهِمْ وَتُكْفِنَا
اَیْدِیْہُمْ وَتَشْہَدُ اَرْجُلُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَكْسِبُوْنَ**۔
ریس ۱۶۵۔ ہم اُن کے مونوں پر ہریں لگا دیں گے اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں
ان کے گرفتوں کے متعلق بول کر گواہی دیں گے۔ اور بالآخر کہنگار آدمی اپنے
گناہوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بہر حال فرمایا کہ جس عمر کنکھ رتوں دنیا کی
زندگی کو گھڑی بطور پر محمول کریں گے، اسی طرح دنیا میں بھی یہ حقیقت سے دور رہی
طرف پیچہ ہاتھ تھے۔ انہوں نے ایمان اور تردید کو سمجھا اور ان گرفتوں میں
محررین کے مذکورہ بیان کے برخلاف **وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَوْ عَلِمَ
وَالَّذِیْ کَانَ سَآئِبًا عَلٰی رِجَالِہُمْ اِیْمَانُ لَوْ اِیْمَانُ دِیْنِ لَکُمْ لَکُمْ مَخْطُوْنَ**
ہو حقیقت ہے **لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ الْیَوْمَ**
الْبَعْثِ۔ مگر کتاب کے مطابق تو یہ بعثت اک عشرت ہے۔ مگر کتاب
سے مراد ان محفوظ آیات کا علم ہے۔ **فَہٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ اِنْ دُوبَرْتُمْ** اُنہیں

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ
 مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولُنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿۵۸﴾
 كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ
 لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا
 يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ :- اور ابوتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں لوگوں
 کے لیے اس قرآن میں ہر طرح و مثالیں اور اگر آپ
 رہیں ان کے پاس کوئی نشانی تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں
 نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم مگر باطل پرست ﴿۵۸﴾ یہی سن
 اللہ تعالیٰ نہ کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں
 سکتے ﴿۵۹﴾ پس آپ صبر کریں بیشک اللہ وعدہ
 بدست ہے ۔ اور نہ نغیظ بنائیں آپ کو وہ لوگ جو یقین
 نہیں رکھتے ﴿۶۰﴾

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے تین ادوار
 کا ذکر کیا ۔ انسان کی یہ تین ازبچپن کمزوری اور ناتوانی کا دور ہوتا ہے ۔ پھر جب وہ بچہ
 کو سمجھتا ہے تو یہ اس کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے ۔ آخر میں پھر انسان کے اعتقاد کمزور پڑنے

رابطات

بیان کی ہیں۔ عربی زبان میں ضرب کا معنی مارنا، منہ کرنا اور بیان کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس
 مقام پر یہ مراد بیان کرتا ہوں ہے۔ اکثر نے مختلف سورتوں میں تقریباً یہ نمبر کے لیے بہت
 سی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ انکی سورۃ لقمان میں مسند ترجمہ سے متعلق مثال بیان کی گئی
 ہے۔ وقوع قیامت کے متعلق مثالیں سورۃ اعراف اور سورۃ ق میں گزر چکی ہیں اور ان دونوں
 کی مثال سورۃ نور میں گزر چکی ہے۔ شرک کے بوجہ ان کی مثال گذشتہ سورۃ العنکبوت میں
 بیان ہوئی تھی۔ اسی طرح منافقین اور کفار کے طریقہ عمل کی مثالیں اکثر نے مختلف سورتوں
 میں بیان فرمائی ہیں۔ حق و باطل کی مثال، یمن اور کافران کی مثال، علماء یوں کی مثال، دنیوی
 زندگی کی مثال، کھلم غلبہ اور غمہ خبیثہ کی مثال اور یا کھوری وغیرہ کی مثالیں مختلف سورتوں میں
 بیان ہوئی ہیں۔ اسی لیے اکثر نے فرمایا کہ نہ تو قرآن پاک میں لوگوں کو سمجھانے کے
 لیے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں کہیں مسند میں مثال کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے
 تاکہ مقصد کی وضاحت ہو جائے۔ بعض مورتوں کے مسائل تو آسانی سے سمجھ میں آجاتے
 ہیں تاہم بعض درایہ چیزوں کو مثال کے ذریعے قلم کے قریب کر دیا جاتا ہے۔
 بعض مفسرین کہہ رہے ہیں کہ مثال سے مراد مثال ہی ہو سکتی ہے اور اس کیفیت
 بھی مردوں یا بائیں ہاں ہو سکتی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت ۲۴ میں گزر چکا ہے **وَلَهُ الْمَثَلُ**
الْأَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں اللہ کی عظمت
 بہت بلند ہے۔ ہر حال اکثر نے قرآن پاک میں مختلف الانواع چیزیں بیان فرمائی
 ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کو سمجھنے میں، دینی سے یا پھر دیکھ کر درایہ
 چیزیں آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

سورہ قلوب

اشارہ ہوتا ہے اسے نبی علیہ السلام **اَوَلٰیٰنْ جَنَّتْهُمُ بِاٰیَةِ الْکَرَامِ**
اِنْ کَفَرُوْا وشرکیں کے پس کوئی نشانی سے کہہ آئیں، کوئی معجزہ یا دلیل پیش کریں
لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۔
 تو کافر لوگ کہیں گے کہ ہمیں جو تم کے بطلان کے پر یہ نہ بخت حق کو باطل کہہ کر انکار
 کر دینگے مطلب یہ کہ بہت دھرم اور عقیدہ لوگوں کے سامنے کوئی مثال یا کوئی

فرماتے ہیں کہ یعنی عذاب تو تو بہ استغفار سے اور مونا جانتے مقرر یعنی عذاب
کو اس حد تک نہ دیا جیسے تجسیر کیا ہے جو پختہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کے اثرات کے
تمام مواقع تو ہو جاتے ہیں سو تو النساء میں ہے لَبَّ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
بِكُفْرِهِمْ آیت ۵۵۔ اس سے ان کے اندر کی وجہ سے ان کے دلوں
پر پختہ لگا دیتے ہیں۔ جس سے ان کی قبولیت حق کے لیے صلاحیت ہی ختم ہو جاتی
ہے اور ان کی اسس کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ہم ہی
طریق سے ہمراہ لوگوں کے دلوں پر پختہ ہمارے دیتے ہیں۔

جو لوگ سمجھ اور عقل سے پر نہیں آتے۔ وہ جہل مرکب کو شمار ہوتے ہیں۔ جہالت
دو قسم کی ہے یعنی جہل بسیط اور جہل مرکب۔ جہل بسیط سادہ اور محض لاعلمی ہوتا ہے۔ جو
محصول محض سے ذرا ہو جاتا ہے۔ اور اس جہل میں مبتلا شخص کی صحت نہیں ہوتی ہے۔ البتہ
جہل مرکب یہ ہے کہ انسان کسی خاصہ چیز پر کچھ ہو جائے اور اسے اچھا سمجھ کر اس پر کور بنا
ہو جائے۔ اسے جہل کی صحت نہیں رہتی کیونکہ ایسا شخص غلط فہمی سمجھ رہا ہے
لہذا وہ کبھی بھی اس سے باز نہیں آئے گا۔ صاحب تفسیر من المعانی ایک جگہ فرماتے ہیں
بات کہتے ہیں۔

قَالَ حِمَارُ الْحَكِيمِ يَوْمًا وَ نَصَفُونِي لَكُنْتُ كَلْبًا

اِسْنِي جَاهِلًا بَسِيطًا وَ صَاحِبِي جَاهِلًا مُرَكَّبًا

ایک روز ایک دھنور آدمی کے گھر سے نکلا اور لوگ انصاف سے وہ مر گیا تو مجھے
میرے آقا پر طعن ہونے پر زیادہ حق ہے کیونکہ میں تو نہ صرف جہل بسیط میں مبتلا ہوں۔
بلکہ میرے پاس جہل مرکب کو شمار ہے۔ ہر حال بولوگ عقل اور سمجھ سے کم نہیں
میتے بلکہ غلط فہمی پر ہی اترے پڑتے ہیں۔ وہ جہل مرکب کو شمار ہو گا۔ جہل اصطناع بن
جاتے ہیں۔

خبر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ
إِنَّا وَاعَدَ اللَّهُ حَقًّا بِكَ آپ صبر سے کام لیں کیونکہ امر کا وعدہ سچا ہے۔

۱۔ روح المعانی ص ۱۱۱ (بیاض)

جہل مرکب

جہل مرکب

کو خلاص سے، خدا کو توبہ سے، کاذب و منافق سے اور غفالت کو تلافی سے تبدیل کرتا ہے۔

فہرست
کا اثر ہے

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ روم کی تفسیر کے ضمن میں امام احمد بن حنبل کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعض صحابہ نے بیان کیا کہ آپ نے جہاں فجر کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ روم قنوت فرمائی، آپ کو نماز میں کچھ وہم اور بھول ہو گئی، جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو رشتہ فرمایا کہ ہم پر قرآن کو مہس کیا جاتا ہے یعنی قنوت قرآن میں گنہگاروں کی در اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اچھی طرح وضو کر کے نہیں آتے، فرمایا جو شخص ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتا ہے اس کو پچھلے طریقے سے وضو بنانا چاہیے، ورنہ اس کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور قرآن کی قنوت میں گنہگار ہوتا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن حسن ہیں، امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ تہتویٰ کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متعلق ہوتی ہے دوسری حدیث میں صریحاً موجود ہے اِنَّ مَا عَرَضْنَا مِنْ جَنْبِئِیْنِ لَمْ یَسْتَرْوِیْا بِنَاہِیْنِ بُوْتَاہِیْنِ اَکْرَمَ اس کی نماز صحیح ہو گئی تو مقتدیوں کی نماز بھی درست ہوئی اور اگر امام کی نماز فاسد ہے تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہوگی، چنانچہ امام ابو نعیمہ نے ہی بنا پر امام کے پیچھے مقتدیوں کی قنوت کے قائل نہیں ہیں۔

(فیاض)

تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۷

معالم العرفان فی دروس القرآن مکمل ۲۰ جلدوں میں
افادات

مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب
ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین ایم۔ اے علوم اسلامیہ لاہور

زیر انتظام انجمن محبان اشاعت القرآن

صدر انجمن شیخ محمد یعقوب عاجز صاحب

جنرل سیکرٹری بابو غلام حیدر صاحب

الحاج محمود انور بٹ ایڈیٹ ہائی کورٹ خزانچی مکتبہ دروس القرآن

ناظم مکتبہ دروس القرآن محمد منیر صاحب فون: 4221943